مقصدِ
حسینؓ
تالیف:
مولانا محمد اسحاق
سلطان العلماء اکیڈمی
مقصدِ حسینؓ
مولانا محمد اسحاق
سلطان العلماء
اکیڈمی
سلطان العلماء اکیڈمی

اِنْ کَانَ ذَنْبِیْ حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ
فَذَالِكَ ذَنْبٌ لَسْتُ عَنْهُ اَتُوْبُ

گزرے ہیں اس جہان میں ایسے بھی کچھ شہید
مقتول تا ابد رہا قاتل نہیں رہا

فہرست

طالب دعا : محمد عامر الدین قادری، قاضی پورہ شریف، حیدر آباد، انڈیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محقق العصر مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ

فیصل آباد کے علمی حلقوں میں جس عظیم المرتبت عالم دین کے علم و تحقیق شہرہ ہے اسے لوگ مفتی محمد اسحاق کے نام سے جانتے ہیں۔ ان کی ذہانت و فطانت وسعت مطالعہ تحقیق، مسائل میں درک علم دوستی اخلاص، نیکی اور اسلام کے لئے بے پناہ تڑپ کے چرچے زبان زد عام ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے اپنی تحقیق اور علم سے راہ راست سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراط مستقیم دکھائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت اس دور ظلمت میں مرجع خلائق ہے، لوگ دقیق سے دقیق مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت سی علمی و عملی خوبیوں اور اوصاف و کمالات سے نوازا ہے، ان کے علم اور تحقیق کے اپنے پرائے سب معترف ہیں۔

مولانا صاحب کی یہ بہت بڑی خوبی ہے کہ وہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس کا اظہار لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر کر دیتے ہیں۔ میں اس نابغہ روزگار عالم دین سے چودہ پندرہ سال سے دوستانہ اور نیاز مندانہ تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے جب بھی ان کے باب علمی پر دستک دی ان کو مطالعہ اور تحقیق میں مستغرق پایا۔ اس نفسا نفسی کے دور میں جب کہ ہر انسان دنیا کے پیچھے دوڑ رہا ہے اور اس فتنہ میں علماء کی جماعت بھی مبتلاء ہے ان کے پاس عوام کے لئے کچھ وقت نہیں ہے مولانا اسحاق صاحب ہی ہیں کہ جو ہمہ وقت لوگوں کو مسائل بتانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں اور جو جتنا مشکل سوال پوچھتا ہے اتنا ہی خوش ہوتے ہیں۔

ان کے خطبات جمعہ اور دروس کے اجتماع میں ایک جم غفیر ہوتا ہے جو ان کے ارشادات عالیہ سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔ انہوں نے اپنے تبحر علمی اور اخلاق حسنہ

سے لوگوں کے قلب و ذہن پر انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم اپنے مشاہدے سے مولانا محترم کے متعلق کچھ باتیں قارئین کی نظر کریں گے، ہوسکتا ہے کسی دوست کی طبع نازک پر یہ گفتگو ناگوار گزرے۔ غالب کے الفاظ میں

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے سب اچھا کہیں جسے

ہمارے ممدوح حضرت مولانا مفتی محمد اسحاق صاحب 15 جون 1935ء کو چک نمبر 116/ج۔ب رڑا ٹاہلی (چک جھمرہ ضلع فیصل آباد) میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام منشی اور دادا کا اسم گرامی رانجھا ہے۔ ارائیں برادری سے تعلق ہے۔ سکول کی ابتدائی تعلیم پرائمری تک قریبی گاؤں دیال گڑھ میں حاصل کی اور میٹرک چک جھمرہ کے ہائی اسکول سے کیا۔ جب کہ ایف اے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد سے کیا شروع سے ہی تعلیم میں تیز تھے۔ ذہن اخاذ اور رسا پایا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو صلاحیتوں سے خوب بہرہ ور کیا تھا جو پڑھتے ذہن نشین ہو جاتا، سکول کے زمانہ ہی میں انہوں نے دینی تعلیم کی طرف عنان توجہ مبذول کی اور گاؤں ہی کے ایک نیک طینت انسان مولوی نور محمد سے صرف نحو کی کتب سبقاً پڑھیں پھر کچھ کتب منطق، فلسفہ اور دیگر فنون کی کتب چک جھمرہ میں مولانا امداد الحق صاحب سے پڑھیں۔ ان اساتذہ کرام نے مولانا صاحب کو ابتدائی گائیڈ لائن دے دی اس کے بعد مولانا صاحب نے ازخود اپنے طور پر عربی زبان و ادب اور فارسی میں مہارت حاصل کی اور دینی علوم کا مطالعہ شروع کر دیا۔ ان کی رسائی اصل عربی کتب اور مآخذ تک ہوئی تو یہ تحقیقی میدان میں آن وارد ہوئے، وہ دن اور آج کا دن انہوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

عرصہ دراز تک مولانا گاؤں کی مسجد میں جمعہ پڑھاتے رہے، انہوں نے بڑی گہری نظر سے اسلام کا مطالعہ کیا، اسلامی علوم وفنون پر دسترس حاصل کی اور بلا تفریق تمام مسالک فقہی کے علاوہ عیسائیت، یہودیت، قادیانیت وغیرہ کا گہری نظر سے مطالعہ کر کے ان کے

مذاہب سے متعلق معلومات حاصل کیں اور مناظرہ اور مباحثہ سے ان باطل فرقوں کا علمی طور سے مقابلہ کیا۔

1983ء تک وہ گاؤں میں ہی رہے۔ 16 جولائی 1983ء کو فیصل آباد کے عظیم عالم دین محدث عالی قدر حضرت مولانا محمد عبداللہ جھال والے جدہ میں حرکت قلب بند ہو جانے سے اچانک وفات پا گئے۔ وہ علم کا بحر ذخار تھے۔ ان میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے تھے جو ایک داعی اور عالم دین میں ہونے چاہئیں۔ ان کی وفات کے بعد جامع مسجد کریمیہ (محلہ جیلانی پورہ ستیانہ روڈ فیصل آباد) کے متولی میاں عبدالواحد صاحب کو کسی ایسے عالم دین کی تلاش تھی جو مولانا کی جگہ پر کر سکے، اس کا علم بھی پختہ ہو عمل میں بھی مثالی ہو اور جو لوگوں کو خطبہ جمعہ اور درس میں صحیح اسلامی مسائل بتائے۔ اب نظر انتخاب پڑی تو انہوں نے مولانا اسحاق صاحب کو مسجد کریمیہ کے منبر پر لا بٹھایا۔

مسجد کریمیہ میاں عبدالواحد پاور لوم زوالے اور ان کے بڑے بھائی میاں محمد یوسف مرحوم نے 1962ء کے قریب تعمیر کی تھی اور انہوں نے اس وقت مولانا عبداللہ محدث جھال خانوآنہ کو اس مسجد کا خطیب مقرر کیا تھا۔ مولانا جس پائے کے عالم تھے احباب جانتے ہی ہیں انہوں نے اس مسجد کی آبادکاری خون جگر سے کی۔

مسجد کریمیہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ادارہ علوم اثریہ منٹگمری بازار کا آغاز مولانا عبداللہ صاحب نے اپنے رفیق خاص مولانا اسحاق چیمہ مرحوم کے ساتھ مل کر اسی مسجد کے حجرے میں کیا تھا اور مسجد کریمیہ میں اس دور میں بڑے بڑے شیوخ اور علمی شخصیات جلوہ افروز ہوتی تھیں ان حضرات علماء کرام کے نام یہ ہیں حضرت الامام عبدالستار محدث دہلوی کراچی امام جماعت غرباء اہل حدیث متوفی 1966ء مولانا عبدالجلیل جھنگوی متوفی جون 1976ء میاں محمد باقر، پروفیسر سید ابوبکر غزنوی، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا محمد اسحاق بھٹی، حضرت مولانا صوفی عبد اللہ ماموں کانجن والے، مفتی عبدالقہار سلفی کراچی، مولانا عبدالغفار سلفی کراچی، مولانا عبدالرحمٰن سلفی امیر جماعت غرباء

اہل حدیث کراچی۔

مولانا اسحاق صاحب جب گاؤں سے نکل کر فیصل آباد آ گئے اور مسجد کریمیہ کی کے منبر پر انہوں نے دعوت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا تو ان کی شہرت دور تک پھیل گئی لوگ ان کے مواعظ عالیہ سے متاثر ہوئے اور انہوں نے مولانا کے خطبات جمعہ اور دروس القرآن میں شریک ہونا شروع کر دیا۔ مولانا صاحب 1983ء کے آخر میں مسجد کریمیہ میں آئے تھے آج یہ سطور لکھی جا رہی ہیں، 28 سال کا طویل عرصہ انہیں یہاں خطبہ جمعہ دیتے ہوئے گزر چکا ہے، ان کی تبلیغی مساعی کے اثرات واضح دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا بہت پیارے اسلوب میں اپنی بات کو سامعین کے گوش گزار کرتے ہیں۔ خوش گفتار اور نرم مزاج خطیب ہیں دعوت وتبلیغ کے اصول وضوابط سے پوری طرح آگاہ ہیں حکمت سے گفتگو کرتے اور سلیقے سے اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں۔ ان کا خطبہ جمعہ سننے کے لئے بڑے بڑے اسکالرز، پروفیسر اور پڑھے لکھے لوگ آتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ان کے خطبات جمعہ سے متاثر ہو کر اپنے عقائد کی اصلاح کی اور وہ نمازی روزہ دار اور سنت کے پابند ہوئے۔

مولانا اسحاق صاحب میں بہت سی خوبیاں ہیں۔ ایک خوبی جو ہزار خوبیوں سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ مطالعہ کے از حد رسیا ہیں بڑی سے بڑی کتاب بھی بالاستیعاب چند روز میں پڑھ لیتے تھے ان کی لائبریری قرآنی تفاسیر، حدیث، رجال، فقہ، فتاویٰ، سیرۃ النبی اور مختلف مسائل پر ہزاروں تحقیقی کتابوں سے آراستہ ہے اور ان سب کتب پر انہوں نے اپنے مخصوص انداز سے نشان لگا رکھے ہیں۔ سریع الحفظ ہیں، کوئی مسئلہ پوچھ لیں فوراً کتاب نکال کر حوالہ دکھا دیں گے۔ ان کی لائبریری میں زیادہ کتب عربی کی ہیں، اردو نہ ہونے کے برابر ہیں علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کی تحقیق اور کتابوں کے بڑے شائق ہیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا علم ہے، اہل علم اور طلبہ سے بڑی شفقت فرماتے ہیں۔ کتابیں ہمیشہ خرید کر پڑھتے ہیں اور دوسروں کو مطالعہ کی توجہ دلاتے ہیں۔ ان کی محفل خالص علمی ہوتی ہے اس سے علم کے طالب حظِ وافر اٹھاتے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ جہاں بلند پایہ محقق اور فصیح اللسان خطیب ہیں وہیں وہ اچھے مناظر اور متکلم بھی ہیں۔ گفتگو کا سلیقہ خوب جانتے ہیں حدیث اور رجال پر نظر گہری ہے۔ مخالف کی دلیل کا جواب حاضر جوابی سے دے کر اسے خاموش کرانا جانتے ہیں۔ اب تک وہ کئی مناظرین سے اچھی اور کامیاب گفتگو کر چکے ہیں۔ ختم نبوت کے متعلق بڑے حساس ہیں اور قادیانیوں کو آڑھے ہاتھوں لیتے ہیں۔

ایک بار محلہ مصطفیٰ آباد میں مرزائیوں کے مربی سے حیات مسیح پر گفتگو ہوئی مربی نے کتاب البریہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مر چکے ہیں مولانا محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ نے اصل کتاب کا حوالہ دکھا کر فوراً ثابت کیا کہ مرزائی مربی نے جھوٹ بولا ہے اور اس کی یہ بات بالکل غلط ہے۔ امام صاحب اور ان کے شاگرد نے کہیں بھی نہیں کہا۔ مولانا نے مرزائی مربی کی ایسی گرفت کی کہ اسے منہ کی کھانی پڑی۔ ایک بار مولانا محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ ربوہ چلے گئے اور مرزائیوں کے مربی مبشر احمد کاہلوں سے حیات مسیح پر کامیاب گفتگو کی اور ایسے دلائل دیئے کہ وہ لاجواب ہو گیا۔

بلاشبہ مولانا محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ کا مطالعہ بہت وسیع ہے انہوں نے ہر مذہب کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے میرے ایک دوست ہیں پروفیسر ساجد اسد اللہ سمندری کالج میں پڑھاتے ہیں وہ مولانا عطاء اللہ شہید (متوفی 1947ء) کے پوتے مولانا داؤد صاحب سمندری والے کے بیٹے حافظ سلیمان صاحب کے بھتیجے اور ڈاکٹر خالد ظفر اللہ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ عیسائیت کے موضوع پر انہوں نے پی ایچ ڈی کی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے انہیں عیسائیت کے متعلق ایک مسئلہ میں اشکال پیدا ہوا بڑے بڑے اہل علم کی طرف رجوع کیا لیکن مسئلہ حل نہ ہوا۔ آخر وہ مولانا محمد اسحاق حفظہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا نے سوال سنتے ہی اپنے وسعت مطالعہ سے فوراً مسئلہ کا شافی جواب دے کر ساجد صاحب کو مطمئن کر دیا۔

مولانا محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ کا جس قدر علم اور مطالعہ وسیع ہے اتنا ہی ان کا ظرف بھی وسیع ہے۔ وہ نہایت خلیق ملنسار مہمان نواز اور عجز وانکساری کا پیکر ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ بڑے عاجز اور صابر عالم دین ہیں، دوسروں کی ستم ظریفیوں کے باوجود ان سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں، اپنے سے بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت فرماتے ہیں۔ ہر کسی کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں، رقیق القلب ہیں، ضرورت مندوں کی مدد اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ وحدت امت کے داعی ہیں، اہل بیت اطہارؑ سے بے پناہ محبت ہے۔ میری خوش بختی کہ اس عاجز کے مشفق ومہربان ہیں۔

مولانا محمد اسحاق صاحب حفظہ اللہ خالص علمی وتحقیقی آدمی ہیں ہمہ وقت پڑھتے رہتے ہیں تصنیف کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے البتہ ان کے بعض علمی خطبات جوزیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں اس کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) وحدت امت مولانا کا یہ رسالہ اتحاد واتفاق کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے امت مسلمہ کے افراد کو یہ دعوت دی ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے ناطے بھائی بھائی بن کر رہیں اور خواہ مخواہ ایک دوسرے کی تکفیر نہ کریں اپنے مؤقف کی تائید میں انہوں نے ہر مسلک کی کتابوں سے دلائل دیئے ہیں۔

(۲) لبیک یہ کتابچہ مولانا کے خطبہ جمعہ پر مشتمل ہے اس میں لفظ لبیک کی تشریح، توضیح کی گی ہے۔

(۳) صداقت قرآن اس رسالہ میں غیر مسلموں کے قرآن مجید پر اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں اور قرآن کی عظمت کو بیان کیا گیا ہے۔

حافظ محمد رمضان یوسف سلفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِحیاءِ خلافتِ راشدہ

مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسہ میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

جناب سید عالم فخر بنی آدم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیٰ سائر الانبیاء والمرسلین کا اصل کارنامہ یہ نہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ کی پوجا کرنے والے کچھ درویش پیدا کیے۔ یہ کام اس سے پہلے بھی راہب لوگ کرتے رہے۔ وہ دنیا چھوڑ کر غاروں میں چلے جاتے تھے۔ مگر اللہ کے رسول علیہ السلام اس لیے نہیں آئے تھے۔ آپ علیہ السلام نے سب سے بڑا کام یہ کیا کہ دنیا میں حکومتِ الٰہیہ قائم کی اور ایک ایسی حکومت سے لوگوں کو روشناس کرایا، جس سے لوگ پہلے متعارف نہیں تھے۔

لوگ جانتے تھے کہ جو حکومت کرتے ہیں وہ بادشاہ ہوتے ہیں، ان کے محلات ہوتے ہیں، ریشمی فرش بچھے ہوتے ہیں، پہرے دارے ہوتے ہیں، وہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں، ہر ماہ لاکھوں کروڑوں خرچ کرتے ہیں اور ملکی خزانہ ان کی ذاتی جاگیر ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے آکر دنیا میں وہ کارنامہ سرانجام دیا کہ جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ آپ علیہ السلام نے بادشاہت کو ختم کیا اور خلافت کو قائم کیا۔ آپ علیہ السلام نے ایسے لوگ پیدا

کئے کہ سفیر روم جب خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ سے ملنے آیا تو آپ اس وقت بیت المال کے اونٹ چرانے گئے ہوئے تھے۔ وہ وہاں چلا گیا تو دیکھا کہ تپتی دوپہر میں گرم ریت پر لیٹے ہیں اور بازو سرہانے رکھے سو رہے ہیں۔ وہ حیران رہ گیا کہ یہ کیسا حکمران ہے؟ کہ جس کا کوئی پہرہ دار نہیں، کوئی دربار نہیں! لیکن ہمارے بادشاہ اس کا نام سن کر کانپتے ہیں۔ جب اس نے کہا کہ آپ اونٹ چرانے کیلئے کسی غلام کو بھیج دیتے تو فرمایا ''حکومت کا بوجھ تو میں نے اٹھایا ہوا ہے اس کا حساب بھی میں نے ہی دینا ہے تو پھر غلام کو کیوں بھیج دیتا۔''

یہ نقشہ اس کائنات میں لوگوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ خود جنابِ سرورِ کائنات علیہ السلام، جن سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی وجود پیدا نہیں کیا اور نہ ان جیسا کوئی اور آئے گا، اپنے لیے کوئی امتیاز نہیں چاہتے تھے، نہ کوئی الگ مسند تھی بلکہ عام نمازیوں میں مل کر بیٹھے ہوتے تھے۔ اگر کوئی نو وارد آتا تو اسے پوچھنا پڑتا کہ تم میں سے اللہ کا رسول کون ہے؟ حضرت اُنسؓ فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام نے اس بات کو بھی پسند نہ فرمایا کہ تشریف آوری پر لوگ اٹھ کر کھڑے ہو جایا کریں۔

یہ نظارہ بھی اس دنیا نے دیکھا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ جمعہ کیلئے دیر سے آئیں اور لوگ کہیں کہ امیر المومنین! آپ نے ہمیں پریشان کیا۔ فرمایا کُرتا دھو کر سکھانے میں دیر ہو گئی۔ اگر اس کے سوا کوئی اور کُرتا ہوتا تو میں اسے دھونے کے لیے دے آتا اور وہ پہن کر آ جاتا۔ میرے پاس یہی ایک کُرتا ہے، لوگوں نے دیکھا کہ اس کُرتے پر بھی آٹھ پیوند لگے ہوئے تھے۔

یہ ہے وہ کارنامۂ رسالت! جو کوئی اور کر کے دکھا نہیں سکا۔ نمازیں پڑھنے والے، ریاضت کرنے والے، خشک عبادت گزار اور جوگی بہت ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایسی ایسی عبادت کی ہماری عبادت ان کے سامنے کچھ بھی نہیں، مگر سب بیکار ہے۔ مزا تو تب ہے کہ تم حکمران ہو، خزانے تمہارے قدموں میں ہوں، فوجیں تمہارے اشارہ کی منتظر ہوں، مگر تم پھر بھی یہ سمجھے کہ میں بادشاہ نہیں ہوں کہ جو جی چاہے کروں بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کا نائب

ہوں، وہاں سے حکم تو آئے گا، میں تو صرف نافذ کرنے والا ہوں۔ میں مسلمان امت کا خادم ہوں اور ان کے نمائندہ کے طور پر ان کے مشورہ کے بغیر کچھ نہیں کروں گا۔ یہ وہ اعلیٰ نظام تھا جو رسول اکرم ﷺ نے دنیا کو دیا مگر ہماری بدقسمتی کہ وہ خلافت اپنا رستہ بھول گئی اور پہلی صدی کے مسلمانوں کو ہی بادشاہت سکھا دی۔ وہی محل بن گئے، ریشمی فرش بچھ گئے، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے شروع ہو گئے، دربان کھڑے ہو گئے اور اپنے چیلے چانٹوں کو بیت المال سے لاکھوں کروڑوں دینا شروع کر دیئے۔ وہی شاہی بے اعتدالیاں شروع ہو گئیں۔ بقول اقبال ؒ

عرب خود را بنورِ مصطفیؐ سوخت
چراغ مردۂ مشرق بر افروخت
ولیکن آں خلافت راہ گم کرد
کہ اول مومناں را شاہی آموخت

یہ وہ قیامت تھی جس سے بڑی قیامت اسلام پر کوئی نہیں آئی۔ جب یہ قیامت آ رہی تھی امت کی زبانیں گنگ کر دی گئیں تھیں اور ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے تھے، تو اس وقت رسول اکرم ﷺ کا وارث، امام حسین علیہ السلام ہی میدان میں آئے۔ اگر اسلام میں سے حسین علیہ السلام کو نکال دیا جائے تو اسلام کسی شے کا نام نہیں۔ انہوں نے اپنا احتجاج نوٹ کرا دیا کہ جو ہو رہا ہے غلط ہو رہا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہوتا پھر بھی وہی رہا اور اُس طوفان کا راستہ نہ روکا جا سکا۔ اور بہتر (72) ساتھیوں کے ساتھ روکا جا بھی نہیں سکتا تھا...... جبکہ امام یہ بھی جانتے تھے کہ میرے والد علی علیہ السلام، جو پورے عالمِ اسلام کے خلیفہ تھے، ان کو بھی لوگوں نے اپنی چالاکیوں سے بے بس کر دیا، میرے بھائی حسن علیہ السلام کو بھی حکومت چھوڑنا پڑی تو اب میری مدد کیلئے کون سے لوگ آئیں گے؟ نہ کوئی مدد کرنے والا تھا اور نہ وہ اس ارادہ سے نکلے تھے۔ ناانصافی پر مبنی اکثریتی فیصلہ کو ایک جج بدل تو نہیں سکتا لیکن یہ ضرور ہے کہ اختلافی

نوٹ دے کر وہ تاریخ میں زندہ ہو جاتا ہے۔

گزرے ہیں اِس جہان میں ایسے بھی کچھ شہید
مقتول تا ابد رہا، قاتل نہیں رہا

جہاں خدا اور رسول ﷺ کے دشمن دنیا میں موجود ہیں تو امام حسین علیہ السلام کے دشمنوں کی موجودگی کا کیا گلہ! مگر امام حسین علیہ السلام زندہ رہے گا۔ دشمن اپنی موت مرتے رہیں گے، مگر وہ زندہ ہیں۔

یاد رکھو! اسلام حکومت کے سوا کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ اگر اہلِ حق کی حکومت نہ ہو تو قرآن معطل ہو کر رہ جائے گا اور شریعت پر عمل نہ ہو سکے گا۔ اسلام میں حکومت دنیاوی دھندا نہیں ہے نہ یہ اقتدار کا لالچ ہے بلکہ یہ اللہ کی کتاب کی خدمت ہے۔ جب نیک حکمران ہوں گے تو زمین عدل وانصاف سے بھر جائے گی۔

دین کا ایک باب امام حسین علیہ السلام کے والد محترم سیدنا علی علیہ السلام نے مکمل فرمایا کہ خلیفہ برحق سے مسلمان بغاوت کردیں تو ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے اور اگر حسین نہ ہوتے تو مسلمانوں کو یہ پتہ نہ چلتا کہ مسلمان حکومت بگڑ جائے تو اسکا کیا علاج کیا جائے۔ اس بارے میں پیشوا حسین علیہ السلام ہی ہیں۔

امام حسین علیہ السلام کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ جو بھی، کسی بھی طریقہ سے اقتدار پر قابض ہو جائے، لوگ اسے تسلیم کرلیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب تک وہ کافر نہ ہو جائے اور کفر کا اعلان نہ کردے اُس وقت تک سرِ تسلیم خم رکھو، چاہے کیسا ہی بدکردار اور ظالم کیوں نہ ہو۔ اس طرح امت کو بے غیرت بنادیا گیا اور یہ سارا نتیجہ ملوکیت کا ہے۔

ماسوی اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
تیغ بہرِ عزتِ دین است و بس
مقصدِ او حفظِ آئین است و بس

خونِ او تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

اس غلط بات کو حسین علیہ السلام نے ردّ کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اگر تم حکومت تبدیل نہیں کرسکتے تو اس کو بالحق (DEJURE) حکومت نہ مانو بلکہ یہ کہو کہ اس کی بالفعل (DEFACTO) حکومت ہے، جس نے تخت پر قبضہ کرلیا ہے، وہ غاصب اور ظالم ہے۔ جب بھی مسلمانوں کو طاقت حاصل ہو، اس سے حکومت چھین لیں۔

نہ ہو مذہب میں گر زورِ حکومت
تو وہ کیا ہے؟ فقط اِک فلسفہ ہے

نماز روزہ سکھوں اور انگریزوں نے بھی اپنی حکومت میں بند نہیں کیا۔ اگر دین صرف اتنا ہی ہے تو یہ باقی رہے گا چاہے دہریئے حکومت کریں۔ اور اگر دین وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے تھے تو وہ اس وقت مفلوج کردیا گیا تھا اور یہ کسی اور نے نہیں بلکہ امیر معاویہ نے کیا۔ یہ امام حسین علیہ السلام کے اختلافی نوٹ کی برکت ہے کہ ایک بھی عالم اہل سنت اور اہل حدیث میں سے ایسا نہیں ہوا جو امیر معاویہ کو خلیفہ راشد کہہ سکے۔ وہ مسلمانوں کے حکمران تھے اور بس! حالانکہ وہ صحابی تھے، حضور ﷺ کے برادرِ نسبتی ہیں، مگر سب علماء نے لکھا کہ ان کی حکومت غیر اسلامی تھی وہ مسلمانوں کی حکومت ضرور تھی مگر اسلامی حکومت نہیں تھی۔ اہل حدیث عالم مولانا محمد شفیق خاں پسروری نے ''اسلام اور جمہوریت'' نامی کتاب لکھی ہے۔ اس کے ص: 158,157 پر دورِ رسالت میں دی گئی آزادئ رائے کے بارے میں انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کا ایک اقتباس لکھا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ ملوکیت نے ہم سے کیا نعمت چھین لی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے بڑے علم والے تھے۔ یمن کے گورنر اور قاضی بھی رہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی تشریح اور اسلامی خلافت کی اصل تصویر قابل غور ہے۔ وہ روم کے دربار میں سفیر بن کر گئے تھے۔ رومی سردار نے ان کو قیصر کے جاہ وجلال سے

مرعوب کرنا چاہا مگر جن کے دل میں جلال خداوندی کا نشیمن ہو، ان کی نظر میں طلسم زخارف
دنیا کی کیا وقعت ہوسکتی ہے؟ حضرت معاذؓ نے امیر عرب کے اختیارات کی جن الفاظ
میں تصویر کھینچی وہ حسب ذیل ہے۔ آپؓ نے فرمایا:

"ہمارا امیر ہم میں سے ایک آدمی ہی ہے۔ اگر وہ اللہ کی کتاب کے مطابق
چلے گا اور سنت رسول ﷺ پر چلے گا تو ہم اس کو حکومت پر برقرار رکھیں گے۔
اگر ان سے ہٹے گا تو کان سے پکڑ کر اُتار دیں گے۔ اگر وہ چوری کرے گا تو ہم
اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ اگر وہ زنا کرے گا تو کوڑے ماریں گے۔ اگر وہ
کسی آدمی کو گالی دے گا تو رعایا کا ادنیٰ آدمی برابر کی گالی دے گا۔ اگر وہ کسی کو
زخمی کرے گا تو اپنی جان سے اس کو بدلہ دینا پڑے گا۔ وہ ہم سے پردے میں
چھپ کر نہیں بیٹھے گا اور وہ ہم سے متکبر نہیں بن سکے گا۔ جو مال غنیمت ہے اس
میں سے رائی برابر دوسروں سے زیادہ نہیں لے سکتا، اس کو اتنا ہی ملے گا جتنا
ایک آدمی کو حصہ ملے گا۔" (بحوالہ فتوح الشام ازدی)

نہ ظلم کن بہ کسے نے بہ زیر ظلم برو
ہمیں مرام حسینؑ است و منطق دیں است

یہ تحفہ تھا جو حضور ﷺ نے دنیا کو دیا، جو پہلے ملا تھا نہ بعد میں باقی رہنے دیا گیا۔
لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ خلیفہ کا کوئی محل ہو، پہرے دار ہوں یا وہ جلوس بنا کر سفر
کرے حضور ﷺ کا اور کیا معجزہ چاہیے؟ آپ ﷺ نے مٹی کے بنے ہوئے انسانوں کو
فرشتوں سے بڑھ کر بنا دیا، اسلام میں ایسا حکمران درکار ہے جو اپنے وقت کا سب سے بڑا
ولی ہو اور سب سے طاقتور حکمران ہو۔ اس کے ہوتے ہوئے کسی اور مرشد سے بیعت کی
ضرورت نہیں پڑتی۔ اس سے بڑھ کر خدا تک پہنچانے والا اور کون ہوتا ہے؟
حکمران میں یہ دو صفات حضور ﷺ نے جمع فرمائیں اور فرمایا کہ قیامت کے دن
سب سے بڑا انعام امام عادل کو اور سب سے بڑی سزا ظالم حکمران کو ملے گی۔ اس دن جو

سات گروہ خدا کے عرش کے سایہ تلے ہوں گے، جبکہ خدا کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔
ان میں سے پہلا امام عادل ہے۔
اقتدار کی جنگ کا طعنہ دینے والوں کو معلوم ہو کہ اقتدار کی جنگ تو شروع سے انبیاء
کرام علیہم السلام کفار سے لڑتے رہے ہیں تاکہ اقتدار بدمعاشوں کے پاس نہ رہے۔ اقتدار اور
اسلام جڑواں بھائی ہیں۔ اگر دین کو سیاست سے الگ کر دیا جائے تو باقی سوائے ظلم کے کچھ
نہ رہے گا۔ اقتدار اور اسلام میں کوئی بھی درست نہ رہے گا اگر دوسرا ساتھ نہ ہو۔
ابوالکلام حضرت معاذؓ کا واقعہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

"ان الفاظ کو غور سے پڑھو۔ کیا اس سے واضح تر، اس سے روشن تر، اس سے
صحیح تر اور اس سے موثر تر الفاظ میں جمہوریت کی حقیقت ظاہر کی جاسکتی
ہے۔ کیا حکومت عام کی اس سے بہتر نوعیت ہوسکتی ہے۔ کیا مساوات نوعی
اور عدم تفوق اور ترجیح افراد کی اس سے بہتر مثال تاریخ عالم پیش کرسکتی ہے۔
اللہ بنو اُمیہ سے انصاف کرے جنہوں نے اسلام کی اس مقدس تصویر
مساوات کو اپنی کثافت سے ملوث کر دیا اور اس کی بڑھتی ہوئی قوتیں عین
دورِ عروج میں پامال اور مفاسدِ استبداد ہو کر رہ گئیں۔"

سیدنا امام حسین علیہ السلام ظالم حکمرانوں کے لیے موت ہیں کیونکہ بقول اقبال:

تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد

تاریخ میں جہاں بھی کسی انقلابی تحریک کا ذکر آئے گا وہاں امام حسین علیہ السلام کا حوالہ
بھی ساتھ ہی ملے گا۔ لوگ اٹھے ہی اس لیے کہ ایک طرف مصلحت ہے، دوسری طرف عشق
ہے کہ جان دے دو مگر اعلیٰ اقدار اور اصول تباہ نہ ہونے پائیں۔
دنیا میں اس سے بڑھ کر حادثہ شاید ہی کوئی پیش آیا ہو کہ جس دین نے قیصر و کسریٰ کی
حکومت کو برباد کیا۔ اس کے ماننے والے چند سال بعد خود ملوکیت کے تخت پر بیٹھ گئے۔

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست
خود سرِ تختِ ملوکیت نشست

اس سے اتنی بڑی تبدیلی آئی کہ کہ پورا دین غیر موثر ہو کر رہ گیا۔ ملوکیت کو آپ چھوٹی بیماری نہ سمجھیں۔ اس سے علماء و امراء سمیت سب کچھ بدل جاتا ہے۔ کیوں کہ ملوکیت سے نقطہ نگاہ ہی بدل جاتا ہے اور سارا دین چوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔

از ملوکیت نگاہ گردد دگر
عقل و ہوش و رسم و راہ گردد دگر

امت کی نگاہ بدل گئی اور لوگ بے بس ہو گئے۔ یہی آج تک ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے۔ جو برسر اقتدار آتا ہے لوگ اسی وقت اسے سلام کرنا شروع کر دیتے ہیں اور پرانے ساتھی کو فوراً چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ اس طرز عمل کو مصلحت پسندی، عملیت پسندی اور زمینی حقائق کا نام دے دیتے ہیں۔

تسلط کو بھی جائز قرار دے دیا گیا

اس جبر کے نتیجہ میں نظریہ ضرورت وجود میں آیا اور تسلط اور قبضہ کو حکومت حاصل کرنے کا جائز ذریعہ قرار دے دیا گیا۔ پہلے تو اپنا ذہن صاف کر لیں کہ "اسلام والسلطان اخوان تو أمان" یعنی اسلام اور طاقت دونوں جڑواں بھائی ہیں۔

سمجھ میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیئے

ہم نے دورِ غلامی و ملوکیت میں پرورش پائی ہے، اس لیے ہمارے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جس کو تخت ملتا ہے وہ مقدس ہی ہے۔ اس کو تخت اللہ نے دیا ہے لہٰذا ہم لوگوں کا کام بس سر جھکانا ہے۔ یہی بت پرستی ہے۔ یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آٹھ بڑے ہندو دیوتاؤں میں سے ایک بادشاہ وقت بھی ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے۔ اگر وہی کام اہل توحید کریں تو کیا اس کی سنگینی کم ہو جائے گی؟

امت کی نگاہ بدل گئی اور لوگ بے بس ہو گئے۔ یہی آج تک ہو رہا ہے۔ جو برسرِ اقتدار ہوتا ہے۔ لوگ اسی وقت اس کو سلام کرنا شروع کر دیتے ہیں اور پرانے ساتھیوں کو چھوڑ دیتے ہیں یہ ملوکیت (بادشاہت) کی وجہ سے ہے۔ اس کا اثر ہے کہ دو مسئلوں پر بدقسمتی سے علماء کی اکثریت کی اتفاق ہو گیا۔ ایک یہ کہ جس کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے حکمران منتخب کریں وہ بھی حکمران ہے اور دوسرے یہ کہ جو تلوار کے زور پر اقتدار پر قبضہ کر لے (تـغَـلّـبُ) اور اس کا حکم چلنا شروع ہو جائے وہ بھی جائز حکمران بن جاتا ہے اور اب اس کے خلاف کچھ نہیں سوچا جا سکتا۔

ماسِوی اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
تیغ بہر عزتِ دیں است و بس
مقصد اُو حفظ آئیں است و بس
خوں اُو تفسیر ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

یہ ملوکیت کی برکت ہے کہ جو بدترین جرم تھا یعنی غصب، وہ جائز قرار دے دیا گیا۔ پھر اس کے علاوہ دوسرا ظلم وہ علماء یہ کرتے ہیں کہ جتنی روایات جائز حکمران کے حق میں تھیں وہ اس ظالم، غاصب کے حق میں استعمال کرتے ہیں کہ ایسے حکمران کے خلاف جو بغاوت کرے گا وہ جماعت سے نکل جائے گا، وہ دوزخی ہوگا اور جو خلیفہ بننے کے بعد گڑبڑ ڈالنا چاہے اس کو قتل کر دو۔ اس ایک ترکیب سے پورا دین برباد ہو گیا۔ ظالم حکمران بن گئے اور نظریہ ضرورت ایجاد کر لیا۔

ان غلاموں کو شکایت ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

یاد رکھو! یہ سب احادیث تو صرف اور صرف صحیح خلیفہ کیلئے تھیں، جس کو امت نے اپنی

آزاد مرضی سے چنا ہو، اور تم ان کو ان ظالموں کے حق میں برت رہے ہو۔ جس کا تختہ الٹنا امت پر فرض تھا تم نے اس کے حق میں الٹا احادیث پیش کرنا شروع کر دیں۔ یہ سارا نتیجہ ملوکیت کا ہے۔ جب ظالم بادشاہ آنے شروع ہو جاتے ہیں، پھر لوگوں کا نقطۂ نگاہ بدل جاتا ہے اور لوگ اس کو مصلحت پسندی، عملیت پسندی اور زمینی حقائق کا نام دے دیتے ہیں۔ اس کو دانائی سمجھا جاتا ہے کہ جو آئے اس کا ساتھ دو اور فائدے حاصل کرو، اس طرح امت برباد ہوتی ہے۔ لوگ ظالم کے منہ پر حق کہنے کی بجائے بک جاتے ہیں۔

لہٰذا جب تک دو مسئلے واضح نہ ہوں گے، بات نہیں بنے گی۔

1۔ خلیفہ کون ہوتا ہے۔ جو بیٹھ جائے وہی خلیفہ ہے یا جس کو امت اپنی آزاد مرضی سے چنے وہ خلیفہ ہوتا ہے۔

2۔ جس حکمران کے خلاف بغاوت منع ہے وہ آزاد مرضی سے چنا ہوا حکمران ہے یا وہ ظالم جو زبردستی یا سازش سے حکومت پر قبضہ کر لیا ہو۔

اس موضوع پر ایک کتاب جو عربی زبان میں چھپی ہے، حرفِ آخر ہے۔ اس کے مصنف محمد خیر ہیکل ہیں اور کتاب کا نام ''الجہاد والقتال'' ہے جو تین جلدوں میں ہے۔ مصنف نے اوزاعی یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کرنے کیلئے یہ مقالہ لکھا تھا اور اس پر PH.D کی ڈگری دیتے وقت استادوں نے کہا کہ اگر PH.D سے آگے کوئی ڈگری ہوتی تو ہم وہ دیتے۔ اس کتاب میں مصنف نے ایک فصل 35 صفحوں کی صرف اس بات پر لکھی ہے کہ بغاوت سے منع کرنے والی تمام احادیث کا تعلق جائز حکمران سے ہے۔

(الجهاد و القتال فی السياسة الشرعية، ج:1، ص :167تا202)

اسلام میں سب سے اہم بات صحیح سربراہ کا انتخاب ہے۔ دین میں اس کیلئے امام کا لفظ ہے۔ امام عربی زبان میں اس دھاگہ کو کہتے ہیں جو معمار دیوار سیدھی رکھنے کیلئے اس کے دونوں سروں پر باندھ دیتے ہیں۔ اگر امام (حکمران) ٹیڑھا ہو گیا تو پوری امت ٹیڑھی ہو جائے گی کیونکہ اس کے پاس بیشمار وسائل از قسم ذرائع ابلاغ، عدالتیں، سکول، کالج، فوج

وغیرہ ہوتے ہیں، لوگ ہزار جتن کریں، وہ سارا نظام بدل دے گا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا ہے، گاڑی اُدھر جائے گی جدھر وہ لے جانا چاہے گا۔

ملوکیت کی برکت سے بات یہاں تک پہنچ گئی کہ علماء نے لکھنا شروع کر دیا کہ مُتغلّب (زبردستی حکمران بن جانے والا) بھی خلیفہ ہے۔ حتیٰ کہ اس سے آگے بحث شروع کر دی کہ وہ نیک ہونا بھی ضروری نہیں اگر فاسق و فاجر بھی ہے تو کوئی بات نہیں، اگر وہ کفر کا علانیہ اظہار نہیں کرتا تو چاہے وہ شراب پیئے، زنا کرے، جو جی چاہے کرے، تب بھی خلیفہ ہے۔ غور کریں جس کرسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھتے تھے، اس پر ایسوں ایسوں کو بٹھا دیا۔ حالانکہ خلیفہ کا معنی نائب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ دینی و دنیاوی پیشوائی کا جو کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے تھے، وہ بھی یہ سارے کام کرے۔

علامہ رشید رضا مصری جو تفسیر ''المنار'' کے مؤلف اور مصر میں سلفیت کو سب سے زیادہ زندہ کرنے والے تھے، وہ اپنی کتاب ''الخلافة ۔ الا مامة العظمیٰ'' میں لکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے اس امت کو برباد کیا اور دین کا ستیاناس کیا۔ ان میں سے پہلی جماعت بنوامیہ کی ہے۔ جب ہم بنوامیہ کہتے ہیں تو اس سے مراد سارا قبیلہ نہیں ہوتا۔ ان میں سے بھی اچھے لوگ ہوئے ہیں۔ جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، جو پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔ وہ باقی بنوامیہ کی طرح لالچی نہیں تھے۔ اگر ان کے بس میں ہوتا اور ان کو زہر نہ دیا جاتا تو وہ ضرور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد کو خلافت دے دیتے۔

آگے لکھتے ہیں کہ دین کی بربادی کرنے والا مولویوں کا یہ مسئلہ ہے کہ جباروں اور باغیوں کی حکومت ماننا بھی شرعاً واجب ہے۔ جیسے امت کے اربابِ حل و عقد کے مشورہ سے چنا جانے والا خلیفہ صحیح ہے اسی طرح زبردستی حکومت پر قبضہ کرنے والا بھی صحیح ہے۔ امیر معاویہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نامزدگی کو بہانہ بنا کر مسلمانوں کی ناک رگڑی اور اپنے فاسق و فاجر بیٹے کو ڈنڈے کے زور پر خلیفہ بنا دیا۔ امیر معاویہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اسلام میں برے طریقے کا آغاز کیا اور طاقت اور

رشوت کے زور پر کیا۔ اگر تھوڑی بہت مزاحمت ہوئی جو قابل ذکر ہے، تو وہ حجاز میں ہوئی۔ پھر معاویہ نے یزید کی بیعت لینے کے لیے مکہ کا رُخ کیا اور اس سلسلہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور امام حسین علیہ السلام سے بھی کہا کہ تم بھی یزید کی بیعت کرو۔ انہوں نے مخالفت کی اور کہا شوریٰ نہ ہوئی تو ہم نہ مانیں گے۔ امیر امیر معاویہ منبر پر چڑھ گئے، لوگوں کو بلالیا، ان چاروں کو سامنے بٹھالیا اور ان کے سر پر 2/2 جلاد کھڑے کردیئے۔ جلادوں کو حکم دیا اگر وہ زبان کھولیں چاہے حمایت میں یا مخالفت میں تم فوراً گردن اڑا دینا۔ پھر معاویہ نے اعلان کیا کہ یہ ساری اُمت کے سردار لوگ ہیں۔ انہوں نے یزید کی بیعت کرلی ہے۔

بنوامیہ کا وہ گناہ جو معاف نہیں کیا جاسکتا، اسلام کے طریقہ شوریٰ بذریعہ حل وعقد کو اس قاعدہ سے بدل دیا کہ طاقت حق پر غالب ہے۔ انہی ظالموں نے دین کے قاعدہ کو تباہ کردیا اور بعد میں آنے والے اس پر عمل کرتے رہے۔

دین اسلام کو برباد کرنے میں سب سے بڑا حصہ اس بات کا ہے کہ ایسی حکومت کو بھی جائز کہا گیا جو متغلب اور متسلط قائم کرے یعنی جو شخص آئین توڑ کر زبردستی حکومت سنبھالے اور قبضہ کرلے، اس کی حکومت کو جائز صورت مان لیا گیا۔ یہ وہ پہلی اینٹ ہے جس نے سارا دین ٹیڑھا کردیا۔ دین اسلام میں حکمران کے صحیح ہونے کی صرف ایک صورت ہے اور وہ شوریٰ ہے، ولی عہدی یا استخلاف دین میں نہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حوالہ بالکل غلط دیا جاتا ہے۔ ایک تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے رشتہ دار نہیں تھے، دوسرے ان کی نامزدگی صرف ایک تجویز تھی جس پر امت کے اہل الرائے سے مشورہ کیا گیا۔

صرف آزادانہ انتخاب ہی جس میں کوئی رشوت نہ ہو، نہ دباؤ ہو، حکمران بنانے کا اسلامی طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ سب طریقے ناجائز اور باطل ہیں کوئی کسی کو ولی عہد مقرر نہیں کرسکتا اور نہ کوئی زبردستی حکومت پر بیٹھ سکتا ہے۔ ایسے سب لوگ غاصب اور ظالم ہیں۔ جس شخص سے کوئی ظالم کوئی چیز چھین لے، اس کو حق حاصل ہے کہ جب اس کو موقع

ملے، اپنی چیز اس غاصب سے چھین لے۔ اسی طرح ایسے غاصب حکمران سے جب موقع ملے اقتدار چھین لیا جائے۔ یہ عین دین ہے۔ ان کو ایک دن کیلئے بھی صحیح حکمران ماننا اپنے اسلام کی نفی ہے۔ اگر ہم اُن کو ہٹا نہیں سکتے تو صرف یہ مانیں گے کہ وہ بالفعل (DEFACTO) حکمران ہیں مگر جائز (بالحق) (DEJURE) حکمران نہیں ہیں۔

لوگ اس بات سے پریشان ہوتے ہیں کہ ایسے غاصب حکمرانوں کے پیچھے، جیسے کہ بنوامیہ تھے۔ لوگ نمازیں کیوں پڑھتے رہے، ان کو زکوٰۃ کیوں دیتے رہے، ان کی امارت میں حج کیوں کرتے رہے اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کیوں کرتے رہے؟

اس بارے میں یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ان کے ظالم اور غاصب ہونے کے باوجود امت کا کوئی کام نہیں رکے گا۔ گناہ ان کا ہوگا مگر کام نہیں رکیں گے، علماء نے لکھا ہے کہ اگر باغی کسی علاقہ پر قبضہ کرلیں اور ان کے مقرر کردہ قاضی شریعت کے مطابق فیصلے کریں، مگر بعد میں جائز حکومت ان باغیوں سے علاقہ واپس لے لے، تو بھی ان قاضیوں کے وہ فیصلے برقرار رہیں گے جو شریعت کے مطابق ہوں گے۔

مگر آہستہ آہستہ اُمت نے ملوکیت کے جبر کے زیر اثر، نظریہ ضرورت کے تحت، جس کی کوئی دلیل قرآن وسنت میں نہیں، ڈر کے مارے ایسے لوگوں کو جائز حکمران مان لیا۔

دوسری غلط بات یہ شروع ہوگئی کہ ایسے غاصب کے خلاف آپ بغاوت نہیں کرسکتے۔ جب تک وہ کھلم کھلا کافر ہونے کا اعلان نہ کردے۔ اس کے علاوہ جو چاہے کرے، اس کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔ ظلم پر ظلم یہ کہ یہ بھی کہہ دیا اب اس مسئلہ پر فقہاء متفق ہوگئے ہیں اور اس پر اجماع ہے۔ یاد رکھیں ایسا اجماع بالکل باطل ہے یہ نہ قرآن سے لیا نہ حدیث سے، صرف مجبوری کا نتیجہ ہے۔

اس مسئلہ کا برا نتیجہ کتابوں میں دیکھا کہ بڑے بڑے لوگ مثلاً شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''ازالۃ الخفاء'' میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نیل الاوطار'' میں، اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لکھا کہ جن لوگوں نے پہلے ائمہ (حکمرانوں) کے خلاف خروج کیا، مثلاً امام

حسین علیہ السلام، وہ مجتہد ہیں مگر غلطی کی۔ اللہ انہیں معاف کرے مگر اب یہ بات ثابت ہوگئی کہ حکمران چاہے کنجر اور بدمعاش ہوں، جو انکے خلاف خروج کرے گا، وہ باغی ہے۔ پہلوں کو تو معافی ہے کہ ان کو علم نہ تھا مگر اب یہ مسئلہ واضح ہوگیا اور اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں کہ حکمران کے خلاف آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ جو کوئی ایسی کوشش کرے گا چاہے وہ ولی ہو تو بخشا نہیں جائے گا، غاصب کو خلیفہ کہہ کر ان علماء نے ظالم حکمرانوں کو کھلا ہاتھ (FREE HAND) دے دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جن حدیثوں میں خلیفہ کے خلاف بغاوت سے منع کیا گیا ہے ان میں یہ غاصب حکمران مراد نہیں ہیں، وہ احادیث ان حکمرانوں کے بارے میں ہیں جن کو امت چنے اور آزاد مرضی سے چنے، اگر چنا جانے والا پہلے سے فاسق ہے، تو وہ بھی خلیفہ نہیں ہے، اس کی بیعت کالعدم ہے اور جو غاصب ہے وہ تو بالکل سرے سے خلیفہ ہے ہی نہیں۔ اگر چناؤ کے وقت نیک تھا، مگر بعد میں برے کام شروع کر دے تو اس کیس میں بہت دیر تک انتظار کریں گے، اصلاح کی کوشش کریں گے اور اس کے غلط حکم نہیں مانیں گے، یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرما دیا تھا، چونکہ یہ خلیفہ جائز ہے لہٰذا اس کو سنبھلنے کے لیے بہت موقع دیں گے، مذکورہ بالا احادیث ایسے لوگوں کے حق میں ہیں، غاصبوں کے حق میں نہیں اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ کوئی ظالم کسی کی بیوی زبردستی چھین لے تو وہ خاوند نہیں بن جاتا اور نہ اس کو خاوند کے شرعی حقوق حاصل ہوں گے کہ وہ ایسی حدیثیں پڑھ پڑھ کر سنائے کہ خاوند کی اطاعت بیوی پر لازم ہے، خاوند وہ ہوتا ہے جس سے شرعی طور پر نکاح ہو۔

علماء حوالے دیتے ہیں ایسی احادیث کے جو جائز حکمرانوں کے بارے میں ہیں اور چسپاں کرتے ان غاصبوں پر جو زبردستی یا دھوکے سے حکمران بن بیٹھے۔ یاد رکھو! ظالم ایک دن کیلئے بھی امام نہیں کیونکہ ''لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق'' (خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں۔)

جو شخص حکمران تو امت کے مشورہ سے بنا، مگر بعد میں بگڑ جائے تو اس کے خلاف

بغاوت تب کریں گے جب وہ نماز چھوڑ دے یا کھلا کافر ہو جائے، جب کوئی حکمران دین کی کسی بات کا مذاق اڑائے تو بھی کافر تصور کیا جائے گا چاہے وہ نماز پڑھے، حج کرے کیونکہ کلمہ کے انکار سے بڑھ کر یہ دلیل ہے کہ وہ دین کا مذاق اڑاتا ہے، دین پر عمل نہ کرنا کوتاہی اور گناہ ہے مگر مذاق اڑانا کافر بنا دیتا ہے۔ یہ وہ حدود ہیں کہ اب وہ حکومت، حکومتِ کفر ہے۔ تفصیل کیلئے شاہ اسماعیل شہید کی کتاب ''منصب امامت'' کا مطالعہ فرمائیے۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ حنفی اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں لکھتے ہیں کہ دین کیوں برباد ہوا؟ یہ بے وقوف اصحاب حدیث پیدا ہوگئے جنہوں نے حدیثوں کو نہ سمجھا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''ظالم حاکم، حکمران نہیں ہے، ان کے خلاف جب موقع ملے جہاد کرو۔ ان اہل حدیث کی وجہ سے امت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جذبہ ختم ہوگیا اور ظالم اسلامی حکومت پر چھا گئے۔

امام بن حزم اپنی کتاب ''المحلی'' ج:9، ص:362 پر لکھتے ہیں کہ باغی وہ ہوگا جو دین چھوڑے گا، چاہے وہ حکمران ہو یا عوام ہوں، اگر حکمران غلط ہے تو وہ باغی اور عوام عادل ہوں گے۔ جب بھی اس حکمران سے زیادہ عادل خروج کرے تو اس کا ساتھ دو، وہ باغی نہیں ہے بلکہ باغی حکمران ہے۔ انہوں نے دلائل دیتے ہوئے لکھا کون ہے اجماع کا دعویٰ کرنے والا فقیہہ؟ امام حسین علیہ السلام، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور مدینہ سے اٹھنے والے اصحاب حرہ سے بڑا کون فقیہہ پیدا ہوا ہے۔ امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نسلاً اموی تھے اور مسلکاً ظاہری (اہل حدیثوں سے دو قدم آگے) تھے۔ یہ حکمرانوں کی ڈکشنری ہے کہ وہ رعایا کو باغی کہتے ہیں حالانکہ باغی وہ ہے جو دین کو چھوڑ دے چاہے وہ حکمران ہو یا رعیت ہو۔

محمد خیر ہیکل اپنی کتاب ''الجهاد والقتال'' ج:1، ص:202-217، پر لکھتے ہیں۔

''جو زبردستی حکومت پر قبضہ کرے اس سے جہاد لازم ہے اور وہ ایک دن کیلئے بھی ہمارا حکمران نہیں ہے۔ انہوں نے دلائل اور مثالیں دیتے ہوئے کہا کہ یزید کو کس نے چنا تھا؟ اس کی بیعت نہیں تھی، جبر تھا، وہ ایک دن

کیلئے بھی مسلمانوں کا حکمران نہیں تھا۔ اس وقت اُمت کا فرض تھا کہ اس سے اقتدار چھینے۔ اس لیے امام حسین علیہ السلام کا اقدام جہاد تھا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے زہر پینا قبول کرلیا۔ جیل میں کوڑے کھائے مگر فرمایا کہ ظالموں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جب زید بن علی علیہ السلام ہشام کے خلاف اٹھے تو امام ابوحنیفہ نے فتویٰ دیا کہ جو زید بن علی علیہ السلام کا ساتھ دیں تو ان کو وہ ثواب ملے گا جو اصحاب بدر کو ملا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ زید کا ساتھ دینا 50 نفلی حج کرنے سے بہتر ہے۔''

(مناقب الامام اعظم ابن البزاز الکردری ج:2، ص:71 اور مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ از الموفق المکی ج:2، ص 83)

دفاعِ سنت پر ایک بہترین کتاب ''العواصم و القواصم فی الذب عن سنته ابی القاسم'' امام محمد بن الوزیر یمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے۔ اس موضوع پر اس سے اعلیٰ کتاب نہیں لکھی گئی۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یمن نے اسلام کو اور کچھ بھی نہ دیا ہوتا تو یہی کتاب کافی تھی۔

یمن کے زیدی شیعوں کے اس اعتراض کے جواب میں پوری فصل لکھی ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ اہل سنت کے مذہب میں ظالم بھی خلیفے ہیں اور یزید کے خلاف اٹھنے والے باغی شمار ہوتے ہیں۔ امام نے ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے حوالے دیئے ہیں کہ سب یزید کو ملعون کہتے ہیں ''العواصم والقواصم ج:8، ص 76:'' پر انہوں نے امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنے آپ کو عالم دین کہتا ہے اور کتابیں لکھتا ہے۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس بات پر اجماع کا ذکر کیا کہ حکومت پر زبردستی قبضہ کرنے والے بھی جائز حکمران ہیں اس شخص نے اپنی کتاب میں ایسی باتیں لکھیں کہ اگر وہ نہ لکھتا تو اس کی عاقبت کیلئے اچھا ہوتا بلکہ وہ گونگا پیدا ہوتا تو اس کے لئے بھی اچھا ہوتا۔ وہ شخص ابن مجاہد متکلم بصری طائی ہے۔ اس نے لکھا کہ

ظالم حاکم جو جی چاہے کریں، ان کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں یہ مسئلہ دیکھ کر کانپ گیا۔ اس سے بڑا جرم مجھے یہ نظر آیا کہ اگر یہ اجماع ہے تو جو اس اجماع کے خلاف کریں گے، وہ تو کافر ہو جائیں گے، کیا اس متکلم کو پتہ نہیں کہ حرہ کے دن پورا مدینہ جن میں سارے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین یزید کے خلاف اٹھے؟ اگر اجماع تھا تو پھر یہ سارے تو نعوذ باللہ کافر ہو گئے۔ کیا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مکہ میں یزید کے خلاف نہیں اٹھے اور سارے علاقے چھین کر خلیفہ نہیں بنے؟ کیا حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام اور انکے ساتھی نیک مسلمان نہیں تھے؟

پھر امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ جو نسلاً اموی اور مسلکاً کٹر اہل حدیث تھے، دُعا کرتے ہیں کہ جو لوگ یزید کے خلاف اٹھے تھے، اللہ ان سے راضی ہو اور جنہوں نے ان کو قتل کیا، ان پر اللہ کی لعنت ہو، پھر امام نے سوال کیا کہ چار ہزار عالم (قُـرّاء) جو حجاج بن یوسف کے خلاف حضرت سعید ابن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں میدان میں آئے، تو اے ابن مجاہد طائی بتا! کہ وہ سارے نعوذ باللہ کافر ہو گئے تھے؟ اللہ کی قسم جو ان کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔''

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' ج:4، ص:1409 پر سورۂ حجرات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب پوچھا گیا کہ اگر کوئی ظالم حکمران بن جائے اور لوگ اس کے خلاف اٹھیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں شریعت میں کیا حکم ہے؟ امام نے فرمایا: ''اگر لوگ امام عادل کے خلاف اٹھیں تو عوام کا فرض ہے کہ امام عادل کا ساتھ دیں۔ اگر حکمران بھی ظالم ہے اور باغی بھی ظالم میں تو کسی کا ساتھ نہ دیں۔ ہمارے زمانہ میں لوگ حکمران پہلے بنتے ہیں ور بیعت بعد میں لیتے ہیں تو ایسی بیعت کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔ یہ بیعت خوف کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر ظالم حکمران کے خلاف کوئی عادل گروہ اٹھے تو باغیوں کا ساتھ دو۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''دو قسم کے لوگ حکومت کے خلاف اٹھتے ہیں۔ایک وہ جو دین سے نکل جاتے ہیں جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد اٹھے تھے۔ایک وہ گروہ ہوتا ہے جو اپنا عقیدہ لے کر نہیں بلکہ حکومت حاصل کرنے کے لئے اٹھتے ہیں۔یہ لوگ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دینی غیرت کے جوش میں اس لیے نکلے کہ حکمران ظالم ہو گئے ہیں اور سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، تو ایسے باغی اہل حق ہیں۔ایسے ہی لوگوں میں حضرت حسین بن علی علیہ السلام اور مدینہ کے اہل حرہ اور حجاج کے خلاف اٹھنے والے قراء (4,000 عالم) شامل ہیں (بس ان دو سطروں میں پورا واقعہ کربلا سمٹ کر آ گیا)۔امام لکھتے ہیں کہ باغیوں کا ایک گروہ ایسا ہوتا ہے جن کے پیش نظر دین نہیں بلکہ صرف حکومت کا لالچ ہے یہی گروہ دراصل باغی ہے۔''

(فتح الباری ج:12،ص:285-286)

آپ پر واضح ہو گیا کہ حکومت پر نظر رکھنا اہل اسلام کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔نماز روزہ سے زیادہ فکر اس بات کی کریں کہ ہمارے ملکوں کی باگ ڈور جن کے ہاتھ میں ہے، وہ کیسے لوگ ہیں؟ اگر وہ اللہ کے رسول علیہ السلام کے مطیع ہیں تو ان سے محبت دین ہے، ان کے لیے دعائیں مانگنا اور ان کی خیر خواہی لازم ہے۔اگر وہ ظالم ہیں تو ان سے بغض کرنا اور ان پر لعنت کرنا ضروری ہے۔جہاں تک ہو سکے ان سے تعاون نہ کرو، پھر یہی دین ہے۔

جہاں تک ظالم حکمران کے پیچھے نماز پڑھنے کا ذکر ہے یا ان کے ساتھ حج کرنے اور جہاد کرنے کا ذکر ہے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بخاری و ابوداؤد میں موجود ہے کہ انہوں نے مہربانی فرماتے ہوئے اجازت دے دی کہ حکمران نیک ہو یا فاسق، نہ جہاد روکو نہ نماز الگ کرو، امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حجاج انسانوں میں سب سے بڑا فاسق تھا مگر لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔

لہٰذا نمازیں سب کے پیچھے پڑھو، ہم وحدتِ اُمت کیلئے قربانی دیں گے۔فروعی مسائل کی یہ حیثیت نہیں کہ ہم اپنی نمازیں الگ کر لیں۔اس سلسلہ میں ایک واقعہ ہمیشہ ذہن میں رکھیں۔امام ابو عامر حنفی رحمۃ اللہ علیہ اور امام کفال مروزی شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہم عصر تھے۔ان دونوں کی آپس میں خوب بحثیں چلتی تھیں۔ایک دن امام ابو عامر حنفی رحمۃ اللہ علیہ جا رہے تھے۔کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔وہ نزدیک ہی ایک مسجد میں تشریف لے گئے۔وہ مسجد امام کفال رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔حنفی امام جب مسجد میں داخل ہوئے تو شافعی امام کفال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مؤذن سے کہا آج اذان ترجیع کے بغیر کہنا (جیسا کہ ہمارے ملک میں عام طور پر کہی جاتی ہے اور دونوں سنت ہیں) جماعت کے وقت امام کفال نے حنفی امام کو آگے کر دیا تو انہوں نے سینے پر ہاتھ باندھے آمین بلند آواز سے کہی اور رفع الیدین کیا جو شافعی طریقہ ہے۔

یہ واقعہ سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اور مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''معارف السنن'' میں لکھا ہے:

''اصل مسائل حکومت کی درستگی، غریبوں کی امداد اور کرپشن کا خاتمہ ہے نہ کہ آمین بالجہر یا رفع الیدین وغیرہ''

مسلمانوں کا حکمران صرف ایک حکمران ہی نہیں بلکہ نائب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔اس نے وہ سارے فرض ادا کرنے ہوتے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زندگی میں انجام دیتے تھے۔وہ دین کا سب سے اعلیٰ نمونہ اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔اسی لیے دین میں اس کو امام کہا گیا ہے۔اگر اس میں ٹیڑھ آ گئی تو سارا دین ٹیڑھا ہو جائیگا۔جس وقت امت یہ غلط موڑ مڑ رہی تھی اس وقت بدقسمتی سے لوگوں نے فرزند رسول علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا۔اگر ساتھ دے دیتے تو خرابی وہیں ختم ہو جاتی۔اس طرز عمل کا نتیجہ ہے کہ ہم پر ایک سے بڑھ کر ایک ظالم حکمران بنا۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام کا واقعہ ایک کہانی نہیں بلکہ نظام شریعت کو سمجھنے کے لیے ضروری سبق ہے۔یہ شریعت کے قیام، غلبہ اسلام، اور پوری دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے

ضروری ہے۔ جب تک مشرق سے مغرب تک اسلام حکمران نہ بن جائے، مسلمانوں کو آرام کرنے کی اجازت نہیں۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ساری زمین میرے لیے مسجد بنادی گئی ہے۔ لہٰذا جب تک اس مسجد کا کوئی حصہ کفار کے قبضہ میں ہے۔ مسلمانوں پر آرام حرام ہے۔''

الحذر از گردشِ نو آسماں
مسجد مومن بدستِ دیگراں؟
سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش
تا بگیرد مسجد مولائے خویش

دین صرف غلبہ اسلام کا نام ہے۔ غلام کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ اسی لیے قرآن مجید میں ان مسلمانوں کو جو کفار کے علاقہ میں رہتے تھے حکم دیا کہ یا ہجرت کرو یا وہاں انقلاب کی کوشش کرو ورنہ تم منافقوں میں شمار ہوگے۔ سورۂ نساء میں مکہ میں رہنے والے مسلمانوں کا نزع کے عالم میں فرشتوں سے جو مکالمہ نقل ہوا ہے وہ سب مسلمانوں کے لیے نصیحت آموز ہے۔ اسلامی حکومت شرک اور توحید کا مسئلہ ہے۔ یہ شرک سے کم نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر بندے حکومت کریں اور اپنی من مرضی کریں۔ جب حکومت خدا کے قانون سے آزاد ہوجاتی ہے تو طاغوت بن جاتی ہے۔ اور جو اس کی فرمان برداری کرتے ہیں۔ وہ بت پرستی کرتے ہیں۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دل گیری

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''امت اس وقت تک درست رہے گی جب تک اس کے حکمران درست رہیں گے۔''

(فتح الباری ج:7ص 148، مناقب الانصار باب ایام الجاهلية)

بزرگ فلسفۂ قتلِ شاہِ دیں ایں است
کہ مرگِ سرخ بہ از زندگیِ ننگیں است
آساں نہیں ہے معرفتِ رازِ کربلا
دل حق شناس دیدۂ بیدار چاہیے
آتی ہے کربلا سے یہ آواز آج بھی
ہاں حق کا اعتراف سرِ دار چاہیے

واقعہ کربلا دو شخصیتوں کا نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے دفاع کے لیے جان دینے اور ظالم کے مسلمانوں کا حکمران بن جانے کی دو علامتیں ہیں۔ توحید یہ ہے کہ بندے کسی کو اپنے اوپر حکومت نہ کرنے دیں بلکہ خدا کا قانون حکومت کرے۔ بعد میں یہ بات بڑی محنت سے مسلمانوں کے ذہنوں سے نکالی گئی اور یہ تعلیم دی گئی کہ جو آئے اسے سلام کرو۔ جبکہ سیدنا امام حسین علیہ السلام کا کارنامہ یہ ہے کہ

نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

مقام وشان وایمانِ صحابہ رضی اللہ عنہم

مسلمان امت قیامت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتی جو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانی، مالی اور زبانی مدد سے ساتھ دیا اور دین کو حرف بحرف ہم تک پہنچایا۔ اگر وہ بے ایمان ہوتے یا منافق ہوتے، جیسا کہ کچھ لوگوں کا غلط خیال ہے تو اسلام کا پودا نہ جڑ پکڑ سکتا اور نہ پروان چڑھ سکتا بلکہ بہت جلد مرجھا کے رہ جاتا ان پاک ہستیوں کے ایمان اور ایثار کا ذکر قران مجید میں سورۂ انفال: 74/8 میں فرمایا:

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں اپنے مال و جان سے لڑے، وہ اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔''

بخاری و مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میرے اصحاب کو برا نہ کہو کیونکہ تم اُحد پہاڑ کے برابر سونا خدا کی راہ میں خیرات کرو تو بھی میرے صحابہ کے ایک مُدّ (پنجابی والا ایک بک) جَو خیرات کرنے کے برابر نہیں ہوسکتا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''دنیا میں سب سے زیادہ احسان مجھ پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''اگر اس امت میں سے نبی نہ ہونے کے باوجود کوئی ایسا ہو جس سے خدا کلام کرے (مُحَدث، مُفَهمّ، مُكلّم) تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوگا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُحد پر فرمایا: ''یہ شہید ہوں گے۔''

''حضرت علی علیہ السلام کو اپنے ساتھ وہی نسبت دی جو حضرت سیدنا ہارون علیہ السلام کو حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے تھی اگرچہ اب نبی کوئی نہیں ہے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دین میں اس لیے محترم ہیں کہ وہ برہان نبوت ہیں۔ وہ حضور علیہ السلام کے سچا نبی ہونے کی دلیل ہیں۔ وہ ایمان لانے سے پہلے بدترین لوگ تھے۔ قرآن مجید کی سورۂ اعراف: 179/7 میں فرمایا: کہ عرب کے لوگ جانور بلکہ جانوروں سے بھی بدتر تھے۔ ان میں ہر عیب تھا اور ان عیوب کو مجلسوں میں علانیہ بیان کرتے تھے۔ اب بھی سبعہ معلقات میں وہ ساری باتیں موجود ہیں۔ مگر وہی لوگ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو اللہ کے ولی بن گئے۔ وہی بدمعاش بدو انتہائی نیک بن گئے۔ اگر حضور علیہ السلام معاذ اللہ سچے نہ تھے تو ایسے برے لوگوں کو کیسے بدل کر رکھ دیا؟ حضور علیہ السلام کے بے شمار معجزے اور دلائلِ نبوت ہیں لیکن ان میں سب سے بڑا معجزہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وجود ہے کہ جو لوگ آپ علیہ السلام کے پاس بیٹھے ان پر کیا رنگ چڑھا؟ وہ بدلے کہ نہیں بدلے؟ اگر بدلے ہیں تو برے بنے کہ متقی؟ اس بات کی طرف قرآن نے کفارِ عرب کی توجہ دلائی کہ نبی علیہ السلام کے پاس بیٹھنے والوں کی زندگیوں میں انقلاب دیکھ کر بھی تم کو عقل نہیں آتی کہ وہ لوگ اب رکوع وسجود میں مشغول رہتے ہیں جو پہلے ہر وقت برے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معجزۂ نبوت ہیں۔

پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے صحابی اگر بعد میں یا ان کی موجودگی میں بگڑ بھی جاتے تھے تو بعد میں آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام ان کے بگاڑ کو درست کر دیتے تھے۔ مگر رسول خدا علیہ السلام چونکہ آخری نبی تھے۔ اگر ان کے ساتھی بھی اسی طرح بگڑ جاتے جیسے پہلی امتوں میں ہوتا تھا تو اِن کو کس نے آ کر ٹھیک کرنا تھا؟ یاد رکھو حضور علیہ السلام اس لحاظ سے بھی انبیاء کرام میں سے منفرد ہیں کہ نہ آپ کی بیویوں میں سے کوئی کافرہ ہوئی نہ آپ کی اولاد میں سے کوئی کافر ہوا اور نہ سامری کا بچھڑا پوجنے والوں کی طرح امت مرتد ہوئی۔ آپ علیہ السلام کی بیویوں کے متعلق قرآن مجید کی سورۂ احزاب: 32/33 میں فرمایا: ''تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔''

اور شیعہ سنی سب عالم مانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی اس دنیا میں بیویاں جنت میں بھی ان کی بیویاں ہیں۔ آپ علیہ السلام کی ساری بیویاں اور اولاد مومن تھی اور دونوں نواسوں اور بیٹی کے متعلق تو یوں فرمایا: ''جنت کے جوانوں کے سردار اور جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن کو پوری مسلمان امت چاہے وہ شیعہ سنی، خارجی، کوئی بھی ہو، سب متواتر مانتے ہیں۔ حتیٰ کہ کفار بھی تحقیق کرنے کے بعد مان گئے ہیں کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن دنیا میں کبھی موجود نہیں رہا۔ انہوں نے صدیوں پرانے، مختلف ملکوں اور زبانوں کے قرآن مجید کے نسخے جمع کئے، چیک کئے، مگر یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ قرآن ایک ہی ہے۔ اگر حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد سب صحابہ رضی اللہ عنہم، سوائے چار کے، معاذ اللہ مرتد ہو گئے تھے۔ تو پھر قرآن متواتر نہیں بلکہ خبرِ واحد بن جاتا اور مشکوک ہو جاتا کہ کیا پتہ ان چاروں نے (معاذ اللہ) مل کر سازش کر لی ہو اور قرآن بنا لیا ہو۔ یہ صرف تواتر ہے جو قرآن کو بچاتا ہے کہ یہ ان دو چار کے پاس نہیں بلکہ مشرق مغرب کے مسلمانوں کے پاس تھا، لاکھوں صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تھا، ان کی آپس میں جنگیں تو ہوئیں مگر قرآن یہی رہا۔ قرآن قطعی اور یقینی ہے اور ان روایات کو اٹھا کر پھینک دو جن میں لکھا ہے کہ قرآن میں کچھ کمی بیشی ہوئی۔ قرآن اس لیے قطعی اور یقینی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ویسی نہیں تھی جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھی۔ اگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ان کی طرح مرتد اور کافر ہو جاتے تو قرآن کا تواتر کہاں سے ثابت ہونا تھا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خود خدا تعالیٰ نے مومن یعنی ایمان والے کہا مثلاً سورہ انفال: 8/8 میں فرمایا کہ اللہ وہی تو ہے جس نے خود بھی تمہاری مدد کی اور مومنوں کے ذریعہ بھی مدد کی یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے مخلص مومنین آپ علیہ السلام کے ساتھ نہ ہوتے تو دین کیسے غالب آتا؟ اگر دین کیلئے سر کٹوانے والے سرفروش حضور علیہ السلام کو نہ ملتے تو دین مکہ مدینہ میں ہی رہ جاتا۔ جو دین پورے عرب اور پوری دنیا میں پھیلا وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعہ ہی پھیلا۔

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اصل کامیابی یہ نہ تھی کہ آپ علیہ السلام دنیا کو قرآن دے گئے بلکہ اصل کامیابی یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شکل میں لاکھوں چلتے پھرتے قرآن چھوڑ گئے، ان لوگوں کا کردار بالکل قرآن کے مطابق تھا۔''

اِسی بات کو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دین کیلئے جانبازی کا جذبہ جنگ بدر کے موقع پر دیکھیں جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور علیہ السلام کو کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ علیہ السلام کو یہ نہیں کہیں گے کہ جا کر تو لڑ اور تیرا رب لڑے (المائدہ: 5/5) اگر آپ علیہ السلام ہم کو سمندر میں چھلانگ لگانے کا فرمائیں تو ہم کود جائیں گے اور اگر نیزوں کی نوکوں پر کھڑے ہونیکا حکم دیں تو ہم ایسا ہی کریں گے۔

حضور علیہ السلام کے ساتھی بھی اگر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کی طرح بے ایمان ہوتے تو جس طرح ان پر ملک موعود چالیس سال کے لیے حرام کر دیا گیا تھا (المائدہ: 26/5) تو پھر عرب میں اور باقی دنیا میں دین غالب نہ آ سکتا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان اور اخلاص اور اتباعِ رسول علیہ السلام کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے جو کچھ سنا اس کا ایک ایک حرف تمام کیفیات اور تفصیلات کے ساتھ بعد والوں کو منتقل کیا۔ حتیٰ کہ جس موقع پر حضور مسکرائے۔ وہ حدیث بیان کرتے ہوئے صحابہ بھی مسکراتے، جہاں آپ علیہ السلام نے بات کرتے وقت مخاطب کا ہاتھ پکڑا اُس موقع کی حدیث روایت کرتے ہوئے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی مخاطب کا ہاتھ پکڑا، جہاں بات کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے اپنے دستِ مبارک کی چار انگلیاں کھڑی کیں، اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے صحابی نے اپنی چار انگلیاں کھڑی کیں۔ اور یہ سارے انداز آج تک

تمام حدیث روایت کرنے والے محدثین اُسی طرح اپنے شاگردوں کے سامنے اختیار کرتے چلے آ رہے ہیں جیسا کہ چودہ سو سال پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا تھا۔ حدیث کی کتابوں کی بدولت ہر مسئلے کا حل اور حضور علیہ السلام کی پاک مجلس آج بھی ہر ایک کو میسر ہے۔

حضور علیہ السلام کا معجزہ، قرآن کے متواتر ہونے کا ثبوت، حضور کی احادیث کی حفاظت اور دین کی امداد میں اپنا جان مال کھپانا، صحابہ رضی اللہ عنہم کے مومن، مخلص اور متبع سنت ہونے کی دلیل ہیں جن کی وجہ سے دین کا پودا تن آور درخت بنا جیسا کہ سورۂ فتح 29/48: میں فرمایا:

"محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ اے دیکھنے والے تو ان کو دیکھتا ہے کہ خدا کے آگے جھکے ہوئے سر بسجود ہیں اور خدا کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں۔ کثرت سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے یہی اوصاف تورات میں مرقوم ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں۔ وہ گویا ایک کھیتی ہیں جس نے پہلے زمین سے اپنی کونپل نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر (تنے پر) سیدھی کھڑی ہوگئی اور کھیتی والوں کو خوش کرنے لگی تاکہ کافروں کا جی جلائے۔ جو لوگ ان میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے خدا نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔"

اگر رسول کریم علیہ السلام کے ساتھی بنی اسرائیل کی طرح بزدل ہوتے تو دین مکہ ہی میں ختم ہو کے رہ جاتا۔ باقی رہی بات غلطیوں کی تو یہ انسانی فطرت ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوئیں تو اس سے پوچھو کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام دونوں نبی تھے، حضرت ہارون علیہ السلام ان سے تین سال بڑے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام نے دینی جوش میں آ کر ان کو سر اور داڑھی کے بالوں سے پکڑ لیا تھا اور کھینچا تھا۔ (سورہ طٰہٰ 20: 92/ تا 94) تو کیا اس سے معاذ اللہ موسیٰ علیہ السلام کافر ہو گئے؟ وہ بشر تھے اور بشر کئی دفعہ آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں۔ اس طرح تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انسان تھے۔ انسانوں نے آپس میں

لڑنا بھی ہے اور جنت میں بھی جانا ہے۔

اگر ایک ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے حالات پڑھے جائیں کہ اسلام لانے سے پہلے ان کی زندگی کیسی تھی اور اسلام لانے کے بعد ان کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی تو ایک لاکھ سے زیادہ معجزے حضور علیہ السلام کے یہی بن جاتے ہیں۔ ان کی آپس میں جتنی چاہے رنجشیں ہوتی ہوں مگر ایک قرآن پر سب متفق تھے اور ان ہی سے قرآن کا تواتر ثابت ہوتا ہے۔ صحابہ کے حالات میں الاصابہ، اسد الغابہ اور الاستیعاب وغیرہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔

سیدنا آدم علیہ السلام خدا کے پہلے نبی اور انسانِ اوّل تھے۔ خود اپنے کانوں سے خدا کا حکم سنا تھا کہ اس درخت کے نزدیک نہ جانا۔ مگر حکم کی خلاف ورزی ہو گئی۔ خدا تعالیٰ سے معافی مانگی اور مل بھی گئی۔ اب کوئی ہے مائی کا لال جو سیدنا آدم علیہ السلام پر اعتراض کرے اور ان کو بُرا کہے۔ لہٰذا صحابہ رضی اللہ عنہم کی بھول چوک کی غلطی رہنے دو اور خدا تعالیٰ کی بخشش کے دروازے بند نہ کرو۔ ان کا اسلام پر بہت بڑا احسان ہے اور جو انسان کا احسان نہیں مانتا وہ رب کا احسان بھی نہیں مانتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اعتراض کرنے والے کو آئینے میں اپنا منہ دیکھنا چاہئے کہ ہم دن رات میں کتنے گناہ کرتے ہیں۔ تو ایسا آدمی جو اٹھ کر ان عظیم لوگوں کے دامن پر ہاتھ ڈالتا ہے وہ اپنی فکر کرے اور اس نے خدا کو کیا منہ دکھانا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہم پر ان گنت احسان ہیں۔

وہ لوگ امت کیلئے نمونہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کیسے پڑھی ہے۔ خیرات کے حکم پر انہوں نے کس اعلیٰ درجہ میں عمل کیا، جہاد کے موقع پر کیا کیا قربانیاں دیں، اپنے ساتھیوں کے لئے کیسے ایثار کیا، ان کے حالات پڑھ کے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کو کیسے انسان مطلوب ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ

بس اتنی سی حقیقت ہے ہمارے دین و ایماں کی
کہ اس جانِ جہاں کا آدمی دیوانہ ہوجائے

چند اصولی باتیں

آگے بڑھنے سے پہلے چند اصولی باتیں سمجھ لینا چاہئیں۔

1۔صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم نہیں

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

"اہلسنت کے نزدیک عصمت انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ یہ صحابہ کو معصوم نہیں جانتے اسی لیے خود رسول ﷺ اور شیخین اور حضرت علی علیہ السلام نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو مختلف جرائم میں سزادی۔"

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب خلفائے راشدین میں لکھتے ہیں:

"خلیفہ رسول علیہ السلام مثلِ رسول علیہ السلام معصوم نہیں ہوتا نہ اس کی اطاعت ہر کام میں مثل رسول علیہ السلام کی اطاعت کے واجب ہوتی ہے۔ بالفرض کوئی خلیفہ سہواً یا عمداً کوئی حکم شریعت کے خلاف دے تو اس حکم میں اس کی اطاعت نہ کی جائے گی۔ عصمت خاصہ نبوت ہے۔ حضور علیہ السلام کے بعد کسی کو معصوم جاننا عقیدۂ ختم نبوت کے خلاف ہے۔" (عقیدہ نمبر4)

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ (دیوبندی) کتاب تدوین حدیث ص:435 پر لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت میں ہر قسم کے لوگ تھے یعنی اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ مدارج میں ان کو بھی تقسیم کیا جاسکتا ہے جیسے کہ ہر جماعت کے افراد میں یہ تقسیم جاری ہوتی ہے۔ تاہم یہ مسلّم تھا کہ پیغمبر کے سوا کوئی بشر چونکہ معصوم پیدا نہیں کیا جاتا اس لیے نہ اس زمانے میں نہ اس کے بعد اس وقت تک کسی طبقہ کے صحابیوں کو معصوم قرار دینے کا عقیدہ مسلمانوں میں کبھی پیدا ہوا۔"

مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"رسول علیہ السلام کے فیصلے کے سوا کسی فیصلہ کو الٰہی فیصلہ اور قضاء الٰہی نہیں کہا

جاسکتا اور نہ رسول ﷺ کے فیصلہ کے علاوہ کسی اور مرد بشر کا فیصلہ نکتہ چینی سے بالاتر ہوسکتا ہے اور اس لیے رسول ﷺ کے علاوہ ہر انسان کے فیصلہ پر دل وجان سے راضی ہونا لازم قرار نہیں دیا جاسکتا۔"

(ترجمان السنہ ج:3 ص:426)

2۔الصحابۃ کلھم عدول کا معنی

مولانا عبدالحئی لکھنوی فرماتے ہیں:

"یہ عقیدہ کسی عقیدہ اور علم کلام کی کتاب میں مذکور نہیں البتہ حضرات محدثین اصول حدیث میں راویوں کی تحقیق وتعدیل کے بیان کرتے وقت ذکر کیا کرتے ہیں۔ جس کسی نے عقائد میں درج کیا ہے، اُسی جگہ سے کیا ہوگا اور عدالت کے معنی اس میں روایت کے اندر کذب کے ارادہ سے پرہیز کرنا ہے اور درحقیقت تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اس عدالت کے ساتھ موصوف تھے اور حضور ﷺ کی طرف جھوٹی بات کی نسبت کرنے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔" (فتاویٰ عبدالحئی اردو کامل مبوب ص83)

مولانا عبدالسلام ندوی اپنی کتاب "اسوہ صحابہ" ص:20 پر فرماتے ہیں:

"یہ کسی محدث کا دعویٰ نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم انصاف کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتے، اور ان سے کوئی فعل تقویٰ وطہارت کے خلاف صادر نہیں ہوسکتا یا وہ انبیاء کی طرح معصوم ہیں یا وہ تمام گناہوں سے محفوظ ہیں بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی صحابی روایت کرنے میں دروغ بیانی سے کام نہیں لیتا۔"

امام ابوحاتم محمد بن حبان اپنی کتاب "صحیح ابن حبان" میں عدالت کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

"انسان میں صفتِ عدالت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اکثر احوال اطاعت الٰہی پر مبنی ہوں۔ یہ اس لیے کہ اگر ہم عادل وراست باز صرف اس کو قرار دیں جس سے کسی حالت میں صدور معصیت نہ ہو تو ہمیں تسلیم کرنا

پڑے گا کہ دنیا میں کوئی عادل ہی نہیں کیونکہ انسانوں کے حالات شیطان کی
در اندازی سے خالی نہیں ہوتے بلکہ عادل وہ ہے جس کی ظاہر حالت
میں خدا کی بندگی موجود ہو اور غیر عادل وہ ہے جس کے اکثر احوال زندگی
اللہ کی نافرمانی میں بسر ہوتے ہوں۔"

مولانا محمد اعلیٰ تھانوی رحمہ اللہ اپنی کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون" میں لفظ
صحابی کے تحت اصول حدیث کی مختلف کتابوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"جان لو! صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روایت حدیث کے معاملے میں سب کے سب
عدول ہیں اگر چہ ان میں سے بعض کسی دوسرے معاملے میں غیر عادل
ہوں۔" (کشاف اصطلاحات الفنون، ج:1، ص 809)

حافظ ابوبکر احمد الخطیب بغدادی اپنی کتاب "الکفایه فی علم الروایه، باب
الکلام فی العدالة و احکامها" میں حضرت سعید بن مسیب سے نقل کرتے ہیں:

"کوئی بزرگ اور عالم اور حاکم ایسا نہیں جس میں لازماً کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو،
لیکن لوگوں میں سے جس کے عیوب کا چرچا نہ ہو اور جس کے فضائل اس کے
نقائص سے زیادہ ہوں، اس کا نقص اس کے فضل کی بنا پر زائل ہو جائے گا۔"

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میرے علم میں کوئی ایسا نہیں جس نے اللہ کی طاعت کی ہو اور پھر اس میں
اللہ کی نافرمانی کی آمیزش نہ کی ہو سوائے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے، اور کوئی
ایسا بھی نہیں جس نے اللہ کی نافرمانی کی ہو مگر اس کے ساتھ اس کی اطاعت
بھی نہ کی ہو۔ پس جس کی اطاعت غالب ہو تو اسے عادل قرار دیا جائے گا۔
اور جس کی معصیت غالب ہو اسے مجروح ٹھہرایا جائے گا۔" (الکفایہ)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"کہ سب صحابہ عادل ہیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم

آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے میں معتبر ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں
کہ سب صحابہ معصوم ہیں یا ان سے کبھی گناہ صادر نہ ہوا ہو۔"

(فتاویٰ عزیزی مترجم، ص:216-217، سے مختصراً)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"سب صحابہ رضی اللہ عنہم ثقہ راوی ہیں اور روایت کرنے میں سچے ہیں اور حدیث
بیان کرنے میں سب لوگوں سے سچے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں
معلوم ہو سکا جس نے جان بوجھ کر حضور ﷺ پر جھوٹ بولا ہو حالانکہ انہی
صحابہ کرام میں سے بعض سے کمزوریاں صادر ہوئیں جیسا کہ واقعہ ہے اور ان
سے گناہ بھی سرزد ہوئے اور وہ معصوم نہ تھے۔" (منہاج السنۃ ج1، ص229)

محدث ابن الانباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یہ مراد نہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بالکل معصوم ہیں اور ان سے گناہوں کا صدور
محال ہے بلکہ صرف مراد یہ ہے کہ اسباب عدالت اور تزکیہ کی طلب سے
متعلق بحث کے بغیر ان کی روایت قبول کی جائے گی سوائے اس صورت کے
کہ جب کسی امرِ قادح کے ارتکاب کا ثبوت مل جائے اور یہ ثابت نہیں۔"

(منهج الوصول الی اصطلاحات احادیث الرسول نواب سید صدیق حسن خان رحمہ اللہ
ص:164، مولانا سعید احمد اکبر آبادی فاضل دیوبند کی کتاب فہم قرآن، ص:134)

3۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم معیارِ حق ہیں؟

جب قرآن مجید کی طرف رجوع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی مقام پر بھی
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انفرادی افعال و اعمال کو ہمارے لیے مستقل اسوہ و مرجع قرار نہیں دیا گیا
بلکہ تمام مسلمانوں کے ساتھ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی یہ تعلیم فرمائی گئی ہے کہ جب کسی معاملہ
میں تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ
(النساء:59/4) اس ارشاد پاک کے اولین مخاطب خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی ہیں اور اس میں اللہ

تعالیٰ نے خود فیصلہ فرمادیا ہے کہ ایک ایک صحابیؓ بجائے خود معیار حق نہیں ہے بلکہ اختلاف کی صورت میں صحابہؓ کیلئے بھی مرجع کتاب وسنت ہی ہے۔

ایک روایت اس سلسلہ میں عام طور پر بیان کی جاتی ہے کہ میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے جس کی بھی اقتداء کروگے راستہ پالوگے۔ اس روایت اور اس سے ملتے جلتے الفاظ پر مشتمل بعض دیگر روایات کی سند محدثین اور فن رجال کے ماہرین کے نزدیک نہایت کمزور ہے۔ اس لیے عقائد واحکام کی بحث میں ان سے استدلال جائز نہیں بلکہ فضائل میں بھی ان کے ضعف کی صراحت کیلئے بغیر ان کا بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔

حافظ امام ابن عبدالبرؒ نے "**جامع بیان العلم**" میں اس روایت کی سند نقل کر کے لکھا ہے: "یہ ایسی سند ہے جس کے سہارے کوئی حجت قائم نہیں ہوتی۔"

امام ابن حزمؒ لکھتے ہیں:

"یہ ہر اعتبار سے گری ہوئی روایت ہے۔ ایک جھوٹی، من گھڑت اور باطل خبر ہے جو صحیح ثابت نہیں ہوتی۔" (الاحکام ابن حزم)

امام ابن حجرؒ نے "**تخریج کشاف**" میں اس اور اس جیسی دوسری روایات کی ساری سندوں کا ذکر کے انہیں ضعیف اور واہی قرار دیا ہے۔

امام شوکانیؒ نے "**ارشاد الفحول**" ص:83 پر اجماع پر بحث کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی اور لکھا: "اس کی سند میں کلام ہے جو معروف ہے اور تصریح کی کہ اس کا ایک راوی نہایت ضعیف اور دوسرا راوی امام ابن معینؒ کے نزدیک کذاب ہے اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ابن معینؒ نے کہا کہ یہ راوی ایک کوڑی کا بھی نہیں۔ ابن عدیؒ نے اس راوی کی روایات کو من گھڑت قرار دیا۔ امام ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین، ج:2 **القول فی التقلید** میں ان روایات کو غیر صحیح ثابت کیا۔

امام شوکانیؒ کا قول فیصل "**ارشاد الفحول، الفصل السابع فی الاستدلال، البحث الخامس فی قول صحابی**" میں یہ ہے کہ قول صحابی حجت

نہیں۔ اللہ نے اس امت کی طرف صرف نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ ہمارے لیے بس ایک ہی رسول علیہ السلام اور ایک ہی کتاب ہے۔ تمام امت اللہ کی کتاب اور اس کے نبی علیہ السلام کی اتباع پر مامور ہے اور اس معاملہ مین صحابہ وغیر صحابہ میں کوئی فرق نہیں۔ یہ سب کے سب تکالیف شرعیہ اور اتباع کتاب وسنت کے مکلّف ہیں جس شخص نے یہ کہا کہ اللہ کے دین میں کتاب وسنت یا جو کچھ ان دونوں کی طرف راجع ہوتا ہے، اس کے سوا کسی اور چیز سے بھی حجت قائم ہوسکتی ہے، اس نے دین کے بارے میں ایک بے ثبوت بات کہی۔"

4۔ صحابہؓ سے گناہ کا سرزد ہونا

صحابہ کرامؓ سے بھی گناہ سرزد ہوئے مگر اسکا مطلب یہ نہیں کہ ان کی ساری بزرگی اور کرامت ختم ہوگئی۔ قرآن مجید کا ہی بیان ہے کہ نیکیاں گناہوں کو ختم کردیتی ہے۔ (ھود 11:114) اگر کوئی یہ کہے کہ صحابہ سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوسکتا تو یہ درست نہیں کیونکہ سورہ توبہ: 9/25-26، میں جنگ حنین کے روز بھاگنے والوں کو ڈانٹا گیا، آیت نمبر 81 تا 85 میں غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں پر عتاب ہے۔ اسی طرح سورۃ جمعہ: 11/62 میں خطبہ جمعہ چھوڑ جانے والوں کو ٹوکا گیا۔ **بخاری کتاب الحدود باب الضرب** میں بعض صحابہ پر حد جاری ہونے کا بیان ہے۔ ایسی باتوں سے حضور ﷺ پر حرف نہیں آتا کیونکہ زندہ وجود مسلمان بھی ہوسکتا ہے اور مرتد بھی ہوسکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بچھڑا پوجا گیا تو اس سے موسیٰ علیہ السلام پر الزام نہیں آتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

"میں صحابہؓ کیلئے امان ہوں اور صحابہ امت کے لیے امان ہیں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو اصحاب پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے (یعنی فتنہ و آزمائش کا) اور جب صحابہؓ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ وقت آجائے گا جس کا وعدہ ہے۔" (یعنی فتنہ وآزمائش کا)

(مسلم کتاب الفضائل باب بیان ان بقأ النبی ﷺ امان لاصحابۃ و بقاء اصحابہ امان لامتہ)

5۔حدیث خیر القرون کی وضاحت

شاہ ولی اللہ نے اپنی کتاب ”حجة الله البالغه“ کی دوسری جلد کے آخر میں اس حدیث کی وضاحت کی ہے۔شاہ صاحب لکھتے ہیں:

”یہ جو ایک قرن کو دوسرے قرن (دور) پر فضیلت دی گئی ہے اور اس کو دوسرے قرن سے افضل بتایا گیا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ اس قرن والوں کو ہر ایک حیثیت سے دوسرے قرن والوں پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔آپ ﷺ نے اس حدیث میں اس غلط فہمی کو رفع فرمایا اور اصل حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ میری امت کی مثال بارش کی ہے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی ابتداء اعلیٰ و افضل ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔آپ ﷺ کی ایک اور حدیث ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم تو میرے اصحاب ہو، میرے بھائی وہ ہیں جو بعد میں آئیں گے۔“

(مسلم کتاب الطهارة باب استحباب اطالة الغرة والتحجيل فى الوضوء)

اس کا فلسفہ یہ ہے کہ ایک کو دوسرے سے افضل بتانے کی وجوہات مختلف ہوتی ہیں اور بعض اوقات ان میں تعارض ہوتا ہے اور یہ کہنا کسی صورت میں ممکن نہیں کہ جس قرن (دور) کو دوسرے کے مقابلہ میں افضل بتایا گیا ہے، اس کے ہر ہر فرد کو دوسرے دور کے ہر فرد پر فضیلت حاصل ہو۔اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ جبکہ یہ امر واقعہ ہے اور سب اس کو مانتے ہیں کہ قرون فاضلہ (خیر القرون) میں بھی بعض ایسے افراد موجود تھے جن کے نفاق وفسق پر امت کا اتفاق و اجماع ہے مثلاً حجاج بن یوسف، یزید بن معاویہ، مختار ثقفی اور قریش کے چھوکرے جن کے ہاتھوں امت کی ہلاکت ہوئی اور جن کی بداعمالیوں، بدکرداریوں کا حال خود آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا۔اس بارے میں محقق اور قطعی بات یہی ہے کہ قرن اوّل کے جمہور قرن ثانی کے جمہور سے افضل تھے۔یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کا ایک ایک فرد اس دوسرے دور کے ایک ایک فرد سے افضل ہوگا۔

6۔صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے

سورۂ توبہ:9/ 100 تا 102 میں صحابہ کے تین گروپ بیان ہوئے ہیں پہلا گروہ نیکیوں میں پہل کرنے والوں کا ہے یہ شروع میں کلمہ پڑھنے والے اور نیکیوں میں بہت آگے تھے۔ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بعد میں ایمان لائے مگر انہوں نے پہلوں جیسی نیکیاں کر کے دکھادیں۔ان دونوں گروہوں کے لیے آیت نمبر 100 میں فرمایا ”رضى الله عنهم و رضوا عنه“ آیت 101 میں فرمایا کہ دوسرا گروپ منافقوں کا ہے۔وہ نفاق میں اتنے ماہر تھے کہ ان کو صرف خدا جانتا ہے۔ان کی تعداد کا اندازہ اسی سے کرلیں کہ جنگ احد کے موقع پر لشکر کے 1/3 حصہ کے برابر منافق بالکل ننگے ہو کر سامنے آگئے۔آیت نمبر 102 میں تیسرے گروہ کا بیان ہے جو منافق نہیں تھے مگر ان کے اعمال ملے جلے تھے۔ان کیلئے فرمایا شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرلے۔ان کا معاملہ ملتوی ہے۔ہمارے دور کے لوگ ہر ایک کو ”رضى الله عنه“ کہتے ہیں حالانکہ یہ شان صرف ان کی ہے جو السابقون الاولون یا ان کے بہترین پیروکار تھے۔

سورہ آل عمران:152/3 میں فرمایا: ”تم میں سے بعض دنیا کے طالب ہیں اور بعض آخرت کے۔“ یہ آیت جنگ احد کے بعد نازل ہوئی۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ، تینوں سے روایت ہے مگر امام ابن کثیر نے ایک لکھی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مجھے کوئی قسم دیتا تو میں کہہ دیتا کہ صحابہ میں دنیا کا طالب کوئی نہیں یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔“

(تفسیر ابن کثیر ج:1، ص:413 عربی)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں زیادہ تعداد مخلص مومنوں کی تھی جن کی قربانیاں دین کی ترقی کا باعث بنیں۔مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ پکے منافق اور بعد میں بدل جانے والے لوگ بھی صحابہ میں گھسے ہوئے تھے اور ان پر بھی لفظ صحابی ہی بولا گیا۔امام بخاری کتاب التفسیر سورہ توبہ باب فقاتلو آئمة الكفر انهم لا ايمان لهم کے تحت حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ

کی حدیث لائے ہیں جس میں راوی حدیث زید ابن وہب کہتے ہیں کو ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ انہوں نے فرمایا:

”یہ آیت جن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے ان میں سے اب صرف تین شخص باقی ہیں۔ اس طرح منافقوں میں سے اب بھی چار آدمی زندہ ہیں۔ میں ان کو جانتا ہوں ان میں سے ایک ایسا بوڑھا ہے کہ اگر وہ ٹھنڈا پانی پیئے تو اس کی ٹھنڈک تک محسوس نہیں کرتا۔“

سورہ توبہ: 9/101 میں فرمایا گیا ہے:

”بعض پکے منافق ایسے ہیں جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نہیں جانتے۔ جنگ احد سے واپس مڑنے والے منافقوں کو بھی صحابی کہا گیا۔“

(ترمذی کتاب التفسیر سورہ نساء، عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ)

بخاری کتاب التفسیر (سورہ المائدہ) باب و کنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم کے تحت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث میں بیان ہے:

”میدان حشر میں کچھ لوگ میری امت میں سے حاضر کئے جائیں گے اور ان کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔ میں کہوں گا اے رب یہ میرے صحابی ہیں۔ جواب ملے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا نئے کام کئے اور جب سے آپ ان سے جدا ہوئے یہ لوگ اسلام سے پھر گئے۔“ مسند احمد میں روایت نمبر: 27022-27195-27081 بھی اسی سلسلہ میں ہیں۔“

یہ روایت بخاری، سورہ انبیاء کی تفسیر میں بھی آئی ہے۔ کتاب الرقاق باب کیف الحشر میں بیان انا اعطینك الکوثر میں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ بھی درج ہے کہ میں ان لوگوں کو پہچان لوں گا۔ بخاری ہی میں ان ابواب کے علاوہ دوسرے مقام پر

اور ترمذی میں ابواب صفة القیامه باب ما جاء فی شان الحشر، مسلم شریف کتاب الطھارۃ باب استحباب اطالة الغرة و التحجیل فی الوضوء میں بھی آئی ہے۔

مسلم شریف کتاب البر و الصلة الادب باب نصر الاخ ظالماً او مظلوماً میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی پر بھی لفظ صحابی بولا۔

سورہ فاطر: 32/5 میں بھی مسلمانوں کے تین گروپ بیان ہوئے۔

(1) اپنے آپ پر ظلم کرنے والے

(2) میانہ رو یعنی ملے جلے اعمال والے

(3) سابقون بالخیرات یعنی نیکوں میں آگے نکل جانے والے

تمام مسلمان گروہوں کی کتابوں کے تحقیقی مطالعہ، قرآن و حدیث پر غور و فکر کے بعد ایک عجیب صورت حال سامنے آتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانہ میں جو لوگ مسلمان ہوئے وہ دو طرح کے تھے۔ ایک گروہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبی سمجھ کر سچا ایمان لانے والا تھا اور کچھ نے بادشاہ سمجھ کر تسلیم کر لیا تھا۔ یہ تقسیم احادیث میں صاف نظر آتی ہے۔ کچھ لوگوں کے ذہن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت جاگزیں نہ ہو سکی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بادشاہ ہی سمجھتے رہے۔ صحابہ کو دی گئی بشارتیں نیک اعمال سے مشروط ہیں۔

(ابن قیم: الفوائد، ص: 17، مرقاۃ المفاتیح ملا علی قاری، ج 1- ص: 28)

7- کیا مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرنا منع ہے؟

مشاجرات صحابہ کے متعلق یہ موقف درست نہیں کہ ان کو بیان نہ کیا جائے کیونکہ تمام کتابوں میں یہ سب کچھ لکھا جا چکا ہے جو دنیا پڑھ رہی ہے، تو بیان کرنے سے منع کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ ہاں یہ لازم ہے کہ روایت درست ہونی چاہیے۔ یہ موقف جماعت المسلمین کے بانی مسعود احمد بی ایس سی اور اہل حدیث عالم مولانا صلاح الدین یوسف کا بھی ہے اگرچہ وہ اس پر قائم نہیں رہے اور خود ضعیف روایات کا سہارا لینا شروع کر دیا۔ مشاجرات

صحابہ بیان کرنے کا مقصد صحابہ کو بدنام کرنا نہیں بلکہ صحیح اسلامی حکومت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ہے۔

یادرکھو! اس سے بڑا شرک کوئی نہیں ہے کہ ہم کہیں اس واقعہ میں چونکہ فلاں بزرگ کا نام آتا ہے لہٰذا خاموش رہو۔ دین میں کہاں لکھا ہے کہ بڑا آدمی غلطی کرے تو تنقید نہ کرو۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم انبیاء کرام علیہم السلام سے بڑے ہیں؟ قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام کو ٹوکا گیا کہ منع کرنے کے باوجود شجر ممنوعہ کے پاس کیوں گئے (طٰہٰ:121/20) یہ بات ہر عالم برسر منبر بتاتا ہے۔ کیا اس سے سیدنا آدم علیہ السلام کی توہین ہوتی ہے یا ان کی نبوت کا انکار ہوتا ہے؟ کیا ان کی شان کا کوئی منکر ہے؟ اسی طرح سیدنا نوح علیہ السلام کو بیٹے کے بارے میں بات کرنے پر ٹوکا گیا اور انہوں نے اسی وقت معافی طلب کی۔ (ہود:47-46/11)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے باپ کے لیے دعا کی تو ٹوک دیا گیا (توبہ:114/9) موسیٰ علیہ السلام سے قتل خطا ہوا تو اس کو عمل شیطان کہا گیا (القصص:15/28) خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورہ تحریم:1/66 اور سورہ عبس:1/8 ٹوک دیا گیا۔ اب کوئی ماں کا لال ایسا ہے جو ان مثالوں کی بناء پر حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی توہین کا سوچ کر کافر ہو جائے؟ ان کے بلند مرتبے ان کے پاس ہی ہیں۔ ان سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سبوح قدوس صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ سبحان اللہ کہہ سکتے ہیں، سبحان النبی نہیں کہہ سکتے، یہی توحید ہے کہ خدا جیسا کوئی نہیں۔

خود قرآن مجید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو کئی موقعوں پر ٹوک دیا گیا مثلاً جنگ اُحد میں بلا اجازت درّہ چھوڑنے والوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ (آل عمران:152/3)

لہٰذا! بڑے لوگوں پر تنقید ہو سکتی ہے مگر تنقید اور گالیاں دینے میں فرق ہے۔ یہ شرک کی قسم ہے کہ بڑے آدمی سے غلطی ہو جائے تو خاموش رہو اور انکو تحفظ دو۔ غلط کام کا غلط نتیجہ ہی نکلے گا چاہے بڑے آدمی سے ہو۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۃ احادیث ضعیفہ میں لکھتے ہیں:

السلطان العادل المتواضع ظل الله ورحمه فی الارض یرفع له عمل سبعین صدیقا۔

یہ حدیث ابوبکرہ، انس، ابن عمر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مختلف کتب میں روایت کی گئی ہے۔ جن میں فردوس دیلمی، الحکیم ترمذی، بزار، طبرانی کبیر، شعب الایمان للبیہقی، ابن نجار میں درج ہے۔ علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث ضعیفہ ج:1، ص:492,491، حدیث نمبر 3348 تا 3353 میں ان روایات پر بحث کر کے لکھا ہے کہ یہ تمام موضوع یا ضعیف ہیں۔

چونکہ بادشاہ ظل اللہ والی تمام روایات جھوٹی ہیں لہٰذا ظالم بادشاہوں کے فتوؤں کی دین میں کوئی حیثیت نہیں۔

امام ابوعبداللہ قرطبی نے تفسیر قرطبی میں آیت منع غیبت کے تحت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے...... ”تین قسم کے لوگوں کے عیب بیان کرنا غیبت نہیں“

(1) صاحب بدعت

(2) علانیہ فاسق

(3) ظالم حاکم

امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح المقاصد میں لکھا ہے کہ:

”صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو محاربات و منازعات وقوع میں آئے وہ کتب تاریخ میں درج ہیں اور ثقہ لوگوں کی زبانوں پر مذکور ہیں، بظاہر اس امر پر دال ہیں کہ بعض صحابہ طریق حق سے تجاوز کر کے حد فسق و ظلم کو پہنچ گئے اور اس کا باعث کینہ اور عناد اور حسد اور شدت خصومت اور طلب ملک و ریاست اور شہوت نفسانی کی طرف میلان تھا، کیونکہ ہر صحابی معصوم اور ہر وہ شخص کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی ہے، نیکی کے ساتھ موسوم نہ تھا۔“

(بحواله ارجح المطالب ص 577، عبیدالله امرتسری)

''اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ذہن میں رہے کہ نواصب عداوت اہل بیتؑ اور روافض عداوت صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے معذور نہیں ہوں گے۔''

(تحفۃ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص154 اردو)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ منہاج السنۃ ج:3،ص:176-177 پر لکھتے ہیں:

''دو قسم کے لوگ سیدھے راستہ سے ہٹ گئے ہیں۔ایک تو وہ لوگ ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم پر ایسے اعتراض پکڑ کر بیٹھ گئے ہیں جو بخشش کا امکان رکھتے ہیں مگر وہ لوگ ان اعتراضات کو اچھال رہے ہیں۔ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم کی کوئی نیکی نظر نہیں آتی۔دوسرے وہ لوگ ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کی غلطیوں کو بھی نیکی بنا بنا کر پیش کرتے ہیں۔یہ لوگ غلو میں اتنا آگے چلے جاتے ہیں کہ گناہ کو نیکی بنا دیتے ہیں۔غالی ان کی ایک برائی کو اچھال کر ان کی باقی نیکیوں پر پانی پھیر دیتے ہیں حالانکہ خارجیوں سمیت پوری امت مانتی ہے کہ نیکیاں کرنے والے کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔''

8۔فتنہ ناصبیت

اس دور میں فتنہ ناصبیت بہت ترقی کر گیا ہے۔ناصبی دشمن اہل بیت علیہم السلام کو کہتے ہیں۔کراچی سے علانیہ کتابیں شائع ہو رہی ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے ''ناصبی بھائیوں کے لئے'' وہ لوگ دفاع صحابہ کے نام پر صحیح حدیثوں کو رد کر رہے ہیں اور پرچار کر رہے ہیں کہ یزید امیر المومنین تھا، امیر معاویہ برحق اور علی و حسین علیہما السلام نعوذ باللہ جھوٹے تھے۔یہ تمام کاروائی جو دفاع صحابہ کے نام پر ہو رہی ہے، اہل حدیث و اہل سنت حضرات ہضم کر رہے ہیں۔اور یہ نہیں سوچتے کہ اس طرح ہم اپنے ہی گھر کو آگ لگا رہے ہیں۔جس طرح پہلے تین خلفاء رضی اللہ عنہم قابل احترام ہیں اسی طرح حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد بھی قابل احترام ہیں۔ناصبیوں کے نزدیک صحابہ صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلامی حکومت کو تباہ کیا حالانکہ قیامت تک آنے والی اس امت کی مصیبتوں کے وہی ذمہ دار ہیں۔انہوں نے

انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو الٹ دیا اور ابن خلدون کے الفاظ میں انقلاب الخلافة الى الملك پر عمل پیرا ہوئے۔

یاد رکھو! اسلام میں کوئی خرابی نہیں، یہ مشین بالکل ٹھیک ہے مگر چلانے والوں کی غلطی کی وجہ سے نظام خراب ہو گیا چاہے وہ کتنے نیک تھے۔نظام اسلام میں کوئی خرابی نہیں یہ دین برحق اور بالکل صحیح ہے۔مگر ناصبی نظام چلانے والوں کی غلطی تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسلام کو زیر عتاب لے آتے ہیں۔اسی وجہ سے غیر مسلم یہ کہتے ہیں کہ اسلام صرف 30 سال تک چلا، اس لئے یہ قابل عمل نہیں ہے۔اس اعتراض کا صحیح حل کرنے کی بجائے ناصبی شخصیات کا دفاع شروع کر دیتے ہیں۔حالانکہ سارا مواد بخاری و مسلم سمیت حدیث کی معتبر کتابوں میں ہے۔ناصبی یا تو احادیث کو چھپاتے ہیں یا ان کو رد کر دیتے ہیں تا کہ ان کے ممدوح مجروح نہ ہوں۔

خلافتِ راشدہ اور اس کی خصوصیات

اِس بابرکت نظام کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ حکمران لوگوں کی آزاد مرضی سے چنا جاتا ہے۔لوگ بغیر کسی دباؤ یا لالچ کے خود اپنی رضا و رغبت سے اسے پسند کر کے بیعت کرتے ہیں۔اس بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ بھی آتے ہیں:

''کہ جس شخص کو مشورے کے بغیر حکومت دی جائے اس کے لئے اس کا قبول کرنا حلال نہیں ہے۔'' (فتح الباری ج:2،ص:125،امام ابن حجر)

خلیفہ راشد لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔کتاب اللہ و سنت رسول میں کوئی حکم نہ ملتا تو قوم کے سرکردہ اور نیک لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کیا جاتا۔پھر جو رائے قرار پاتی اس کے مطابق فیصلہ کیا جاتا۔مشورے کے بارے میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا تصور یہ تھا کہ اہل شوریٰ کو پوری آزادی کے ساتھ اظہار رائے کا حق ہے۔

بیت المال کو خدا اور خلق کی امانت سمجھا جاتا تھا۔اس میں نہ خلافِ قانون کچھ آتا نہ خلاف قانون شریعت کچھ خرچ کیا جاتا۔حکمرانوں کی ذاتی اغراض کیلئے خرچ کو حرام سمجھا

جاتا تھا۔ یہی بادشاہی اور خلافت میں بنیادی فرق ہے۔

حکومت کی ذمہ داری کو خلفائے راشدین بوجھ سمجھتے تھے اور لوگوں سے توقع رکھتے تھے کہ وہ صحیح کام میں ساتھ دیں گے اور اور غلط کام پر ٹوک دیں گے۔ وہ خود کو قانون سے بالا تر نہیں سمجھتے تھے بلکہ قانونِ کی نگاہ میں خود کو عام آدمی کے برابر قرار دیتے تھے۔

ان کی حکومت ہر قسم کی قبائلی، نسلی اور وطنی عصبیتوں سے پاک تھی۔ اس خلافت کی سب سے اہم خصوصیت تنقید اور اظہار رائے کی آزادی تھی۔ وہ ہر وقت اپنی قوم کی دسترس میں تھے۔ وہ خود اہل شوریٰ کے درمیان بیٹھتے اور مباحثوں میں حصہ لیتے تھے۔ ان کی کوئی سرکاری پارٹی نہ تھی نہ ان کے خلاف کوئی پارٹی تھی۔ شوریٰ سے کچھ چھپایا نہ جاتا اور تمام فیصلے دلیل کی بنیاد پر کئے جاتے۔

خلافت راشدہ روشنی کا مینار تھا جس کو تمام ادوار کے محدثین وفقہا اور عام مسلمان اسلام کے مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور اجتماعی نظام کے معاملہ میں معیار سمجھتے رہے۔ خلافت راشدہ کا اختتام ہی مسلمانوں کی فرقہ بندی کی اصل وجہ ہے کہ ملوکیت کے نظام میں کوئی ایسا معتمد ادارہ موجود نہ رہا جو اختلافات کو بروقت حل کر سکے۔

خلافت 30 سال تک ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"میرے بعد خلافت تیس سال تک ہے پھر ملکِ عضوض یعنی کاٹ کھانے والی بادشاہت ہے۔"

(البانی سلسلة الاحادیث الصحیحه ج:1، ص 520، حدیث 459، ابوداؤد حدیث نمبر 4646، ترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی الخلافه، ابن حبان حدیث نمبر 1535، سیر اعلام النبلاء للذهبی ج:4، ص :79، الجواب الصحیح امام ابن تیمیه ج:4، ص :138)

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (تبلیغی جماعت والے) اپنی کتاب "معارف الحدیث"

کی جلد 7 میں سیاست کے عنوانِ کے تحت اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"امیر معاویہ ان خلفاء میں شامل نہیں جو حضور علیہ السلام نے بیان فرمائے۔ امام ابن حجر فتح الباری ج: 12، ص: 392، پر لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ کو جو خلیفہ کہتے ہیں تو یہ لغوی معنوں میں ہے۔ خلافت علی منہاج النبوت 30 سال تک تھی۔ پھر معاویہ اور ان کے بعد آنے والوں کو بے شک لوگ خلیفہ کہتے ہیں مگر ان کا طریقہ بادشاہوں کا تھا۔"

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری، ج: 12، ص: 392 پر لکھتے ہیں کہ حدیث ہے:

"خلافت میرے بعد 30 سال تک ہے اس سے مراد خلافت نبوت ہے اور معاویہ اور بعد والے بادشاہوں کے طریقے پر تھے چاہے ان کا نام خلیفہ رکھو۔"

اہل حدیث عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ ابوداؤد کی شرح "عون المعبود" ج: 4، ص: 342 پر لکھتے ہیں:

"امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلافت ختم ہونے کے بعد یعنی 30 سال کے بعد بادشاہت ہے۔ کیونکہ خلیفہ کا نام صرف ان کے لیے ہے جو سنت نبوی پر چلتے رہے اور مخالفِ سنتِ نبوی بادشاہ تھے، خلیفہ نہ تھے۔ ہاں ان بادشاہوں کو خلیفہ کہہ دیتے ہیں کیونکہ ایک کے بعد دوسرا جو آیا (یہ صرف لغت کے مطابق ہے نہ کہ دین کے مطابق) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اہل حدیث عالم ترمذی کی شرح تحفة الاحوذی ج: 3، ص: 230 پر لکھتے ہیں کہ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ صحابی نے کہا پہلا بادشاہ معاویہ ہے اور خلافت نبوت سے مراد خلافت کاملہ لی جاتی ہے اور وہ صرف 5 اشخاص میں منحصر ہے (حضرت حسن علیہ السلام تک) لہٰذا جب 12 خلفاء کی بات آئے تو اس کے خلاف نہیں کیونکہ وہ مطلق حکمرانوں کی بات ہے۔"

شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثناء عشریہ ص 363 پر لکھتے ہیں:

"کل اہل سنت متفق ہیں اس بات پر کہ معاویہ بن ابی سفیان شروعِ امامت حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ سے اس وقت تک کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے اس کے سپرد کی، باغیوں میں سے تھا کہ امام وقت کا مطیع نہ تھا۔ اور جب حضرت امام رضی اللہ عنہ نے حکومت اس کے سپرد کر دی تو بادشاہوں سے ہوا...... اسی واسطے اہل سنت اس کو کہتے ہیں کہ اسلام میں اول بادشاہ وہ ہوا ہے۔"

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ "مسئلہ خلافت ص:23 باب خلافت خاصہ وملوکی" میں لکھتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: "خلافت میرے بعد تیس سال تک ہے پھر بادشاہت ہے۔" جیسا کہ اصحاب سنن نے لکھا ہے۔

مولانا محمد میاں استاد دارالعلوم دیو بند ماہنامہ دارالعلوم دیو بند بابت دسمبر 1965ء میں لکھتے ہیں:

"عہد خلافت راشدہ کے بعد داعیِ اسلام تمام دولتیں (حکومتیں) اپنے اپنے دولتی قصروں (حکومتی محلوں) کی تعمیر، فرعون کے دولتی نقشہ (مطلقية اداره غير مسئول) کے مطابق کر کے اسلام اجتماعی کو پس پشت ڈال کر قرآن حکیم کے فرامین سیاسی کو زیر پا کر چکی ہیں۔ اس لیے ان کو نبوت کے عادل دربار سے ملوک عضوض اور شاہان جبارہ کا غیر اسلامی خطاب مل چکا ہے۔"

مولانا عبید اللہ انور دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"کہ امیر معاویہ نے قیصر و کسریٰ کی سنت کے مطابق بادشاہت کا سلسلہ قائم کر دیا۔" (رسالہ خدام الدین لاہور، 22 جون 1962)

مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ تاریخ اسلام کے پہلے مطلق العنان اور مُستَبِد بادشاہ ہیں اس لیے ان کے عہد میں خلافت راشدہ کی جمہوریت اور اس کا طریق جہان بانی تلاش کرنا بے سود ہے۔"
(غیر مہاجر و انصار صحابہ ج:1، ص:74)

خلافت اور ملوکیت کا فرق اور ملوکیت کا جبر

ایک ناصبی خالد بن عبداللہ القسر ی گورنر مکہ تھا۔ ولید بن عبدالملک نے تمام گورنروں کو حکم دیا تھا کہ وہ خطبہ جمعہ میں حجاج بن یوسف کی تعریف کیا کریں۔ حجاج وہ ظالم تھا جس کے بارے میں مسلم شریف میں حدیث ہے کہ بنی ثقیف میں ایک مبیر (خون بہانے والا) پیدا ہوگا۔ حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی چھری سے ذبح کرائے تھے جیسا کہ ترمذی کی صحیح حدیث میں بیان ہے۔ یہ خالد بن عبداللہ القسر ی ہر جمعہ حجاج کی تعریف کیا کرتا تھا۔

ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک تخت پر بیٹھا۔ وہ حجاج بن یوسف کا دشمن تھا۔ سلیمان نے حکم دیا کہ جمعہ کے خطبہ میں حجاج بن یوسف پر لعنت کی جائے۔ اب ذرا ملوکیت کا جبر اور ماتحتوں کی دانش فروشی ملاحظہ ہو۔ وہی خالد القسر ی جو حجاج کی تعریف کیا کرتا تھا، وہ سوچنے لگا کہ پچھلے جمعہ تک تو میں حجاج کی تعریف کرتا رہا، اب اس پر لعنت کیسے کروں؟

اس کا حل اس نے یہ نکالا کہ خطبہ میں حمد وثناء کے بعد کہا کہ ابلیس ملائکہ میں شامل تھا، فرشتے اس کو بہت اچھا جانتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ یہ اندر سے خراب ہے۔ اس نے آزمائش کی تو ابلیس فیل ہوگیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی۔ اس طرح ہم حجاج کی ظاہری نیکیاں دیکھ کر اس کو اچھا سمجھتے رہے۔ مگر وہ ابلیس کی طرح نکلا اور ہمارے امیر المومنین سلیمان بن عبدالملک کو اللہ تعالیٰ نے وہ بات بتادی جو ہمیں معلوم نہیں تھی۔ اب ان کی طرف سے حکم آیا ہے لہٰذا لعنت اللہ علیہ!

یہ ملوکیت کا ایک نمونہ ہے۔ یہ ساری کہانی ایک کتاب غاية المرام میں موجود ہے جو ام القریٰ یونیورسٹی مکہ نے شائع کی ہے۔ اس میں حضور علیہ السلام کے دور سے لے کر 900 ہجری تک مکہ کے تمام گورنروں کے حالات لکھے ہیں۔

تغیّر کا آغاز

اس بات کو سمجھنے کیلئے بہت پیچھے جانا پڑے گا تا کہ پتہ چلے کہ بیماری ایک دن میں نہیں آتی۔ نبی علیہ السلام کے دور میں معاشرہ کیسا تھا اور بعد میں کس طرح آہستہ آہستہ تبدیلی آتی گئی۔ حضرت علی علیہ السلام کی باری جب آئی تو ان کی حکومت کو چلنے نہ دیا گیا کیونکہ معاشرہ ان کے قابل نہ رہا تھا۔ علی علیہ السلام ان کے کسی کام کے نہ تھے۔ لوگ جس راہ پر چل پڑے تھے۔ اس پر علی علیہ السلام جیسا خلیفہ ان کو درکار نہ تھا۔ علی علیہ السلام کے بارے میں ان کو معلوم تھا کہ وہ اصول سے ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ جو کچھ قرآن وسنت میں حکم ہے، وہ اس پر کاربند رہتے چاہے حکومت رہے نہ رہے یا گورنر بگڑ جائیں۔ لوگوں کو دنیاوی زندگی پیاری ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ کے بعد جلد ہی وہ وقت آ گیا جس کا خطرہ آپ علیہ السلام محسوس فرماتے تھے۔

حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے دور میں بہت تیزی سے فتوحات ہوئیں اور علاقہ بہت وسیع ہو گیا۔ ہمارے دیکھنے میں ہر بات بہت اچھی نظر آتی ہے جبکہ یہی بات مثالی اسلامی معاشرے کی بربادی کا سبب بنی۔ ان نئے آنے والوں کی ویسی تربیت نہ ہو سکی جیسی صحبت نبوی ﷺ میں میسر تھی۔ مملکت میں توسیع ضرور ہوئی مگر معاشرے میں استحکام نہ ہو سکا، اس لیے لوگوں میں بری عادات پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔ تربیت کا فرق تو سورہ انفال 8/65-66: میں بیان فرمایا گیا کہ پہلے ایک مسلمان دس کافروں پر بھاری تھا پھر ایک دو کا مقابلہ رہ گیا۔ تعداد زیادہ ہو گئی تھی مگر تربیت میں فرق تھا۔ جو لوگ شروع سے مسلمان تھے ان میں اور بعد میں مسلمان ہونے والوں کا فرق واضح تھا۔

حضور ﷺ ایسی صورت حال کے بارے میں بہت فکر مند تھے۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:11 میں حدیث نمبر 6425 کے تحت لکھتے ہیں:

"حضرت مسور بن مخرمہ حضرت عمرو بن عوف بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کو بحرین سے جزیہ لانے بھیجا۔ وہ جب جزیہ کا مال لے کر آئے تو اگلے دن سب انصار نے فجر

کی نماز اپنی اپنی مسجد میں پڑھنے کی بجائے مسجد نبوی میں ادا کی جب رسول کریم ﷺ نے سلام پھیرا تو سب آگے ہو گئے۔ آپ ﷺ یہ دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا میرا خیال ہے تمہیں ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر مل گئی ہے۔ انصار رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں! فرمایا خوش ہو جاؤ! تمہاری پسند تمہیں مل گئی۔ اللہ کی قسم! مجھے تمہارے بارے میں غریبی کا ڈر نہیں بلکہ مجھے یہ ڈر ہے کہ دنیا تم پر فراخ کر دی جائے گی جیسے تم سے پہلوں پر فراخ کر دی گئی تھی۔ پھر تم دنیا حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو گے جیسے تم سے پہلے لوگوں نے کیا جیسے نہیں مال نے اللہ سے غافل کر دیا تھا، ویسے ہی تمہیں مال اللہ سے غافل کر دے گا۔"

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر، تو نگری سے نہیں

ایسا ہی دوسری احادیث میں فرمایا۔ اس حدیث کی صداقت کی گواہی مسلمانوں کی 14 سو سال کی تاریخ دیتی ہے کہ جب علاقے فتح ہو گئے تو خدا کی طرف دھیان کم اور دنیا کی طرف زیادہ ہو گیا۔ حضور ﷺ فرماتے تھے:

"میرا وجود غنیمت جانو۔ جب میں اُٹھ گیا تو صحابہ میں فتنے میں آ جائیں گے اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم اٹھ گئے تو باقی امت میں اور فتنے آ جائیں گے

(صحیح مسلم معاشرہ نبی ﷺ)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ ابن الربیع اسیدی کاتب وحی تھے۔ ترمذی شریف کی شرح تحفۃ الاحوذی ج:3، ص:321 پر ان سے مروی ایک حدیث کے تحت لکھا ہے:

"وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور رو رہے تھے، انہوں نے پوچھا حنظلہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا ابوبکر حنظلہ منافق ہو گیا۔ پوچھا کیا بات ہوئی کہنے لگے جب ہم رسول کریم ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں اور

وہ جنت دوزخ کا بیان فرماتے ہیں تو اس وقت ہمارا حال یہ ہوتا ہے جیسے ہم اپنی آنکھوں سے جنت دوزخ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ جب واپس آ کر بیوی بچوں اور زمینوں میں مصروف ہو جاتے ہیں تو وہ باتیں ہم بھول جاتے ہیں اور وہ اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ فرق مجھے منافقت نظر آتی ہے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم ہمارا بھی یہی حال ہے۔ میرے ساتھ چل تا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر اپنا حال کہیں۔ پھر وہ دونوں حضور نبوی گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا حنظلہ رضی اللہ عنہ کیا بات ہے؟ انہوں نے ساری بات عرض کی۔ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تمہارا ہر وقت وہی حال رہتا جو میری مجلس میں ہوتا ہے تو فرشتے تم سے تمہاری مجلسوں، بستر اور بازاروں میں مصافحہ کرتے۔ یہ وقت وقت کی بات ہے۔'' مسلم شریف میں فرمایا جب آسمان سے ستارے ختم ہو گئے تو آسمان ختم ہو گئے تو آسمان ختم ہو جائے گا اور جب میں دنیا سے چلا گیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم میں فتنے آ جائیں گے۔ (تحفۃ الاحوذی، ج:3، ص:321)

بخاری شریف میں روایت ہے جس میں فرمایا:

''میں تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح گرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں جیسے بارش کے قطرے گرتے ہیں۔''

(بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام ، کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویل للعرب من شر قد اقترب اور باب لایاتی زمان الا الذی بعدہ شر منہ)

''شراب ام الخبائث ہے۔''

(صحیح الجامع الصغیر ج:1 ص 232، حدیث : 3344، صحیحہ ، ج: 4، حدیث :1854)

مگر بہت زمانہ نہیں گذرا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی لوگ شراب پینا شروع ہو گئے۔ یہ فتوحات کا نتیجہ تھا۔ عربوں نے جب عراق اور شام کے باغات والے علاقے دیکھے تو

پھر عیش و آرام میں پڑ گئے، کبوتر بازی شروع کر دی جس بات کا اندیشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظاہر فرمایا تھا، وہی شروع ہو گئی۔ اتنے لوگ شراب پینا شروع ہو گئے کہ سزا بڑھانا پڑی۔

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے شروع زمانہ میں، جب شرابی کو لایا جاتا تو صحابہ کہتے ہیں کہ ہم اٹھتے تھے، کوئی ہاتھوں سے مارتا، کوئی جوتے مارتا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو شراب عام ہو گئی۔ پھر آپ نے 40 کوڑے مقرر کئے۔ جب لوگ حد سے گذر گئے اور فاسق ہو گئے تو پھر 80 کوڑے مقرر کئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی کہ سمرہ نے شراب بیچی انہوں نے کہا اللہ سمرہ کو تباہ کرے اسے فرمان نبوی کا علم ہے کہ اللہ تباہ کرے یہودیوں کو جب ان پر حرام ہوئی چربی تو انہوں نے اسے گلایا۔

(صحیح بخاری حدیث : 6779 ،نسائی کتاب الفرع و العتیرۃ باب النہی من الانتقاع بماحرم اللہ عزوجل)

جب عراق و شام فتح ہوئے، زرخیز علاقے ہاتھ آئے، عربوں نے وہاں کا معیار زندگی دیکھا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اعلیٰ عمارتیں بنانا شروع کر دیں۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ صورت حال برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ''جب مدینہ سلع پہاڑ تک وسیع ہو جائے تم شہر چھوڑ دینا اس وقت یہاں دین بہت تھوڑا رہ جائے گا۔'' وہ شام چلے گئے۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور تھا۔ انہوں نے شام میں دیکھا کہ حاکم محلات میں رہتا ہے۔ وہاں انہوں نے اعتراض کیا کہ حاکم (امیر معاویہ) سونا چاندی جمع کر رہا ہے اور غریب بھوکے مر رہے ہیں۔ اس پر امیر معاویہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شکایت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے واپس بلا لیا اور کہا تم حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہو۔ معاویہ نے مجھے لکھا ہے کہ اگر شام

چاہیئے تو ابوذر ؓ کو واپس بلالیں۔ حضرت ابوذر ؓ نے کہا میں حکومت کے خلاف نہیں بلکہ حاکموں کے سونے چاندی کے ڈھیر اکٹھے کرنے کے خلاف ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا: ''اگر احد پہاڑ بھی سونے کا ہو تو شام سے پہلے اسے خیرت کردینا۔'' حاکم دولت اکٹھی کررہے ہیں اور لوگ بھوکے مر رہے ہیں۔ پھر ان سے کہا گیا کہ مدینہ چھوڑ دیں۔ ان کو ربذہ کے علاقہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔

(بخاری کتاب الزکاۃ باب ما ادّ زکاۃ فلیس بکنز، کتاب التفسیر باب والذین یکنزون الذھب والفضہ مسلم کتاب الزکوٰۃ باب تغلیظ عقوبۃ من لایودی الزکوٰۃ)

مالِ غنیمت کی کثرت اور خوبصورت لونڈیوں نے لوگوں کا ذہن بدل دیا۔ حضرت عمر ؓ کی سختی ان لوگوں کے آگے بند باندھے تھی۔ لوگ حضرت عمر ؓ جیسے حکمران کی بجائے نرم حکمران چاہتے تھے جو ان کے عیش میں رکاوٹ نہ بنے۔ حضرت علی ؓ سے وہ لوگ پناہ مانگتے تھے کہ وہ کسی کا لحاظ نہ کریں گے۔ حضرت عثمان ؓ کے بارے میں جانتے تھے کہ نرم طبیعت ہیں، وہ سختی نہ کریں گے۔ یہ پہلا سبب ہے جس کی بنا پر لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام پر حضرت عثمان ؓ کو ترجیح دی۔

جب پھسلنے پر آئے تو بڑے سے بڑا آدمی پھسل جاتا ہے۔ حضرت قدامہ ؓ ابن مظعون بدری صحابی تھے۔ وہ حضرت عمر ؓ کے سالے اور حضرت حفصہ ؓ وعبداللہ بن عمر ؓ کے ماموں تھے۔ وہ حضرت عمر ؓ کے بحرین میں گورنر تھے۔ انہوں نے بحرین میں شراب پینا شروع کردی۔ وہاں سے حضرت جارود ؓ صحابی آئے اور حضرت عمر ؓ سے کہا کہ میں نے بحرین میں یہ کام دیکھا ہے، صبر نہ کرسکا اور آپ کو اطلاع دینا میرا فرض تھا۔ حضرت نے کہا بیٹھ جا۔ بعد میں حضرت ابوہریرہ ؓ آئے۔ انہوں ے کہا قدامہ کے شراب پینے کی گواہی میں بھی دیتا ہوں۔ ان کو بھی حضرت عمر ؓ نے کہا بیٹھ جا۔ حضرت جارود ؓ

کہنے لگے کہ میں نے حق بات بیان کی ہے۔ آپ کا سالا شراب پیتا ہے اور آپ مجھے بات کرنے سے روک رہے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو قدامہ ؓ کی بیوی ہند بنتِ عقبہ سے پوچھ لیں۔ اس خاتون سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں قدامہ ؓ شراب پیتے ہیں۔ جب قدامہ ؓ کو بلایا گیا تو انہوں نے کہا ہاں پیتا ہوں اور علانیہ پیتا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے سورہ المائدہ: 93/5 تلاوت کی جس میں فرمایا گیا کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے۔ پھر کہا کہ ہم سے بڑا صاحبِ ایمان اور نیک عمل والا اور کون ہے لہذا ہمیں شراب پینے کا کچھ گناہ نہیں۔ عمر ؓ نے کہا کوئی اس کا منہ بند کرو۔ اگر ایمان وعمل صالح والا جو چاہے کھائے پیئے تو قصہ ختم ہے۔ ابن عباس ؓ نے کہا قدامہ ؓ نے قرآن کی بدترین تاویل کی۔ نیک عمل تو خود تقاضا کرتا ہے، کہ شراب سے بچو۔ اسی سورہ میں ہے کہ شراب منع ہے اس سے بچو۔ پھر حضرت عمر ؓ نے قدامہ کو 80 کوڑے لگوائے۔ (تفسیر قرطبی، ج:6، ص:298-297)

دوسرا کام جس سے اسلام کو نقصان پہنچا وہ حضرت ابوبکر ؓ اور حضرت علی علیہ السلام کے فیصلہ کی خلاف ورزی تھی۔ ان کا فیصلہ یہ تھا کہ کوئی چاہے پہلے ایمان لایا ہو یا بعد میں، کوئی قریشی ہو، یا مہاجر یا انصار، آزاد ہو یا غلام ہو، سب کو بیت المال سے مساوی وظیفہ ملے گا۔ اس دنیا میں مرتبہ کی وجہ سے وظیفہ میں فرق نہیں کیا جائے گا۔ حضرت عمر ؓ حضرت ابوبکر ؓ سے برابر اصرار کرتے رہے کہ مرتبہ کے حساب سے تفضیل ہونی چاہیے۔ قریشی و مہاجر صحابہ ؓ کو زیادہ وظیفہ ملنا چاہیے۔ مگر حضرت ابوبکر ؓ نہیں مانے۔ ان کا کہنا تھا کہ ثواب خدا سے تعلق رکھتا ہے، دنیا میں سب مسلمانوں کے حقوق برابر ہیں۔

حضرت عمر ؓ نے اپنے دور میں یہ پالیسی بدل دی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام میں سرمایہ داری کا آغاز ہوگیا۔ کچھ لوگ بہت امیر ہوگئے مثلاً حضرت طلحہ وزبیر وعبدالرحمٰن بن عوف ؓ وغیرہ اور کچھ پیچھے رہ گئے۔ آخر عمر میں حضرت عمر ؓ کو احساس ہوگیا کہ یہ پالیسی غلط ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں اگلے سال تک زندہ رہا تو یہ پرچے پھاڑ دوں گا اور سب کو برابر دوں گا۔“ مگر وہ وقت نہ آیا۔

(فتح الباری ج:7، ص:490، بحوالہ امام دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ)

”حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آ کر بجائے مساوی وظیفے دینے کے، جاگیریں دینا شروع کر دیں۔“

(شرح مسلم اکمال اکمال المُعْلِم ج :1، ص :134، علامہ ابی مالکی رحمۃ اللہ علیہ)

اس طرح اسلام میں سرمایہ داری کے ساتھ جاگیرداری بھی شروع ہو گئی۔ نمازیں روزے باقی رہے مگر سوسائٹی کا رخ غلط ہو گیا۔ ان سب کی وجہ دو چیزیں بنیں۔ ایک تو فتوحات کے نتیجہ میں دولت کا سیلاب آ گیا۔ عرب جو گوہ کا گوشت کھاتے، اونٹنی کا دودھ پیتے ان کو طرح طرح کے سامان عیش میسر آ گئے۔ خوبصورت لونڈیاں ہاتھ آ گئیں اور محلات بن گئے۔

دوسرا سبب دولت کی غیر مساوی تقسیم تھی۔ قانون قدرت بے لاگ ہے بڑے سے بڑا آدمی نیک نیتی سے ایسا کام کرے جو غلط ہو تو نتیجہ غلط ہی نکلے گا۔ غلطی اپنا اثر ضرور چھوڑتی ہے، جنگ اُحد میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے درّ بلا اجازت چھوڑا تو نتیجہ میں شکست ہوئی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کا وظیفہ جو بدر میں بھی شریک ہوئے 5,000 انصار رضی اللہ عنہم کا 4,000 احد میں شریک ہونے والوں کا 3000 درہم مقرر کیا۔ اس تفصیل کا نتیجہ چند سالوں میں طبقاتی تفادت کی شکل میں سامنے آیا۔ امیر بہت امیر اور غریب بہت غریب ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جاگیریں دینے کے عمل سے یہ تقسیم اور بڑھ گئی۔ امیر لوگ عیش کے عادی ہو گئے۔

لوگوں کو معلوم تھا کہ علی علیہ السلام آئے تو ہمیں واپس لوٹا دیں گے اور ہوا بھی یہی! جب علی علیہ السلام نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پہلی تقریر فرمائی تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دستار مبارک سر پر رکھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمان پہنی اور فرمایا:

”اللہ نے ہم پر انعام کیا، ہم میں سے رسول علیہ السلام کو بھیجا، اسلام جیسی دولت

عطا فرمائی اور ایمان نصیب کیا۔ یہ مال اگر میرا ذاتی مال بھی ہوتا تو سب میں برابر تقسیم کرتا لیکن یہ تو ہے ہی سب مسلمانوں کا بیت المال! پھر آپ نے خادم سے کہا تمام رقم گنو اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کو 3/3 دینار دو اور اس غلام کو بھی 3 دینار دو۔ طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ دینار لینے سے انکار کر دیا اور جنگ جمل کو چل پڑے۔“

ولید بن عقبہ نے کہا:

”علی علیہ السلام! تم نے میرا باپ جنگ بدر میں قتل کیا تھا اور میرے چچا حکم بن عاص کا مذاق بھی اڑایا تھا جب اسے مدینہ بدر کیا گیا تھا اور اب مجھے 3 دینار غلاموں کے برابر دے رہے ہو؟“

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

”جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طریقہ تھا وہی برقرار رہے گا اور سب کو برابر ملے گا۔“ (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج:1)

یہ لوگ اسی وقت مسجد میں الگ ہو کر بیٹھ گئے اور کوئی شام چلا گیا، کوئی عراق چلا گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتنوں کو روکنے والا دروازہ تھے۔ ”شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ میں نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ صحابی سے سنا۔ انہوں نے کہا:

”ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے لوگوں سے پوچھا تم میں سے کسی کو فتنوں کے باب میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا: وہ یاد ہے۔ میں نے کہا: ”مجھ کو جیسا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:“ ویسا ہی یاد ہے۔“ انہوں نے کہا: ”تم تو دلیر ہو۔“ میں نے کہا: ”بات یہ ہے کہ آدمی کو جو فتنہ اس کے گھر بار یا مال یا اولاد یا ہمسایوں سے پہنچتا ہے وہ تو نماز، روزہ، صدقہ اچھی بات کا حکم کرنے، بری بات سے منع کرنے سے اتر جاتا ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

کہا: ”میں اس فتنے کو نہیں پوچھتا۔ میں تو وہ فتنہ پوچھتا ہوں جو سمندر کی موج کی طرح امنڈ آئیگا۔“ میں نے کہا اس سے آپ کو امیر المومنین کوئی ڈر نہیں۔ تمہارے اور اس فتنہ کے درمیان تو ایک بند دروازہ ہے۔“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”بتاؤ وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا“ میں نے کہا: ”توڑا جائے گا۔“ انہوں نے کہا: ”پھر تو وہ کبھی بند ہی نہ ہوگا۔“

شقیق نے کہا ہم لوگوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازہ کو پہچانتے تھے؟ انہوں نے کہا بے شک جیسے اس کا یقین تھا کہ آج کی رات کل کے دن سے قریب ہے۔ میں نے ان سے ایک حدیث بیان کی جو اٹکل پچو نہ تھی۔ شقیق نے کہا ہم حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنے سے ڈرے کہ دروازہ سے کیا مراد ہے، ہم نے مسروق سے کہا تو انہوں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔“

(بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ کفارۃ، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام ترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی النهی عن سب الریاح، مسلم کتاب الایمان باب رفع الامانۃ والایمان)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں انتظام بہت اچھا تھا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”میں خواب میں کنویں پر تھا۔ پانی نکال رہا تھا، اتنے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ آ پہنچے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ڈول لے لیا۔ ایک دو ڈول کھینچے مگر کمزوری کے ساتھ اللہ اس کو بخشے۔ اس کے بعد خطاب کے بیٹے نے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے ڈول لے لیا۔ وہ ڈول ان کے ہاتھ میں بہت بڑا ڈول بن گیا۔ میں نے لوگوں میں ایسا شہ زور نہیں دیکھا جو ان جیسا کام کرے کہ لوگ اپنے اپنے اونٹوں کو خوب پلا کر بٹھانے کی جگہ لے گئے۔

(بخاری کتاب التعبیر باب نزع الماء من البئر حتی یروی الناس، بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

انصار رضی اللہ عنہم سے نیک سلوک کی وصیت

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو شوریٰ بنانے کے بعد فرمایا:

”میرے بعد جو خلیفہ ہو میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ اگلے مہاجرین سے بھلائی کرتا رہے، ان کا حق پہچانے اور ان کی عزت کا خیال رکھے اور انصار کے ساتھ بھی بھلائی کرے جنہوں نے مدینہ میں جگہ دی اور ایمان پر ثابت قدم رہے۔ ان میں سے جو نیک ہے اس کی نیکی کی قدر کرے اور جو ان میں سے قصور کرے اس کے قصور سے درگزر کرے۔“

(بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تقویٰ کی گواہی از سیدنا علی علیہ السلام

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں فرمایا:

”فلاں شخص کی کارکردگیوں کی جزا اللہ دے۔ انہوں نے ٹیڑھے پن کو سیدھا کیا، مرض کا چارہ کیا، فتنہ وفساد کو پیچھے چھوڑ گئے۔ سنت کو قائم کیا، صاف ستھرے (نقی الثوب) دامن اور کم عیبوں کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوئے۔ بھلائیوں کو پالیا اور ان کی شرانگیزیوں سے آگے بڑھ گئے ، اللہ کی اطاعت بھی کی اور اس کا پورا پورا خوف کھایا۔“

(خطبہ نمبر 225، نہج البلاغہ عربی ص 457، اردو ص 629)

ابن ابی الحدید نے تحریر کیا ہے کہ لفظِ فلاں سے کنایہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اور یہ کلمات انہی کی مدح وتوصیف میں کہے گئے ہیں جیسا کہ سید رضی کے تحریر کردہ نسخہ، نہج البلاغہ میں لفظ فلاں کے نیچے انہی کے ہاتھ کا لکھا ہوا لفظ عمر رضی اللہ عنہ موجود ہے۔ ابن ابی الحدید نے خیرھا و شرھا کی ضمیر کا مرجع خلافت کو قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کلمات ایسے شخص پر صادق آسکتے ہیں جو تسلط واقتدار رکھتا ہو، کیونکہ اقتدار کے بغیر ناممکن ہے کہ سنت کی

ترویج ہو اور بدعت کی روک تھام ہو سکے۔

انتخاب ابوبکر کی وضاحت

بخاری شریف کتاب المحاربین باب رجم الحبلی من الزنا اذا احصنت میں حضرت عمرؓ کا وہ خطبہ منقول ہے جو انہوں نے انتخابِ ابوبکرؓ کی وضاحت فرماتے ہوئے مسجد نبوی میں دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں مہاجرین میں سے کئی لوگوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ ان میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے آخری حج کیا تو منیٰ میں ایک دن میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے مکان میں تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں وہ لوٹ کر آئے اور کہا کاش تم بھی یہ واقعہ دیکھتے۔ ایسا ہوا کہ ایک شخص (نام نامعلوم) آج حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ کہنے لگا امیر المومنین آپ فلاں شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جب عمرؓ فوت ہوں گے تو میں فلاں (طلحہؓ بن عبیداللہ) سے بیعت کرلوں گا۔ کیونکہ خدا کی قسم ابوبکرؓ کی بیعت بھی تو اچانک ہوگئی تھی۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ بہت غصے ہوئے۔ اس کے بعد کہنے لگے ان شاءاللہ میں شام کو لوگوں میں کھڑا ہو کر خطبہ سناؤں گا اور ان کو ان لوگوں سے خبردار کروں گا جو حکومت پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا امیر المومنین ایسا نہ کیجئے۔ یہ حج کا موسم ہے یہاں ہر قسم کے لوگ جمع ہیں۔ جب آپ خطبہ سنانے کھڑے ہوں گے تو آپ کے پاس وہ جمع ہو جائیں گے۔ میں ڈرتا ہوں کہ آپ جو کہیں گے وہ لوگ اس کا نہ جانے کیا مطلب لیں۔ اس لیے مناسب یہی ہے کہ آپ ٹھہر جائیں۔ جب آپ مدینہ پہنچیں جو ہجرت اور سنت کا مقام ہے۔ وہاں آپ کو شریف اور سمجھ دار لوگ ملیں گے وہاں اطمینان سے جو چاہیں فرمائیں۔ وہ لوگ علم والے ہیں وہ آپ کی گفتگو یاد بھی رکھیں گے اور جو صحیح مطلب ہے وہی بیان کریں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اچھا خدا کی قسم میں مدینہ جا کر سب سے پہلے اسی موضوع پر تقریر کروں گا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ پھر ہم مدینہ میں اس

وقت آئے جب ذوالحجہ کا مہینہ ختم ہونے والا تھا۔ جمعہ کے دن سورج ڈھلتے ہی نماز پڑھنے چلے۔ مسجد میں پہنچ کر دیکھا تو سعید بن زیدؓ بن عمر بن نفیل منبر کے بالکل پاس بیٹھے ہیں۔ میں بھی ان کے پاس بیٹھ گیا اور میرے گھٹنے ان کے گھٹنوں سے لگ رہے تھے۔ تھوڑی دیر نہیں گزری کہ حضرت عمرؓ آئے۔ جب مین نے ان کو آتے دیکھا تو میں نے سعید بن زیدؓ سے کہا آج حضرت عمرؓ وہ باتیں کہیں گے جو خلافت کے وقت سے لے کر آج تک نہیں کہیں۔ انہوں نے میری بات نہیں مانی اور کہنے لگے مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ ایسی بات کہیں گے جو آج تک نہیں کہی۔

جب حضرت عمرؓ منبر پر بیٹھے، موذن خاموش ہوئے تو وہ کھڑے ہوئے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف کی، پھر کہنے لگے میں تم سے ایسی بات کہتا ہوں جس کا کہنا میری تقدیر میں لکھا تھا۔ مجھ کو معلوم نہیں شاید یہ گفتگو موت سے پہلے میری آخری گفتگو ہو۔ پھر جو کوئی اس بات کو سمجھے اور یاد رکھے، اس پر لازم ہے تو کہ جہاں تک اس کی اونٹنی پہنچے اس بات کو مشہور کرے اور جو کوئی نہ سمجھے تو میں کسی کیلئے درست نہیں جانتا کہ وہ مجھ پر جھوٹ بولے۔

پھر حضرت عمرؓ نے رجم کے مسائل اور بعض دوسری باتوں کے بعد فرمایا کہ مجھ کو یہ خبر بھی پہنچی کہ تم میں سے کسی نے یہ کہا اگر عمرؓ مر گئے تو میں فلاں شخص کی بیعت کرلوں گا۔ دیکھو تم میں سے کسی کو یہ دھوکہ نہ ہو باوجود اس کے کہ ابوبکرؓ کی اچانک بیعت ہوئی اور چل گئی اور اللہ تعالیٰ نے اچانک بیعت کی خرابی سے تمہیں بچالیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تم میں ابوبکرؓ جیسا کون ہے جس کی ملاقات کیلئے لوگ سفر کرتے ہوں؟

جس نے کسی کی بیعت بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے کی، تو دونوں قتل کر دیئے جائیں۔ ابوبکرؓ کی بیعت کا حال یہ ہے کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوگئی تو انصار ہمارے خلاف ہوگئے اور سب جا کر بنی ساعدہ کے ڈیرے پر اکٹھا ہوگئے۔ ادھر حضرت علی علیہ السلام اور حضرت زبیرؓ اور ان کے ساتھی بھی غیر حاضر تھے۔

لیکن باقی سب مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کے پاس جمع ہوگئے۔ میں نے ابوبکرؓ

سے کہا چلو اپنے انصاری بھائیوں کے پاس چلتے ہیں۔ہم اس ارادے سے نکلے۔جب ان کے قریب پہنچے تو رستے میں دو نیک انصاری آدمی ملے۔انہوں نے بتایا کہ انصار نے یہ فیصلہ کیا ہے یعنی سعد بن عبادہؓ کو خلیفہ بنانے کا۔انہوں نے ہم سے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ ہم نے کہا اپنے انصاری بھائیوں کے پاس جارہے ہیں۔انہوں نے کہا دیکھو وہاں مت جاؤ اور تم نے جو کرنا ہے کرو۔میں نے کہا خدا کی قسم ہم ضرور اُن کے پاس جائیں گے۔آخر ہم گئے۔دیکھا کہ ان میں ایک آدمی کپڑا لپیٹے لیٹا ہے۔میں نے پوچھا یہ کون ہے؟لوگوں نے کہا یہ سعد بن عبادہؓ ہیں۔میں نے پوچھا انہیں کیا ہوا؟انہوں نے کہا ان کو بخار ہے۔تھوڑی دیر ہم وہاں بیٹھے۔اتنے میں ان کے خطیب (ثابتؓ بن قیس بن شماس یا کسی اور) نے اللہ کی جیسی چاہئے تعریف کی اور کہا:

''ہم انصار اللہ ہیں اور اسلام کی فوج ہیں تم مہاجرین تھوڑے لوگ ہو اور تمہاری چھوٹی سی ٹکڑی اپنی قوم سے نکل کر ہم میں آرہے۔اب تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ ہمارے بیخ کنی کرو اور ہم کو خلافت سے محروم کر کے خود خلیفہ بن بیٹھو۔''

جب خطیب خاموش ہوا تو میں نے گفتگو کرنا چاہی، میں نے ایک عمدہ تقریر اپنے ذہن میں تیار کر رکھی تھی۔میں نے چاہا ابوبکرؓ کے بات کرنے سے پہلے میں بات شروع کردوں اور انصار کی تقریر سے ابوبکرؓ کو جو غصہ ہوا ہے اسے دور کردوں۔جب میں نے بات کرنا چاہی تو ابوبکرؓ نے کہا ذرا ٹھہر۔میں نے ان کو ناراض کرنا برا جانا۔آخر انہوں نے تقریر شروع کی اور خدا کی قسم وہ مجھ سے زیادہ عقل مند اور مجھ سے زیادہ سنجیدہ تھے۔میں نے جو اپنے دل میں سوچا تھا اس میں سے انہوں نے کوئی بات نہیں چھوڑی بلکہ اس سے بھی بہتر بات کی۔انہوں نے کہا:

''انصاری بھائیو!تم نے جو فضیلت اور بزرگی بیان کی وہ سب درست ہے اور تم بے شک اس کے لائق ہو مگر خلافت قریش کے سوا کسی خاندان کے لئے نہیں ہو سکتی کیونکہ قریش نسب کے لحاظ سے عرب میں سب سے بڑھ کر

ہیں اب تم ایسا کرو ان دو آدمیوں میں سے کسی کی بیعت کرلو۔حضرت ابوبکرؓ نے میرا اور ابوعبیدہ بن الجراح کا ہاتھ تھاما۔وہ ہم لوگوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔مجھ کو حضرت ابوبکرؓ کی کوئی بات اتنی بری معلوم نہ ہوئی جتنی یہ بات۔خدا کی قسم میری گردن ماردی جائے اگر میں کسی گناہ میں مبتلا نہ بھی ہوں اور پھر بھی تو یہ مجھ کو زیادہ پسند تھا کہ میں اِن لوگوں کی سرداری کروں جن میں حضرت ابوبکرؓ موجود ہوں۔میرا اب تک یہی خیال ہے۔یہ اور بات ہے کہ مرتے وقت میرا نفس مجھ کو بہکا دے اور میں کوئی دوسرا خیال کروں۔پھر انصار میں سے ایک کہنے والا (حُباب بن منذرؓ) یوں کہنے لگا سنو!سنو!میں وہ لکڑی ہوں جس سے اونٹ اپنا بدن رگڑ کر کھجلی کی تکلیف رفع کرتا ہے اور میں وہ باڑ ہوں جو درخت کے گرد لگائی جاتی ہے۔میں ایک عمدہ تدبیر بتاتا ہوں۔ایسا کرو اے قریش ایک خلیفہ تم میں سے ہو اور ایک انصار میں سے ہو (یعنی باری باری خلیفہ بنیں)

(فتح الباری ج:12 ص153)

اس پر شور مچ گیا کوئی کچھ کہنے لگا اور کوئی کچھ، میں ڈر گیا کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔آخر میں نے کہا ابوبکرؓ اپنا ہاتھ بڑھاؤ۔میں اور ابوعبیدہ نے اُن کی بیعت کرلی۔پھر انصاریوں نے بیعت کی۔اس کے بعد ہم سعد بن عبادہؓ کی طرف بڑھے۔ایک انصاری نے کہا تم نے سعد کو قتل کر ڈالا۔میں نے کہا: اللہ اس کو قتل کرے۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

''اس وقت ہم کو ابوبکرؓ کی خلافت سے زیادہ کوئی چیز ضروری معلوم نہ ہوئی کیونکہ ہم کو ڈر تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ بیعت ہونے سے پہلے ہم لوگوں سے الگ ہوں اور وہ کسی اور سے بیعت کر بیٹھیں۔تب یا تو پھر ہم بھی اس کی

بیعت کرتے یا مخالفت کرتے اور آپس میں فساد پیدا ہوتا۔ دیکھو میں پھر کہتا ہوں جو شخص کسی سے بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے بیعت کرے تو باقی اس کی بیعت نہ کریں اور وہ دونوں قتل کئے جائیں۔

پھر اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی دوبارہ بیعت مجمع عام میں ہوئی۔"

(بخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف)

مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض حاکم مقرر کرنا ہے

بعض لوگ ان حالات میں سیدنا ابوبکرؓ کے خلیفہ مقرر کرنے پر اعتراض کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے جنازہ کو چھوڑ کر مسلمان اس کام میں مشغول ہو گئے۔ اس بارے میں بہترین جواب سیدنا علی علیہ السلام کا ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے ایک مکتوب میں امیر معاویہؓ کو لکھتے ہیں:

"شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے۔ وہ اگر کسی پر ایکا کریں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اس میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔"

(نہج البلاغہ مکتوب نمبر 6، ص:656-657)

حکمران کو عربی میں رئیس القوم کہتے ہیں اور سر کو رأس کہتے ہیں۔ حکمران قوم کا دماغ ہوتا ہے۔ اگر سر کٹ جائے یا خراب ہو جائے تو سارا جسم بے کار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر حکمران خراب ہو جائے تو دین کا سارا نظام اور قوم تباہ ہو جاتی ہے، جس قوم کے امراء وعلماء بگڑ جائیں تو وہ قوم پھر باقی نہیں رہتی۔ حکمران کا مسئلہ تمام مسائل سے زیادہ اہم ہے۔ قیادت نکیل پکڑ کر چلانے کو کہتے ہیں۔ سیاست کیا ہے؟ ساس الفرس یعنی گھوڑے کا انتظام کرنا، اسی سے لفظ سائیس نکلا ہے یعنی منتظم، امت کی سیاست یہ ہے کہ دانا اور دیانت دار امت کے معاملات کا انتظام کریں۔ سیاست MANAGEMNET کو کہتے ہیں۔ سیاست اتنا مقدس کام ہے کہ بنی

اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کرتے تھے۔

(بخاری، کتاب الانبیاء باب ماذکر عن نبی اسرائیل۔ مسلم کتاب الامارة باب الامام جُنَّة)

حکمران چننا نماز روزے سے بڑھ کر اَهَمُّ الو اَجبات شمار کیا گیا ہے۔ آج کل تو ہر چیز حکومت کے قبضہ میں ہے۔ اگر حکمران غلط ہو تو دین وقوم کا خدا ہی حافظ ہے۔ دنیا بھر کے علم کا نچوڑ یہ ہے کہ برسرِ کار آدمی دانا اور دیانتدار ہو، پھر دوسری شرط یہ ہے کہ قوانین صحیح اور انصاف پر مبنی ہوں، تب انصاف ملے گا، ان دونوں میں سے ایک نہ ہو تو معاملات درست نہ ہوں گے۔ سورہ نسا: 58/4 میں اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں باتیں جمع کر دی ہیں۔ فرمایا:

"خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے سپرد کر دو جو اس کے اہل ہیں اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو۔"

نبراس شرح عقائد نسفی میں ہے کہ اس بات پر اجماع ہے کہ نصب امام واجب ہے۔ حتیٰ کہ جنازہ نبوی سے بھی یہ بات ضروری سمجھی گئی کیونکہ خطرہ تھا امت کا سارا نظام تباہ ہو جائے گا اور مسلمانوں کا اتفاق ختم ہو جائے گا۔ حضور ﷺ کو دفن کرنے سے بھی یہ معاملہ مقدم سمجھا گیا اور بعد میں سنت بن گئی کہ جو حکمران فوت ہو اس کے دفن سے پہلے یہ انتظام ہوگا۔ اس سے پتہ چلا کہ سب کاموں سے اہم نصب امام یعنی حکمران مقرر کرنا ہے۔ دوسری طرف عقل بھی یہ بتاتی ہے کہ سارے دین کا دار و مدار حکمران پر ہے اور بہت سے واجبات شرعیہ کا تعلق حکمران سے ہے۔ یہ بات عقل اور اصولِ فقہ دونوں میں ہے کہ جس واجب کیلئے کوئی چیز ضروری ہو اس چیز کا مہیا کرنا بھی واجب ہے، ان کی مثالیں دیتے ہوئے لکھا ہے کہ دین کے بعض احکام سوائے حکمران مقرر کرنے کے نافذ ہی نہیں ہو سکتے جیسا کہ شرح مواقف میں لکھا ہے:

"مسلمانوں کا ایک حکمران ہو جو شرعی احکام اور نفاذ حدود کا اجراء کرے مثلاً حد زنا و شراب و بہتان، سرحدوں کی حفاظت، لشکروں کی تیاری، زکوٰۃ کی

وصولی، ناجائز قبضہ کرنے والوں سے چیزیں واپس لینا، چوروں ڈاکوؤں کا خاتمہ، جمعہ وعیدین کا انتظام، جھگڑوں کے فیصلے، مقدمات میں شہادتیں لینا، حقوق ادا کروانا، لاوارثوں کے معاملات کی دیکھ بھال، مالِ غنیمت کی تقسیم، اوراس طرح کے اور کام جو قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں۔"

پہلے دوخلفاء کی فضیلت۔خلافت محفوظہ وخلافت مفتونہ

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

"وبعض رسولوں علیہم السلام کو بعض پر فضیلت دی گئی۔"

اسی طرح خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے پہلے دوخلفاء کوفضیلت حاصل ہے۔ پہلے دو کی خلافت، خلافت محفوظہ ہے اور دوسری دوخلافتیں راشدہ ضرور ہیں مگر مفتونہ ہیں یعنی آزمائش سے پُر ہیں۔ سیدنا علی علیہ السلام نے اپنا سر دے کر درستگی کی کوشش ضرور کی مگر بات نہ بنی۔ یہ بات شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب منصب امامت ص:114-115 پر لکھی ہے۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"نبوت کی طرز کی خلافت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ختم ہوگئی اس کے بعد خلیفہ نیک مگر انتظام خراب ہوگیا۔

(عون المعبود شرح ابی داؤد علامہ شمس الحق عظیم آبادی ج:4،ص339)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل

حضور علیہ السلام نے فرمایا:

"اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحه، البانی رحمہ اللہ، ج:2،ص:582، حديث نمبر 327،صحيح الجامع الصغير، ج:2، ص:935)

حضور علیہ السلام نے جنت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا محل دیکھا

(بخاری کتاب الفضائل، باب فضائلِ عمرؓ، حدیث نمبر 3682-7023)

جب حضور ﷺ اُحد پہاڑ پر تشریف لے گئے تو پہاڑ ہلنے لگا۔اس وقت آپ علیہ السلام نے اس پر قدم مبارک مار کر فرمایا:

"ٹھہر جا تیرے اوپر نبی ہے، صدیق ہے اور شہید ہیں۔" ان حضرات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔"

(سلسلة الاحاديث الصحيحه البانی ج:2، حديث :875،ص 558تا562)

ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المال کا اونٹ ڈھونڈنے تشریف لے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کسی خادم کو بھیج دیا ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اس امت کا کون خادم ہے؟

(البدايه والنهايه امام ابن كثير ج:7،ص :150)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زخمی ہونا، شوریٰ، شہادت اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب

ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا کہا ہم سے ابوعوانہ نے انہوں نے حصین سے انہوں نے عمرو رضی اللہ عنہ بن میمون سے انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے زخمی ہونے سے چند دن پہلے مدینہ میں دیکھا وہ حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان اور عثمان رضی اللہ عنہ بن حنیف کے پاس ٹھہرے کہنے لگے تم نے (عراق کے ملک میں) کیا یہ اندیشہ تو نہیں کہ تم نے زمین پر ایسی جمع نہ لگائی ہو جس کی گنجائش نہ ہو انہوں نے کہا نہیں ہم نے اتنی ہی جمع مقرر کی ہے جتنی زمین میں طاقت تھی کچھ بہت زیادہ نہیں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا دیکھو پھر سمجھ لو تم نے ایسی جمع تو نہیں لگائی ہے جس کی زمین میں گنجائش نہ ہو۔ انہوں نے کہا نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا خیر اگر اللہ نے مجھ کو سلامت رکھا تو میں عراق والوں کی بیوہ عورتوں کو ایسا بے نیاز کر دوں گا کہ میرے بعد ان کو کسی مرد کی احتیاج نہ رہے عمرو بن میمون نے کہا اس گفتگو پر چوتھا دن ہوا تھا کہ وہ زخمی کیے گئے اور جس دن وہ صبح کو زخمی ہوئے اس دن میں ایسے مقام پر کھڑا تھا کہ میرے اور ان کے بیچ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہ تھا ان کی عادت تھی جب نمازیوں کی دو صفوں میں سے گزرتے تو فرماتے سیدھے ہو جاؤ صف برابر کرو جب دیکھتے کہ صفوں میں کوئی خلل نہیں رہا

اس وقت آگے بڑھ کر تکبیر کہتے (یعنی تکبیر تحریمہ) اور اکثر ایسا ہوتا کہ وہ سورہ یوسف یا سورہ نحل یا ایسی ہی سورتیں پہلی رکعت میں پڑھا کرتے تا کہ لوگ جمع ہو جائیں (ان کو جماعت مل جاوے) خیر انہوں نے تکبیر کہی تھی اتنے میں میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے ہیں (کمبخت) کتے نے مجھے مار ڈالا یا کہا کاٹ لیا پھر وہ مردود پارسی دو دھاری چھری لیے ہوئے بھاگا اور (دائیں بائیں) جو مسلمان ملا اس کو ایک ضرب لگا دی یہاں تک کہ تیرہ آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ ان میں سے سات شخص مر گئے یہ حال دیکھ کر ایک مسلمان نے اس پر چادر پھینکی جب اس نے سمجھا کہ اب میں پکڑا گیا تو اپنا گلا آپ کاٹ لیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر ان کو امام کر دیا (کہ نماز پوری کرو) جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قریب تھے انہوں نے تو یہ سب حال دیکھا اور دور والے مقتدیوں کو خبر ہی نہیں ہوئی مگر قرأت میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز نہ سنی سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جلدی سے ہلکی پھلکی نماز پوری کی جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا دیکھو تو میرا قاتل کون ہے ایک گھڑی تک وہ گھومے (خبر لیتے رہے) پھر آئے کہنے لگے مغیرہ کا غلام ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا وہی کاریگر غلام؟ انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ اس کو تباہ کرے میں نے اس کے لیے انصاف کا حکم دیا تھا۔ پھر کہنے لگے شکر اللہ کا اس نے مجھ کو ایسے شخص کے ہاتھ سے قتل نہیں کرایا جو اپنے تئیں مسلمان کہتا ہو ابن عباس رضی اللہ عنہ تم اور تمہارے والد یہ چاہتے تھے کہ پارسی غلام مدینہ میں خوب آباد ہوں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ کہیں تو ان سب غلاموں کو قتل کروا دوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کیا لغو بات ہے جب انہوں نے تمہاری

زبان عربی بولی اور تمہارے قبلے کی طرف نماز پڑھی اور تمہاری طرح حج کیا
خیر حضرت عمرؓ کو گھر اٹھا کر لائے ہم بھی ان کے ساتھ ہی گئے ایسا معلوم
ہوتا تھا گویا مسلمانوں پر اس سے پہلے کوئی ایسی مصیبت نہیں گزری، کوئی کہتا
تھا کہ کوئی ڈر کا مقام نہیں کوئی کہتا تھا مجھ کو تو ڈر ہے (وہ جاں بر نہ ہوں گے)
آخر شربت ان کے پلانے کو لائے انہوں نے پیا تو پیٹ سے باہر نکل گیا
پھر دودھ لائے وہ بھی زخم سے باہر نکل پڑا جب سب نے جان لیا وہ بچنے
والے نہیں عمرو بن میمون کہتے ہیں ہم ان کے پاس گئے لوگ آئے ان کی
تعریف کر رہے تھے اتنے میں ایک جوان (انصاری) آیا کہنے لگا امیر
المومنین خوش ہو جاؤ اللہ نے جو نعمت تم کو عنایت فرمائی، آنحضرت ﷺ
کی صحبت سے مشرف ہوئے اور بہت لوگوں سے پہلے اسلام لائے تم خود
جانتے ہو پھر حاکم بنے تو عدل اور انصاف کے ساتھ حکومت کی ان سب
کے بعد شہادت ہاتھ آئی، حضرت عمرؓ نے کہا حکومت کی نسبت تو میری
آرزو یہ ہے کاش برابر سرابر چھوٹ جاؤں نہ ثواب ملے نہ عذاب نہ وبال
بڑھے، جب وہ جوان جانے لگا اس کا تہبند گھسٹ رہا تھا (اتنا نیچا تھا) آپ
نے فرمایا اس جوان کو پھر بلاؤ جب وہ آیا تو فرمانے لگے میرے بھتیجے ذرا اپنا
ازار اونچا رکھ تیرا کپڑا بھی میلا نہ ہوگا اور تیرے پروردگار کا حکم بھی ادا ہوگا
پھر عبداللہ اپنے صاحبزادے سے کہنے لگے دیکھو تو میرے اوپر قرضہ کتنا ہے
لوگوں نے حساب کیا تو چھیاسی ہزار درہم یا کچھ ایسا ہی قرضہ نکلا حضرت
عمرؓ نے کہا اگر میری اولاد کا مال اس قرضہ کو کافی ہو تو ان کے مالوں میں
سے یہ قرض ادا کر دینا ورنہ (میری قوم بنی عدی بن کعب سے سوال کرنا، اگر
ان سے بھی یہ قرض ادا نہ ہو سکے تو قریش کے لوگوں سے مانگنا بس قریش
کے سوا اوروں سے نہ مانگنا دیکھو اس طرح میرا قرض ادا کر دینا اور تو حضرت

عائشہؓ کے پاس جا ان سے یوں کہہ عمر آپ کو سلام کہتا ہے یہ نہ کہنا کہ
امیر المومنین آپ کو سلام کہتے ہیں آج میں مسلمانوں کا امیر نہیں ہوں
(کیونکہ اب مُردوں میں داخل ہوں دوسرے ایسی تکلیف میں ہوں کہ
امارت کا کام نہیں کر سکتا) خیر سلام کے بعد یوں کہنا عمرؓ آپ سے
اجازت مانگتا ہے اگر اجازت دیجئے تو وہ اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ
حجرے میں دفن ہو۔ عبداللہ گئے ان سے اندر آنے کی اجازت مانگی اندر
گئے تو دیکھا وہ خود حضرت عمرؓ کے غم میں بیٹھی رو رہی ہیں خیر عبداللہ نے
کہا عمرؓ بن خطاب آپ کو سلام کہتے ہیں اور آپ سے اپنے ساتھیوں
کے پاس دفن کی اجازت چاہتے ہیں انہوں نے کہا وہ جگہ تو میں نے اپنے
لیے رکھی تھی مگر آج میں ان کو اپنی ذات پر مقدم رکھوں گی جب عبداللہ لوٹ
کر آئے تو لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا یہ عبداللہ آ گئے حضرت عمرؓ
نے کہا مجھ کو ذرا اٹھاؤ ایک شخص نے ان کو اٹھا کر اپنے اوپر ٹیکا دے لیا۔
انہوں نے عبداللہ سے پوچھا کہہ کیا خبر لایا عبداللہ نے کہا وہی جو آپ کی
آرزو تھی حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی۔ کہنے لگے الحمد للہ اس
سے بڑھ کر میرا اور کوئی مطلب نہ تھا اب جب میں مر جاؤں تو میرا جنازہ اٹھا
کر لے جانا اور (باہر ہی سے) ان کو سلام کہنا اور کہنا عمر خطاب کا بیٹا آپ
سے اجازت چاہتا ہے۔ اگر وہ اس وقت بھی اجازت دیں تو میری لاش
حجرے میں لے جانا (وہاں دفن کر دینا) ورنہ مسلمانوں کے قبرستان (بقیع)
میں دفن کر دینا، ام المومنین حفصہؓ اپنے والد کی خبر سن کر کئی عورتیں ساتھ
لیے آئیں جب ہم نے ان کو دیکھا تو ہم سب کھڑے ہو گئے وہ باپ کے
پاس گئیں اور گھڑی بھر روتی رہیں پھر مردوں نے اندر آنے کی اجازت مانگی
مردوں کے گھستے ہی وہ اندر چلی گئیں ہم وہیں سے ان کے رونے کی آواز

سنتے رہے لوگوں نے کہا اے امیر المومنین کسی کو خلیفہ نامزد کر دیں انہوں نے کہا خلافت کا حق دار ان چند لوگوں سے زیادہ کوئی نہیں جن سے آپ ﷺ مرتے دم تک راضی رہے انہوں نے علی ؓ اور عثمان ؓ اور زبیر ؓ اور طلحہ ؓ اور سعد ؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کا نام لیا اور کہا عبداللہ بن عمر ؓ (مشورے میں) تمہارے ساتھ شریک رہے گا مگر خلافت میں اس کا کوئی حق نہیں یہ عبداللہ کو تسلی دینے کے لیے کہا پھر اگر خلافت سعد کو مل گئی تو بہتر ہے ورنہ سعد سے مدد لیتا رہے اور میں نے جو (کوفہ کی حکومت سے) ان کو موقوف کر دیا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ لیاقت نہ رکھتے تھے یا انہوں نے کچھ خیانت کی تھی یہ بھی کہا کہ میرے بعد جو خلیفہ ہو میں اس کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اوّلین کے حقوق پہچانے اور ان کی عزت اور حرمت کا خیال رکھے اور یہ وصیت کرتا ہوں کہ انصار سے عمدہ سلوک کرے جنہوں نے اوروں سے پہلے ایمان کو جگہ دی اور دارالایمان (یعنی مدینہ) میں ٹھکانہ بنایا جو ان میں نیک لوگ ہیں ان کی قدر کرے اور جو قصوروار ہوں ان سے درگزر کرے اور دوسرے شہروں کے مسلمانوں سے بھی اچھا سلوک کرے کیونکہ وہ اسلام کی قوت کے بازو ہیں انہی کی وجہ سے آمدنی ہوتی ہے کافر ان کو دیکھ کر غصے ہوتے ہیں ان سے رضا مندی کے ساتھ اتنا ہی روپیہ لیا جائے جو ان کے پاس ان کی ضرورتوں سے بچ رہتا ہو میں یہ بھی اس کو وصیت کرتا ہوں کہ عرب لوگوں سے عمدہ سلوک کرے کیونکہ اسلام کی جڑ یہی لوگ ہیں اور اسلام کا مادہ انہی سے بنا ہے اور زکوٰۃ میں ان کے وہی مال لیے جائیں جو عمدہ اور اعلیٰ نہ ہوں پھر انہیں کے محتاجوں کو دے دیے جائیں میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ ذمی کافروں کی بھی جو اللہ اور رسول کے ذمہ میں آئے ہیں خبر رکھے اپنا عہد جو اُن سے کیا ہے پورا کرے ان کو

ان کے دشمنوں سے بچائے ان سے اتنا ہی کام لے جتنا وہ کر سکتے ہیں خیر جب (تیسرے روز) ان کا انتقال ہوا اور ہم ان کا جنازہ لے کر پیدل نکلے تو عبداللہ بن عمر ؓ نے عائشہ ؓ کو سلام کیا اور کہا عمر بن خطاب آپ سے اجازت مانگتے ہیں انہوں نے کہا لاؤ ان کو اندر لاؤ وہ اسی حجرے میں اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن کیے گئے جب ان کے دفن سے فراغت ہوئی تو یہ چھ آدمی جن کے عمر ؓ نے نام لیے تھے ایک جگہ اکٹھے ہوئے عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا ایسا کرو تم چھ آدمی تین آدمیوں کو اپنے میں سے مختار کر دو۔ زبیر ؓ نے کہا میں نے تو علی ؓ کو اختیار دیا۔ طلحہ ؓ نے کہا میں نے عثمان ؓ کو اختیار دیا سعد ؓ نے کہا میں نے عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کو اختیار دیا۔ (خیر چھ کے تین رہ گئے) عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا علی ؓ اور عثمان ؓ تم دونوں میں سے جو کوئی خلافت کا طالب نہ ہو ہم اسی کو خلیفہ بنائیں گے۔ اللہ اور اسلام گواہ رہے میں اسی کو تجویز کروں گا جو میرے نزدیک افضل ہے۔ یہ سنتے ہی عثمان ؓ اور علی ؓ خاموش ہو گئے عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے پوچھا تم دونوں مجھ کو مختار کرتے ہو قسم خدا کی میں اس کو خلیفہ بنانے میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا جو افضل ہے۔ دونوں نے کہا اچھا ہم نے تم کو مختار کیا۔ پہلے انہوں نے ایک کا (علی ؓ) کا ہاتھ تھاما اور کہنے لگے تم کو تو آنحضرت ﷺ سے قرابت ہے اور تمہارا اسلام بھی پرانا ہے تم خود جانتے ہو اللہ تمہارا نگہبان اگر میں تم کو خلیفہ بناؤں گا تو تم عدل اور انصاف کرو گے اور اگر میں عثمان ؓ کو خلیفہ بناؤں گا تو تم ان کا حکم سنو گے ان کی بات مانو گے پھر عثمان ؓ سے تنہائی کی ان سے بھی یہی گفتگو کی جب دونوں سے اقرار لے چکے تو کہنے لگے عثمان ؓ اپنا ہاتھ اٹھاؤ عبدالرحمٰن ؓ نے ان سے بیعت کی حضرت علی ؓ نے بھی ان سے

بیعت کی اور سارے مدینے والے گھس پڑے سب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کرلی۔

(بخاری ج:5، ص45تا50 کتاب المناقب قصة البیعت والاتفاق علی عثمان)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری دور میں ایک گروہ کا منظّم ہو جانا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ایک گروہ حکومت پر قبضہ کرنے کیلئے منظّم ہو چکا تھا اور وہ قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی کر رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے بارے میں علم ہو چکا تھا۔ اسی لیے انہوں نے خطبہ دیا کہ ایک گروہ منظّم ہو چکا ہے اور اسلامی حکومت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ مگر یاد رکھو جو لوگ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ان کا اور ان کی اولاد کا اسلامی حکومت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ لوگ کون تھے؟ اس بات پر پردہ ڈالنے کی بہت کوشش کی گئی۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم کو بھی خلیفہ کا انتخاب کرنے والا شوریٰ کا رکن بناؤ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جن کو مار مار کر ہم نے اسلام میں داخل کیا اور اب یہ بنی بنائی حکومت پر قبضہ کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

جس خطرہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اندیشہ تھا وہی انصار رضی اللہ عنہم کے ذہن میں بھی تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے موقعہ پر یہ کہا تھا کہ قریشی اور انصاری باری باری خلیفہ بننا چاہیے تاکہ ہر خلیفہ محتاط ہو کر کام کرے۔ اگر ان لوگوں کی اولاد کبھی حکومت پر آ گئی جن سے ہم نے جنگیں کیں، تو پھر ہمارا بہت نقصان ہوگا۔ ان کا اندیشہ واقعہ حرہ میں حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح بخاری ج:12، ص:153 پر لکھتے ہیں:

> ”جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دوران گفتگو حضرت حباب بن المنذر بدری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو، اس خلافت کے بارے میں ہم آپ

> سے حسد نہیں کرتے بلکہ ہم کو ڈر ہے کہ وہ لوگ حاکم بن جائیں گے جن کے باپ اور بھائی ہم نے جنگوں میں قتل کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ایسا ہوا تو پھر مر جانا بہتر ہے۔“

حضرت علی علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام سے لڑنے والوں کے شجرے دیکھو کہ وہ کن کی اولاد ہیں؟ ان کے بڑے کس کس جنگ میں قتل ہوئے اور کس نے قتل کیے؟ پھر یہ واضح ہو کر سامنے آ جائے گا کہ یہ بعد کی بات نہیں بلکہ دیرینہ دشمنی ہے۔ اس کے ساتھ انصار کا واقعہ حرہ میں برباد ہونا بھی سامنے رکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ پرانے بدلے لئے جا رہے ہیں، یزید کو کوئی خبط نہیں تھا بلکہ اس نے اپنے بڑوں کے قتل کا بدلہ لیا۔ سیدنا امام حسین علیہ السلام کا اقدام بھی کڑھی کا وقتی ابال نہیں تھا بلکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ دین کو لگاتار نقصان پہنچاتے چلے آ رہے ہیں۔

اس منظّم گروہ کی کچھ کچھ نشاندہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کر دی۔ امام ابن اثیر نے 5 جلدوں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات پر کتاب اسد الغابہ فی معرفة الصحابہ لکھی ہے۔ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

> ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت بتا دیا تھا کہ جب تک اصحاب بدر رضی اللہ عنہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہے کسی دوسرے کا خلافت میں کوئی حصہ نہیں۔ پھر جب بدر والے ختم ہو جائیں تو جنگ اُحد میں حصہ لینے والوں میں کوئی زندہ ہو تو وہ حکمران بنے گا۔ پھر فرمایا ان کے بعد فلاں کی باری ہوگی۔ جن لوگوں کو فتح مکہ والے دن معافی ملی ان کا اور ان کی اولاد کا حکومت میں کوئی حصہ نہیں۔“

(ابن اثیر، اسد الغابہ فی معرفة الصحابہ، ج:4، ص:387-388)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا گیا تو آپ نے چھ ممتاز صحابہ کی کمیٹی بنا دی جن سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخر تک راضی رہے۔ فرمایا:

> ”میرے بعد یہ چھ آدمی اپنے میں سے کسی کو خلیفہ چن لیں۔ یہ عشرہ مبشرہ

میں سے تھے۔ ساتھ فرمایا مجھے اچھی طرح علم ہے کہ کچھ لوگ اس معاملہ کو درست نہیں سمجھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو مار مار کر ہم نے اسلام میں داخل کیا۔ اگر انہوں نے اس کمیٹی کو تسلیم نہ کیا اور اپنی حکومت کی کوشش کریں تو اللہ کے دین کے دشمن کافر اور گمراہ ہوں گے۔''

(مسلم شریف کتاب المساجد باب نہی من اکلا ثوماً اوبصلاً)

اس حدیث کی شرح میں علامہ اُبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے فتح الملھم ج:2، ص261 پر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ان لوگوں کا پتہ چل گیا جب عمرو بن العاص نے کہا اے عمر رضی اللہ عنہ! ہم کو کمیٹی میں شامل کیوں نہیں کیا؟ کیا ہم ان سے کم ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص سے کہا بیٹھ جا! جہاں خدا نے تجھے رکھا ہے۔ میں نے اس کمیٹی میں کسی ایسے شخص کو شامل نہیں کیا جس نے کسی وقت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی۔''

یہی عمرو بن العاص تھے جنہوں نے جنگ صفین میں قرآن اٹھائے، ثالثی میں فیصلہ کیا اور مجمع میں آ کر جھوٹ بول دیا۔

(البدایہ والنہایہ امام ابن کثیر ج:7، ص:282-283 اور طبری ج:4، ص:51)

امیر معاویہ نے جب عمرو بن العاص کو اپنے ساتھ ملانے کے لیے بات چلائی تو عمرو نے کہا علی علیہ السلام تم سے پہلے کا مسلمان ہے۔ میں تم سے کیوں ملوں؟ امیر معاویہ نے کہا علی علیہ السلام تیرا اور میرا مخالف ہے۔ عمرو نے کہا سودا کر! امیر معاویہ نے کہا جب مصر علی علیہ السلام سے چھین لیں گے تو تا حیات اس کی آمدن تجھے ملے گی اور وہاں تم گورنر ہو گے۔ اس طرح عمرو بن العاص نے دین بیچ دیا اور حضرت علی علیہ السلام کے گورنر مصر کو قتل کر کے حکومت خود سنبھال لی اور وہاں کا خراج ساری زندگی کھایا۔

(سیر اعلام النبلا ج:4، ص:38 امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور اخبار الطوال ابو حنیفہ دنیوری ص:168)

علامہ لکھتے ہیں:

''وہ گروہ کون سا تھا؟ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ خلافت اور جس کو چاہے ملے، مگر حضور علیہ السلام کے گھر میں نہ جائے۔ نبوت اور خلافت اگر ایک گھر میں جمع ہو گئیں تو پھر لوگ انہی کو خلیفہ بناتے رہیں گے، ہماری باری کب آئے گی؟ وہ لوگ اہل بیتؑ کی خلافت کا انکار کرتے تھے۔ وہی لوگ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت میں ننگے ہو کر سامنے آ گئے۔''

علامہ لکھتے ہیں:

''ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا تیرا باپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچا تھا اور تم بھی چچا زاد ہو، لوگ تم کو خلیفہ کیوں نہیں بننے دیتے؟ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں جانتا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں جانتا ہوں۔ ان قریشیوں کو یہ بات پسند نہیں کہ نبوت بھی تم میں اور خلافت بھی تمہارے خاندان میں آ جائے۔ یہ کہتے ہیں اگر نبوت و خلافت دونوں ہاشمیوں کے پاس چلی گئیں تو ہمارے پاس کیا رہ جائے گا؟''

جب کمیٹی میں خلیفہ کا فیصلہ ہونے والا تھا تو اس وقت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، جو مرتد رہ چکا تھا، اور ولید بن عقبہ جو نص قرآن سے فاسق ہے، کھل کر سامنے آ گئے اور کہا اے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ! اگر عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بناؤ گے تو ہم قریش ساتھ دیں گے ورنہ ہم اختلاف کریں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا اگر وہ لوگ پھر بھی حکومت کیلئے کوشش کریں تو وہ گمراہ، بے دین اور اللہ کے دشمن ہوں گے۔ وہ دین بدل دیں گے۔ واقعی ان لوگوں نے جب حکومت چھینی تو انہوں نے صرف حکومت نہیں سنبھالی بلکہ دین بدل دیا، انہوں نے حج بدلا، زکوٰۃ بدلی، نمازیں بدل دیں، حج تمتع کرنے والے کو کوڑے مارتے، عید کی نماز کی اذان شروع کر دی اور خطبہ پہلے شروع کر دیا، پہلے اللہ اکبر کے بعد نماز کے باقی اللہ اکبر کہنے چھوڑ

دیئے، دین کی ایک ایک بات انہوں نے بدل دی، یہ حالات تھے جن میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے اقدام کیا۔

امام ابن حجر فتح الباری ج:12، ص:147 پر لکھتے ہیں:

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خدشہ درست ثابت ہوا اور حضرت علی علیہ السلام کے بعد واقعی ایسا ہی ہوا۔ امام ابن حجر فتح الباری ج:13 حدیث نمبر 7096 کتاب الفتن باب الفتنه کا الموج البحر کے بیان میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ہی حکومت پر قبضہ کا منصوبہ بن چکا تھا۔"

قصة الشّوریٰ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو کمیٹی بنائی اس قصہ میں لوگوں نے اتنی ملاوٹ کر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کمیٹی بنا کر بہت بڑی سازش کی۔ اپنے بیٹے کو بطور مبصر اور ثالث بنا کر بٹھا دیا۔ اور یہ کہ تین دن کے اندر اندر فیصلہ نہ ہوا اور تین تین ووٹ برابر ہوں تو جس کے حق میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ووٹ ہو، وہ خلیفہ مقرر ہوگا۔ اگر باقی نہ مانیں تو اختلاف کرنے والوں کے سر قلم کر دو۔ مزید یہ کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے بہنوئی تھے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان کے ہم خاندان تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں صرف ایک ووٹ تھا۔ وہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوشش کی کہ حضرت علی علیہ السلام خلیفہ نہ بن پائیں۔

خدا گواہ ہے، ان باتوں میں ذرا سچائی نہیں ہے، نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ویٹو کا اختیار دیا کہ وہ جو چاہے فیصلہ کرے اور نہ باقی اختلاف کرنے والوں کے قتل کا حکم دیا۔

امام محمد ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تاريخ الامم و الملوك" میں ان باتوں کی جو سند لکھی ہے۔ اس کے مطابق ان سب باتوں کا راوی علی بن محمد المدائنی ہے۔ علامہ

عبداللہ مامقانی شیعہ عالم کی کتاب تنقیح المقال فی علم الرجال ہے، جس میں راویوں کے حالات لکھے ہیں اور ان کے سچے، جھوٹے ہونے کا بتایا ہے۔ اس کتاب میں نمبر 8510 پر اس علی بن محمد المدائنی کا حال لکھا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

ایک اور بات شوریٰ کے بارے میں یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب اجلاس شروع ہوا تو وہاں بہت جھگڑا ہوا اور ایک حدیث المناشدہ کئی صفحوں کی بنالی، اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے وہاں تقریر کی کہ یہ میرے ساتھ زیادتی ہے اور یہ کہ میں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ حکومت ہمیں نہیں ملے گی کیونکہ شوریٰ میں رشتہ دار اکٹھے ہیں اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ میرے خلاف ہیں۔

اس روایت کو ابو طالب طبرسی شیعہ عالم نے اپنی کتاب "الاحتجاج" میں لکھا ہے، یہ اس کتاب میں ص:72، سے ص:76 تک لکھی ہے، جس میں بتایا کہ شوریٰ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے فضائل کا اقرار کرایا، یہ روایت شروع ہی عمرو بن شمر سے ہوتی ہے۔ علامہ مامقانی شیعہ عالم نے نمبر 8714 پر اس عمرو بن شمر بن یزید ابو عبداللہ الجعفی الکوفی کے بارے میں لکھا ہے کہ ضعیف ہے۔

اس قصہ مناشدہ کے بارے میں سنی امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی رحمۃ اللہ علیہ محک الرجال (راویوں کی کسوٹی) نے بھی اس قصہ کو لکھا۔ انہوں نے مختصر لکھا مگر لکھا ہے۔ اور میزان الاعتدال ج:1، نمبر شمار 1643 پر الحارث بن محمد عن ابو طفیل کو مجہول لکھا ہے۔

یہ پہلا آدمی ہے جس سے یہ قصہ سنیوں کی کتاب میں شروع ہوتا ہے۔ اس کو شیعہ عالم نے ضعیف لکھا ہے۔ دوسرا راوی زافر بن سلیمان ہے۔ تنقیح المقال میں اس زافر بن سلیمان کو امام ذہبی نے میزان الاعتدال، ج:2 ص 63، نمبر شمار 2819 پر ضعیف لکھا ہے۔ اسی راوی کو تنقیح المقال میں نمبر 4186 پر علامہ عبداللہ مامقانی نے امامی مجہول لکھا ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حدیث مناشدہ خبر منکر یعنی غلط ہے۔

شوریٰ میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کوئی ہے جو دوسرے کے حق میں

خلافت سے دستبردار ہو جائے اور وہی باقی دو کا ثالث ہو۔ حضرت زبیرؓ حضرت علیؓ کے حق میں حضرت طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے حق میں اور سعد بن ابی وقاص، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علی علیہ السلام دونوں خاموش رہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا میں خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں۔ اب میرا حکومت میں کوئی دخل نہیں اور خلیفہ میں چنوں گا۔ مجھ پر اللہ اور اسلام کا عہد ہے کہ میں بغیر کسی رشتہ داری کے لحاظ کے اس کو چنوں گا جس کو امت کے مشورہ سے بہتر پاؤں گا۔'' ان کے اس حلف کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت علی علیہ السلام نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰنؓ کئی دن سو نہیں سکے انہوں نے مدینہ کے مرد و عورت اور باہر سے آئے ہوئے قافلوں سے مشورہ کیا، گورنروں سے پوچھا، اکثریت کی رائے حضرت عثمانؓ کے حق میں تھی۔

تین دن کے بعد انہوں نے اپنے بھانجے حضرت مسور بن مخزمہؓ کو تہجد کے وقت بلایا اور ان سے کہا شوریٰ کے باقی ارکان کو بلاؤ۔ وہ سب تشریف لائے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنے سر پر وہ پگڑی باندھی جو حضور ﷺ نے ان کے سر پر باندھی تھی اور بہت دیر تک آسمان کی طرف منہ کر کے دعا کی۔

اس مقام پر ملاوٹ کرنے والوں نے یہ ملاوٹ کی کہ پھر انہوں نے پہلے حضرت علی علیہ السلام سے کہا۔ ہاتھ نکالو! میں بیعت کرتا ہوں مگر یہ وعدہ کرو کہ تم قرآن و سنت اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے طریقہ کے مطابق حکومت کرو گے۔ انہوں نے انکار کر دیا کہ میں شیخینؓ کے طریقہ کا پابند نہیں ہوں گا۔ پھر یہی حضرت عثمانؓ سے پوچھا تو انہوں نے اقرار کر لیا۔

اب دیکھیں یہ طریقہ شیخینؓ کی پابندی والا ٹکڑا ہی کیسا بم ہے۔ اہل حدیث حضرات تو اس سے تقلید کا رد نکال رہے ہیں۔ اور شیعہ کہتے ہیں اگر ابوبکرؓ و عمرؓ نیک ہوتے تو علیؓ ان کی پیروی سے انکار کیوں کرتے؟

فتح الباری میں امام ابن حجرؒ نے یہ ملاوٹ والا فقرہ لکھ کر اس کے راوی لکھ دیئے اور لکھا کہ سفیان بن وکیع ضعیف ہے۔ (فتح الباری ج:13، ص:197)

امام ابن حجرؒ نے فتح الباری ج:13، ص:194 پر اصل بات لکھ دی ہے:

''حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے مدینہ کے سب مہاجر و انصار، صحابہ کو بلا لیا، پانچوں فوجی کمانڈروں کو بھی بلا لیا اور مسجد میں اجتماع میں خطبہ پڑھا پھر کہا علی علیہ السلام میں نے سب سے فرداً فرداً پوچھا، لوگ عثمانؓ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے، تم ناراض نہ ہونا۔ پھر صرف حضرت عثمانؓ سے ہی یہ بات کہی کہ میں تیری بیعت کرتا ہوں اور تم اللہ کے حکم، سنت رسولؐ اور شیخین کے طریقہ کار پر حکومت کرنا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے بیعت کی اور پھر باقی مہاجر و انصار صحابہؓ نے اور حاضر فوجی کمانڈروں نے بیعت کی۔''

شوریٰ کے مرحلہ میں کسی سے کوئی بے ایمانی نہیں ہوئی۔

حضرت عمرؓ پر یہ تہمت بھی لگائی جاتی ہے کہ انہوں نے ایک طرف چھ آدمیوں کی کمیٹی بنائی جو سب کے سب عشرہ مبشرہ میں سے تھے اور دوسری طرف ان کے عیب بھی بیان کیے، اگر ان میں عیب تھے تو ان کو شوریٰ میں شامل کیوں کیا؟ اور یہ کہ ان میں وہ عیب واقعی تھے تو پھر وہ خلافت کے اہل ہی نہ تھے۔ یہ کہانی بھی علی بن محمد المدائنی بیان کرتا ہے جو کہ مجہول راوی ہے۔ یہ شیعہ عالم علامہ مامقانی کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان میں سے کس کا کوئی عیب بیان نہیں فرمایا بلکہ ان کی تعریف کی کہ ان سے رسول ﷺ اس دنیا سے راضی تشریف لے گئے۔

مستدرک حاکم ج:3، ص:95 پر عبداللہ بن عمرؓ سے منسوب ایک روایت درج ہے جو حضرت عمرؓ پر اعتراض میں حوالہ کے طور پر پیش کی جاتی ہے جب نامزد ممبران شوریٰ حضرت عمرؓ کے پاس سے اٹھ کر گئے تو آپ نے کہا میں نے کمیٹی تو بنا دی ہے مگر

اللہ اگر ان لوگوں کا بھلا چاہے تو اس گنجے (سیدنا علی علیہ السلام) کو خلیفہ بنالیں۔ یہ ان کو حق پر چلائے گا۔ اس کی گردن پر تلوار بھی رکھ دی جائے تو یہ حق کو نہیں چھوڑ سکتا۔ کاش یہ اس کو خلیفہ بنالیں! ابنِ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ سمجھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ بنانا درست ہے تو آپ خود کیوں نہیں بنادیتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں بنادوں تو یہ مجھ سے بہتر آدمی یعنی ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ اور اگر نہ بناؤں تو یہ بھی مجھ سے بہتر نے کیا یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کو نامزد نہیں فرمایا۔

اس روایت سے بات اور زیادہ خراب ہوتی نظر آتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ حق حضرت علی علیہ السلام کا ہے، ان کو نامزد نہیں فرمایا اور کمیٹی بنا کر فساد شروع کرادیا۔

اِس روایت میں عمر مولیٰ عفرہ ضعیف راوی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ میں اس وقت زندہ صحابہ عشرہ مبشرہ میں چھ افراد کو کمیٹی میں شامل کیا جن کے نام یہ ہیں۔

1۔ حضرت علی علیہ السلام　　2۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

3۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ　　4۔ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ

5۔ حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ　　6۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

ساتویں فرد حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی تھے۔ ان کو کمیٹی میں شامل نہ کیا۔ (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری: 7، ص:61)

کمیٹی کو یہ تنبیہ بھی فرمادی تھی کہ اگر تم نے اختلاف کیا تو شام سے معاویہ اور یمن سے عبداللہ بن ربیعہ آکر حکومت پر قبضہ کرلیں گے۔

(الاصابہ ج:4، ص:65 اور ج:3، ص:414)

یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے بعد اے لوگو آپس میں گروہ بندی سے بچنا اور اگر تم نے ایسا کیا تو یاد رکھو شام میں معاویہ موجود ہے۔ (ابن حجر الاصابہ ج:3، ص:414)

امیر معاویہ کے بارے میں فرمایا:

''اسے شام کا علاقہ سپرد کرکے غلطی کی اگر اس بات کی سمجھ جواب آئی ہے پہلے آگئی ہوتی تو میں شام کا علاقہ کبھی ابوسفیان کے دونوں بیٹوں کو نہ دیتا۔

(مسلم کی شرح فتح الملہم ج:7، ص:154 شبیر احمد عثمانی)

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہی لوگ ہیں جو اہل بیت کو حکومت ملنے کے مخالف تھے اور س کا ثبوت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات سے ملتا ہے کہ ہم نے ان کو مار مار کر اسلام میں داخل کیا ہے یعنی وہ شکست کھا کر اسلام میں داخل ہوئے۔''

مولانا لکھتے ہیں یہ مسلم کی ''شرح اکمال اکمال المعلم'' میں علامہ اُبی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

شوریٰ کے سلسلہ میں ایک اور بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ایک طرف تو اسلام میں طلب عہدہ منع ہے اور کسی آدمی کے نااہل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ کسی عہدہ کو طلب کرے۔ دوسری طرف جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی علیہ السلام سے کہا ہم تین امیدوار خلافت رہ گئے ہیں تو کیا ہم میں سے کوئی دستبردار ہو کر ثالث کا کردار ادا کرنے پر تیار ہے۔ تو اس موقع پر دونوں شیخ چپ رہے۔ اس سے ان دونوں کا طالبِ حکومت ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ بعض دفعہ حالات ایسے ہوجاتے ہیں جب عہدہ طلب کرنا پڑ جاتا ہے جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے طلب عہدہ کا ذکر سورہ یوسف: 12/55 میں ہے۔ ایک طالب اقتدار وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات کیلئے عہدہ طلب کرتا ہے۔ ایسا آدمی حدیث کے مطابق خائن، بددیانت اور نااہل ہے۔ ایک وہ ہے جو دیکھتا ہے کہ اگر میں جو اہل ہوں، خود کو عہدہ کے لئے پیش نہ کروں تو نااہل عہدہ پر بیٹھ جائے گا اور امت برباد ہوجائے گی۔ اس طلب عہدہ میں وہ اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں چاہتا۔

حضرت علی علیہ السلام نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی طبیعت کی نرمی اور انتظامی صلاحیت کی کمی کی وجہ سے خود کو بطور امیدوارِ خلافت برقرار رکھا مگر جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حالات بہت بگڑ گئے تو حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ بننے سے انکار کیا کہ ان کے خیال میں لوگ عیش وعشرت کے عادی ہو چکے تھے اور ان کا واپس لوٹنا بہت مشکل تھا۔ یہی اندیشہ بعد میں سچ ثابت ہوا۔

دورِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لوگ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کے متعلق دریافت کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں پوچھا کرتا، اس ڈر سے کہیں اس میں گرفتار نہ ہو جاؤں۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم لوگ جاہلیت اور شر میں گرفتار تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ یہ خیر (یعنی اسلام) ہم پر لے آیا۔ اب اس بھلائی کے بعد کیا پھر برائی پیدا ہوگی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں، میں نے پوچھا پھر اس برائی کے بعد بھلائی ہوگی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں مگر اس میں دھوان ہوگا۔ میں نے عرض کیا دھواں سے کیا مراد ہے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو (پورا پورا) میری سنت پر نہیں چلیں گے۔ ان کی کوئی بات اچھی معلوم ہوگی اور کوئی بری، میں نے پوچھا کہ اس بھلائی کے بعد پھر برائی ہوگی؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا ہاں اس وقت دوزخ کی طرف بلانے والے دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے۔ جو کوئی ان کی بات مانے گا اس کو دوزخ میں جھونک دیں گے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نشانی تو بیان فرما دیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا لوگ ہماری جماعت میں سے ہوں گے اور ہماری بولی بولیں گے۔ میں نے عرض کی اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا مسلمانوں کی جماعت اور امام کے ساتھ رہ، میں نے کہا اگر جماعت اور امام نہ ہو تو؟ فرمایا ان سب گروہوں

سے الگ رہ (جنگل میں دور دراز چلا جا) اگرچہ وہاں ایک درخت کی جڑ
مرنے تک چباتا رہے۔(تو یہ تیرے حق میں بہتر ہے)

(بخاری کتاب الفتن باب کیف الامر ذالم تکن جماعة)

مولانا وحید الزماں خاں ؒ مترجم بخاری اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''محدثین نے کہا پہلی برائی سے مراد وہ فتنے ہیں جو حضرت عثمان ؓ کے بعد پیدا ہوئے اور دوسری بھلائی سے مراد عمر بن عبدالعزیز ؒ کا زمانہ مراد ہے، بعضوں نے کہا پہلی برائی سے مراد حضرت عثمان ؓ کا قتل اور دوسری بھلائی سے حضرت علی علیہ السلام کا زمانہ مراد ہے اور دھویں سے خارجی اور رافضیوں کے پیدا ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دوسری برائی سے مراد بنی امیہ کا زمانہ مراد ہے۔''

حضرت عثمان ؓ اور سیرت شیخین

آپ کے انتخاب کا تفصیلی ذکر قصۃ الشوریٰ کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ بخاری ''کتاب الاحکام باب کیف یبا یع الامام الناس ''میں تفصیلی حدیث میں یہ قصہ مذکور ہے جس میں یہ ذکر بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے کہا علی ؓ! برا نہ ماننا اس نے سب لوگوں سے اس معاملہ میں گفتگو کی ہے وہ عثمان ؓ کو مقدم رکھتے ہیں۔ پھر حضرت عثمان ؓ سے کہا میں تم سے اللہ کے دین، سنت رسول اور دونوں خلفاء کے طریقہ پر بیعت کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے حضرت عثمان ؓ کی بیعت کر لی اور جتنے مہاجرین و انصار اور فوجوں کے کمانڈر اور عام مسلمان وہاں موجود تھے، انہوں نے بھی بیعت کر لی۔

قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ حضرت عثمان ؓ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے سیرت شیخین پر چلنے کا وعدہ بھی لیا تھا۔ سیرت شیخین کوئی نئی چیز نہیں بلکہ کردار ہے، کریکٹر ہے۔ قرآن و حدیث میں احکام ہیں اور ان پر عمل کر کے ان دونوں اصحاب نے

دکھا دیا۔ ان کو نے اپنایا اور دنیا سے منہ موڑے رکھا۔ مال و دولت کو ہاتھ نہ لگایا۔ اپنے خاندان والوں کو کوئی عہدہ نہ دیا اور نہ ان کو عیاشی کرائی۔ دونوں کی حکومت زہد و تقویٰ کا نمونہ تھی۔ حضرت عثمان ؓ اس معیار پر پورے نہ اترے۔ بیت المال خاندان میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ گورنروں نے ایسی مالی بے ضابطگیاں کیں جو سب حضرت عثمان ؓ کے پیٹے پڑ گئیں۔ ان کی تمام فضیلت سر آنکھوں پر مگر نظام حکومت درست نہ رہ سکا۔ خود حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ جنہوں نے حضرت عثمان ؓ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ انہوں نے بھی ان کی پالیسیوں سے ناراض ہو کر سلام کلام چھوڑ دیا تھا۔ ولید بن عقبہ گورنر نے جب ان سے جا کر گلہ کیا کہ آپ نے حضرت عثمان ؓ سے بول چال ختم کر دی ہے تو ابن عوف ؓ نے کہا حضرت عثمان ؓ، حضرت عمر ؓ کے طریقہ کو چھوڑ گئے ہیں۔ جب ولید بن عقبہ نے یہ بات حضرت عثمان ؓ کو بتائی تو حضرت عثمان ؓ نے کہا، عمر ؓ کی سنت پر نہ وہ چل سکتا ہے نہ میں چل سکتا ہوں۔ اس طرح تسلیم کر لیا کہ حضرت عمر ؓ کا طریقہ چھوڑ دیا ہے۔

(الفتح الربانی، ج:23، ص:104-105)

اس سلسلہ میں سید قطب شہید ؒ کی کتاب اسلام میں عدل اجتماعی پڑھنے کے لائق ہے۔

عوام کی حالت

اس دور میں عوام کی کیا حالت تھی یہ حضرت حذیفہ ؓ بن یمان بیان فرماتے ہیں۔

بخاری کتاب ''الفتن باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافه'' میں حضرت حذیفہ ؓ سے ابو وائل روایت کرتے ہیں:

''انہوں نے کہا آج کل کے منافق ان منافقوں سے بدتر ہیں جو دور نبوی میں تھے۔ وہ تو اپنا نفاق چھپاتے تھے، یہ تو علانیہ نفاق کرتے ہیں۔''

بخاری کتاب ''الفتن باب اذا بقی فی حثالةٍ من الناس ''میں زید بن وہب حضرت حذیفہ ؓ سے روایت کرتے ہیں:

انہوں نے کہا ہم سے آپ ﷺ نے دو حدیثیں بیان فرمائیں۔ایک کا ظہور تو دیکھ چکا ہوں اور دوسری کے ظہور کا انتظار کر رہا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا ایمانداری آدمیوں کے دلوں کی جڑ پر اتاری (یعنی پیدائشی ہے) پھر انہوں نے قرآن سیکھا حدیث سیکھی اور حضور ﷺ نے اس ایمان داری کے اڑ جانے کا حال بیان کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا ایسا ہوگا ایک آدمی سو جائے گا۔پھر ایمانداری اس کے دل سے اٹھائی جائے گی۔اس کا نشان ایک کالے داغ کی طرح رہ جائیگا۔پھر سوئے گا تو رہی سہی ایمان داری اٹھائی جائے گی۔اب اس کا نشان ایک ہلکے آبلہ کے نشان کی طرح رہ جائے گا، جیسے تو ایک انگارہ اپنے پاؤں پر پھرائے اور ایک آبلہ پھول جائے، وہ پھولا دکھائی دیتا ہے۔مگر اس کے اندر کچھ نہیں ہوتا اور ایسا ہوگا کہ لوگ خرید و فروخت کریں گے ان میں کوئی ایماندار نہیں ہوگا۔یہاں تک کہ لوگ کہیں گے فلاں قوم یا خاندان میں ایک شخص ایماندار ہے اور کسی کی نسبت کہا جائے گا کہ عقل مند عمدہ بہادر آدمی ہے لیکن اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔حذیفہ ؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک ایسا زمانہ گزر چکا ہے جب مجھ کو پرواہ نہ ہوتی تھی، جس سے چاہوں خرید و فروخت کروں۔اگر میں جس سے معاملہ کرتا وہ مسلمان ہوتا تب تو اس کا اسلام اس کو مجبور کرتا وہ بے ایمانی نہ کر سکتا۔اگر عیسائی ہوتا تو اس کے حاکم لوگ اس کو ایمانداری پر مجبور کرتے۔مگر آج کے دور میں کسی سے خرید و فروخت کا معاملہ نہیں کرتا مگر فلاں فلاں آدمیوں سے۔اس کی شرح میں امام ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ دور نبوی اور پہلے دو خلفاء کے بعد امانت کی جگہ خیانت آ گئی۔ (فتح الباری ج:13،ص:38)

حضرت حذیفہ ؓ نے حضرت علی ؓ کی بیعت کی اور اپنے خاندان کو

حضرت علی ؓ کا ساتھ دینے کی وصیت کی۔"

(فتح الباری ج:13،ص:40)

حضرت حذیفہ ؓ حضرت عثمان ؓ کی شہادت کے 40دن بعد فوت ہوئے۔

بخاری "کتاب الاذان باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعت "میں حضرت ابودرداء صحابی ؓ جو حضرت عثمان ؓ کے دور میں فوت ہوئے سے روایت ہے:

"خدا کی قسم سوائے باجماعت نماز کے کوئی کام دور نبوی کا باقی نہیں رہا۔ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ جس دور کے بارے میں ابودرداء ؓ کے یہ ریمارکس ہیں یہ عثمان ؓ کے دور کے آخری دنوں کا حال ہے تو میرے دور کا کیا حال ہوگا؟" (فتح الباری ج:2،ص:138)

نماز میں تبدیلی

حضرت مُطرّف بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں:

"حضرت عمران بن حصین ؓ صحابی نے بصرہ میں حضرت علی ؓ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ جب سجدے میں جاتے اللہ اکبر کہتے اور جب سجدے سے سر اٹھاتے اللہ اکبر کہتے اور جب دو رکعتیں پڑھ کر اٹھتے، تکبیر کہتے جب نماز پڑھ چکے تو عمران بن حصین ؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے آج اس شخص نے (یعنی حضرت علی علیہ السلام) حضرت محمد ﷺ کی نماز یاد دلا دی یا یوں کہا حضرت محمد ﷺ جیسی نماز پڑھائی۔

(بخاری کتاب الاذان باب اِتمام التکبیر فی الرکوع) و کتاب الصلوٰۃ باب یکبر وھو ینھض من السجدتین)

عکرمہ کہتے ہیں:

"میں نے مکہ میں ایک بوڑھے (ابو ہریرہ ؓ) کے پیچھے نماز پڑھی اس نے

22 تکبیریں کہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا یہ بوڑھا بے وقوف ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تیری ماں تجھے روئے یہ تو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔"

(بخاری کتاب الاذان باب التکبیر اذا قام من السجود)

امام ابن حجر فتح الباری ج:6،ص:178 حدیث نمبر 3060 کی شرح میں لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہ کی مردم شماری کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حکمِ نبوی کے مطابق مردم شماری کی گئی تو مدینہ میں لڑنے کے قابل آدمی 1500 تھے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ہم اتنی بڑی تعداد میں ہیں تو کفار سے کیوں ڈریں؟ اور مدینہ میں رہ کر مقابلہ کرنے کی بجائے میدان میں مقابلہ کریں۔ یہ جنگ اُحد کی بات ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا: "حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ مسلمان لاکھوں ہوں گے مگر نمازیں چھپ کر پڑھیں گے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے اپنی زندگی میں ہی دیکھ لیا کہ ہم مصیبت میں پھنس گئے۔ حتیٰ کہ یہ وقت آیا ایک آدمی اکیلا نماز پڑھتا ہے اور ساتھ میں ڈرتا ہے کہ اگر حکومت کو اطلاع مل گئی تو خیر نہیں۔"

مولانا شبیر احمد عثانی "فتح الملھم ج:1 ص:291" اور امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"معلوم ہوتا ہے اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور کی طرف اشارہ ہے جب کوفہ میں گورنر ولید بن عقبہ جیسے نماز لیٹ کر کے پڑھتے تھے یا اچھے طریقہ سے نہ پڑھتے تھے۔ اس وقت نیک لوگ اپنے گھروں میں چھپ کر نماز پڑھ لیتے اور بعد میں حاکم کے خوف کی وجہ سے حاکم کے ساتھ بھی جا کر پڑھ لیتے۔"

(فتح الباری ج:6،ص:178، بخاری کتاب الجهاد والسیر باب کتابة الامام الناس)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اس تبدیلی کے خلاف آواز اٹھائی اور جلاوطن ہو کر ربذہ میں دفن ہو گئے۔

نماز کی اسلام میں اہمیت سے ہر مسلمان واقف ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کا ایک شاگرد ابو بصیر ان کی بیوی ام حمیدہ کے پاس آیا۔ ام حمیدہ نے کہا بیٹا کاش تو اس وقت موجود ہوتا، جب امام فوت ہوئے، شاگرد نے پوچھا اس وقت امام نے کیا فرمایا تھا۔ اماں نے کہا اس وقت امام نے فرمایا تھا جس نے نماز کو معمولی کام سمجھا (جب وقت ملے گا پڑھ لیں گے) اس کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہو گی۔

ولید بن عقبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ ایک دن اس نے نماز میں آنے میں بہت دیر کر دی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھا دی۔ ولید بن عقبہ نے پیغام بھیجا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے تجھے کوئی حکم دیا ہے یا تو نے خود یہ بدعت نکالی۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ نہ امیر المومنین نے مجھے کوئی حکم دیا نہ میں نے بدعت نکالی مگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم اپنے کاموں میں مصروف رہو اور ہم تمہارا انتظار کرتے رہیں۔

(مسند احمد کی شرح الفتح الربانی ج:5،ص:262-263)

امام عبدالرحمٰن البناء رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"ولید جیسا بھی تھا اس کے خیال میں اس کا نماز پڑھانے کا حق زیادہ بنتا تھا تو میں کہتا ہوں جس صحابی رضی اللہ عنہ نے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں کلمہ پڑھا۔ دین کا جھنڈا بلند کرنے کیلئے اسلام میں آیا، لوگوں میں حدیث پھیلائی، خدا کی راہ میں جہاد کیا، اور وہ صحابی جس نے فتح مکہ کے بعد قتل کے ڈر سے کلمہ پڑھا۔ وہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اگر کہو کہ ولید گورنر تھا لہٰذا اس کا حق زیادہ تھا تو یہ اس وقت تک

ہے جب تک نماز کو نقصان نہ پہنچے۔"

زکوٰۃ میں تبدیلی

اسلامی حکومت کی پہلی ذمہ داری نماز قائم کرنا ہے جیسا کہ سورہ حج: 41/22 میں فرمایا:

اور دوسرا فریضہ زکوٰۃ کا انتظام کرنا ہے یعنی خدا اور مخلوق خدا دونوں کا خیال ہر وقت ہر مسلمان کو رہے۔

اسی آیت میں مزید فرمایا:

"نیک کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے منع کرنا بھی اسلامی حکومت کا فریضہ ہے اور یہی چار کام اسلامی حکومت کی پہچان ہیں۔"

مروان کے عمل دخل کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں زکوٰۃ کا جو حال ہوا وہ بھی سننے کے لائق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لکھوائی ہوئی زکوٰۃ کے اموال و مصارف کی کتاب تھی۔ انہوں نے زکوٰۃ کے عاملوں کے بارے میں لوگوں کی شکایت سن کر اپنے بیٹے محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ وہ کتاب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھجوائی اور کہا کہ ان سے کہو اس کے مطابق اپنے عاملین کو زکوٰۃ لینے کا حکم دیں اور زکوٰۃ کی شرح نہ بڑھائیں مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کتاب دیکھ کر لینے سے انکار کر دیا اور کہا ہم کو اس کی حاجت نہیں۔ محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ نے جا کر حضرت علی علیہ السلام کو ساری بات بتائی، انہوں نے کہا کتاب جہاں سے لی تھی وہیں رکھ دے۔ یہ حدیث بخاری کتاب الجهاد و السير باب مَا ذكر من دِرع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعصاه و سيفه وقد حه وخاتمه میں ہے۔

اس کی شرح میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری: 3112، ج:6، ص:213-215 پر لکھتے ہیں:

"حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت علی علیہ السلام کے بیٹے تھے، کے پاس کچھ لوگ بیٹھے تھے اور ایک آدمی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا۔ محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا چپ رہ! لوگوں نے پوچھا کیا آپ کے والد علی علیہ السلام نے

کبھی حضرت عثمان کو گالی دی؟ انہوں نے کہا حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کبھی گالی نہیں دی۔ ہاں اس دن گالی دینے کا حق بنتا تھا جس دن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی املا کروائی ہوئی کتاب زکوٰۃ لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تھا تو انہوں نے کہا تھا اس کو پرے لے جاؤ، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی نہیں کہا مجھے ان مسائل کا علم ہے بلکہ صاف کہہ دیا مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طریقہ حکومت میں کوئی بات تو تھی کہ 600 آدمی ان پر غالب آ گئے جبکہ مدینہ مہاجر انصار صحابہ سے بھرا پڑا تھا اور جب وفات ہوئی تو صرف چار آدمی جنازہ لے کر گئے۔ پھر ان کو بقیع میں دفن کرنے میں بھی صحابہ مزاحم ہوئے۔ 600 آدمیوں کو تو صحابہ کپڑے سے مار سکتے تھے۔ عبداللہ بن سبا کا بہانہ صرف افسانہ ہے۔ مہاجر و انصار صحابہ انکی پالیسیوں سے ناراض تھے۔

فتح الباری ج:2، ص 137-138، پر بخاری کی حدیث 650 سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں سوائے نماز کے باقی دین کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا۔

مناسکِ حج میں تبدیلی

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

"میں نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سنا وہ کہتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہم کو منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں۔ لوگوں نے یہ حال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بیان کیا انہوں نے انا للہ پڑھا اور کہا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھیں، اور عمر بن خطاب کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھیں۔ کاش (خلافِ سنت) چار رکعتوں کی بجائے مجھے دو رکعتیں ملتیں جو قبول ہوتیں۔"

(بخاری ابو اب تقصیر الصلاۃ باب الصلاۃ بمنیٰ)

ابی نضرہ سے روایت ہے:

”عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مسافر کی نماز کے بارے میں سوال کیا گیا انہوں نے کہا میں نے حج کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کیا تو انہوں نے بھی دو رکعتیں پڑھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی عرصہ 8 سال تک دو رکعتیں پڑھیں۔“

(ترمذی ابواب السفر باب التقصیر فی السفر)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعتیں پڑھیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعتیں پڑھیں اور عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی شروع خلافت میں دو رکعتیں ہی پڑھیں۔“

(نسائی، کتاب تقصیر الصلوٰۃ فی السفر باب الصلوٰۃ بمنیٰ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فوت ہوئے۔” مزدلفہ سے لوٹتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا لوگو (سنت) بھول گئے یا گمراہ ہو گئے ہو! میں نے اس جگہ ان کو لبیک کہتے خود سنا ہے جن پر سورہ بقرہ نازل ہوئی۔“

(نسائی کتاب الحج باب استحباب ادامۃ الحاج التلبیہ حتیٰ یشرع فی رمی جمرۃ العقبہ یوم النحر)

آج تک علماء اس بات کا جواب تلاش نہیں کر سکے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں چار رکعت کیوں شروع کیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کبھی پوری نماز نہ پڑھی۔

عوام بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں (الناس علی دین ملوکھم) کا پورا نمونہ اس واقعہ میں ملاحظہ فرمائیں کہ ایک دفعہ دوران حج حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ منیٰ میں بیمار ہو گئے۔ ان کی جگہ حضرت علی علیہ السلام نے کہا گر تم چاہتے ہو تو میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز یعنی دو رکعت پڑھاؤں۔ لوگ کہنے لگے نہیں! ہم سوائے امیر المومنین کی نماز کے اور نماز نہیں پڑھنا چاہتے۔ حضرت علی علیہ السلام نے نماز پڑھانے سے انکار کر دیا اور واپس تشریف لے گئے۔ (المحلیٰ ابن حزم ج:3، ص:380 مسئلہ نمبر 512)

یہاں عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک مسئلہ میں صفائی دینا بھی ضروری ہے۔ حدیث کی کتابوں میں عام طور پر یہ بات ملتی ہے کہ یہ دونوں حضرات حج تمتع سے منع کرتے تھے جبکہ اس کی اجازت قرآن مجید میں موجود ہے۔ بلکہ یہاں تک روایات موجود ہیں کہ یہ دونوں حضرات حج تمتع کرنے والے کو مارتے تھے مثلاً عمر رضی اللہ عنہ سے ابوقلابہ (عبداللہ زید بن عمرو یقال عامر بن نابل بن مالك بن عبید بن علقمه بن سعد ابو قلابه الجرمی) روایت کرتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے میں دو متعوں سے منع کرتا ہوں اور منع نہ ہونے پر مارتا ہوں، ایک متعہ النساء اور دوسرا متعۃ الحج (المحلیٰ ابن حزم ج:7، ص107، مسئلہ نمبر 833)

اہل سنت نے اس روایت کا حل کرنے کی بہت کوشش کی مگر نہ کر سکے۔ اس کا اصل حل یہ ہے کہ ابوقلابہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے مگر اس کی ملاقات ان سے ثابت نہیں۔ لہٰذا اس کی روایات مرسل اور ناقابل قبول ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حج تمتع منع کرنے کی روایت ابوقلابہ کرتا ہے جس کی ملاقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی روایات مرسل اور ناقابل قبول ہیں۔

(تہذیب التہذیب ابن حجر ج:5، ص224-226)

مندرجہ بالا روایت کے ساتھ المحلیٰ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق روایت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کی حج تمتع یعنی حج و عمرہ کا لبیک پکارتے سنا تو اس کو مارا اور اس کا سر منڈا دیا۔ اس روایت میں ایک راوی عبدالعزیز بن عبیہ مجہول ہے۔

(الجرح والتعدیل ج:5، ص398)

اس کا باپ عیینہ بن وہب مقبول ہے یعنی اس کے ساتھ کوئی اور راوی روایت کرے تو عیینہ کی روایت قبول کی جائے گی ورنہ نہیں۔

(الجرح والتعدیل ج:8ص:491، امام ابی محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر الرازی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حج تمتع سے منع نہیں کیا تھا بلکہ کہا تھا کہ حج افراد بہتر ہے۔ یعنی ایک دفعہ حج کرے اور عمرہ کیلئے دوبارہ آئے۔ اب بھی ساری امت کا یہی خیال ہے۔ یہ وضاحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شامی کے سوال کے جواب میں فرمائی۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ سالم کہتے ہیں:

”حج تمتع کے سلسلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وہی رخصت دیتے تھے جو اللہ نے قرآن میں نازل کی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے کچھ لوگ ان سے کہتے آپ کے والد تو اس سے منع کرتے تھے۔ آپ اپنے والد کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ وہ انہیں جواب دیتے تمہاری بربادی ہو، کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ بالفرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روکا تو اس میں خیر ان کے پیش نظر تھی کہ لوگ عمرہ الگ سے کریں۔ جب اللہ نے اسے حلال قرار دیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل کیا ہے تو تم اس کو خود پر حرام کیوں کرتے ہو۔ کیا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی پیروی بہتر ہے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا حرام ہے بلکہ انہوں نے صرف یہ کہا تھا کہ عمرہ کا اتمام یہ ہے کہ تم حج کے مہینوں کے علاوہ کسی اور مہینے میں الگ سے عمرہ کیلئے آؤ۔

(مسند احمد روایت 5700، قال الالبانی صحیح الاسناد)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ حج افراد افضل ہے، اور ان کی

نہی تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی تھی۔“ (الفتح الربانی ج:11، ص:164)

حقیقت یہ ہے کہ جس نے سب سے پہلے حج تمتع سے منع کیا وہ معاویہ ہیں۔

(الفتح الربانی ج:11، ص:158 از عبدالرحمن البناء المصری اور ترمذی کتاب الحج باب ماجاء فی التمتع)

ناپسندیدہ اعمال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ ایک بادل کا ٹکڑا ہے۔ اس میں سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے جسے لوگ اپنے ہاتھوں میں لے رہے ہیں۔ کسی نے بہت لیا اور کسی نے کم، اتنے میں ایک رسی نمودار ہوئی جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور اس رسی کو تھام کر اوپر چڑھ گئے۔ پھر ایک دوسرے شخص نے رسی تھامی، وہ بھی اوپر چڑھ گیا۔ پھر ایک تیسرے شخص نے رسی تھامی وہ بھی اوپر چڑھ گیا۔ پھر ایک چوتھے شخص نے رسی تھامی تو وہ ٹوٹ کر گر پڑی لیکن پھر جڑ گئی۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! خدا کی قسم اس کی تعبیر مجھے کہنے دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھا کہو، انہوں نے کہا بادل کا ٹکڑا تو دین اسلام ہے اور شہد اور گھی جو ٹپکتا ہے وہ قرآن اور اس کی شیرینی ہے، کوئی شخص قرآن زیادہ سیکھتا ہے اور کوئی کم۔ جو رسی آسمان سے زمین تک لٹکتی ہے وہ حق کا رستہ ہے جس پر آپ ہیں اور آپ اسی پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ اللہ آپ کو اُٹھا لے گا۔ پھر آپ کے بعد ایک شخص اس کو پکڑ لے گا اور وہ بھی مرنے تک اس پر قائم رہے گا، پھر ایک اور شخص سے ہے تو اس کا بھی یہی حال ہوگا۔ پھر ایک اور شخص لے گا تو اس کا معاملہ کٹ

جائے گا اور پھر جڑ جائے گا اور وہ بھی اوپر چڑھ جائے گا۔ یارسول اللہ ﷺ! بتایئے میں نے صحیح تعبیر بتائی یا غلط کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے کچھ صحیح بتایا اور کچھ غلط۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم بتایئے میں نے کہاں غلطی کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا قسم مت کھا!

(بخاری کتاب التعبیر باب من لم یر الرؤیا الاوّل عابر اذالم یصب) ترمذی ابواب الرویا باب ماجا فی رویا النبی ﷺ فی المیزان والدلو)

علامہ وحید الزمان رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''اس خواب کی تفصیل بیان کرنے میں بڑے بڑے اندیشے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے سکوت فرمانا مناسب سمجھا۔ دوسری روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ، کے چہرہ مبارک پر ناراضگی کے آثار پائے کیونکہ اس خواب سے آپ کو رنج ہوا۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوداؤد کی شرح عون المعبود ج:4، ص:338-339، پر فتح الباری کے حوالہ سے لکھا:

''کہ رسہ اس لیے ٹوٹا کہ عثمان رضی اللہ عنہ سے کچھ ناپسندہ کام ہوئے جن سے امت ناراض ہوگئی اور قریب تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے نہ ملتے۔ ان کے جو کام غلط سمجھے گئے ان کی بنا پر رسہ ٹوٹ گیا۔ وہ پہلے خلفاء کا راستہ چھوڑ بیٹھے۔ پھر رسہ کا جڑنا اس لیے نصیب ہوگیا کہ ان پر مصائب آئے اور وہ شہید کردیئے گئے۔'' (فتح الباری ج:12، ص:431-435، عون المعبود حوالہ مذکورہ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا تم کیوں (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) سے بات نہیں کرتے اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم سمجھتے ہو میں ان سے بات نہیں کرتا؟ صرف یہ کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہونا چاہتا جو فتنہ کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں۔

(بخاری کتاب الفتن التی تموج کالموج البحر۔ فتح الباری ج:13، ص 48، حدیث نمبر 7098)

امام ابن حجر ج: 13، ص: 52 پر لکھتے ہیں کہ امام کرمانی نے بخاری کی شرح میں لکھا ''یہ جو کہا کہ تم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات کیوں نہیں کرتے تو یہ ان چیزوں کے بارے میں تھا جو لوگوں نے عثمان رضی اللہ عنہ میں غلط سمجھیں یعنی رشتہ داروں کو حاکم مقرر کرنا اور دوسری مشہور باتیں اس میں شامل ہیں۔''

مصائب بھی ان دس چیزوں میں سے ہیں جو گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ دس باتیں آیات واحادیث کی رو سے ایک جگہ پر جمع کردی ہیں۔ (منہاج السنہ ج:3، ص109-177 تا ص 179، فتاویٰ ابن تیمیہ ج:35، ص:179 تا 186) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان مصائب کی وجہ سے اپنے ساتھیوں سے جاملے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی جلاوطنی

حضرت عبداللہ بن رضی اللہ عنہ عمرو بن عاص سے مروی ہے: ''میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: ''زمین اور آسمان کے سائے تلے ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا آدمی کوئی نہیں''
(مسند احمد روایت نمبر 6519، صحیح البانی)

زید بن وہب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

''میں نے ربذہ (مدینہ کے قریب ایک جگہ) میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو پایا میں نے ان سے پوچھا تم یہاں جنگل میں کیوں آپڑے؟ انہوں نے کہا ہم ملک شام میں تھے (مجھ میں اور معاویہ میں جھگڑا ہوگیا) میں نے یہ آیت پڑھی جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دو (سورہ توبہ: 934/9) تو معاویہ نے کہا یہ آیت میرے حق میں نہیں بلکہ اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی

ہے۔ میں نے کہا یہ ہمارے اور اہل کتاب دونوں کے بارے میں ہے۔"

(بخاری کتاب التفسیر ،تفسیر سورہ توبہ (براءت) باب والذین یکنزون الذهب والفضه)

دوسری جگہ زید بن وہب ؓ کہتے ہیں:

"میں ربذہ سے گزرا، وہاں مجھے ابوذر ؓ ملے۔ میں نے کہا تم آپ اس جگہ کیوں رہنے لگے۔ انہوں نے کہا میں شام کے ملک میں تھا۔ وہاں مجھ میں اور معاویہ میں (سورہ توبہ: 34/9) "جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں") کے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ معاویہؓ کہنے لگے یہ اہل کتاب کے بارے میں اتری ہے۔ میں نے کہا یہ ہم مسلمانوں اور اہل کتاب کے بارے میں اتری ہے۔ پھر مجھ میں اور امیر معاویہ میں اس بارے میں جھگڑا ہوگیا۔ انہوں نے حضرت عثمان ؓ کو خط لکھ کر میری شکایت کی۔ حضرت عثمان ؓ نے مجھے لکھا تم مدینہ آؤ۔ میں مدینہ آیا تو اتنے بہت سے لوگ میرے پاس جمع ہونے لگے جیسے انہوں نے مجھے اس سے پہلے دیکھا ہی نہ ہو۔ میں نے عثمان ؓ سے اس کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا تم چاہو تو الگ ایک گوشہ میں مدینہ سے قریب رہو۔ میں اس وجہ سے یہاں رہ رہا ہوں اور اب اگر مجھ پر حبشی سردار بھی ہو تو میں اس کی بات سنوں گا اور مانوں گا۔"

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ما اُدِّی زکوٰۃ فلیس بکنز)

احنف بن قیس ؓ کہتے ہیں:

"قریش کے لوگوں کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس کے بال سخت، کپڑے موٹے، شکل سادہ، وہ ان کے پاس آ کھڑا ہوا اور سلام کیا پھر کہنے لگا جو لوگ مال جمع کرتے ہیں ان کو خوشخبری سنا دو۔ ایک پتھر دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا۔ اور ان کی چھاتی پر رکھ دیا

جائے گا اور ان کے کندھے والی ہڈی سے باہر جائے گا۔ ان کے کندھے والی ہڈی پر کھا جائے گا تو چھاتی سے پار ہو جائے گا۔ اسی طرح پتھر ڈھلکتا رہے گا۔ یہ کہہ کر اس نے پیٹھ موڑی اور ایک ستون کے پاس جا بیٹھا میں اس کے پیچھے چلا اور اس کے پاس جا بیٹھا مجھے معلوم نہ تھا وہ شخص کون ہے؟ میں نے اس سے کہا میرا خیال ہے تمہاری اس بات سے لوگ ناراض ہوئے ہیں۔ اس نے کہا وہ تو بے وقوف لوگ ہیں مجھ سے میرے خلیل ؑ نے کہا۔ میں نے پوچھا کون خلیل؟ کہا نبی ؑ اور کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوذر ؓ! کیا تو اُحد پہاڑ دیکھتا ہے؟ یہ سن کر میں نے سورج کی طرف دیکھا کہ دن کتنا باقی ہے۔ میں سمجھا رسول اللہ ﷺ مجھے کسی کام سے بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کی جی ہاں! فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر بھی سونا اگر ہو تو میں سب اللہ کی راہ میں خرچ کر ڈالوں صرف تین اشرفیاں رکھ لوں۔ یہ لوگ تو بے وقوف لوگ ہیں دنیا کا مال اکٹھا کرتے ہیں اور میں تو خدا کی قسم نہ ان سے دنیا کا سوال کروں گا نہ دین کی بات پوچھوں گا یہاں تک کہ اللہ سے مل جاؤں۔

(بخاری کتاب الزکاۃ باب ایضاً مسلم کتاب الزکاۃ باب تغلیظ عقوبة من لایودی الزکوٰۃ)

جب عراق و شام فتح ہوئے، زرخیز علاقے ہاتھ آئے، وہاں لوگوں کا معیار زندگی دیکھا تو صحابہ نے بھی اعلیٰ عمارتیں بنانا شروع کر دیں۔ حضرت ابوذر ؓ یہ صورت حال برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا حضور ﷺ نے فرمایا تھا جب مدینہ سلع پہاڑ تک وسیع ہو جائے تو تم شہر چھوڑ دینا۔ یہاں دین بہت تھوڑا رہ جائے گا۔ وہ شام چلے گئے۔ یہ حضرت عثمان ؓ کا دور تھا۔ شام میں دیکھا کہ حاکم محلات میں رہتا ہے۔ وہاں انہوں نے اعتراض کیا کہ حاکم سونا چاندی جمع کر رہا ہے اور غریب بھوکے مر رہے ہیں۔ اس پر حاکم (امیر

معاویہ) نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شکایت کی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو خط لکھا کہ تم حکومت کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہو۔ معاویہ نے مجھے لکھا ہے اگر شام چاہتے تو ابوذر رضی اللہ عنہ کو واپس بلائیں، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا میں حکومت کے خلاف نہیں ہوں بلکہ سونے چاندی کے ڈھیر اکٹھے کرنے کے خلاف ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا اگر اُحد پہاڑ بھی سونے کا ہو تو شام سے پہلے خیرات کر دینا۔ پھر ان سے کہا گیا مدینہ چھوڑ دیں۔ ان کو ربذہ کے علاقہ میں جلاوطن کر دیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جاگیریں دیں جن میں سے اشرافیہ پیدا ہو گئے۔ اس پر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا۔

(مسلم کی شرح اکمال اکمال المعلم ج1، ص134 علامہ اُبیّ مالکی)

خاندان نوازی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پورے عہد میں حضرت علی علیہ السلام کے سوا نبی ہاشم میں سے کسی کو کوئی عہدہ نہ دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے قبیلے اور خاندان کے کسی شخص کو سرے سے کسی منصب پر مامور نہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دس سالہ دورِ خلافت میں بنی عدی کے صرف ایک شخص کو ایک چھوٹے سے عہدے پر مقرر کیا اور بہت جلد سبک دوش کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خوف تھا کہ اگر یہ پالیسی بدل دی گئی جو سخت فتنے کا باعث ہوگی۔ اس لیے انہوں نے اپنے تینوں متوقع جانشینوں کو بلا کر ہر ایک سے کہا اگر میرے بعد تم خلیفہ ہو تو اپنے قبیلے کے لوگوں کو عوام کی گردنوں پر مسلط نہ کر دینا۔

(طبری ج:3، ص:264 طبقات ابن سعد ج:3، ص:340 تا 344)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ کو بھی یہ ہدایت کی تھی کہ منتخب خلیفہ اپنے قبیلے کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہ کرے۔ (فتح الباری ج:7، ص:49-50)

مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رفتہ رفتہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے

بنوامیہ کو کثرت سے بڑے بڑے عہدے دیئے اور بیت المال سے عطیے دیئے اور دوسرے قبیلے اسے تلخی کے ساتھ محسوس کرنے لگے۔

(طبقات ابن سعد ج:3، ص:64 ج:5، ص:36)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ صلہ رحمی کا تقاضا تھا۔ (طبری ج:3، ص:291)

مثال کے طور پر انہوں نے افریقہ کے مال غنیمت کا پورا خمس (5 لاکھ دینار) مروان بن حکم کو بخش دیا۔

(امام ابن اثیر الکامل فی التاریخ ج:3، ص:46) (طبقات ابن سعد ج:3، ص:64)

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال کے بارہ میں کفایت شعاری برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں لوگوں نے اخیر میں جو شورشیں کیں اس کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق یا فیاضانہ برتاؤ کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوالقربیٰ کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔“

(الفاروق ص295)

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ”خدام الدین“ میں لکھتے ہیں:

”زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے 12 سال خلافت کی۔ چھ سال تک کسی کو کوئی شکایت آپ سے پیدا نہ ہوئی بلکہ آپ کو قریش حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت بھی اچھا سمجھتے تھے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں شدت زیادہ تھی لیکن پھر آپ نے بہت نرمی برتی اور اپنے اعزہ و اقربا کو عامل بنانا شروع کیا اور مروان کو ملک افریقہ کا خمس معاف کر دیا اور اپنے اقربا کو بہت سا سامان دے ڈالا اور اس کی تاویل میں فرمایا گو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم نے ایسا نہیں کیا مگر میں حکم خدا کے موافق صلہ رحم کرتا ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں آپ کے خلاف شورش پیدا ہو گئی۔“

(بحوالہ ابن سعد رسالہ خدام الدین لاہور 19 جولائی 1957ء)

''عثمان رضی اللہ عنہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی انتظامی قابلیت نہ تھی اور انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں کو ایک پائی تک نہ دی نہ کوئی عہدہ دیا حالانکہ بنی عدی میں بڑے قابل لوگ تھے مگر عثمان رضی اللہ عنہ میں ان جیسا زہد نہ تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں کو نفازنے کا جو اجتہاد کیا وہ غلط اجتہاد تھا۔ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو جو کچھ دیا وہ دوسروں کو نہ دیا۔ (منہاج السنۃ ج:4، ص:204)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

''سرکاری مال رشتہ داروں کو دینا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رشتہ داروں سے نیک سلوک نہیں تھا۔'' (فتاویٰ ابن تیمیہؒ ج:35، ص:23)

امام ابن حجر ''الاصابہ'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افریقہ سے آنے والا پانچ لاکھ دینار کا خمس مروان کو دے دیا۔ (الاصابہ ج:4، ص:223-224)

جمعہ کی دوسری اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شروع کرائی۔

(نسائی کتاب الجمعہ باب الاذان للجمعہ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گورنر

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں فرمایا کعبہ کے رب کی قسم! یہ گورنر تباہ ہو جائیں۔ انہوں نے دین برباد کر دیا ہے۔ (نسائی)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی پالیسی چھوڑ کر اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دیئے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدف تنقید بن کر رہیں۔ انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے کوفے کا گورنر اپنے ماں جائے بھائی ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو مقرر کیا اور اس کے بعد یہ منصب اپنے ایک اور عزیز سعید بن عاص کو دیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو معزول کر کے اپنے

ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر کو بصرے کا گورنر مقرر کیا۔ عمرو بن عاص کو ہٹا کر اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مقرر کیا۔ امیر معاویہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صرف دمشق کے گورنر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو دمشق ے ساتھ ساتھ حمص، فلسطین، اردن اور لبنان کا پورا علاقہ بھی دے دیا۔ (امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8، ص:124)

پھر اپنے چچازاد بھائی مروان بن الحکم کو چیف سیکرٹری بنا دیا۔ جس کی وجہ سے سلطنت کے تمام معاملات میں اس کا اثر قائم ہو گیا۔ اس طرح عملاً ایک ہی خاندان کے ہاتھ میں سارے اختیارات جمع ہو گئے۔

ان باتوں کا ردعمل صرف عوام پر ہی نہیں اکابر صحابہ تک پر اچھا نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ مثال کے طور پر جب ولید بن عقبہ کوفے کی گورنری کا پروانہ لے کر حضرت سعد بن ابی وقاص کے پاس پہنچا تو انہوں نے فرمایا: ''معلوم نہیں ہمارے بعد تو زیادہ دانا ہو گیا ہے یا ہم تیرے بعد احمق ہو گئے۔''

ولید بن عقبہ نے جواب دیا: ''ابو اسحاق ناراض نہ ہو، یہ تو بادشاہی ہے، صبح کوئی اس کے مزے لوٹتا ہے اور شام کو کوئی اور''

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں سمجھتا ہوں واقعی تم لوگ اسے بادشاہی بنا کر چھوڑو گے۔'' تقریباً اسی طرح کے خیالات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تھے۔

(امام ابن عبدالبر الاستیعاب ج:2، ص:604)

ستم بالائے ستم یہ کہ ایسے لوگ تقریباً سب کے سب طلقاء تھے جن کو فتح مکہ کے دن معافی ملی تھی۔ ان گورنر حضرات میں سے چند کا تعارف پیش خدمت ہے جبکہ امیر معاویہؓ کے بارے میں علیحدہ باب میں بات ہو گی۔

ولید بن عقبہ بن ابی معیط

یہ شخص فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا۔ اس کا باپ عقبہ بن ابی معیط چوٹی کے دشمنان اسلام میں سے تھا اور جنگ بدر کے موقع پر قتل ہوا۔ مسلمانوں ہونے کے بعد اس کو

حضور ﷺ نے بنی مطلق قبیلہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھجوایا۔ یہ راستے سے واپس آ گیا اور جھوٹ بولا کہ قبیلے نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے بلکہ مجھ کو بھی قتل کرنے لگے تھے۔ حضور ﷺ اس قبیلہ پر بہت ناراض ہوئے اور لشکر کشی کا حکم دے دیا۔ اس قبیلہ کی خوش قسمتی کہ ان کا سردار حارث اپنے ساتھ چند آدمیوں کو لے کر حضور ﷺ کی ملاقات کیلئے چل پڑا کہ اتنے دن گزر گئے کوئی زکوٰۃ لینے کیلئے کیوں نہیں آیا۔ راستے میں لشکر سے ملاقات ہوئی۔ معاملے کا پتہ چلا تو حارث نے کہا خدا گواہ ہے، ہم نے تو ولید بن عقبہ کی شکل تک نہیں دیکھی۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے سورہ حجرات :49/6-7 نازل فرمائیں میں ہدایت کی گئی کہ جب کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کے کہنے پر کسی قوم پر حملہ کردو اور بعد میں پچھتانا پڑے۔ اس طرح ولید بن عقبہ نصِ قرآن سے فاسق ہے۔

(امام البانی سلسلہ الاحادیث الصحیحہ ج:7، جز نمبر 1 حدیث نمبر 3088، ص 230 تا 235، تفسیر ابن کثیر زیر آیت نمبر 6، مسند احمد، حدیث نمبر 18650، امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ، الاستیعاب ج:2، ص:603، امام ابن تیمیہ منہاج السنہ ج:3، ص:176)

اس ولید بن عقبہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی جگہ کوفہ کا گورنر مقرر کردیا۔

(سیر اعلام النبلاء امام ذہبی ج:3، ص:415)

جب یہ کوفہ کا گورنر بنا تو بعد میں یہ راز فاش ہوا کہ وہ شراب پیتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن اس نے فجر کی نماز چار رکعت پڑھائی پھر پلٹ کر لوگوں سے پوچھا ''اور پڑھاؤں'' یعنی شرابی بھی اور بوقت فجر!

(البدایہ والنہایہ امام ابن کثیر ج:7، ص 155، الاستیعاب امام ابن عبدالبر ج:2، ص:604، آپ لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ مشہور من روایۃ الثقات من نقل اھل الحدیث والاخبار)

اس واقعہ کی شکایات مدینہ تک پہنچیں اور لوگوں میں اس کا عام چرچا ہونے لگا۔

بخاری کتاب المناقب باب ہجرۃ الحبشہ میں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھے عبیداللہ بن عدی بن خیار (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھانجے) نے خبر دی کہ مسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن اسود بن عبدیغوث، دونوں نے انہیں کہا تم اپنے ماموں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ان کے بھائی ولید بن عقبہ کے بارے میں کیوں بات نہیں کرتے؟ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید بن عقبہ کے ساتھ نرم سلوک کیا تھا لوگوں کو اس پر بہت اعتراض تھے۔ عبیداللہ کہتے ہیں میں راستے میں کھڑا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز کیلئے نکلے میں نے کہا مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے اور اس بات میں آپ کی خیرخواہی ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اے شخص میں تجھ سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں (اس طرح بات سننے سے انکار کردیا) یہ سن کر میں واپس ان دونوں کے پاس آ گیا۔ اتنے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بلانے والا آ گیا۔ میں گیا تو انہوں نے پوچھا وہ خیرخواہی کی بات کیا ہے۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو سچا نبی بنا کر بھیجا اور ان پر کتاب نازل کی، آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اللہ و رسول ﷺ کا کہا مانا اور آپ نے دو ہجرتیں کیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہے اور آپ ﷺ کے طریقہ کو دیکھا۔ بات یہ ہے کہ لوگ ولید بن عقبہ کی بہت شکایت کرتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا (عبیداللہ) کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں مگر آپ ﷺ کی شریعت کی باتیں مجھ کو بھی پہنچیں جو ایک کنواری عورت کو پردے میں پہنچیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو سچا نبی بنا کر بھیجا۔ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اللہ و رسول ﷺ کا کہا مانا اور اس پر ایمان لایا جو وہ لے کر آئے اور میں نے دو ہجرتیں کیں۔ جیسے کہ تو کہتا ہے میں رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہا۔ آپ ﷺ سے بیعت کی پھر خدا کی قسم میں نے نہ آپ ﷺ کی نافرمانی کی نہ دغابازی کی یہاں تک کہ اللہ نے آپ ﷺ کو اٹھا لیا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی میری صحبت ایسی ہی رہی، پھر عمر رضی اللہ عنہ سے بھی میری صحبت ایسی ہی رہی۔ پھر میں خلیفہ ہوگیا۔ کیا ان کا جو حق (اطاعت) مسلمانوں پر تھا، میرا بھی حق وہی بنتا ہے؟ میں نے کہا ہاں! انہوں نے کہا پھر یہ کیا باتیں ہیں جو تمہاری طرف

سے مجھ کو پہنچائی جا رہی ہیں۔ البتہ ولید کی حرکتوں کی جو تو نے شکایت کی ہے اس کی واجب سزا ہم اسے دیں گے ان شاء اللہ!

پھر حضرت عثمان ؓ نے حضرت علی ؑ کو بلایا اور کہا ولید کو کوڑے لگائے پھر 40 کوڑے لگائے گئے۔ (امام ابن حجر فتح الباری ج:7،ص53، حدیث نمبر 3696، بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمان ؓ)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان ؓ پر اعتراض کرنے والے افسانوی سبائی نہیں بلکہ صحابہ ؓ و تابعین ؒ تھے۔ امام ابن حجر لکھتے ہیں کہ لوگ جس وجہ سے ولید کے معاملہ میں کثرت سے اعتراضات کر رہے تھے وہ یہ تھی کہ حضرت عثمان ؓ اس پر حد قائم نہیں کرتے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید کو مقرر کرنا لوگوں کو ناپسند تھا کیونکہ حضرت سعد ؓ عشرہ مبشرہ اور اہل شوریٰ میں سے تھے اور ان کے اندر علم و فضل اور دینداری اور سبقت الی الاسلام کی وہ صفات مجتمع تھیں جن میں سے کوئی چیز بھی ولید بن عقبہ میں نہ تھی۔ (فتح الباری کتاب المناقب، مناقب عثمان ؓ)

علامہ بدرالدین عینی ؒ نے بھی ''عمدۃ القاری'' کتاب مناقب عثمانؓ میں ایسا ہی لکھا۔

مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر کی شرح میں امام نووی ؒ لکھتے ہیں کہ مسلم کی یہ حدیث امام مالک اور ان کے ہم خیال فقہا کے اس مسلک کی دلیل ہے کہ جو شخص شراب کی قے کرے اس پر شراب نوشی کی حد جاری کی جائے گی۔ امام مالک کی دلیل اس معاملہ میں بہت مضبوط ہے کیونکہ صحابہ نے بالاتفاق ولید بن عقبہ کو کوڑے لگانے کا فیصلہ کیا تھا۔

(مسلم مع شرح نووی ج:2،ص 72، کتاب الحدود باب حد الخمر)

امام ابن قدامہ ؒ کہتے ہیں:

''مسلم کی روایت کے مطابق جب ایک گواہ نے یہ شہادت دی کہ اس نے ولید کو شراب کی قے کرتے دیکھا ہے تو حضرت عثمان ؓ نے کہا وہ شراب

پیئے بغیر اس کی قے کیسے کر سکتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے حضرت علی ؑ کو حد جاری کرنے کا حکم دیا اور یہ فیصلہ چونکہ علماء صحابہ ؓ اور اکابر صحابہ کی موجودگی میں ہوا تھا اس لیے اس پر اجماع ہے۔''

(المغنی والشرح الکبیر ج:10،ص:332)

مسلم کی روایت کے ایک راوی عبداللہ الداناج ؒ کی بنا پر امام طحاوی ؒ نے اس روایت کو کمزور قرار دیا جبکہ امام ابن حجر نے امام بیہقی، امام ترمذی اور امام بخاری کے حوالہ سے اسے قوی قرار دیا ہے۔ امام ابن عبدالبر نے کہا کہ اس راوی کو ابوزرعہ اور نسائی نے ثقہ قرار دیا۔ (فتح الباری کتاب الحدود باب الصنرب بالجرید والنعال)

امام ابن حجر ؒ نے تہذیب التہذیب ج:11،ص:143-144) پر بھی ولید بن عقبہ کے شراب پینے کی تصریح کی ہے۔

ابو ساسان حصین بن منذر نے کہا کہ میں حضرت عثمان بن عفان ؓ کے پاس موجود تھا۔ ولید بن عقبہ کو لایا گیا۔ اس نے صبح کی نماز کی 4 رکعتیں پڑھی تھیں اور کہا اور پڑھاؤں، تو دو آدمیوں نے ولید پر گواہی دی۔ ایک تو حمران نے کہا کہ ولید نے شراب پی ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ ولید میرے سامنے شراب کی قے کر رہا تھا۔ حضرت عثمان ؓ نے کہا اگر اس نے شراب نہ پی ہوتی تو شراب کی قے کیوں کرتا۔ حضرت عثمان ؓ نے حضرت علی ؓ سے کہا اٹھیں اور اس کو کوڑے ماریں۔ حضرت علی ؓ نے حضرت حسن ؓ سے فرمایا اے حسن اٹھو اور اس کو کوڑے مارو۔ تو حضرت حسن ؓ نے کہا جس نے ٹھنڈا چکھا ہے وہی گرم بھی چکھے۔ حسن ؑ، عثمان ؓ سے ناراض تھے اور فرمایا اے عبداللہ بن جعفر اٹھو اور اسے کوڑے مارو، وہ اٹھے اور کوڑے لگائے اور علی ؑ گنتے جاتے تھے۔ جب چالیس کوڑے ہو گئے تو فرمایا رک جا! پھر فرمایا نبی ﷺ نے 40 کوڑے مارے، ابوبکر ؓ نے بھی چالیس اور عمر نے 80 کوڑے لگائے، یہ تمام سنت ہیں اور مجھے چالیس پسند ہیں۔ (مسلم کتاب الحدود باب حد خمر)

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

یہ شخص کاتب وحی تھا۔ یہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگیا تھا۔ یہ حضرت عثمان ؓ کا رضاعی بھائی تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر جن لوگوں کے بارے میں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اگر کعبہ کے پردوں سے بھی لپٹے ہوئے ہوں تو انہیں قتل کردیا جائے، یہ ان میں سے ایک تھا۔ حضرت عثمان ؓ اسے لے کر اچانک حضور ﷺ کے پاس پیش ہوگئے اور آپ ﷺ نے محض ان کی وجہ سے اس کو معاف کردیا تھا۔ لوگوں کو یہ بات پسند نہ آسکی تھی کہ اولین مسلمان پیچھے ہٹا دیئے جائیں اور اس جیسے لوگ امت کے حاکم بن جائیں۔ جب یہ شخص مرتد ہوکر مکہ واپس چلا گیا تو اس نے اپنے کاتب وحی ہونے کا حوالہ دیکر نبوت اور قرآن کے متعلق بہت غلط فہمیاں پھیلائیں۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے قتل کا حکم دیا گیا، اس کے مرتد ہونے اور بعد میں معافی کا واقعہ (ابو داؤد باب الحکم فی من ارتد، نسائی باب الحکم فی المرتد، مستدرک حاکم کتاب المغازی، طبقات ابن سعد ج:2، ص:136-141، سیرت ابن ھشام، امام ابن عبدالبر الاستیعاب ج:1، ص:381 اور امام ابن حجر کی الاصابہ ج:2، ص:309) میں بیان ہوا ہے۔

حضرت سعد ؓ سے روایت ہے:

''جس دن مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے سب لوگوں کو امن دیا مگر چار مردوں اور دو عورتوں کو نہیں دیا۔ ان کے متعلق فرمایا کہ وہ جہاں ملیں ان کو قتل کردو اگرچہ کعبے کے پردوں کے سے لٹکے ہوئے ہو۔ وہ چار مرد یہ تھے۔ عکرمہ بن ابو جہل، عبداللہ بن اخطل، مُقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن ابی سرح۔ عبداللہ بن اخطل کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا تھا۔ اس کو قتل کرنے کے لئے دو آدمی لپکے ایک سعید بن حرث ؓ اور دوسرے عمار بن یاسر ؓ،

لیکن سعید جوان تھے عمار سے، انہوں نے اس کو آگے بڑھ کر قتل کردیا اور مقیس بن صبابہ بازار میں ملا، لوگوں نے اس کو مار ڈالا۔ اور عکرمہ بن ابی جہل سمندر میں سوار ہوگیا وہاں طوفان میں پھنسا۔ کشتی والوں نے کہا اب خدا سے خالص کر کے دعا کرو یقیناً تمہارے الہ (بت وغیرہ) یہاں کچھ نہیں کرسکتے۔ عکرمہ نے کہا اللہ کی قسم اگر دریا میں اس کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی میں بھی کوئی اس کے سوا نہیں بچا سکتا۔ اے اللہ میں تجھ سے عہد کرتا ہوں اگر اس مصیبت سے تو مجھے بچالے تو میں حضرت محمد ﷺ کے پاس جاؤں گا اور اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھوں گا یعنی بیعت کرلوں گا اور میں ضرور ان کو اپنے لیے معاف کرنے والا مہربان (عفو کریم) پاؤں گا۔ پھر وہ آیا اور مسلمان ہوگیا۔ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمان ؓ کے پاس چھپ گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کیلئے بلایا تو حضرت عثمان ؓ نے اس کو لا کر پیش کردیا اور کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ عبداللہ سے بیعت قبول فرمائیں، آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور تین بار عبداللہ کی طرف دیکھا اور تین بار کے بعد اس سے بیعت لے لی۔ اس کے بعد صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم میں ایک بھی سمجھدار نہ تھا جب دیکھا کہ میں اس سے بیعت نہیں لے رہا تو اٹھ کھڑا ہوتا۔

انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو آپ کے دل کی بات کیسے معلوم ہوتی۔ آپ آنکھ سے اشارہ فرمادیتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نبی کا یہ کام نہیں کہ وہ آنکھوں سے اشارے کرے۔''

(نسائی کتاب المحاربہ باب الحکم فی المرتد، حدیث :4073)

اس باب میں نسائی کی حدیث نمبر 4075 حضرت ابن عباس ؓ سے مروی ہے کہ سورہ نحل :16/ 110 اس عبداللہ کے حق میں اتری۔ پھر ابن عباس ؓ نے اس کے کاتب

وحی ہونے اور مرتد ہو کر دوبارہ مسلمان ہونے کا ذکر کیا۔

اسی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص فاتح مصر کی جگہ مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ (سیر اعلام النبلاء امام ذہبی، ج:3، ص:415)

مشہور دیوبندی عالم حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ زہری کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن میتب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا قصہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سب صحابہ کو ناگوار ہوئی کیونکہ سب کو معلوم تھا کہ آپ اپنے اعزہ واقربا کی بہت رعایت کرتے ہیں۔ آپ بارہ برس خلیفہ رہے۔ اس وقت اس قسم کے کئی عامل بنو امیہ میں سے ایسے تھے جو صحابی نہ تھے اور جن کو اصحاب رسول اچھا نہ جانتے تھے۔ مگر آپ چھ سال لگا تار ان صحابہ کی تالیف قلوب کرتے رہے جو آپ کے خلاف تھے اور ان کو معزول نہ کیا۔ لیکن بعد والے چھ سالوں میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے چچا کی اولاد پر مہربان ہوئے اور ان کو ان کے ہم خیال لوگوں کے ساتھ گورنر مقرر کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ اس کو وہاں دو ہی برس ہوئے تھے کہ اہل مصر ان کے ظلم کی شکایت کرنے کیلئے دارالخلافہ آئے۔ اس سے پہلے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے معاملات میں بنو ہذیل، بنو زہرہ کے دلوں میں اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے معاملہ کی نسبت بنو غفار اور اس کے اخلاف کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے شکایت پیدا ہو چکی تھی۔ اہل مصر کی شکایت نے اور بھی بارود کا کام کیا، جس نے ابی ذر رضی اللہ عنہ کے دل میں بہت رنجش ڈال دی اور بنو مخزوم حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی وجہ سے آپ سے بہت خشمناک ہوئے۔ اہل مصر ابن ابی سرح کے ظلم سے ڈرتے ہوئے پھر آپ کے پاس آئے۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی سرح کو تہدیدی نامہ لکھا، مگر اس نے کچھ پرواہ نہ کی اور ممنوعہ امورات کی تعمیل سے انکار کیا اور جو لوگ دارالخلافہ شکایتیں کرنے آئے تھے، ان کو مارا پیٹا اور بعض کو قتل کروا دیا۔ یہ حالت دیکھ کر مصر کے سات سو آدمی دارالخلافہ آئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے عبداللہ بن سرح کی شکایتیں کیں اور خاص کر یہ کہ

اس نے اوقات نماز میں تبدیلیاں کر دی ہیں۔

(خطبہ جمعہ از مولانا احمد علی لاہوری خدام الدین مورخہ 19 جولائی 1957)

عبداللہ بن عامر

یہ شخص بھی گورنر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھانجا تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس نے بیت المال (سرکاری خزانہ) لوٹا اور یہ بھی مکہ پہنچ گیا۔

یعلیٰ بن امیہ

یہ شخص یمن کا گورنر تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس نے یمن کا پورا بیت المال لوٹا اور یہ بھی مکہ پہنچ گیا۔

جو لوگ اسلامی حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ہی منظم ہو چکے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ان کا علم ہو چکا تھا جیسا کہ تفصیلاً پیچھے گزر چکا، ان کیلئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور بہت زرخیز ثابت ہوا۔ ان لوگوں کے ناموں کو بہت چھپایا گیا مگر شرح مسلم از علامہ اُبی مالکی سے اس گروہ کا معلوم ہوا کہ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے بعد میں اسلامی حکومت پر قبضہ کر لیا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے۔ امیر معاویہ شام میں پہلے سے تھے، ولید بن عقبہ کوفہ میں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماموں کا بیٹا عبداللہ بن عامر خراسان میں سعید بن العاص بصرہ، یعلیٰ بن امیہ یمن میں گورنر بن گئے۔ مصر میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو گورنر مقرر کر دیا۔

ان جیسے لوگوں کے گورنر بننے سے امت میں غم و غصہ پھیل گیا۔ جن لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا، وہ صحابہ تھے۔ ان میں بیعت رضوان والے بھی شامل تھے، ان کا صرف ایک مطالبہ تھا کہ ایسے گورنروں کو ہٹا کر پہلے والے گورنر لگائے جائیں۔ اس کے سوا ان کا کوئی مطالبہ نہ تھا ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آدمیوں میں سے ایک نے محاصرین میں سے ایک کو تیر امارا، انہوں نے قاتل حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جو رد کر دیا گیا۔ محاصرین نے گھر میں گھس کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا۔

ان گورنر حضرات کو قاتلان عثمانؓ کی فکر نہ تھی بلکہ خود اپنی فکر تھی کہ اگر حضرت علیؓ کی حکومت مستحکم ہوگئی تو یہ گورنر کٹہرے میں ہوں گے کیوں کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ذمہ داران کے مقرر کردہ گورنر تھے جن کے کرتوتوں کا خمیازہ حضرت عثمانؓ کو بھگتنا پڑا۔

لہٰذا ان تمام گورنروں نے گٹھ جوڑ کر کے حضرت عثمانؓ کی مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا، تاکہ اپنی جان بچا سکیں۔ انہوں نے سرکاری خزانہ لوٹ کر حضرت عائشہؓ کی حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی سازش کی تاکہ یہ دونوں فریق آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں اور اصل ذمہ دار سزا سے بچ جائیں۔

حضرت عثمانؓ کے قتل کا سبب

امام ابن حجرؒ اپنی "کتاب الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ" کی ج:4، ص:223-224، نمبر شمار 5440 پر لکھتے ہیں:

"حضرت عثمانؓ کے قتل کا سبب رشتہ داروں کو صوبوں کا گورنر بنانا تھا۔ شام میں امیر معاویہ بصرہ میں سعید بن العاص، مصر میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، خراسان میں عبداللہ بن عامر گورنر تھے۔ جب لوگ حج کیلئے آ کے تو حضرت عثمانؓ کو گورنروں کے خلاف شکایات پیش کرتے مگر حضرت عثمانؓ بہت نرم طبیعت، بہت احسان کرنے والے اور بہت درگزر کرنے والے تھے۔ بعض دفعہ شکایات سن کر گورنر بدل دیتے مگر بعد میں پھر انہی کو گورنر لگا دیتے۔ آخری دنوں میں مصری وفد کے مطالبہ پر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو ہٹا کر محمد بن ابی بکرؓ کو گورنر بنایا۔ وفد خوش ہو کر واپس چلا گیا۔ راستے میں انہوں نے ایک اونٹنی سوار کو بچ کر نکلتے ہوئے دیکھا۔ اس کو پکڑا اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں حضرت عثمانؓ کا غلام ہوں اور اونٹنی بھی ان کی ہے۔ اس آدمی سے ایک خط پکڑا گیا جس میں لکھا تھا

اے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اس قافلہ کے جتنے سرکردہ ہیں، ان کو قتل کر دو، باقیوں کو سزا دو اور حکومت مت چھوڑنا۔ وفد وہ خط لے کر مدینہ آ گیا۔ حضرت عثمانؓ کو خط دیا تو انہوں نے قسم کھا کر انکار کیا اور کہا نہ ہی میں یہ خط لکھا نہ اس کی اجازت دی۔ وفد نے کہا کاتب ہمارے حوالے کریں، کاتب مروان تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے قتل کے ڈر سے اسے حوالے نہ کیا، پھر وفد نے ناراض ہو کر مکان گھیر لیا۔"

حضرت عثمانؓ کی حکومت کی رٹ (عملداری) پہلی بار اس وقت ختم ہوئی جب کوفہ کے لوگوں نے نئے گورنر سعید بن العاص کو ماننے سے انکار کر دیا۔ امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ جب سعد بن ابی وقاص کو ہٹا کر سعید بن العاص کو حضرت عثمانؓ نے کوفہ کا گورنر مقرر کیا تو کوفہ میں اس کا کردار ٹھیک نہ تھا۔ اس نے لوگوں سے اچھا سلوک نہ کیا اور لوگوں نے اس کو پسند نہ کیا۔ حضرت مالک بن اشترؒ نے (جو مخضرم تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں انہوں نے بہت فتوحات کیں) مدینہ آ کر حضرت عثمانؓ سے ملاقات کی اور سعید بن العاص کے کرتوت بتا کر اس کو ہٹانے کا عوامی مطالبہ پیش کیا۔ حضرت عثمانؓ نے نہ صرف ان کا مطالبہ رد کر دیا بلکہ سعید بن العاص کو بطور گورنر ان کے ساتھ ہی کوفہ بھجوا دیا۔ مالک اشتر نے سواری تیز کر دی اور سعید سے پہلے کوفہ پہنچ گئے۔ انہوں نے لوگوں سے خطاب کیا اور بتایا کہ ہمارا مطالبہ نہیں مانا گیا لہٰذا میں تمہیں ترغیب دیتا ہوں کہ سعید بن العاص کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اس کو شہر میں داخل نہ ہونے دیں۔ وہ لوگوں کو ساتھ لے کر کوفہ سے باہر آ گئے اور گورنر کو شہر سے دور روک کر شہر میں داخل ہونے سے منع کر دیا۔ وہ واپس مدینہ آ گیا۔

پھر مالک اشترؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو نماز کا امام اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو خزانہ کا انچارج مقرر کیا۔ سارے کوفہ نے ان کے اس اقدام کی تائید کی۔ پھر مالک اشتر نے حضرت عثمانؓ کو نئے انتظام

کی اطلاع دی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بظاہر اس پر خوشی کا اظہار کیا مگر اندر سے سمجھ گئے کہ میری حکومت کی رٹ ختم ہو چکی۔ یہ پہلی کمزوری تھی جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت کو لاحق ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ ج:8،ص:-60)

یہ بات بالکل افسانہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میرا دفاع نہ کرنا۔ وہ ایسی غلط بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ ذوالحج کے مہینے میں مدینۃ الرسول میں، خلیفہ کا قتل معمولی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ برائی کو ہاتھ سے روک دو۔ اصل بات یہ ہے کہ انصار و مہاجرین نے حضرت عثمان کے رویہ کی وجہ سے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو گورنروں کو، امیر معاویہ سمیت مدد کے لئے خط لکھے مگر کسی گورنر نے ان کی مدد نہ کی۔

(تاریخ ابن جریر طبری، ج:3،ص:387-388)

ایک دن امیر معاویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا تم ہاشمی مدینہ میں موجود تھے اور تم نے محاصرہ کے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد نہ کی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اللہ سے ڈر! جس کو سب لوگوں سے زیادہ عثمان رضی اللہ عنہ کی موت پسند تھی وہ تم تھے تا کہ تم ان کو مظلوم بنا کر خود کو بچانے کا سامان کر سکو۔

(ابن عساکر، تاریخ دمشق، ج:13،ص:263، جز"ب")

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے طرز حکومت میں کوئی بات تو ایسی تھی کہ چھ سو آدمی دارالخلافہ میں ان پر غالب آ گئے جبکہ مدینہ صحابہ سے بھرا پڑا تھا۔ جو کچھ پیچھے گزرا اور اب زیرِ نظر ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محاصرہ کرنے والے اور اعتراض کرنے والے انسان سبائی نہیں بلکہ صحابہ اور تابعین تھے۔

بخاری "کتاب الفتن بات الفتنه التی تموج کموج البحر" میں ابووائل سے راویت ہے:

"لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے کہا تم کیوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بات نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا میں ان سے بات کر چکا ہوں لیکن لوگوں میں سے نہیں ہونا چاہتا جو فتنہ کا دروازہ کھولنا چاہتے ہیں اور میں ایسا آدمی بھی نہیں ہوں کہ اگر کوئی دو آدمیوں پر حاکم بن جائے تو (بطور خوشامد) اس کو کہوں کہ تم اچھے آدمی ہو جبکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن ایک آدمی کو لایا جائے گا اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں گی اور وہ ان کے گرد چکر لگاتا رہے گا جیسے چکی کا گدھا گھومتا رہتا ہے۔ دوزخی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے اے فلاں! تو وہی نہیں جو ہمیں نیکی کا حکم دیتا تھا اور برائی سے منع کرتا تھا پھر وہ کہے گا میں لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور خود نیکی نہیں کرتا تھا، لوگوں کو برائی سے منع کرتا تھا مگر خود برائی کرتا تھا۔"

اس حدیث کی شرح میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"امام کرمانی نے لکھا کہ یہ جو کہا تم عثمان رضی اللہ عنہ سے کیوں بات نہیں کرتے؟ یہ ان چیزوں کے بارے میں تھی جو لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں غلط سمجھیں اور وہ رشتہ داروں کو حاکم مقرر کرنا اور دوسری مشہور باتیں اس میں شامل ہیں۔"

(فتح الباری شرح بخاری ج:13،ص:48، حدیث:7098)

بنو امیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئے اور لوگوں پر ظلم کیا جس سے لوگ ناراض ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قتل ہوئے۔ (شہرستانی: الملل والنحل)

جب باغیوں نے اعتراض کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنو امیہ کے کاموں کا جواز پیش نہ کر سکے۔

(طبری ج:3،ص:425-426)

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے عمال کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''آخری چھ سال میں آپ نے اپنے اعزّہ واقارب کو عہدوں پر مقرر فرمایا اورانہوں نے کام خراب کر دیا۔صلہ رحم کی صفت کا آپ پر غلبہ تھا۔اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ صفت بڑی عمدہ صفت ہے مگر کوئی چیز کیسی ہی عمدہ سے عمدہ ہو جب حد اعتدال سے تجاوز کر جائے تو خرابی پیدا ہوتی ہے۔''

(خلفائے راشدین ص:185-186)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سکون قلب اور بردباری، راست روی، رحمت اور کرم کے ساتھ نظام کو چلایا جوان سے پہلے قائم ہو چکا تھا مگر ان میں نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی قوت تھی، نہ ان کی سی مہارت، نہ اس درجہ کا کمال عدل وزہد، اس لیے بعض لوگوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور وہ دنیا کی طلب میں منہمک ہو گئے اور آپ کے اقارب کو جو مناصب حاصل ہوئے تھے، انہوں نے فتنے کو جنم دیا حتیٰ کہ آپ مظلومی کی حالت میں شہید ہو گئے۔''

(منہاج السنۃ ج:4،ص:121)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں کمی یا نقص صرف اس معیار کے لحاظ سے تھا جوان سے پہلے شیخین رضی اللہ عنہما کے حق میں ثابت ہو چکا تھا۔طبری (محبّ الدین طبری) نے الریاض النضرہ میں اپنی یہی تحقیق بیان کی ہے۔''

(ملا علی قاری:مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ابواب المناقب)

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی سیرت حضرات شیخین کی سیرت سے مختلف تھی کیونکہ وہ بعض اوقات عزیمت کی بجائے رخصت پر اتر آتے تھے اور آپ کے گورنروں اور عمال میں شیخین کے امراء وعمال جیسی صفات نہ

تھیں۔'' (شاہ ولی ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء مقصدِ اوّل ص:150)

سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان فتنوں کے بھڑکنے کا سبب یہ ہوا کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اپنے رشتہ داروں کو مناصب حکومت پر مقرر کرتے تھے اور ان میں سے بعض کا طرز عمل اچھا نہ تھا۔ان پر لوگ معترض ہوتے اور ان کی شکایت بھی لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچائیں مگر حضرت نے ان کو سچ نہ سمجھا اور خیال کیا کہ یہ لوگ میرے رشتہ داروں سے خواہ مخواہ جلتے ہیں اور شاید انہیں میرے رشتہ داروں کا مناصب پر مقرر کیا جانا ناگوار ہے۔اس لیے ان کی شکایتیں کرتے ہیں۔ (فیض الباری ج:2،ص:)

مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''سب سے بڑا اعتراض آپ پر یہ تھا کہ آپ نے اپنے خاندان کے لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کر رکھا تھا۔یہ ضرور ہے کہ آپ کا فعل سیرت شیخین کے خلاف تھا اور نتیجہ بھی اس کا اچھا نہ نکلا۔''

(خلفائے راشدین:ص:193-194)

باغی کون تھے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مبشر بالجنۃ، خلیفہ راشد اور نص نبوی کے مطابق شہید ہیں۔ان کی حکومت کے بعض امور سے ناراض اور ان کا محاصرہ کرنے والوں میں کئی صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین شامل تھے۔ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

1۔ مصری وفد کو لانے والے عبدالرحمٰن بن عدیس رضی اللہ عنہ بیعت رضوان میں شریک تھے۔

2۔ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو منبر سے اتارا اور ان کا عصا توڑ ڈالا وہ حضرت جھجاہ غفاری رضی اللہ عنہ تھے۔وہ بھی بیعت رضوان میں شریک تھے۔

3۔ محمد بن ابی حذیفہ امیر معاویہ کے ماموں کے بیٹے تھے۔

4۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ صغیر صحابی تھے۔

5۔ مالک اشتر مخضرم تھے۔ ان کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات نہ ہو سکی مگر دورِ نبوی میں موجود تھے۔

6۔ ذوالخویصرہ جو بعض کے نزدیک عثمان رضی اللہ عنہ کا اصل قاتل تھا، وہ بھی صحابی تھا۔

حضرت علی علیہ السلام کی طرف سے باغیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صفائی دینے کی ساری روایات بے اصل ہیں۔ باغیوں کا صرف ایک ہی مطالبہ تھا کہ موجودہ گورنر ہٹا کر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما والے گورنر لگائے جائیں۔ وہ لوگ افسانوی سبائی نہیں بلکہ صحابہ و تابعین تھے۔

باغیوں کے پیچھے نماز کی اجازت

عبیداللہ بن عدی بن خیار رحمۃ اللہ علیہ، عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جبکہ وہ محصور تھے اور کہا آپ تو امام عام ہیں اور آپ پر جو مصیبت نازل ہوئی جانتے ہیں، اور ہم کو باغیوں کا امام نماز پڑھاتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھ کر گناہ گار نہ ہوں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا لوگ جو کام کرتے ہیں ان میں سب سے اچھا عمل نماز ہے۔ پھر جب وہ اچھا کام کریں۔ تو بھی ان کے ساتھ مل کر اچھا کر اور جب وہ برا کام کریں تو ان کے برے کام سے الگ رہ۔

(بخاری کتاب الاذان باب امامة المفتون و المبتدع)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد کیوں مانے گئے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ شروع کے مسلمان تھے، دین کے لئے اپنے چچا حکم بن عاص سے مار کھائی، حبشہ کو ہجرت کی، دامادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عشرہ مبشرہ میں شامل جنتی، نصِ نبوی کے مطابق شہید، سب کچھ ہیں، مگر حکومت کا الگ معاملہ ہے۔ نیک ہونا اور بات ہے اور ملکی انتظام اور بات ہے۔

مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ''عون المعبود'' ج:4، ص:339 پر ملا علی

قاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مرقاة المفاتیح شرح مشکوٰة المصابیح'' سے ایک اقتباس درج کیا ہے:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے پتہ چل گیا کہ نبوت کی طرز پر خلافت کی روح اور مغز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد ختم ہو گئے۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور ختم ہونے پر حقیقتِ خلافتِ نبویہ ختم ہو گئی اگرچہ بعد والے دونوں خلیفہ ذاتی طور پر نیک تھے۔

قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں میں سے سودان بن حمران اور کلثوم بن تجیب دونوں موقع پر ہی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو گئے، غافقی اور کنانہ بن بشر موقع سے فرار ہو گئے اور بعد میں یہ بھی قتل ہوئے۔ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے:

''قاتلان عثمان رضی اللہ عنہ میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا۔''

(ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ ج:7، ص:188-189)

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرنے میں معذور تھے کیونکہ قصاص لینے کے لئے جو شرائط ضروری ہیں وہ موجود ہی نہ تھیں۔'' (منھاج السنہ ج:3، ص:129)

قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر قرآن بنام احکام القرآن میں اس مسئلہ کی صحیح شرعی پوزیشن بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد) لوگوں کو بلا امام چھوڑ دینا ممکن نہ تھا چنانچہ امامت باقی ماندہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش کی گئی جن کا ذکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شوریٰ میں کیا تھا مگر انہوں نے اسے ردّ کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اس کے سب سے زیادہ حق دار تھے اور اہل تھے، اسے قبول کر لیا تھا تاکہ امت کو خونریزی اور آپس کی پھوٹ سے بچایا جا سکے جس سے دین و

ملت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچ جانے کا خطرہ تھا۔ پھر جب ان سے بیعت کرلی گئی تو شام کے لوگوں نے ان کی بیعت قبول کرنے کیلئے یہ شرط لگائی کہ پہلے حضرت عثمان ؓ کے قاتلوں کو گرفتار کر کے ان سے قصاص لیا جائے۔ علی ؑ نے ان سے کہا پہلے بیعت میں داخل ہو جاؤ پھر حق کا مطالبہ کرو اور وہ تمہیں مل جائے گا۔ مگر انہوں نے کہا آپ بیعت کے مستحق ہی نہیں جبکہ قاتلین عثمان ؓ کو صبح و شام آپ کے ساتھ دیکھ رہے ہیں۔

اس معاملہ میں حضرت علی ؑ کی رائے زیادہ صحیح تھی اور ان کا قول زیادہ درست تھا۔ کیونکہ اگر وہ اس وقت قاتلان عثمان سے بدلہ لینے کی کوشش کرتے تو قبائل ان کی حمایت پر اٹھ کھڑے ہوتے اور لڑائی کا ایک تیسرا محاذ کھل جاتا۔ اس لیے وہ انتظار کر رہے تھے کہ حکومت مضبوط ہو جائے اور تمام مملکت میں ان کی بیعت منعقد ہو۔ اس کے بعد باقاعدہ عدالت میں اولیاء مقتول کی طرف سے دعویٰ پیش ہو اور حق کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے۔

علمائے امت کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام کیلئے قصاص کو موخر کرنا ایسی حالت میں جائز ہے جبکہ اس سے فتنہ بھڑک اٹھے اور تفرقہ برپا ہونے کا خطرہ ہو۔

ایسا ہی معاملہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کا بھی تھا۔ ان دونوں حضرات نے تو حضرت علی ؓ کو خلافت سے بے دخل کیا تھا نہ وہ ان کے دین پر معترض تھے البتہ ان کا خیال یہ تھا کہ سب سے پہلے حضرت عثمان ؓ کے قاتلوں سے ابتداء کی جائے۔ مگر حضرت علی ؑ اپنی رائے پر قائم رہے اور انہی کی رائے صحیح تھی۔

قاضی صاحب سورۂ حجرات: 9/49 کے تحت لکھتے ہیں:

''حضرت علی ؑ نے ان حالات میں اس آیت کے تحت عمل کیا تھا۔

انہوں نے ان باغیوں سے جنگ کی جو امام پر اپنی رائے مسلط کرنا چاہتے تھے اور ایسا مطالبہ کر رہے تھے جس کا انہیں حق نہ تھا۔ ان کے لیے صحیح طریقہ یہ تھا کہ وہ علی ؑ کی بات مان لیتے اور اپنا مطالبۂ قصاص عدالت میں پیش کر کے قاتلین عثمان ؓ پر مقدمہ ثابت کرتے۔ اگر ان لوگوں نے یہ طریق کار اختیار کیا ہوتا اور پھر حضرت علی ؓ مجرموں سے بدلہ نہ لیتے تو انہیں کش مکش کرنے کی بھی ضرورت نہ ہوتی۔ عام مسلمان خود ہی حضرت علی ؓ کو معزول کر دیتے۔'' (احکام القرآن ج:4، ص:1708 1706-)

اسلامی شریعت کا یہ مسئلہ ملا علی قاری ؒ نے ''فقہ اکبر'' اور ''مرقاۃ شرح مشکوٰۃ'' میں واضح کیا کہ باغی اگر ہتھیار ڈال دیں اور حکومت کو تسلیم کر لیں تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اگر باغیوں کو معلوم ہو کہ ہتھیار ڈالنے کے بعد بھی ان سے قصاص لیا جائے گا تو وہ کبھی ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ امام ابو حنیفہ ؒ کے مذہب کے مطابق قصاص نہیں ہے۔ امام شافعی ؒ قصاص کے اگرچہ قائل تھے مگر فرماتے ہیں اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو خلیفہ قصاص کو مناسب وقت تک ٹال سکتا ہے۔ اسی طرح البحر الرائق میں لکھا ہے کہ باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر کے اسلام لے آنے کے بعد ان کی جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ (البحر الرائق شرح کنز الاقائق باب البغاۃ)

دورِ عثمان ؓ کے دو اہم کردار

آپ کے دور کے دو اہم کردار حکم بن عاص اور مروان بن حکم بن عاص تھے۔ ان دونوں کا تعارف اور کارنامے پیش خدمت ہیں۔

حکم بن عاص

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص ؓ سے مروی ہے:

"ایک مرتبہ ہم لوگ نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور (میرے والد) عمرو بن عاص کپڑے پہن رہے تھے تا کہ وہ بھی مجھ سے مل جائیں یعنی مجلس نبوی میں حاضر ہوں) پھر ہم پاس ہی بیٹھے تھے کہ نبی ﷺ نے فرمایا عنقریب تمہارے پاس ایک ملعون آدمی آئے گا۔ خدا کی قسم! مجھے مستقل دھڑکا لگا رہا اور میں اندر باہر برابر جھانک کر دیکھتا رہا (کہ کہیں میرے والد نہ ہوں) حتیٰ کہ حکم بن عاص مسجد میں داخل ہوا۔

(مسند احمد حدیث نمبر 6520) (ج:3، ص:512)

امام ناصر الدین البانی ؒ نے "سلسلة الاحاديث الصحيحه" میں ج:7، حدیث: 3240، ص:719 تا 725، جز نمبر 2، تک اس حدیث پر بحث کی ہے اور اس کے بارے میں طرق جمع کر کے کہا یہ مسلم کی شرط یعنی معیار پر صحیح ہے۔

علامہ رشید رضا مصری اپنی کتاب "الخلافة الامامة العظمیٰ" ص:67 (اردو) پر لکھتے ہیں:

"مروان کے والد حکم بن عاص اور اس کی اولاد پر لعنت کے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں جن کو طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے جن میں سے اکثر قابل اعتراض ہیں لیکن بعض درست بھی ہیں۔"

حکم بن عاص ؓ حضرت عثمان ؓ کا چچا تھا اور ان کو مسلمان ہونے کے جرم میں بوری میں بند کر کے مارا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے موقعہ پر مسلمان ہوا اور مدینہ آ کر رہنے لگا۔ مگر اس کی بعض حرکات کی وجہ سے رسول کریم ﷺ نے اسے مدینہ سے نکال دیا تھا اور طائف میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ امام ابن عبدالبر ؒ نے "الاستیعاب" میں اس کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ رسول کریم ﷺ اپنے اکابر صحابہ کے ساتھ راز میں جو مشورے فرماتے تھے ان کی کسی نہ کسی طرح سن گن لے کر وہ انہیں افشا کر دیتا تھا۔ اور دوسری وجہ یہ

بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول کریم ﷺ کی نقل اتارا کرتا تھا حتیٰ کہ ایک مرتبہ خود حضور ﷺ نے اسے یہ حرکت کرتے دیکھ لیا۔

(الاستیعاب ج:1، ص:118-119، 263)

یہ بھی روایت کہا گیا کہ حکم بن عاص نے حضور ﷺ کے گھر میں اس وقت جھانکا جب آپ ﷺ اپنی بیویوں کے پاس موجود تھے۔ اس کے علاوہ بھی اس کا کوئی ایسا قصور تھا جس کو اللہ ورسول ﷺ جانتے ہیں۔

"جب حکم بن عاص کو طائف جلاوطن کیا گیا تو مروان اس وقت 7/8 برس کا تھا اور وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ طائف میں رہا۔ جب حضرت ابو بکر ؓ خلیفہ ہوئے تو ان سے عرض کیا گیا حکم بن عاص کو واپسی کی اجازت دے دیں، انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عمر ؓ کے زمانہ میں بھی اسے مدینہ آنے کی اجازت نہ دی گئی۔ حضرت عثمان ؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کو واپس بلا لیا اس طرح یہ دونوں باپ بیٹا طائف سے مدینہ آ گئے۔

(امام ابن حجر، الاصابہ ج:1، ص344-345)، محب الدين طبری، الرياض النضره ج:2، ص:143)

مروان کے اس پس منظر کو نگاہ میں رکھا جائے تو یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اس کا سیکرٹری بلکہ چیف سیکرٹری کے منصب پر مقرر کیا جانا لوگوں کو کسی طرح گوارا نہ ہو سکتا تھا۔ خصوصاً اس وقت جبکہ اس کا ملعون و معتوب باپ زندہ تھا اور اپنے بیٹے کے ذریعے حکومت کے کاموں پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔

حکم بن عاص اور اس کی اولاد (اولاد کی اولاد شامل نہیں) پر حضور ﷺ نے لعنت فرمائی ہے۔ (مستدرک حاکم ج:4، ص:481، ذہبی ؒ نے صحیح کہا ہے۔)

امام شعبی ؒ عبداللہ بن زبیر ؓ سے روایت کرتے ہیں:

"میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو کعبہ سے ٹیک لگا کر یہ کہتے ہوئے

سنا کہ اس کعبہ کے رب کی قسم! نبی ﷺ نے فلاں شخص اور اس کی پشت سے پیدا ہونے والی اولاد پر لعنت فرمائی ہے۔"

(مسند احمد مرویات عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حدیث نمبر 16267)

یوسف بن ماہک سے روایت ہے:

"مروان بن حکم معاویہ کی طرف سے حجاز کا حاکم تھا۔ اس نے تقریر کی تو اس میں یزید بن معاویہ کا ذکر کیا تا کہ لوگ معاویہ کے بعد اس کی بیعت کر لیں۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں کچھ کہا۔ مروان نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ (اپنی بہن) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہو گئے وہاں ان کو کوئی نہ پکڑ سکا۔ (آخر جب اس کا بس نہ چلا تو) مروان نے کہا یہ عبدالرحمٰن وہی شخص ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے سورہ احقاف:17/46 نازل فرمائی۔ (فتح الباری ج:8، ص:577)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے یہ کہا ہمارے خاندان کی برائی میں کوئی آیت نہیں اتری سوائے میرا عذر بیان کرنے والی آیات کے

(بخاری کتاب التفسیر سورہ احقاف باب والذی قال لوالدیہ اف لکما)

بخاری میں تو اتنا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی تشریح میں امام ابن حجر نے فتح الباری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مروان کے باپ پر لعنت کی اور مروان اس کی پشت میں تھا۔

(فتح الباری ج:8، ص:577، حدیث نمبر 4827 بحوالہ نسائی، اسماعیلی، ابن المنذر، ابویعلیٰ، ابن ابی حاتم)

مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو الاستیعاب ج:2، ص:393، البدایہ والنہایہ ج:8 ص:89 الکامل ابن اثیر ج:3، ص:25۔

تفسیر قرطبی اور تفسیر ابن کثیر سورہ احقاف:17/46 کی تفسیر میں امام نے ابن ابی

حاتم کا قول نقل کیا ہے:

"مروان سے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تو لعین کا بیٹا نہیں ہے؟ جس پر رسول کریم ﷺ نے لعنت کی ابن کثیر نے نسائی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان کی الزام تراشی کے جواب میں فرمایا مروان جھوٹ کہتا ہے، بلکہ مروان کے باپ پر اس حالت میں رسول کریم ﷺ نے لعنت فرمائی کہ مروان اس کی پشت میں تھا اور یہ اس لعنت کا ٹکڑا ہے۔" (تفسیر قرطبی، ج:16، ص:197)

امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں یہ لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال 53ھ میں نہیں بلکہ 58ھ میں ہوا اور اس سے پہلے انتقال کر جانے کی روایت درست نہیں ہے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"مروان کا باپ حکم بن عاص نبی ﷺ کے بدترین دشمنوں میں سے تھا۔ فتح مکہ کے روز ایمان لایا اور مدینے پہنچا۔ پھر نبی ﷺ نے اسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا۔" (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:259)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"31ھ میں مروان کا والد حکم بن عاص فوت ہوا۔ وہ فتح مکہ کے روز مسلمان ہوا تھا۔ مگر نبی ﷺ کے راز فاش کر دیا کرتا تھا۔ (یعنی جاسوسی کرتا تھا) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کی رفتار مبارک کی نقلیں اتارتا تھا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے اسے طائف جلاوطن کر دیا اور اس پر لعنت بھیجی۔ وہ جلاوطن ہی رہا حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اسے مدینہ میں داخل کیا اور ایک لاکھ کا عطیہ دیا۔ (العبر فی خبر من غبر جزو اوّل ص:32)

امام حافظ نور الدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" میں امام

احمد کی مسند کے حوالہ سے اوپر والی حدیث درج کرنے کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے دوسری روایت درج کی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک آدمی تمہارے پاس آنے والا ہے جو قیامت کے دن میری سنت یا میری ملت پر نہیں اٹھایا جائے گا۔ میں اپنے والد کو گھر چھوڑ آیا تھا لہٰذا میں ڈر رہا تھا کہ وہی نہ ہوں پھر ایک اور آدمی (یعنی حکم بن عاص) سامنے آ گیا۔

اس کے بعد وہیں عبداللہ بن عمرو سے تیسری روایت ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس گھاٹی سے ایک شخص تمہارے سامنے نمودار ہوگا اور وہ اہل دوزخ میں سے ہوگا۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں پیچھے اپنے والد کو وضو کرتے چھوڑ آیا تھا اور میں ڈر رہا تھا کہ اندر آنے والے وہی نہ ہوں۔ لیکن ایک دوسرا شخص آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے۔ (مجمع الزوائد ج:1، ص:112)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان کو کہا تھا کہ تیرے باپ حکم اور اس کی اولاد پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی ہے

(امام ابن حجر فتح الباری ج:8، ص:577 حدیث نمبر 4827، بخاری کتاب التفسیر سورہ احقاف، صحیحہ ج:7، جز نمبر 2، ص 719-725، حدیث نمبر 3240)

سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاف فرما دیا تھا مگر حکم بن عاص کو کیوں معاف نہ کیا؟ اس نے کوئی ایسا جرم کیا تھا جس کی بنا پر اس پر لعنت کی اور طائف کو نکال دیا۔ اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے واپس مدینہ بلا لیا اور یہی غلطی تھی۔ پھر اس کے بیٹے مروان کو اپنا داماد بنا کر سارا کاروبار حکومت سونپ دیا۔ حدیث میں ہے کہ جب حکم بن عاص کی نسل کی تعداد 30 ہو جائے گی تو پھر یہ لوگ اللہ کے دین کو فریب دینے کا ذریعہ بنا لیں گے اور اللہؑ کے بندوں کو غلام بنا لیں گے اور اللہ کے

مال (بیت المال) کو آپس میں گردش دیں گے۔

(البانی، صحیحہ، ج: 2، ص 379 تا 381 حدیث 744)

مروان بن حکم بن عاص

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ مروان کی اولاد میرے منبر پر بندروں کی طرح ناچ رہی ہے۔ پھر اس کے بعد وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسکراتے نہیں دیکھا گیا۔

(علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج:7، جزو نمبر 3، ص:1645-1649، حدیث نمبر 3940 بحوالہ مستدرک حاکم، ج:4، ص:480،)

حاکم نے شرط شیخین (بخاری و مسلم) پر صحیح کہا اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایسا ہی کہا۔ علامہ البانی نے پانچ صفحوں میں اس حدیث پر بحث کی اور اس کو صحیح کہا۔

اس حدیث میں بیان ہونے والے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھا دیا گیا کہ حکومت پر مروانیوں کا قبضہ ہو جائے گا۔ اس بات نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت غمگین کیا۔

عیدگاہ میں منبر بنوانا

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"میں مروان، جو مدینہ کا حاکم تھا، کے ساتھ عید کی نماز پڑھنے کیلئے نکلا تو عید گاہ میں دیکھا کہ ایک منبر موجود ہے جس کو کثیر بن صلت نے بنوایا تھا۔ مروان نے منبر پر نماز سے پہلے چڑھنا چاہا۔ میں نے اس کا کپڑا پکڑ کر کھینچا لیکن وہ زبردستی منبر پر چڑھ گیا اور نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھا۔ میں نے کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے سنت کو بدل ڈالا۔ مروان کہا ابوسعید رضی اللہ عنہ! وہ زمانہ گزر گیا جس کو تم جانتے ہو۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم! جس زمانہ کو میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کو میں نہیں جانتا۔ مروان نے کہا بات یہ ہے کہ نماز کے بعد لوگ اٹھ کر چل دیتے ہیں۔ لہٰذا میں نے خطبہ عید سے پہلے کر دیا۔"

(مسلم کتاب الایمان باب کو ن النھی عن المنکر من الایمان وان الایمان یزید و ینقص) ، بخاری کتاب العیدین باب الخروج الی المصلی بغیر منبر التمھید ج:10،ص :243، مسند احمد 11089-11167- ،11480، 11512، 11534، 11898)

مروان حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا

یہ حدیث دوسری کتابوں مثلاً ابوداؤد وغیرہ میں بھی آئی ہے۔لوگ اس لیے مروان کا خطبہ نہیں سنتے تھے کہ وہ اس میں سیدنا علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا۔امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

''یہ مروان جب امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ کا گورنر مقرر ہوا تو ہر جمعہ منبر پر حضرت علی علیہ السلام اوران سے محبت کرنے والوں پر لعنت کیا کرتا تھا۔''

(البدایہ والنہایہ ج:8،ص:91)

ابوعبداللہ جدلی کہتے ہیں:

''ایک مرتبہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کیا تمہاری موجودگی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جاتی ہیں۔میں نے کہا معاذ اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے جو علی علیہ السلام کو گالی دیتا ہے وہ مجھے گالی دیتا ہے۔'

(مسند احمد، مسند النساء حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیث نمبر 27284)

سبِّ علی علیہ السلام سبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

ابوعبداللہ الجدلی سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تمہارے منبروں پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جاتی ہیں جب یہ کہا جاتا کہ علی علیہ السلام اور اس سے محبت کرنے والوں پر لعنت کیونکہ میں جانتی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ علی علیہ السلام سے محبت کرتے تھے۔

(علامہ البانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ج:7،حصہ 2،حدیث نمبر 3332، بحوالہ مسند ابو یعلیٰ ج:12،ص :444-445، طبرانی فی المعجم

الاوسط ج:6،ص :389، حدیث نمبر 5828، المعجم الصغیر ص :199، ھندیہ ، المعجم الکبیر ج:23،ص 323، حدیث نمبر 738)

دونوں عیدوں میں خطبہ نماز عید کے بعد پڑھنا سنت ہے مگر مروان نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھتا تھا کیونکہ لوگ اس کی بکواس سنے بغیر عید پڑھ کر چلے جاتے تھے۔یہ شخص سنت کی تحقیر کرتا تھا، جیسا کہ اس نے ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا وہ زمانہ گزر گیا جس کو تم جانتے ہو۔

عید کا خطبہ نماز سے پہلے کر دیا

طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ (مدینہ میں) جس نے عید کی نماز سے پہلے خطبہ شروع کیا وہ مردان تھا۔اس وقت ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھنا چاہئے۔مروان نے کہا یہ بات چھوڑ دی گئی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا اس شخص نے تو اپنا حق ادا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا جو شخص تم میں سے کسی منکر (خلاف شرع) کام کو دیکھے تو اس کو مٹا دے ہاتھ سے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے اور اگر اتنی طاقت بھی نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ سب سے ضعیف ایمان کا درجہ ہے۔

عیاض بن عبداللہ بن ابی سرح سے روایت ہے:

''ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جمعہ کے دن آئے اور مروان خطبہ (تقریر کر رہا تھا) دے رہا تھا۔حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔پہرے دار آ کر ان کو (زبردستی) بٹھانے لگے مگر ابوسعید نہ مانے اور نماز مکمل کی۔نماز جمعہ سے فارغ ہو کر ہم نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ آپ پر رحم کرے، یہ لوگ تو آپ پر گرے پڑتے تھے۔انہوں نے کہا میں کبھی نہ چھوڑوں گا اس چیز کو جس کو دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، پھر ذکر کیا کہ ایک شخص جمعہ کے دن آیا، وہ میلا کچیلا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے پھر حکم کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور اس شخص نے دو رکعتیں پڑھیں اور اس وقت بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔

(ترمذی ابواب الجمعہ باب فی الرکعتین اذا جاء الرجل والامام یخطب)

حکمِ رسول ﷺ کی خلاف ورزی پر جری

مروان کو حدیث سنانا خطرے سے خالی نہ تھا۔امام ابن کثیر ؒ اپنی تفسیر میں ''سورہ النصر'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں فرمایا گیا:

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں البتہ جہاد اور نیت ہے۔مروان کو جب یہ حدیث ابو سعید خدری ؓ نے سنائی تو یہ کہنے لگا تو جھوٹ کہتا ہے۔اس وقت مروان کے ساتھ اس کے تخت پر رافع بن خدیج اور زید بن ثابت ؓ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ابو سعید خدری ؓ کہنے لگے کہ ان دونوں کو بھی اس حدیث کی خبر ہے لیکن ایک کو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوٰۃ کی وصولی کے عہدے سے معزول ہو جانے کا ڈر ہے۔مروان نے یہ سن کر کوڑا اٹھا کر حضرت ابو سعید خدری ؓ کو مارنا چاہا۔ان دونوں بزرگوں نے جب یہ دیکھا تو کہنے لگے مروان ابو سعید ؓ نے سچ فرمایا۔''

(مسند احمد ج:5،حدیث:11184)

مروان کا رہن سہن

حضرت ابو زرعہ ؓ سے روایت ہے: ''کہ میں ابو ہریرہ ؓ کے ساتھ مروان کے گھر میں گیا۔وہاں تصویریں تھیں۔(دوسری روایت میں ہے کہ وہاں مصور تصویر بنا رہا تھا) ابو ہریرہ ؓ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری مخلوق کی طرح بنانے کا ارادہ کرے۔لہٰذا بنادیں ایک ذرّہ یا ایک دانہ جو کا''

(مسلم کتاب اللباس والزینت باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان)

اس روایت سے مروان کے رہن سہن کا اندازہ کرلیں۔

زکوٰۃ سے عطیات کا اعلان

مروان نے زکوٰۃ سے لوگوں کو عطیات دینے کا اعلان کیا جس پر مسلمانوں نے احتجاج کیا۔حضرت عروہ ؓ سے روایت ہے:

''ایک روز مروان نے منبر پر کھڑے ہو کر کہا امیر المومنین معاویہ نے تمہیں بھرپور عطیات دینے کا حکم فرمایا ہے اور پوری کوشش کی ہے مگر مال میں سے ایک لاکھ درہم کم ہے۔اور انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ یمن کی زکوٰۃ جب یہاں سے گزارے تو میں وہ مال تمہارے لیے لے لوں۔حضرت عروہ کہتے ہیں کہ لوگ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور میں نے انہیں یہ پکارتے ہوئے سنا ہرگز نہیں! ہم ان میں سے ایک درہم بھی نہیں لیں گے۔کیا ہم دوسروں کا حق وصول کرلیں؟ یمن والا مال تو یتیموں اور مسکینوں کے لیے صدقہ ہے۔ہمارے عطیات جزیہ سے ملنے چاہئیں تم معاویہ کو لکھو وہ ہمیں باقی رقم بھیج دیں۔مروان نے یہ بات لکھی تب معاویہ نے باقی بھجوادی۔

(کتاب الاموال امام ابو عبیدہ ابواب غنیمت وفئی ص259 روایت نمبر 635)

تاریخی نسخہ قرآن جلا دینا

مروان کا یہ کارنامہ بھی ہے کہ اس نے قرآن کا وہ نسخہ جلا دیا جس کی کتابت ابو بکر ؓ نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے کرائی تھی اور جس کی مزید نقول عثمان ؓ نے بلادِ اسلامیہ میں بھجوائی تھیں۔امام طحاوی ؒ اپنی کتاب ''مشکل الآثار'' میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کے یہ لکھے ہوئے اجزاء ابو بکر ؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے۔پھر یہ حضرت عمر ؓ کے پاس ان کی وفات تک رہے۔پھر ام المومنین حفصہ ؓ کی تحویل میں یہ نسخہ رہا۔حضرت عثمان ؓ نے اسے طلب کیا مگر حضرت حفصہ ؓ نے واپسی کی شرط کے بغیر دینے سے انکار کردیا اور اسی شرط پر حضرت عثمان ؓ کے حوالے کیا۔حضرت عثمان ؓ

نے اس کی نقول تیار کرا کے اسے واپسی کر دیا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس ہی رہا حتیٰ کہ مروان نے بعد میں اسے منگوایا اور جلا دیا۔

(امام طحاویؒ: مشکل الآثار جز ثالث ص:4)

ایسی تاریخی اور مقدس یادگار کو مروان کے سوا کون آگ میں جھونکنے کی جراءت کر سکتا تھا؟

مروان اور ادب صحابہ رضی اللہ عنہ

مروان نے اپنے زمانہ گورنری میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو اس قصور پر لات ماردی کہ انہوں نے مروان کی ایک بات پر کہہ دیا کہ آپ نے یہ بری بات کہی ہے۔ (امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ الاستیعاب ج:1، ص353)

مروان نواصب کا سرغنہ تھا

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بخاری میں مروان سے البتہ روایت آئی ہے، باوجودیکہ وہ نواصب (دشمنان اہل بیت) میں سے تھا بلکہ اس بدبخت گروہ کا سرغنہ تھا لیکن اس روایت کا مدار زین العابدین پر رکھا ہے اور ان ہی پر روایت کو ختم کیا ہے۔''

(تحفہ اثناعشریہ اردو، ص:119)

معروف اور جید اہل حدیث عالم نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بدعت کی ایک قسم نصب (اہل بیت سے دشمنی) ہے جو تشیع سے بدتر ہے کیونکہ اس کا مطلب حضرت علی علیہ السلام کی دشمنی کو اپنا دین بنا لینا ہے۔''

(هداية السائل الى ادلة المسائل سوال و جواب نمبر 105، ص:496)

مروان اور فدک

فدک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام خلفاء کے زمانہ میں بیت المال کی ملکیت رہا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے فاطمہ علیہا السلام تک کو دینے سے انکار کیا تھا مگر مروان نے

اپنے دورِ حکومت میں اسے اپنی ملکیت اور اپنی اولاد کی میراث بنا لیا۔

(امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ الکامل ج:4، ص:164، امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:9 ص:200-208)

مروان پر لعنت

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تاریخ الخلفاء'' امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ کا ایک جامع خلاصہ ہے۔ اس میں معاویہ کے حالات کے آخر میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی گئی ہے جس میں فرمایا گیا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مروان کے باپ پر اس حالت میں لعنت فرمائی جب کہ مروان اپنے باپ کی پشت میں تھا لہٰذا مروان اللہ کی لعنت میں حصہ دار ہے۔ جبکہ مستدرک کی روایت میں جو پہلے گزر چکی ہے حکم بن عاص اور اس کی اولاد پر لعنت فرمائی گئی اور یہ مروان اسی لعنت کا ٹکڑا ہے۔''

البدایہ والنہایہ ج:8 ص:182-183 پر امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مروان منبر پر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کیا کرتا تھا۔ پھر ایک دن حضرت حسن علیہ السلام نے کہا تیرے باپ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی تھی اور تو اس کی پشت میں تھا۔''

مروان کے بارے میں علمائے اسلام کی رائے

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ظاہری فرماتے ہیں:

''مالکیہ کا عمل اہل مدینہ کو بطور دلیل پیش کرنا بے کار ہے کیونکہ وہاں مروان کے زمانہ سے تغیر سنن کا آغاز ہو گیا تھا۔'' (الاحکام ابن حزم، ص:854)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

ان سے سوال ہوا کہ مروان کو برا کہنے کے بارے میں اہل سنت کے نزدیک کیا

ثابت ہے؟ وہ جواب میں لکھتے ہیں:

''اہل بیت علیہ السلام کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ لوازم سنت، اور محبت اہل بیت میں یہ شامل ہے کہ مروان علیہ للعنة کو برا کہنا چاہئے اور اس سے دل سے بیزار رہنا چاہیے۔ علی الخصوص اس نے نہایت بدسلوکی کی حضرت امام حسین علیہ السلام اور اہل بیت کے ساتھ اور کامل عداوت ان حضرات سے رکھتا تھا۔ اس خیال سے اس شیطان سے نہایت ہی بیزار رہنا چاہیے۔''

(فتاویٰ عزیزی کامل ص: 380-381)

مولانا احمد علی سہارنپوری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

علمائے دیوبند کے یہ استاد ''بخاری کتاب الفتن'' کی شرح میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس میں فرمایا گیا: میری امت کی ہلاکت قریش کے چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی، احادیث میں حکم اور اس کے بیٹے پر لعنت وارد ہے۔ طبرانی اور دوسرے محدثین نے ان کی تخریج کی ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ ''سنن ترمذی ابواب العیدین'' کی شرح میں فرماتے ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ جس نے سب سے پہلے نماز عیدین میں نماز سے پہلے خطبہ دیا وہ مروان بن حکم تھا۔ مروان پرلے درجہ کا ظالم اور سنت نبوی کو پیٹھ دکھانے والا، اس سے منہ موڑنے والا تھا اور لوگوں پر جمعہ وعیدین کے مجمع ہائے عام میں سب وشتم کرتا تھا۔ لوگ اس وجہ سے نماز عید کے بعد خطبہ سنے بغیر چلے جاتے، اسی لیے اس نے نماز پر خطبہ کو مقدم کیا تاکہ لوگ منتشر نہ ہوسکیں کیونکہ ان کے لیے نماز کا انتظار تو ناگزیر تھا۔'' (تقریر ترمذی، ص: 19، مولانا محمود الحسن)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید التابعین حضرت سعید بن المسیب کہا کرتے تھے بنی مروان

انسانوں کو بھوکا مارتے اور کتوں کو کھلاتے ہیں اور لوگ ان کے ہاتھوں پر ہر طرح کے ظلم اور شدائد سہتے ہیں۔ (مسئلہ خلافت ص: 72)

مروان مدینہ کا گورنر تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں موذن تھے۔ مروان کی بدذوقی کا یہ حال تھا کہ سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا اور مقتدیوں کو شرکت کا موقعہ دینا بھی اس کی جلد بازی پر گراں گزرتا تھا۔ سورہ فاتحہ ختم کرتے ہی بلاسکتہ قرأت شروع کر دیتا حالانکہ احادیث میں آمین کہنے کی نہایت درجہ فضیلت وارد ہے۔

لوگ ان کی یاوہ گوئی پسند نہ کرتے تھے۔ اس لیے اکثر ایسا ہوتا کہ عید کے دن نماز کے بعد ہی مجمع منتشر ہو جاتا۔ لوگ خطبہ کا انتظار نہ کرتے۔ یہ دیکھ کر مروان نے چاہا کہ عید کے دن نماز سے پہلے خطبہ دے تاکہ نماز کے انتظار کی وجہ سے لوگوں کو مجبوراً خطبہ سننا پڑے حالانکہ یہ صریح سنت کے خلاف تھا۔ سنت ثابتہ خطبہ عید کے بارے میں یہی ہے کہ نماز عید پہلے ادا کی جائے پھر خطبہ دیا جائے۔ (مسئلہ خلافت ص: 71)

دیوبندی علماء میں سے سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی آخری عمر میں حدیث پڑھی اور اپنے استاد کے لیکچر اردو زبان میں شائع کئے۔ اس کتاب کا نام ''انوار الباری فی شرح البخاری'' ہے۔ وہ اس کتاب کی ج: 17 ص: 192، پر لکھتے ہیں کہ ہمارے استاد فرماتے تھے:

''امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر حیرت ہے کہ اس مروان ملعون کی روایت اپنی کتاب میں درج کی۔ اس خبیث نے جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو زہر آلود تیر مار کر شہید کیا۔ یہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا۔''

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جرم ایک ایک کر کے گنوائے۔ اس ملعون نے حضرت حسن علیہ السلام کو روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دفن ہونے سے زبردستی روکا، حالانکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا

اس کی اجازت دے چکی تھیں۔

مولانا نے کئی صفحوں میں اس ملعون کی کرتوتیں لکھی ہیں۔

مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے خطبہ جمعہ مورخہ 19 جولائی 1957ء میں اس بات سے متفق ہیں جو جو خدام الدین میں شائع ہوا۔

مولانا محمد میاں دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

دیوبند کے فاضل استاد محمد میاں جو کہ جمعیت علمائے ہند کے بڑے عہدیدار تھے، ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' میں مروان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ سانحہ بھی ہمیں تاریخ صحیح کے صفحات پر موٹے حروف میں چھپا ہوا ملتا کہ حضرات شیخین کی مضبوط قیادت کے بعد عالم اسلام کے مشہور مفسد مروان اموی نے ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ضعفِ پیری اور حیاء سے استفادہ کر کے مہمات دولتی (ملکی کاروبار) پر دستِ تصرف پا کر اپنی قوم بنی امیہ کے احساس قومی کو نہ صرف جگایا بلکہ اس کو بنی ہاشم سے دست و گریبان کرنے کے لیے میدان میں بھی لے آیا۔''

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند دسمبر 1965ء)

مگر سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کو شیعہ ثابت کرنے کے لیے انہی حضرت نے ایک کتاب شواہد تقدس کے نام سے لکھی اور اس میں سید صاحب کی دشمنی میں مروان کی ڈھٹائی کو استقامت کا رنگ دے کر حضرت علی علیہ السلام پر ترجیح دینے کی کوشش کی۔

(شواہد تقدس، ص:214-215)

حضرت نائلہ زوجہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی رائے

مروان کی کرتوتوں کی چشم دید گواہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ صاف صاف کہہ دیا:

''اگر آپ مروان کے کہے پر چلیں گے تو یہ آپ کو قتل کرا کے چھوڑے گا۔ اس شخص کے اندر نہ اللہ کی قدر ہے نہ ہیبت نہ محبت۔''

(امام ابن کثیر: البدایہ والنہایہ، ج:7، ص:172-173، امام ابن جریر طبری، ج:3، ص:396-397)

مروان کی کامیاب منصوبہ بندی

اس نے اپنی چالوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو تنہا کر دیا (محمد میاں دیوبندی کے الفاظ میں اس مشہور مفسد نے) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کی تاکہ وہ اپنے پرانے ساتھیوں کے بجائے مروان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگے۔

(طبقات ابن سعد، ج:5، ص:36، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:259)

جنگ جمل کو جاتے ہوئے اس کی منصوبہ بندی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ امت مسلمہ اور صحابہ کا کتنا بڑا دشمن تھا۔ بصرہ کو جاتے ہوئے راستے میں جب قافلہ مرالظہر ان (موجود وادی فاطمہ) پہنچا تو سعید بن العاص، سابق گورنر بصرہ نے اپنے گروپ کے لوگوں سے کہا اگر تم قاتلین عثمان سے بدلہ لینا چاہتے ہو تو ان لوگوں کو قتل کر دو جو تمہارے ساتھ اس لشکر میں موجود ہیں۔ اس کا اشارہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف تھا کیونکہ بنی امیہ کا عام خیال تھا قاتلیں عثمان صرف وہی نہیں ہیں جنہوں نے انہیں قتل کیا یا خروج کیا بلکہ وہ سب لوگ قاتلیں میں شامل ہیں جنہوں نے وقتاً فوقتاً عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی پر اعتراض کئے یا جو شورش کے وقت مدینہ میں موجود تھے مگر قتلِ عثمان روکنے کے لیے نہ لڑے۔

مروان نے کہا نہیں ہم طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کو علی علیہ السلام سے لڑائیں گے۔ دونوں میں سے جس کو بھی شکست ہوگی وہ تو یوں ختم ہو جائے گا اور جو فتح یاب ہوگا، وہ اتنا کمزور ہو جائے گا کہ ہم اس سے بآسانی نمٹ لیں گے۔

(طبقات ابن سعد، ج:5، ص:35,36، ابن خلدون تکملہ، ج:2، ص:155)

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی

مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ''افادات ترمذی'' جو مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی

نے ''الکواکب الدّری'' کے نام سے جمع کر کے چھپوائے ہیں، ان میں مولانا فرماتے ہیں:

''مروان نے سب سے پہلے بری نیت کے ساتھ عید کا خطبہ نماز سے پہلے دیا۔ وہ اپنے خطبہ میں اہل بیت النبی ﷺ پر طعن وتعریض کرتا تھا اور ان کے حق میں بے ادبی کرتا تھا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا اور وہ اہل بیت کی ایذا رسانی پر صبر نہ کر سکے تو وہ نماز کے بعد چلے جاتے تھے۔ تب مروان نے خطبہ مقدم کیا تا کہ لوگوں کو مجبور کر کے ایسا خطبہ سنائے۔ پس اس کا یہ فعل خبث کا مظاہرہ تھا جس پر لوگوں نے اظہار نفرت کیا۔''

کیا مروان صحابی تھا؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ''تہذیب التہذیب'' اور دوسری کتابوں میں منقول ہے کہ مروان صحابی نہیں تھا۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ ''تہذیب الاسماء'' میں فرماتے ہیں: ''مروان نے حضور ﷺ سے نہ حدیث سنی نہ آپ ﷺ کو دیکھا۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جہاں تک مروان کا تعلق ہے، اس کی سماعتِ حدیث نبی ﷺ سے ثابت نہیں اور نہ وہ صحابی ہے کیونکہ وہ ایک طفل نادان تھا جب کہ اسے اس کے باپ کے ساتھ مدینہ سے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا گیا۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ طائف رہا حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے ان دونوں کو واپس بلا لیا۔''

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ''تقریب التہذیب'' میں لکھا ہے:

''مروان کی صحابیت ثابت نہیں۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد اپنی کتاب المراسیل میں فرماتے ہیں کہ مروان بن حکم نے نبی ﷺ سے کچھ بھی نہیں سنا۔''

حضرت حسن علیہ السلام کی تدفین اور مروان

جب حضرت حسن علیہ السلام کا انتقال ہوا تو حضرت حسین علیہ السلام نے (حضرت حسن علیہ السلام کی خواہش و وصیت کے مطابق) جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اجازت (تدفین) طلب کی۔ انہوں نے کہا بخوشی! مروان کو معلوم ہوا تو اس نے کہا حسین علیہ السلام و عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں

جھوٹ کہتے ہیں، حسن علیہ السلام یہاں کبھی دفن نہیں کیے جا سکتے۔

(سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ، ص:116 تا 118 بحوالہ الاستیعاب امام ابن عبدالبر، اسد الغابہ، امام ابن اثیر، تاریخ الخلفاء امام سیوطی، امام ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:108)

واقعہ حرہ میں مروان کا کردار

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ''سیر اعلام النبلا'' میں مروان کے حالات میں لکھتے ہیں:

''مروان حرہ کے روز مسرف بن عقبہ (ظالم کا اصل نام مسلم بن عقبہ تھا) کے ساتھ تھا اور اسے اہل مدینہ کے قتال پر ابھارتا رہا۔''

محاصرہ عثمان رضی اللہ عنہ اور مروان

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کا سب سے بڑا سبب تھا۔''

(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:259)

اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے جعلی خط لکھا کہ مصری وفد کو قتل کر دو۔

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:278)

مروان قاتلِ طلحہ رضی اللہ عنہ

جنگ جمل کے آغاز میں حضرت علی علیہ السلام نے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کو پیغام بھیجا کہ میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ دونوں حضرات تشریف لائے تو علی علیہ السلام نے ان کو ارشاداتِ نبوی ﷺ یاد دلا کر جنگ سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ میدان جنگ چھوڑ کر چلے گئے اور طلحہ رضی اللہ عنہ آگے کی صفوں سے پچھلی صفوں میں جا کھڑے ہوئے۔ ان کا ارادہ بھی چلے جانے کا تھا۔ ایک ظالم عمرو بن جرموز نے زبیر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے ہوئے شہید کر دیا، جبکہ وہ میدان جنگ سے واپس جا چکے تھے۔

مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے واپس چلے جانے کے ارادہ کے پیش نظر زہر آلود تیر مار کر شہید کر دیا۔

(طبقات ابن سعد، ج: 3، ص: 3 2 2، ج: 5، ص: 8 3، امام ابن الاثیر، الکامل، ج: 3، ص: 124، امام ابن عبدالبر الاستیعاب، ج: 1، ص: 207-208، امام ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج: 7، ص: 247)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''ثقات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ مروان ہی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے حالانکہ مروان ان کی فوج میں شامل تھا۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب ج: 5، ص: 21-22، پر لکھتے ہیں:

''مروان نے طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور کسی عالم کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔''

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ میزان الاعتدال ج: 4، ص: 89، نمبر 8422 پر لکھتے ہیں:

''مروان ہی قاتل طلحہ رضی اللہ عنہ ہے۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ولید بن عبدالملک نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے موسیٰ سے کہا میرے دادا مروان نے تیرے باپ طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر کے عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لے لیا تھا۔ قیس بن ابی حازم جو جنگ جمل میں موقعے پر موجود تھے کہتے ہیں کہ مروان جنگ جمل میں طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ جب جنگ عروج پر پہنچی تو میں مروان کے پاس تھا۔ اس وقت مروان نے کہا اگر آج میں نے عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ نہ لیا تو پھر یہ وقت کبھی نہ آئے گا۔ پھر مروان نے زہر آلود تیر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مارا جو ان کے گھٹنے میں لگا۔ اس سے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ یہ روایت قیس ابن ابی حازم سے بسندِ متصل ہے اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔'' (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب ج: 5 ص: 20 تا 22)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے: ''جس نے زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھنا ہو وہ طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔''

(البانی: سلسلہ الاحادیث الصحیحہ، ج: 1، حدیث: 125)

مشہور اہل حدیث عالم نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''ھدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل'' کے، ص: 510 پر لکھتے ہیں:

''مروان حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔ انہوں نے امام ذہبی، امام ابن حزم اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہم کی نہایت سخت رائے مروان کے خلاف نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ مروان کی طرف سے یہ عذر پیش کرنا کہ اس نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو تاویل کی بنا پر قتل کیا ہے تو یہ ایسی معذرت ہے جس کو پیش کر کے ہر گناہ گار کو بے گناہ قرار دیا جا سکتا ہے۔''

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: مروان ہی قاتل طلحہ رضی اللہ عنہ ہے۔ (سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ص: 130)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول فیصل

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''مروان خبیث نے وہ کام کئے جو اسے جہنم لے جانے کیلئے کافی ہیں۔''

(میزان الاعتدال، ج: 4، ص: 89، نمبر 8422)

مروان کی حکومت اور اس کا انجام

جب یزید مر گیا تو تمام سلطنت نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ صرف شام کا علاقہ باقی رہ گیا۔ مروان اس وقت شام میں تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ جا کر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لے تا کہ امت کے لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں۔ مگر عبیداللہ بن زیاد خبیث، حصین بن نمیر قاتل حسین اور عمرو بن سعید بن العاص نے اسے کہا ساری زندگی جنگیں لڑتے گزری اب ان لوگوں کی بیعت کرنے چلے ہو؟ پھر مروان نے اپنی بیعت لے لی اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھی ضحاک بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے جنگ لڑی وہ مارے گئے اور مروان

غالب آیا۔ پھر مروان نے مصر بھی چھین لیا۔ مروان کے بعد اس کے ظالم بیٹے عبدالملک نے مکہ کا محاصرہ کر لیا ابن زبیر رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے اور ان کی لاش درخت پر لٹکا دی گئی۔ کوئی ایک کربلا ہو تو بتائیں! یہ سارا قصہ کتاب البدایہ والنہایہ، ج:8، ص: 260 میں مذکور ہے۔

ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حجاج نے حضرت اسماء سے کہا تیرا بیٹا منافق تھا۔

آج کہتے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا نہ کہو۔ دیکھو تمہارا ممدوح حجاج کس سے کیا کہہ رہا ہے؟

اس طرح مروان نے اپنا الو سیدھا کیا۔ جب حکومت قبضہ میں آ گئی تو یزید کے ماموں حسان بن مالک کلبی نے کہا حکومت خالد بن یزید کو دے دو۔ مروان نے یہ چالاکی کی کہ یزید کی بیوی اور خالد کی ماں کو اپنے نکاح میں لے آیا تا کہ خالد بن یزید بول ہی نہ سکے۔ ایک دن خالد کو مزید ذلیل کرنے کے لئے محفل میں کہا اے خالد اے نرم و نازک پیٹھ والی کے بیٹے! خالد نے اپنی ماں سے کہا اگر تو یہ کام نہ کرتی تو مجھے یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اس کی ماں نے کہا تو کسی سے یہ بات ذکر نہ کرنا۔ میں اس مروان کو درست کر دوں گی۔ اس نے اپنی لونڈیوں کے ساتھ ساز باز کر کے مروان کے قتل کی ٹھان لی۔

جب مروان گھر آیا تو اس نے خالد کی ماں سے پوچھا کہ خالد نے میرے بارے میں تیرے ساتھ کوئی بات تو نہیں کی؟ اس نے کہا نہیں اور اسے مطمئن کر دیا۔ جب رات کو مروان سویا تو وہ مروان کے سینہ پر سرہانہ رکھ کر خود اوپر بیٹھ گئی اور لونڈیاں بھی اوپر بیٹھ گئیں۔ اس طرح مروان خبیث مرا۔

مروان کی حکومت کے متعلق پیش گوئی تھی کہ بکری کی چھینک کے برابر یعنی بالکل تھوڑے دنوں کی ہوگی۔ اس نے صرف چھ ماہ حکومت کی۔ مروان نے یزید کے بیٹے کو حکومت دینے کی بجائے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز کے حق میں وصیت کر دی۔

اندکے پیشِ تو گفتم و بدل تر سیدم
کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

حضرت علی علیہ السلام کا دور

جناب ابوطالب کا اسلام پر احسان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''انہوں نے کہا جنہوں نے سب سے پہلے اسلام ظاہر کیا وہ سات اشخاص تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر، عمار رضی اللہ عنہما، سمیہ رضی اللہ عنہا، صہیب، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کافروں سے محفوظ رکھا ان کے چچا ابو طالب کے سبب، اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کی قوم کے سبب سے، اور باقی لوگوں کو مشرکوں نے پکڑا اور لوہے کے کرتے پہنائے اور ان کو دھوپ میں پگھلا دیا۔ سو کوئی ان میں سے ایسا نہ تھا جس نے مشرکوں کے ارادہ کی موافقت نہ کی ہو۔ (یعنی جو وہ کہلواتے کہہ دیا) مگر بلال کہ انہوں نے اپنی جان کو اللہ کی عظمت کے سامنے حقیر جانا۔ وہ اپنی قوم کے ہاتھوں ذلیل ہوئے۔ مشرکوں نے ان کو اپنے لڑکوں کے حوالے کر دیا تھا جو ان کو مکے کی گھاٹیوں میں لیے پھرتے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی احد احد کہتے تھے۔''

(ابن ماجہ کتاب الایمان، باب فضائل اصحاب رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم فضائل حضرت سلمان و ابوذر رضی اللہ عنہما، مقداد رضی اللہ عنہ حدیث: 149)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب ابوطالب نے پالا تھا۔ بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تایا زبیر ابن عبدالمطلب کا ذکر کرتے ہیں جو کہ غلط ہے۔ امام ابن اثیر نے اسد الغابہ جلد نمبر 15 پر

لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ کی والدہ محترمہ اور دادا جناب عبدالمطلب وفات پا گئے تو کفالت جناب ابو طالب نے کی۔ جب جناب عبدالمطلب کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے اپنے تمام بیٹے بلا لیے اور ان کو وصیت کی۔ زبیر اور خواجہ ابو طالب جن کا اصل نام عبدمناف ہے، حضور ﷺ کے حقیقی چچا تھے اور جناب عبداللہ، تینوں کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ تھا۔ قرعہ خواجہ ابو طالب کے نام نکلا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو لے لیا۔ بعض کہتے ہیں قرعہ اندازی نہیں ہوئی بلکہ خود حضور ﷺ کی مرضی پر انتخاب چھوڑ دیا گیا تھا اور انہوں نے ابو طالب کو چنا۔ کچھ کہتے کہ نہ قرعہ اندازی ہوئی نہ انتخاب ہوا بلکہ خود جناب عبدالمطلب نے ہی جناب ابو طالب کو کہہ دیا کہ تم اس کی پرورش کرنا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ زبیر نے حضور ﷺ کو پالا۔ جب وہ فوت ہو گئے تو ابو طالب کی زیر کفالت آ گئے اور یہ غلط ہے۔ کیونکہ زبیر معاہدہ **حلف الفضول** میں موجود تھے اور اس وقت رسول کریم ﷺ کی عمر مبارک 20 سال سے زیادہ تھی اور آپ ﷺ اس معاہدہ میں شامل تھے۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ عبدالمطلب کی موت کے بعد 5 سال کے اندر اندر آپ ﷺ نے جناب ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا جب کہ عمر پاک 12 سال تھی اور یہ بات اس کی دلیل ہے کہ پہلے دن سے ہی جناب ابو طالب نے آپ ﷺ کی کفالت کی۔ اس کفالت کی طرف سورہ والضحیٰ کی آیت نمبر 6 میں اشارہ ہے جس میں فرمایا کہ ہم نے آپ کو یتیم پایا پھر ٹھکانہ دیا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ ''البدایہ والنہایہ'' ج:2 ص:226 پر لکھتے ہیں:

> ''رسول کریم ﷺ اپنے دادا جناب عبدالمطلب کے بعد اپنے چچا جناب ابو طالب کے پاس رہے کیونکہ جناب عبدالمطلب نے جناب ابو طالب کو اس کی وصیت کی تھی۔ اور یہ کہ وہ آپ ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ جناب عبدالمطلب کے بعد جناب ابو طالب ہی آپ ﷺ کے تمام امور کے ذمہ دار رہے۔

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری، ج:8، ص:194، حدیث:3887 کی شرح **باب ھی قصہ ابو طالب** کے نام سے باندھا ہے جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور رسول کریم ﷺ کا مکالمہ درج ہے جس میں حضور ﷺ نے جناب ابو طالب کی خدمات کا ذکر فرمایا۔

پھر امام نے لکھا کہ عبدالمطلب نے موت کے وقت جناب ابو طالب کو ہی وصیت کی تھی کہ وہ پرورش کریں۔ انہوں نے جوان ہونے تک حضور ﷺ کی پرورش کی۔ جب اعلان نبوت فرمایا تب بھی آپ ﷺ کی مدد کیلئے ابو طالب ڈٹے رہے حتیٰ کہ ان کو موت آ گئی۔ حضور ﷺ کی پرورش اور حفاظت کے بارے میں واقعات مشہور ہیں۔ پھر امام نے جناب ابو طالب کے مشہور اشعار میں سے دو شعر بھی لکھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

> اللہ کی قسم! وہ سب مل کر بھی تم تک نہیں پہنچ سکتے حتیٰ کہ ہم مٹی میں دفن نہ ہو جائیں۔ کعبہ کی قسم! تم لوگ جھوٹ بولتے ہو کہ ہاشمی تم کو محمد (ﷺ) دے دیں گے حتیٰ کہ جنگ لگ جائے اور پھر جو مارا جائے وہ مارا جائے۔''

ابو طالب حضور ﷺ کے بازو بنے رہے اور اپنی قوم کے مقابلہ میں مددگار رہے۔ جب ابو طالب فوت ہو گئے تو پھر قریش نے من مرضی کے ظلم کئے جو ابو طالب کی زندگی میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ محمد بن اسحٰق ہشام بن عروہ سے روایت کرتے ہیں:

> ''میرے باپ عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ جب حضور ﷺ کو یہ دکھ دیئے گئے تو آپ ﷺ گھر میں بیٹھ گئے اور فرمایا قریش میرے ساتھ کوئی ناپسندیدہ کام نہ کر سکے حتیٰ کہ ابو طالب فوت ہو گئے۔''

ایک غلط فہمی کا ازالہ

شیعہ حضرات میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے والد محترم کا نام عمران تھا اور ان کی اولاد آلِ عمران ہے۔ یہ بات بالکل بے ثبوت ہے۔ الکافی کی شرح مراۃ العقول میں باقر مجلسی نے بھی لکھا ہے:

''یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ ان کا نام عبد مناف تھا اور بڑے بیٹے طالب کی وجہ سے ابو طالب کنیت تھی۔ ان کے نام عمران کے متعلق جتنی روایات ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔'' (مراۃ العقول ج:5،ص:234)

شانِ علی علیہ السلام

کسی عرب شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ آدمی کو اس کی لمبی عمر زندہ نہیں رکھتی بلکہ طول ثناء زندہ رکھتی ہے یعنی اس کی تعریف اسے ہمیشہ زندہ رکھتی ہے جو کہ لوگ اس کے مرنے کے بعد کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

(1) ''حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ان کا باپ ان سے بڑھ کر ہے۔''

(سلسلة الاحاديث الصحيحه، ج:2 ص:428، حديث:796)

(2) حضرت علی علیہ السلام سے دوستی رکھے گا صرف مومن اور بغض صرف منافق رکھے گا۔

(مسلم كتاب الايمان باب الدليل على ان حب الانصار و على من الايمان و علاماته)

(3) من كنت مولاه فعلى مولاه یعنی جس کا میں مولا ہوں اس کا علی علیہ السلام مولا ہے، کی اسناد بہت زیادہ اور صحیح ہیں۔

(امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، فتح الباری، ج:7،ص:74)

علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ''من كنت مولاه'' کے طرق کو ''سلسلة الاحاديث الصحيحه'' ج:4،ص:330 تا 344 میں جمع کیا ہے۔ ان پندرہ صفحوں میں انہوں نے بتایا: کس کس صحابی سے کس کس کتاب میں یہ حدیث آئی ہے، دس صحابہ یعنی حضرت زید بن ارقم، سعد بن ابی وقاص، بریدہ اسلمی، حضرت علی، ابو ایوب انصاری، براء بن عازب، عبداللہ بن عباس، انس بن مالک، ابو سعید خدری، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت مروی ہے۔ ساتھ ہی یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ جو علی سے محبت کرے تو اُس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت کرے تو اس سے عداوت رکھ۔

البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ سب مجھے اس لیے لکھنا پڑا کہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''منہاج السنہ'' میں اس حدیث کو ضعیف قرار دے دیا، اور محبت والے ٹکڑے کو من گھڑت قرار دے دیا۔ یہ ان کے مبالغات میں سے ہے اور انہوں نے طرق جمع کئے بغیر حکم لگا دیا۔''

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اگر یہ حدیث صحیح نہیں تو پھر کوئی حدیث صحیح نہیں۔''

علامہ البانی نے ج:4،ص:361، سے آگے حدیث ثقلین کے طرق جمع کر کے بحث کی اور اس کو صحیح قرار دیا۔ فرمان رسالت ہے:

''علی علیہ السلام سے محبت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ہے اور ان سے بغض خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض ہے۔''

(سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:3،ص:1299)

''جس نے علی علیہ السلام سے پیار کیا اس نے مجھ سے پیار کیا اور جس نے علی علیہ السلام سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔''

(صحيح الجامع الصغير ج:2،ص:596 اور سلسلة الاحاديث الصحيحه البانی ج:3،ص:1299)

''جو جس سے محبت رکھتا ہوگا قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا۔''

(بخاری كتاب المناقب باب مناقب عمر ابن الخطاب، كتاب الادب باب ماجاء فی قول الرجل ويلك، كتاب لادب باب علامته حب الله عزوجل)

جنگ خیبر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کل میں جھنڈا اس کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا۔ پھر دوسرے دن حضرت علی علیہ السلام کو جھنڈا دیا۔''

(بخاری كتاب المناقب باب مناقب علی ابن ابی طالب)

دوسری حدیث میں فرمایا:

''کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس سے اللہ و رسول محبت کرتے ہیں یا یوں فرمایا جو اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہے۔'' (حوالہ ایضاً)

كتاب المغازى باب غزوه تبوك

حضرت براء بن عازب سے روایت ہے:

'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں

(بخاری كتاب المغازى باب عمره القضاة)

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے دشمنی سے منع فرمایا۔'' (كتاب المغازى باب على ابن ابى طالب)

عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''علی علیہ السلام مجھ سے ہیں میں علی علیہ السلام سے ہوں اور وہ دوست ہے ہر مومن کا میرے بعد

(ترمذی، ابواب المناقب باب مناقب على ابن ابى طالب)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس کا میں مولا ہوں اس کا علی علیہ السلام بھی مولا ہے۔'' (ترمذی ایضاً)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''علی علیہ السلام تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے ساتھ ایسے ہی ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام تھے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔''

حوالہ ایضاً، كتاب المغازى باب غزوه تبوك)

سب سے پہلے اسلام لانے والے اور نماز پڑھنے والے علی علیہ السلام ہیں۔ (ایضاً)

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''اس اللہ کی قسم جس نے دانہ چیرا اور گھاس اُگائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے عہد کیا تھا کہ مجھ سے محبت صرف مومن رکھے گا اور بغض صرف منافق رکھے گا۔''

(مسلم كتاب الايمان باب بيان كفر من قال مطرنا بالنَّوءِ)

ناصبی حضرت علی علیہ السلام کی شان کم کرنے کے لئے یہ بھی کہتے ہیں:

''مرحب کو علی علیہ السلام نے نہیں بلکہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا، اس بارے میں ایک ناصبی نے حافظ مغرب امام یوسف بن ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الاستیعاب کا جھوٹا حوالہ بھی دیا ہے جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ الاستیعاب کی ج:3، ص:434 نمبر 2372، محمد بن مسلمہ الحارثی رضی اللہ عنہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ نامعلوم لوگ کہتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے خیبر میں مرحب یہودی کو قتل کیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا، مگر صحیح بات جس پر سیرت لکھنے والے اور حدیث کے زیادہ عالم متفق ہیں وہ یہ ہے کہ وہ علی علیہ السلام تھے جنہوں نے خیبر میں مرحب یہودی کو قتل کیا۔''

امام ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات لکھ کر ردّ کیا ہے کہ مرحب کو حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ یا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے قتل کیا بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیا،

صحیح مسلم میں طویل حدیث میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کا بیان کرتے ہیں جس کے آخر میں فرمایا کہ علی علیہ السلام نے مرحب کے سر پر ایک ضرب لگائی اور وہ قتل ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح دی۔ (كتاب الجهاد و السير باب غزوه ذى قرد وغيرها)

نسائی میں زِرّ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علی علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تجھ سے محبت صرف مومن کرے گا اور بغض صرف منافق کرے گا۔ (كتاب الايمان وشرائعه باب علامة الايمان)

اہل بیت علیہم السلام کی محبت فرائض ایمان سے ہے نہ کہ لوازمِ سنت سے (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی۔ فتاویٰ عزیزی کامل، ص:380-381)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ تمام اہل سنت اس بارے میں پر متفق ہیں کہ کل اہل بیت کی محبت مسلمانوں مرد و عورت پر فرض و لازم ہے۔ بلکہ ارکان ایمان میں داخل (تحفہ اثناء عشریہ ص:77)

محبت حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور اہل بیعت علیہم السلام اور تعریف ان کی ثنا اور منقبت پڑھنا ان

بزرگواروں کی، بالاتفاق عبادت ہے، لیکن تمامی عبادت قبول ہونے کے واسطے ایمان شرط ہے۔(تحفۂ اثنا عشریہ ص:732)

شیخ محمد بن احمد سفارینی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے اپنے والد حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت علی علیہ السلام اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوال کیا تو فرمانے لگے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ علی علیہ السلام کے دشمن بہت تھے۔ انہوں نے علی علیہ السلام میں کوئی نقص نہ پایا تو یہ لوگ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے (امیر معاویہ کی طرف) جس نے علی علیہ السلام سے جنگ لڑی تھی اور ان دشمنان علی علیہ السلام نے امیر معاویہ کی تعریف بڑھا چڑھا کر پیش کی جو کہ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ایک چال تھی۔ (لوامع انوار البھیہ ج:2، ص:339، فتح الباری، ج:7، ص:104)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھر آ کر اپنے نبی ہونے کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، پھر حضرت علی علیہ السلام پھر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو ایمان لائے۔

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ البانی، ج:7، ص:1732تا1734، حدیث:4003 ترمذی ابواب المناقب باب مناقب علی علیہ السلام ابن ابی طالب)

مسلمِ اوّل شہِ مرداں علیؑ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؑ

مسند احمد میں حدیث:11292 حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ حدیث نمبر 11839 میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت علی علیہ السلام کی شکایت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا: ''لوگو! علی علیہ السلام کا شکوہ نہ کیا کرو۔ اللہ کی قسم! وہ اللہ کی راہ میں بڑا سخت آدمی ہے۔''

حضرت علی علیہ السلام کا انتخاب

بیعتِ علی علیہ السلام

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی علیہ السلام کے پاس جمع ہوئے اور ان سے بیعت کرنا چاہی، مگر آپ نے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حالات بہت بگڑ گئے تھے۔ حضرت علی علیہ السلام نے انکار اس لیے کیا کہ ان کے خیال میں لوگ عیش و عشرت کے عادی ہو چکے تھے اور ان کا واپس آنا بہت مشکل تھا۔ ان کا اندیشہ بعد میں سچ ثابت ہوا۔ لوگوں کی عادات بہت بدل چکی تھیں جن کا حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کے تحت ہم درج کر آئے ہیں۔

مگر لوگ تین دن تک لگاتار اصرار کرتے رہے۔ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا جب تک اہل شوریٰ اور اہل بدر مجھ پر اتفاق کا اظہار نہ کریں اس وقت تک میری خلافت منعقد نہیں ہو سکتی۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میری بیعت خفیہ نہیں ہو سکتی، اس کیلئے مسلمانوں کی رضائے عام لازم ہے۔ (طبری، ج:3، ص:450)

پھر سب لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع ہونے کا مشورہ دیا اور مہاجرین و انصار صحابہ کی اکثریت نے آپ سے بیعت خلافت کی۔

حضرت علی علیہ السلام کی باری پہلے کیوں نہ آئی؟

حضرت علی علیہ السلام کی باری اس لیے نہ آئی اور جب آئی تو ان کو چلنے نہ دیا گیا کیونکہ معاشرہ ان کے قابل نہ رہا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام ان کے کسی کام کے نہ تھے۔ لوگ جس راہ پر چل پڑے تھے اس پر حضرت علی علیہ السلام جیسا خلیفہ ان کو درکار نہ تھا۔ حضرت علی علیہ السلام

کے بارے میں سب کو معلوم تھا کہ وہ اصولسے ادھر ادھر نہیں ہوتے۔ جو کچھ قرآن و سنت میں حکم ہیں، وہ ان پر کاربند رہے، چاہے حکومت رہے نہ رہے یا گورنر بگڑ جائیں۔ لوگوں کو دنیاوی زندگی پیاری ہو چکی تھی۔ حضور ﷺ کے بعد جلد ہی وہ وقت آ گیا جس کا آپ ﷺ کو خطرہ تھا۔

ایک گروہ ان لوگوں کا تھا جو نہیں چاہتے تھے کہ خلافت و نبوت بنو ہاشم میں اکٹھی ہو جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فضائل میں ہے کہ ایک سال حضرت عثمان کی نکسیر پھوٹی اور لوگ ان کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ اس وقت مروان اور بنو امیہ کے دیگر افراد نے حضرت عثمان سے کہا اپنے بعد زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام کو خلیفہ نامزد کر دیں تا کہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کا امکان نہ رہے۔

(ابن حجر فتح الباری، ج:7، ص:79، حدیث:3717-3718 اور مسند احمد حدیث نمبر 455-456، بخاری کتاب المناقب باب مناقب بن زبیر رضی اللہ عنہ بن عوام)

حضرت علی علیہ السلام کی سخت اصول پرستی کی وجہ سے لوگ ان کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا اگر علی علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تو لوگ اختلاف کریں گے۔

(ابن حجر: فتح الباری، ج:7، ص:67)

لوگوں کی حالت میں تبدیلی کا واضح ثبوت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے 40 دن بعد فوت ہوئے اور حضرت علی علیہ السلام کی بیعت خود بھی کی اور اپنے بیٹوں کو ان کا ساتھ دینے کی وصیت کی۔ (فتح الباری، ج:13، ص:40) صحیح بخاری میں ایک اور روایت میں وہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ مجھ پر ایسا گذر چکا ہے جب میں کسی بھی شخص سے لین دین کا معاملہ کر لیا کرتا تھا۔ اب آج کے دور میں (دورِ عثمان رضی اللہ عنہ) تو یہ حال ہے کہ میں کسی سے معاملہ ہی نہیں کرتا سوائے فلاں اور فلاں کے۔

(بخاری کتاب الرقاق باب رفع الامانۃ)

حضرت علی علیہ السلام کے راستے میں رکاوٹیں کیوں کھڑی ہوئیں؟

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سب مسلمانوں کو برابر وظیفہ دیتے رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار کے باوجود انہوں نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں مہاجر و سابقون الاولون وغیرہ صحابہ کو انکی خدمات اسلام کے پیش نظر کم و بیش وظائف دینا شروع کر دیئے، جس کی وجہ سے بعض لوگ بہت امیر ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں وظائف کے فرق کے ساتھ ساتھ جاگیریں دینا بھی شروع کر دیں۔ اس وجہ سے مسلمانوں میں جاگیردار اور سرمایہ دار طبقے بہت پروان چڑھے اور غریب غریب تر ہو گئے۔ امیر لوگ عیش کے عادی ہو گئے اور طبقاتی تقسیم بڑھ گئی۔ اس تفضیل کا نتیجہ طبقاتی تفاوت کی شکل میں سامنے آیا۔

لوگوں کو معلوم تھا کہ علی علیہ السلام خلیفہ بنے تو یہ ہمیں واپس اسی راہ کی طرف لوٹا دیں گے جو ابو بکر رضی اللہ عنہ والی تھی لہٰذا مشکل ہو گی اور ہوا بھی یہی!

حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد پہلی تقریر کرنے سے پہلے حضور ﷺ کی دستار مبارک سر پر رکھی، ان کی کمان پہنی اور فرمایا کہ اللہ نے ہم پر انعام کیا، ہم میں سے رسول بھیجا، اسلام جیسی دولت عطا فرمائی، اور ایمان نصیب کیا، بیت المال اگر میرا ذاتی مال بھی ہوتا تو سب میں برابر تقسیم کرتا مگر یہ تو ہے ہی مسلمانوں کا مشترکہ!

پھر خادم سے کہا تم رقم گنو۔ پھر فرمایا طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما اور اس غلام سب کو تین تین دینار دے دو۔ طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہما نے یہ لینے سے انکار کر دیا اور بعد میں جنگ جمل کیلئے چل پڑے۔

ولید بن عقبہ بن ابی معیط نے کہا علی علیہ السلام تم نے جنگ بدر میں میرا باپ قتل کیا۔ پھر میرے چچا حکم بن عاص کا مذاق اڑایا تھا جب اسے جلاوطن کیا گیا اور اب غلاموں کے برابر 3 دینار مجھے دے رہے ہو؟ حضرت علی علیہ السلام نے کہا جو طریقہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تھا وہ برقرار رہے گا اور سب کو برابر ملے گا۔

یہ لوگ اسی وقت مسجد میں الگ ہو کر بیٹھ گئے۔ کوئی شام چلا گیا اور کوئی عراق چلا گیا۔ اس طرح حضرت علی علیہ السلام کی حکومت پہلے دن ہی سازشوں کا شکار ہوگئی اور انکے راستے میں رکاوٹیں ہی رکاوٹیں کھڑی ہوگئیں، اسی وجہ سے تین دن تک حضرت علی علیہ السلام خلیفہ بننے سے انکار کرتے رہے کہ لوگوں کو دولت کی عادت پڑ چکی ہے اور اسے ختم کرنا مشکل ہے۔ پانچوں فوجی کمانڈر بھی عثمان رضی اللہ عنہ کو اسی لیے حضرت علی علیہ السلام کے مقابلہ میں پسند کرتے تھے۔ انہی لوگوں نے بعد میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن ماجہ نے روایت لکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفن دفن سے فارغ ہوتے ہی ہمیں پتہ چل گیا تھا کہ ہمارے دل دورِ نبوی والے نہیں رہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ سب سے بہتر دور میرا ہے پھر اس کے بعد والا پھر اس کے بعد والا اس کی تشریح عام طور پر علماء صدیوں کے لحاظ سے کرتے ہیں مگر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تشریح مختلف کی ہے اور وہ بات دل کو لگتی بھی ہے کہ سب سے بہترین دور دورِ نبوی پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کا دور، پھر حدیث کے مطابق جھوٹ پھیل گیا۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ دور نبوی اور پہلے دو خلفاء کے بعد امانت کی جگہ خیانت آ گئی۔ (فتح الباری ج:13، ص:38)

متنازعہ گورنروں کی تبدیلی

حضرت علی علیہ السلام نے متنازعہ گورنر پہلے دن بدل دیئے، جب لوگوں نے کہا کہ ابھی ان لوگوں کو برقرار رہنے دیں، جب حکومت مضبوط ہو جائے پھر بدل دیں تو حضرت علی علیہ السلام نے کہا اگر یہ گورنر ایک دن بھی برقرار رہے تو غلط ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہی اعتراض تھا کہ یہ لوگ گورنر بننے کے لائق نہیں۔ فرمایا میں گمراہ کرنے والوں کو گورنر نہیں رکھ سکتا۔ ان کی جگہ انصار میں سے گورنر بنائے جن کا حق بڑی مدت سے مارا جا رہا تھا، حضرت سہل بن حنیف بدری انصاری کو شام کا گورنر بنا کر بھیجا، شام کی سرحد پر فوج نے روک لیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چارج دینے سے انکار کر کے بغاوت کر دی۔

روزِ اوّل سے فتنوں کا آغاز

حضرت علی علیہ السلام نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی متنازعہ گورنر بدل دیئے لیکن ان لوگوں کا ردّ عمل بہت سخت تھا۔ گورنر خراسان عبداللہ بن عامر، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بھانجا تھا۔ بیت المال لوٹ کر مکہ بھاگ گیا، وہاں جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو قائل کیا اور حضرت علی علیہ السلام کے خلاف قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے بہانے بغاوت کر دی۔ اسی طرح یمن کے گورنر نے بھی سرکاری خزانہ لوٹا اور مکہ پہنچ گیا۔ ادھر مدینہ سے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہ وظیفہ کی مساوی رقوم سے ناراض ہو کر مکہ چلے گئے اور وہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مل کر قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر بغاوت کر دی۔ کوئی شام چلا گیا۔

یہاں پر ذرا رکئے اور غور کیجئے! جب امام حسین علیہ السلام پر تنقید کرنا مقصود ہو تو حدیث کا حوالہ دے دے کر کہتے ہیں کہ یزید چاہے زانی تھا، شرابی تھا مگر کلمہ گو تھا لہٰذا اس کے خلاف بغاوت اور خروج ناجائز تھا اور یہ کہ مسلمان حاکم کے خلاف نہیں اٹھنا چاہیے۔ ان لوگوں سے پوچھیں کیا علی علیہ السلام خلیفہ نہیں تھے؟ وہ تو زانی اور شرابی بھی نہیں تھے۔ پھر امیر معاویہ نے ان کے خلاف بغاوت کیوں کی؟ سیدنا علی علیہ السلام کے حق میں تو کسی کو حدیث یاد نہیں آتی کہ کلمہ گو حاکم ظالم بھی ہو تو بغاوت نہیں کر سکتے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ”خلیفہ برحق سیدنا علی علیہ السلام کو ایک دن بھی سکون سے حکومت کرنے کا موقعہ نہیں دیا گیا۔“ (سیر اعلام النبلاء، ج:4، ص:71)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> ”حضرت علی علیہ السلام کو اتنا بے بس کر دیا گیا کہ انہوں نے دعا کی ”یا اللہ! مجھے ان لوگوں کے درمیان سے اٹھا لے۔“ (البدایہ والنہایہ، ج:7، ص:355)

بعض اکابر صحابہ مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نیک نیتی سے غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کیا لیکن جس فتنے سے وہ بچنا چاہتے تھے اس سے بہت بڑے

فتنے میں وہ بالواسطہ مددگار بن گئے۔ انہوں نے سیدنا علی علیہ السلام کی بیعت نہ کی اور ان کی علیحدگی نے عوام کے دلوں میں شک ڈالی۔ خلاف راشدہ کے نظام کو از سر نو بحال کرنے کے لیے جس دل جمعی کے ساتھ امت کو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے تھا وہ نہ حاصل نہ ہو سکا جبکہ اس تعاون کے بغیر آپ اس کام کو انجام نہ سکتے تھے۔

یہ الگ بات کہ وہ بزرگ بعد میں بہت پچھتائے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے، مگر اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔

ان بزرگوں نے خود سیدنا علی علیہ السلام کا طرز عمل بھی سامنے نہ رکھا جو انہوں نے مشورہ و انتخاب خلیفہ میں ان کی شرکت نہ ہونے کا گلہ ہونے کے باوجود، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اختیار کیا۔

مشہور شیعہ عالم علامہ باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے:

''حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ اور اپنے ساتھیوں سے بھی ان کی بیعت کرنے کو کہا تھا۔

(مراۃ العقول ج:26، ص:188-191-213-331)

الکافی کی کتاب ''الروضہ'' کے آخری حصہ علامہ طبرسی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الاحتجاج'' اور ''نہج البلاغہ'' کے مولف سید رضی کے بھائی سید مرتضٰی کی کتاب ''الشافی'' سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

غیر جانبدار رہنے والے اکابر رضی اللہ عنہم کا اظہار ندامت

سورہ حجرات کی آیت نمبر 49 کے تحت ابن العربی اپنی تفسیر احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

''حضرت علی علیہ السلام اور ان کے مخالفین کی جنگوں میں غیر جانبدار رہنے والے اکابر مثلاً حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بہت پچھتائے اور روئے۔''

(ج:1، ص:1707)

وہ لکھتے ہیں:

''جب امیر معاویہ کو تسلط حاصل ہو گیا تو لوگوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا نہ آپ صلح کرنے والوں میں شامل ہوئے نہ باغیوں سے لڑے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا میں باغیوں سے نہ لڑنے اور علی علیہ السلام کا ساتھ نہ دینے پر شرمندہ ہوں۔ بعد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں قرآن کی اس آیت سے بہت شرمندہ ہوں، باغیوں سے لڑنا چاہیے تھا، غیر جانبداری غلطی تھی۔''

(فتح الباری، ج:13، ص:72)

مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی میں لکھتے ہین کہ سچے فریق کی مدد کرنا اور جھوٹے سے لڑنا ہی صحیح مذہب ہے۔

(ج:2، ص:220)

یہ جو احادیث میں آیا ہے کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے سے جنگ لڑنے لگو، اور یہ کہ قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں اور یہ کہ فتنہ کے زمانہ میں کھڑے سے بیٹھا اور بیٹھے سے لیٹا بہتر ہے، تو اس بارے میں یہ جان لینا چاہیئے کہ یہ سب احکام دنیا کی خاطر لڑنے والوں کے بارے میں ہیں، خاص طور پر ان جنگوں کے بارے میں ہیں جو قرب قیامت میں ہوں گی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری زمانہ میں کہا:

''مجھے کسی بات پر اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس پر ہے کہ میں نے علی علیہ السلام کا ساتھ کیوں نہ دیا۔''

(ابن سعد: طبقات، ج:4، ص:187، ابن عبدالبر: الاستیعاب ج:1، ص:30-37)

ابراہیم النخعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''مسروق بن اجدع حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ نہ دینے پر توبہ استغفار کیا کرتے تھے۔''

(ابن عبدالبر: الاستیعاب، ج:1، ص:30)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کو عمر بھر اس بات پر سخت ندامت رہی کہ

وہ حضرت علی علیہ السلام کے خلاف جنگ میں امیر معاویہ کے ساتھ کیوں شریک ہوئے تھے۔" (الاستیعاب، ج:1 ص:371)

حضرت علی علیہ السلام کی اتنی مخالفت کیوں تھی؟

حضرت علی علیہ السلام سے لڑنے والوں اور امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے والوں کے شجرے دیکھو کہ وہ کن کی اولاد ہیں، ان کے بڑے کس کس جنگ میں قتل ہوئے اور کس نے قتل کیے؟ تو یہ بالکل واضح ہو جائے گا کہ یہ بعد کی پیداوار نہیں بلکہ دیرینہ دشمنی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انصار رضی اللہ عنہم کا واقعہ حرہ میں برباد ہونا بھی سامنے رکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ پرانے بدلے لیے جا رہے ہیں۔

یزید پاگل نہیں تھا بلکہ اس نے بدر میں قتل ہونے والے اپنے بڑوں کا بدلہ امام حسین علیہ السلام سے لیا۔ انصار اور علی علیہ السلام کے حق میں اتنی تاکید اور انصار کو بار بار فرمانا کہ تمہاری حق تلفی ہوگی، تفصیل ابھی آگے آتی ہے، یہ سب اس لیے تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کفار کی اولاد کلمہ پڑھ چکی ہے مگر انہوں نے دشمنی نہیں بھلائی ہے۔ ان کے بڑے انصار و علی علیہ السلام کی تلوار سے قتل ہوئے، وہ یہ کیسے بھول سکتے؟ جنگ بدر کے مقتولین دیکھ لیں، ستر (70) میں سے چوبیس (24) حضرت علی کی تلوار سے قتل ہوئے۔ علی علیہ السلام کی تلوار ان لوگوں کے لئے مصیبت بن گئی۔ جن کے نانے دادے باپ اور بھائی علی علیہ السلام نے قتل کئے تھے، انہوں نے بدلہ تو لینا ہی تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھائی حنظلہ اور نانا عتبہ جنگ بدر میں علی علیہ السلام نے قتل کئے، عقبہ بن ابی معیط جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اوجھڑی ڈالی تھی وہ جنگ بدر میں حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں قتل ہوا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اسی کا نصِ قرآن سے فاسق بیٹا ولید بن عقبہ گورنر بن گیا۔ اب علی علیہ السلام کی شامت تو آنی تھی اور علی علیہ السلام کے ہم نام بچوں کے قتل کا حکم دینا تھا اور جمعہ و عیدین کے خطبہ میں علی علیہ السلام پر لعنت تو کرنا تھی، مقتول بھائی اور نانا کس کو بھولتے ہیں؟

بنو اُمیہ کی حضرت علی علیہ السلام سے نفرت

ابی رافع کہتے ہیں:

"مروان نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام گورنر مقرر کیا اور خود مکہ کو گیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز پڑھائی جس میں پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری میں سورہ منافقون پڑھی۔ نماز کے بعد میں نے ان سے کہا آپ نے وہ سورتیں پڑھیں جو علی علیہ السلام کوفہ میں پڑھتے تھے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنا کہ وہ جمعہ کی نماز میں یہی سورتیں پڑھتے تھے۔" (مسلم کتاب الجمعہ)

دیکھئے حضرت علی علیہ السلام کی دشمنی میں لوگ سنت بھی چھوڑ گئے تھے اور جب سنت کے مطابق جمعہ کی نماز پڑھائی گئی تو راوی کو کتنا عجیب لگا۔ اگر یہی سورتیں مروان نے بھی کبھی پڑھی ہوتیں تو یہ معمول کی بات تھی اور پوچھنے کی نوبت نہ آتی۔

تہذیب التہذیب میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"بنو امیہ نے حکم دیا تھا کہ پورے ملک میں جس بچے کا نام علی ہو اس کو قتل کر دو۔ یہ نام رکھنے پر پابندی لگا دی گئی۔ (تہذیب التہذیب، ج:7، ص:319)

ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بنو امیہ کے ڈر سے حدیث مرہلہ سناتے ہوئے عامر شعبی نے حضرت علی علیہ السلام کا نام تک نہ لیا۔" (ج:3 ص:383، حدیث:7177)

سبِّ علی علیہ السلام

شان علی علیہ السلام کے تحت جو احادیث ذکر ہوئیں ان میں کئی ایک میں فرمایا گیا کہ اے علی علیہ السلام تجھ سے محبت کرے گا صرف مومن اور بغض رکھے گا صرف منافق! اب ارشاد نبوی کی صداقت ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کریں کہ حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دینے والے اور

لعنت کرنے والے کس صف میں کھڑے ہیں۔ سیدنا علی علیہ السلام کی غیر موجودگی میں ان کو گالی دینا نہ صرف گالی بلکہ غیبت کو بھی شامل ہے۔

سیدنا علی علیہ السلام کا نام لے کر حضور ﷺ کو گالی دینے کا خیال ہمارا تراشا ہوا نہیں بلکہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ ہے۔ ابو عبداللہ الجدلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا کیا تمہاری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دی جا رہی ہیں؟ میں نے کہا معاذ اللہ یا سبحان اللہ یا اسی طرح کے الفاظ کہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ ’’جو علی کو گالی دیتا ہے وہ مجھے گالی دیتا ہے۔‘‘

(مسند احمد حدیث: 27284 مسند النساء مرویات ام سلمۃ، ج: 12، ص: 112)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تمہارے منبروں پر رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دی جاتی ہیں جب یہ کہا جاتا ہے کہ علی علیہ السلام اور ان سے محبت کرنے والوں پر لعنت۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ حضور علیہ السلام سب سے زیادہ محبت علی علیہ السلام سے کرتے تھے۔

(البانی سلسلة الاحادیث الصحیحه، ج:7، صجز 2 حدیث 3332، مسند ابویعلیٰ ج:12، ص :444، 445، طبرانی فی المعجم الاوسط ج:6، ص :389 حدیث :5828، المعجم الصغیر، ج:2، ص :21، المعجم الکبیر، ج:23، ص :323، حدیث :738)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

’’مروان گورنر مدینہ ہوتے ہوئے برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرتا تھا۔‘‘ (البدایہ والنہایہ، ج: 8، ص: 91)

ایک مرتبہ مغیرہ بن شعبہ کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے دائیں بائیں اہل کوفہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی اور عشرہ مبشرہ میں شامل) آ گئے۔ مغیرہ نے انہیں خوش آمدید کہا اور چارپائی کی پائنتی کے پاس بٹھالیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک کوفی مغیرہ کے سامنے کھڑا ہوا اور کسی کو گالیاں دینے لگا۔ حضرت سعید نے پوچھا یہ کس کو گالیاں دے رہا ہے۔ مغیرہ نے کہا حضرت علی علیہ السلام کو، سعید بن زید نے تین مرتبہ مغیرہ کا نام لے کر پکارا اور کہا تیری موجودگی میں حضور ﷺ کے صحابہ کو گالیاں دی جا رہی ہیں اور تو ان کو منع نہیں کر رہا۔ میں گواہی دیتا ہوں اور میرے کانوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور دل نے محفوظ رکھا اور کوئی جھوٹی بات ان سے روایت نہیں کرتا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ جنت میں ہوں گے، عمر، علی، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اور سعد بن ابی وقاص، ابو عبیدہ ابن جرح رضی اللہ عنہما جنت میں ہوں گے اور ایک دسواں مومن بھی جنت میں ہوگا جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتا ہوں۔ اہل مسجد نے بآواز بلند انہیں قسم دے کر پوچھا کہ اے صحابی رسولؐ! وہ دسواں آدمی کون ہے؟ فرمایا تم مجھے اللہ کی قسم دے رہو، اللہ کا نام بہت بڑا ہے، وہ دسواں آدمی میں خود ہوں۔ اس کے بعد سعید بن زید رضی اللہ عنہ دائیں طرف چلے گئے اور فرمایا خدا کی قسم! وہ ایک جنگ جس میں کوئی نبی ﷺ کے ساتھ شریک ہوا اور اس میں اس کا چہرہ غبار آلود ہوا، وہ تمہارے ہر عمل سے افضل ہے اگرچہ تمہیں عمر نوح علیہ السلام ہی مل جائے۔

(مسند احمد، المختاره ضیاء المقدسی، صحیح الجامع الصغیر، ص :71، ج :1)

اس مضمون کی روایت مسند احمد میں نمبر: 1631-1637-1638-1644-1645 پر موجود ہیں۔ ابن خلدون اپنی تاریخ ج: 3، ص: 11 پر لکھتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ کوفہ کی گورنری کے دور میں اکثر اپنی مجالس اور خطبوں میں علی علیہ السلام پر طعن و تعریض کیا کرتے تھے۔

مغیرہ بن شعبہ نے حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کی تو زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر کہا تو علی علیہ السلام پر لعنت کر رہا ہے حالانکہ نبی ﷺ نے مردوں کو برا کہنے سے منع کیا ہے؟

(البانی سلسلة الاحادیث الصحیحه ج:5، ص:520 حدیث نمبر 2397)

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے گورنر تھے تو وہ خطبہ جمعہ میں عثمان رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی تعریف کرتے اور جب بھی علی علیہ السلام کا ذکر کرتے تو تنقیص کرتے۔ اس پر حجر بن عدی رضی اللہ عنہ غضبناک ہو کر احتجاج کرتے۔''

(البدایہ والنہایہ، ج:5، ص:50)

علامہ احمد محمد شاکر رحمۃ اللہ علیہ نے مسند کے اپنے محشی نسخے کی ج:5، ص:108، پر ایسی تمام روایات کو صحیح قرار دیا ہے۔ ترمذی ابواب البرّ والصله باب ماجاء فی الشتم میں مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مردوں کو گالی مت دو کیونکہ اس سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔'' جمعہ کے خطبہ میں سیدنا علی علیہ السلام کو گالیاں دی جاتی تھیں۔ پھر عمر بن عبدالعزیز نے اس کی جگہ آیت پڑھنا شروع کی ان اللہ یامر بالعدل

(ملا علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوۃ ج:3، ص:254)

امام حزم رحمۃ اللہ علیہ باوجود اموی ہونے کے لکھتے ہیں:

''علی علیہ السلام و ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے والوں پر اللہ لعنت کرے۔''

(المحلیٰ، ج:5، ص 6)

بنو امیہ کے دور کا گورنر مکہ خالد بن عبداللہ القسری مکہ کے منبر سے خطبہ جمعہ میں علی علیہ السلام کو گالیاں دیتا تھا۔ (ابن حجر: تہذیب التہذیب، ج:13، ص:102)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''وہ ظالم اور ناصبی (دشمن اہل بیت) تھا۔''

(میزان الاعتدال، ج:1، ص:633، نمبر:2436)

بنو امیہ نے حضرت علی علیہ السلام کو بدنام کرنے کے لئے یہ شگوفہ بھی چھوڑا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت حضرت علی علیہ السلام نے لگائی۔ بخاری میں ہے کہ ولید بن عبدالملک بن مروان نے امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ تجھے یہ خبر ملی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت حضرت علی علیہ السلام نے لگائی؟ زہری نے کہا نہیں! بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ علی علیہ السلام ان کے بارے میں خاموش تھے۔ (بخاری کتاب المغازی باب حدیث الافک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''مردوں کو برا نہ کہو انہوں نے اپنے کئے کا بدلہ پا لیا۔''

(بخاری کتاب الرقاق باب سکرات الموت)

حضرت علی علیہ السلام کو گالی نہ دینے والے سے امیر معاویہ جواب طلبی کرتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''معاویہ نے مجھے کہا کہ تم ابو تراب علیہ السلام کو گالیاں کیوں نہیں دیتے؟ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا تین باتوں کی وجہ سے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائیں میں علی علیہ السلام کو گالی نہیں دوں گا۔ اگر ان میں سے مجھے ایک بھی حاصل ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پسند ہے۔ میں نے سنا رسول کریم ﷺ سے اور آپ علیہ السلام نے کسی لڑائی پر جاتے وقت ان کو مدینہ میں بطور نائب چھوڑا۔ انہوں نے (علی علیہ السلام نے) کہا یا رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑے جاتے ہیں، فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تمہارا درجہ میرے ساتھ ایسا ہے جیسا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون علیہ السلام کا تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ میں نے سنا رسول ﷺ جنگ خیبر کے دن فرماتے تھے کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ و

رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہو اور وہ دونوں اس سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ سن کر ہم انتظار کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا علی علیہ السلام کو بلاؤ، وہ آئے تو ان کی آنکھیں دکھتی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں پر تھوک لگایا اور جھنڈا ان کو دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے فتح دی ان کے ہاتھ پر اور جب یہ آیت (مباہلہ) اتری کہ بلاؤ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو تو آپ علیہ السلام نے بلایا حضرت علی علیہ السلام و فاطمہ سلام اللہ علیہا و حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کو پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

(مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی ابن ابی طالب، ترمذی ابواب المناقب باب مناقب علی علیہ السلام ابن ابی طالب)

امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ج:7، ص:341، پر لکھتے ہیں:

''ان باتوں کے بعد سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا آج کے بعد اے معاویہ میں تیرے گھر نہیں آؤں گا اور چادر جھٹک کر باہر نکل گئے۔

بنو امیہ میں حضرت علی علیہ السلام کو گالی دینا شاید ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا۔ سہل ابن سعد روایت کرتے ہیں:

''مدینہ میں ایک شخص مروان کی اولاد میں سے حاکم ہوا۔ اس نے سہل بن سعد کو بلایا اور حکم دیا حضرت علی علیہ السلام کو گالی دینے کا، سہل نے انکار کیا۔ وہ مروانی کہنے لگا اگر علی علیہ السلام کا نام لے کر گالی دینے سے انکار کرتا ہے تو تو کہہ اللہ کی لعنت ہو ابوتراب پر (اللہ ابوتراب پر رحمت کرے اور ان پر لعنت کرنے والوں پر بے شمار لعنت کرے)۔ سہل نے کہا حضرت علی علیہ السلام کو کوئی نام ابوتراب سے زیادہ پسند نہ تھا اور وہ خوش ہوتے تھے اس نام سے۔ مروانی کہنے لگا ابوتراب نام کا قصہ بیان کرو کہ ان کا نام ابوتراب کیوں ہوا۔ سہل نے کہا رسول اللہ ﷺ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے گھر تشریف لائے تو

حضرت علی علیہ السلام کو گھر میں نہ پایا، آپ ﷺ نے پوچھا تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ انہوں نے عرض کی مجھ میں علی علیہ السلام میں کچھ باتیں ہوئیں اور وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے اور ہمارے پاس نہیں سوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی سے کہا دیکھ علی علیہ السلام کہاں ہے۔ وہ آیا اور عرض کی یا رسول اللہ! وہ مسجد میں ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ لیٹے ہوئے تھے اور ان کی چادر ان کے پہلو سے الگ ہو گئی تھی اور ان کے بدن پر مٹی لگ گئی تھی۔ رسول اللہ نے وہ مٹی جھاڑنا شروع کی اور فرمایا اٹھ اے ابوتراب! اٹھ اے ابوتراب!''

(صحیح مسلم کتاب الفضائل باب مناقب علی ابن ابی طالب)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جتنی حدیثیں حضرت علی علیہ السلام کی شان میں بیان ہوئی ہیں اتنی کسی اور کی شان میں بیان نہیں ہوئیں کیونکہ بنو امیہ نے جب برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرنا شروع کر دی تو صحابہ نے ان کی شان بیان کرنا شروع کر دی۔''

(فتح الباری، ج:7، ص:71)

امیر معاویہ کے حکم سے ان کے تمام گورنر، خطبوں میں برسر منبر حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیتے تھے حتیٰ کہ مسجد نبوی میں منبر رسولؐ پر عین روضہ نبوی کے سامنے حضور ﷺ کے محبوب ترین عزیز علی علیہ السلام کو گالیاں دی جاتی تھیں اور حضرت علی علیہ السلام کی اولاد اور ان کے قریب ترین رشتہ دار اپنے کانوں سے یہ گالیاں سنتے تھے۔

(امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ، ج:4، ص:188، امام ابن اثیر اسد الغابہ، ج:3 ص:234، ج:4، ص:154، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:84، ج:9، ص:80)

حضرت سعد بن ابی وقاص کے یہ الفاظ مسند ابویعلیٰ کے حوالہ سے امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ

نے فتح الباری میں نقل کئے ہیں:

''اگر میرے سر پر آری رکھ کر مجھے علی علیہ السلام کو گالی دینے کا کہا جائے تب بھی میں ان کو گالی نہیں دوں گا۔''

احادیث میں اس سلسلہ میں لفظ سَبّ آتا ہے۔ اس لفظ کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں وہ لکھتے ہیں ''بہتر یہی ہے کہ اس لفظ سے اس کا ظاہری معنیٰ (گالی) سمجھا جائے۔ غایۃ الامراس کا یہ ہوگا کہ ارتکاب اس فعل قبیح کا یعنی سَبّ یا حکم سَبّ حضرت معاویہ سے صادر ہونا لازم آئے گا تو یہ کوئی اول امر قبیح نہیں ہے جو اسلام میں ہوا ہے۔ اس واسطے کہ درجہ سَبّ کا قتل وقتال سے بہت کم ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ سباب المومن فسوق وقتالہ کفر یعنی برا کہنا مومن کو فسق ہے اور اس کے ساتھ قتال کرنا کفر ہے اور جب قتال اور حکم قتال کا صادر ہونا یقینی ہے، اس سے چارہ نہیں، تو بہتر یہی ہے کہ ان کو مرتکب کبیرہ کا جاننا چاہیے لیکن زبان طعن ولعن بند رکھنا چاہیے۔ اسی طور سے کہنا چاہیے جیسا صحابہ سے ان کی شان میں کہا جاتا ہے جس سے زنا اور شرب خمر سرزد ہوا رضی اللہ عنہم اجمعین اور ہر جگہ خطاء اجتہادی کو دخل دینا بے باکی سے خالی نہیں۔'' (فتاویٰ عزیزی مترجم، ص:413)

بسر بن ابی ارطاط نے بصرے کے منبر پر خطبے کے دوران حضرت علی علیہ السلام پر سَبّ وشتم کیا۔ (طبری ج:4، ص:128، ابن اثیر: الکامل، ج:3، ص:307)

حضرت علی علیہ السلام کو گالی دینے اور ان پر لعنت کرنے کا سلسلہ آپ علیہ السلام کی شہادت کے بعد بھی امیر معاویہ اور ان کے بعد تک جاری رہا۔ صلح حسن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت اور گالی دینے کا سلسلہ بند کر دیا جائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ کام بعد میں حضرت حسن علیہ السلام کے سامنے بھی ہوتا رہا جبکہ شرط یہ تھی کہ ان کے سامنے ایسا نہیں ہوگا۔'' (ج:4، ص:122)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے العبر (ج:1، ص:48) پر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:14 پر یہی لکھا ہے۔ ابن اثیر نے الکامل میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے صلح میں یہ شرط مان تو لی مگر پوری نہ کی۔ (ج:3 ص:203)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری کتاب المناقب، باب مناقب علی ابن ابی طالب میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ لڑنے والوں (بنو امیہ) نے منبروں پر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرنے اور عیب جوئی کو اپنا طریقہ بنا لیا جبکہ خوارج نے حضرت علی علیہ السلام سے بغض کی وجہ سے ان کی ہمنوائی کی۔

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

''شاہ اسماعیل شہید نے لکھنو میں شیعہ سبحان خاں سے پوچھا کیا حضرت علی علیہ السلام کے دربار میں امیر معاویہ پر تبرّا ہوتا تھا؟ اس نے کہا نہیں، حضرت علی علیہ السلام کا دربار ہجو گوئی سے پاک تھا۔ پھر پوچھا کیا امیر معاویہ کے یہاں حضرت علی علیہ السلام پر تبرّا ہوتا تھا؟ کہا بے شک ہوتا تھا۔ اس پر مولانا شہید نے فرمایا اہل سنت الحمدللہ حضرت علی علیہ السلام کے مقلد ہیں اور روافض حضرت معاویہ کے۔'' (حکایات اولیاء ص:124)

مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں برسر منبر حضرت علی علیہ السلام پر سَبّ وشتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمّال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔''

(تاریخ اسلام ج:1 طبع پنجم، ص:13)

مشہور مصری عالم اور جامعہ الازھر کے استاد محمد ابوزہرہ اپنی کتاب ''تاریخ المذاہب اسلامیہ'' ج:1 ص:38، پر لکھتے ہیں:

"بنوامیہ کا عہد حضرت علی علیہ السلام کی قدرومنزلت اور تعظیم وتکریم میں مزید اضافہ کا باعث ہوا کیونکہ امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں ایک بری سنت قائم کی جوان کے بعد ان کے جانشینوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے عہد تک جاری رکھی۔ وہ سنت یہ تھی کہ امام ہدیٰ علی علیہ السلام ابن ابی طالب پر خطبہ جمعہ کے آخر میں لعنت کی جاتی تھی۔ باقی صحابہ نے اس پر نکیر کی (برا مانا) اور امیر معاویہ اور ان کے گورنروں کو اس سے منع کیا۔ حتیٰ کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے امیر معاویہ کی طرف خط لکھا جس میں اس فعل سے باز رہنے کو کہا اور اس میں لکھا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر برسر منبر طعن کرتے ہو اور یہ اس طرح کہ علی علیہ السلام ابن ابی طالب پر اور ان سے محبت کرنے والوں پر لعنت کرتے ہو اور میں اس بات کی گواہی دیتی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت علی علیہ السلام محبوب تھے۔"

مشہور مؤرخ ابوالفداء عماد الدین اسماعیل شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م 732) جو حماۃ (شام) کے گورنر تھے اور الملک المؤید کے لقب سے معروف تھے، وہ اپنی تاریخ المختصر فی اخبار البشر میں امیر معاویہ کے حالات میں لکھتے ہیں: "معاویہ اور ان کے گورنر جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام کے حق میں بدعا کرتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیتے اور ان کی بدگوئی کرتے تھے۔"

(ج:2 ص:98-99)

وہ صفحہ 120 پر لکھتے ہیں کہ بنوامیہ نے 41ھ سے حضرت علی علیہ السلام کو گالی دینے کا آغاز کیا اور یہ وہ سال ہے جب حضرت حسن علیہ السلام خلافت سے دستبردار ہوئے یہ سلسلہ 99ھ کے شروع تک جاری رہا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کا خاتمہ کیا۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اندلسی جوامع السیرۃ کے ساتھ ملحقہ رسالہ اسماء الخلفاء والولاۃ میں بنوعباس کا ذکر کرتے ہوئے پہلے ان کی مذمت کرتے ہیں، پھر

فرماتے ہیں:

"بنوعباس نے صحابہ میں سے کسی پر علانیہ سَبّ وشتم نہیں کیا۔ اس کے برعکس بنوامیہ نے ایسے گورنر مقرر کئے جو علی علیہ السلام ابن ابی طالب اور آپ کی پاک اولاد (اولاد فاطمۃ الزہرا علیہا السلام) پر لعنت کرتے (اللہ ان لعنت کرنے والوں پر لعنت کرے اور فاطمہ علیہا السلام و علی علیہ السلام پر رحمت کرے) ان سب کا یہی حال تھا۔ سوائے عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور یزید بن ولید کے، ان دونوں نے اس لعن طعن کی اجازت نہیں دی۔"

(جوامع السیرۃ۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ مع تحقیق ومراجعت احمد محمد شاکر ص:366)

مشہور مصری عالم ڈاکٹر عمر فرّوخ اپنی کتاب سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیز بنام الخلیفہ الزاہد میں ایک مستقل باب بدعت معاویہ کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"عہد بنی امیہ میں ایک بدعت دیار و امصار میں رائج ہوئی۔ یہ ایک شرمناک بدعت تھی جس نے سر اٹھایا اور چار سو پھیل گئی حتیٰ کہ اس نے ہر منبر کو پامال کیا اور ہر شخص کی سمع خراشی کی۔ یہ بدعت مسجد نبوی منبر رسولؐ پر بھی اہل بیت علیہم السلام پر حملہ آور ہونے سے بھی باز نہ رہ سکی۔ اس کا آغاز امیر معاویہ نے کیا تھا اور اپنے گورنروں کے نام حکم جاری کیا تھا کہ وہ اسے جمعہ کے خطبوں میں مستقل طور پر اختیار کریں۔"

مصنف نے تین صفحوں میں اس بدعت کا بیان کیا اور لکھا کہ معاویہ کا گمان یہ تھا کہ اس طرح ان کی سلطنت مضبوط ہوگی اور اہل بیت علیہم السلام کی عظمت وعقیدت ختم ہوگی مگر امیر معاویہ کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور انہوں نے اس بردباری سے تجاوز کیا جس کی وہ شہرت رکھتے تھے۔ اس بدعت کا نتیجہ ان کے گمان اور رائے کے خلاف نکلا۔

شیخ محمد بن احمد سفارینی الحنبلی لکھتے ہیں:

"جب بنوامیہ نے منبروں پر حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دینے اور ان کی

تنقیص کرنے کی مہم چلائی اور خارجیوں نے ان کی ہم نوائی کی۔ اس وقت محدثین نے مناقب علی علیہ السلام کی احادیث کو کھول کھول کر بیان کیا اور حمایت حق کا سامان فراہم کیا۔"

(لوامع الانوار البهية و سواطع الاسرار الاثريه، ص:339)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ مکی نے تطہیر الجنان، ص:153 پر لکھا ہے:

"مروان خطبہ جمعہ میں حضرت علی علیہ السلام و اہل بیت کو گالیاں دیتا تھا اور اس کی اس حرکت سے تنگ آ کر سیدنا حسن علیہ السلام مسجد میں اس وقت تشریف لاتے جب اقامت ہو رہی ہوتی تھی اور پہلے تشریف نہ لاتے۔ آخر مروان نے ایک قاصد کو بھیج کر سیدنا حسن علیہ السلام کو گالیاں دیں جس میں دیگر گالیوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ (نعوذ باللہ) تیری مثال خچر کی سی ہے جس سے پوچھا جائے کہ تیرا باپ کون ہے تو وہ کہے میری ماں گھوڑی ہے۔"

اس طرح مردود ابن مردود (بقول شاہ عبدالعزیز دہلوی) اور ملعون ابن ملعون اور وَزُغ ابن وَزُغ (گرگٹ ابن گرگٹ، یہ آخری دونوں القاب مروان اور اس کے باپ کو بارگاہ نبوی سے عطا ہوئے) نے اس بات میں (نقل کفر کفر نہ باشد) حضرت حسن علیہ السلام کو خچر سے، جنت کی عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ علیہا السلام کو گھوڑی سے اور حضرت علی علیہ السلام کو نعوذ باللہ گدھے سے تشبیہ دی۔ اس روایت کے رجال کو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔

ابن حجر مکی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"بزار کی روایت میں ہے کہ اللہ کی حکم اور اس کے بیٹے پر لعنت لسان نبوی کے ذریعہ اور ثقہ روایوں سے ثابت ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مروان کو مدینہ کا گورنر بنایا گیا تو وہ منبر پر ہر جمعہ کے خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیتا اور لعنت کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد سعید بن عاص کو گورنر بنایا گیا

تو گالیاں نہیں دیتا تھا۔ پھر مروان کو دوبارہ گورنر بنایا گیا تو اس نے پھر وہی لعنت کمانا شروع کر دی۔ پھر قاصد بھیج کر حضرت حسن علیہ السلام کو علاوہ دوسری گالیوں کے مندرجہ بالا بات کہلوائی تو حضرت حسن نے جواب دیا تو اس کے پاس جا اور کہہ دے خدا کی قسم میں تجھے گالی دے کر تیرا گناہ ہلکا نہیں کرنا چاہتا۔ میری اور تیری ملاقات اللہ کے ہاں ہوگی۔ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے اللہ نے میرے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو شرف بخشا ہے وہ اس سے بلند و برتر ہے کہ میری مثال خچر کی سی ہو۔ قاصد باہر نکلا تو اس کی ملاقات حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہوگئی قاصد نے ان کو بھی گالیوں کے متعلق بتایا۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے اس کو سخت الفاظ میں پابند کیا کہ وہ ان کا جواب ضرور مروان کو جا کر دے اور پھر فرمایا اے مروان تو ذرا اپنے باپ اور اس کی قوم کی حیثیت پر غور کر تیرا مجھ سے کیا سروکار، تو اپنے کندھے پر اپنے اس لڑکے کو اُٹھاتا ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ اور عمدہ سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ مروان نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے کہا تو وہ ہے جس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری "جس نے اپنے والدین سے کہا کہ تم پر اف ہے تو عبدالرحمٰن کہنے لگے تو نے جھوٹ کہا بلکہ رسول اللہ نے تیرے باپ پر لعنت کی تھی۔"

لعنت کرنے اور گالیاں دینے کا کام امیر معاویہ کی نہ صرف رضامندی بلکہ حکم سے ہوتا تھا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سعید بن عاص کو معاویہ نے دو مرتبہ مدینے کا گورنر بنایا اور دونوں مرتبہ مروان کے کہنے پر معزول کر دیا یہ سعید بن العاص، علی علیہ السلام کو گالیاں نہیں دیتا اور ان پر لعنت نہیں کرتا تھا اور مروان یہ کام کرتا تھا۔" (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:84)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو گورنر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت نہیں کرتا تھا۔ وہ بدل دیا جاتا اور اس کو گورنر بنا دیا جاتا جو یہ لعنت کماتا۔

سعید بن العاص کے بارے میں ابن کثیر کا واضح طور پر لکھتا:

وہ حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں نہیں دیتے تھے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ کام گورنروں کے فرائض میں امیر معاویہ نے داخل کر دیا تھا۔ یہ سعید بن العاص بنو امیہ کے گھرانے کے فرد اور عثمان رضی اللہ عنہ کے ربیب (پچھلگ) ہونے کے باوجود جنگ جمل و حنین میں غیر جانبدار رہے۔ ان کے بارے میں ابن کثیر نے یہ وضاحت دینا ضروری سمجھی کہ وہ حضرت علی علیہ السلام کو گالی نہیں دیتے تھے اور اسی وجہ سے دو مرتبہ گورنری سے فارغ کئے گئے۔

دوسری طرف سیدنا علی علیہ السلام کے علم میں جب یہ بات آئی کہ ان کے ساتھی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اہل شام کی بدگوئی کر رہے ہیں تو انہوں نے پیغام بھیج کر ان کو باز رہنے کی ہدایت کی۔ انہوں نے پوچھا کیا ہم حق پر نہیں۔ فرمایا ہاں مگر میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ تم لعن وطعن کرو۔

(ابوحنیفہ دینوری، اخبار الطوال، ص:165)

مشہور مؤرخ احمد بن یحییٰ البلاذری اپنی کتاب ''انساب الاشراف'' میں لکھتے ہیں:

''معاویہ نے بسر بن ارطاۃ کو بصرہ بھیجا تا کہ وہ ان کے مخالفین کو قتل کرے اور معاویہ کی بیعت کرنے والوں کو زندہ رہنے دے۔ جب بسر بصرہ پہنچا تو خطبہ دیا اور منبر پر چڑھ کر حضرت علی علیہ السلام کا برے الفاظ میں ذکر کیا اور بدگوئی اور تنقیص کی (عیب جوئی) پھر کہنے لگا لوگو! تمہیں خدا کی قسم کیا میں نے سچ کہا؟ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تم بہت بڑی ذات کی قسم دے رہے ہو، خدا کی قسم تم نے نہ سچ کہا، نہ نیکی کا کام کیا۔ بسر بن ابی ارطاۃ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو مارنے کا حکم دیا حتیٰ کہ وہ مار سے بے ہوش ہو گئے۔

(انساب الاشراف، ج:1 ص:492)

احترام صحابہ کے علم بردار حضرت سے ایک سوال کیا، حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ صحابی نہ تھے

اور کیا دشمن خدا و مخلوق خدا بسر بن ابی ارطاۃ کا بھی احترام لازم ہے؟

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

''بنو امیہ کے بعض افراد علی علیہ السلام کی کنیت ابوتراب کی وجہ سے آپ کی عیب چینی کرتے تھے حالانکہ یہ کنیت انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی تھی جیسا کہ صحیحین سے ثابت ہے۔''

(البدایہ والنہایہ، ج:7، ص:366)

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جب اختلاف رونما ہوا اور حضرت علی علیہ السلام کے خلاف خروج کیا گیا تو حضرت علی علیہ السلام کے فضائل جن صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنے تھے، انہوں نے امت کی خیر خواہی کیلئے ان فضائل کی نشر و اشاعت شروع کی۔ پھر جب حضرت علی علیہ السلام کی مخالفت کی مہم زور پکڑ گئی اور بنو امیہ کے ایک گروہ نے منبروں پر ان کی تنقیص اور گالیاں دینے کو اپنا مشغلہ بنا لیا اور خوارج نے بھی (اللہ ان پر لعنت کرے) ان مخالفین کا ساتھ دیا بلکہ حضرت علی علیہ السلام کی تکفیر تک کر ڈالی، تو اہل سنت کے بڑے بڑے ناقدین حدیث، جنہیں احادیث نبوی حفظ تھیں، انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب میں مروی حدیثوں کو پھیلایا یہاں تک کہ امت میں ان کی کثیر تعداد کا چرچا ہو گیا۔ اور نصرت حق کا تقاضا پورا ہو گیا۔'' (تطہیر الجنان، ص:74)

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیباچے (فن روایت) میں فرماتے ہیں:

''فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں، ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا۔ حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی ہے جنہوں نے پورے نوّے (90) برس تک سندھ سے ایشیائے

کوچک اور اندلس تک مساجد میں آل فاطمہ علیہا السلام کی توہین کی، جمعہ میں
برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر لعن کہلوایا، سینکڑوں حدیثیں امیر معاویہ وغیرہ کے
فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانے میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام
پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا، عین اسی زمانے
میں محدثین نے علانیہ منادی کردی کہ یہ سب روایتیں جھوٹی ہیں۔ آج
حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے اور بنوامیہ اور عباسیہ جو ظل
اللہ اور جانشین پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنے بیٹھے تھے، آج اسی مقام پر نظر آتے ہیں
جہاں انہیں ہونا چاہیے تھا۔'' (سیرت النبی ج:1 ص:66-67)

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی تاریخ ملت میں لکھتے ہیں:

''عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی اصلاحات کے سلسلہ میں سب سے بڑی
اصلاح جو ان کے نامۂ اعمال میں سنہری حروف سے ثبت ہے، حضرت
علی علیہ السلام کی شان میں بدگوئی کا انسداد ہے، عرصہ سے یہ دستور چلا آرہا تھا
کہ خلفاء بنوامیہ اور ان کے عمال خطبوں میں حضرت علی علیہ السلام پر طعن کیا
کرتے تھے...... مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے عمال کے نام حکم
جاری فرمایا کہ خطبوں سے حضرت علی علیہ السلام پر لعن طعن کو خارج کردیا جائے
اور اس کی بجائے یہ آیت کریمہ پڑھی جائے ''**ان اللہ یامر بالعدل و
الاحسان .... لعلکم تذکرون** (تاریخ ملت حصہ سوم ص:264)

مولانا معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ نے اپنے زمانہ میں برسرِ منبر حضرت علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کی
مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہ
بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے لیکن امیر معاویہ کی تقلید میں یہ بھی اس
مذموم بدعت سے نہ بچ سکے۔ (تاریخ اسلام حصہ اوّل و دوم ص:13-14)

سبِّ علی علیہ السلام کیوں؟

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''امام علی بن حسین علیہ السلام، زین العابدین نے مروان سے بات کی کہ حسن علیہ السلام
حکومت چھوڑ چکے، اب تم حضرات جمعہ اور عید کے خطبہ میں علی علیہ السلام پر لعنت
کیوں کرتے ہو؟ تو مروان نے کہا! عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل سے بچانے کی جتنی
کوشش آپ کے دادا علی نے کی، کسی اور نے نہیں کی۔ امام نے پوچھا پھر
منبروں پر گالیاں کیوں دیتے ہو؟ مروان نے کہا، ہماری حکومت کی مضبوطی و
استحکام اس کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ (تاریخ (خلفاء راشدین) امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، ص:175)

تاویلِ قرآن پر جنگ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آئندہ پیش آنے والے دو خطرات کا وحی کے ذریعے پیشگی علم
دے دیا گیا تھا جن کی بنا پر بعد میں حضرت علی علیہ السلام کو بڑھاپے میں تلوار اٹھانا پڑی اور نواسہ
رسول علیہ السلام کو میدان میں آنا پڑا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''لوگو! تم میں سے ایک ایسا آدمی ہے جو قرآن کی تاویل پر اس طرح جنگ
کرے گا جس طرح میں نے قرآن کی تنزیل پر جنگ کی ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے
عرض کی وہ میں ہوں؟ فرمایا نہیں! عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ میں ہوں؟ فرمایا
نہیں۔ فرمایا وہ جو جوتا گانٹھ رہا ہے وہ! علی رضی اللہ عنہ کو بتانے کیلئے گئے تو وہ ہنس
رہے تھے جس سے صحابی کو معلوم ہوا کہ انہوں نے سن لیا ہے۔''

(البانی سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، ج:5، ص:539-543، حدیث:2487، مجمع
الزوائد، ج:9، ص:136) (مسند احمد روایت نمبر 11795 اور 11278)

قرآن کی تنزیل پر جنگ یہ تھی کہ لوگ اس کے نازل ہونے کو نہیں مانتے تھے۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار سے جنگ لڑنا پڑی کہ ان کو کلمہ پڑھایا جاسکے۔ تاویل پر جنگ یہ تھی کہ

بظاہر کلمہ گو ہوں گے مگر قرآن کی غلط تشریح کر کے دین کا بیڑہ غرق کر رہے ہوں گے۔

حضرت علی علیہ السلام باغیوں سے جنگ میں امت کے قدوہ ہیں

احادیث مبارکہ میں دو شخصیات کے بارے میں فرمان رسالت ہے کہ میں ان سے ہوں وہ مجھ سے ہیں۔ سیدنا علی علیہ السلام اور سیدنا حسین علیہ السلام کے بارے میں ابن ماجہ و ترمذی میں یہ حدیث آتی ہے۔ بعض دوسرے صحابہ کے بارے میں بھی یہ الفاظ آتے ہیں۔

عربی زبان میں یہ الفاظ بالکل یک جان ہونے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ اس سے بڑی فضیلت کسی کیلئے کوئی نہیں ہوسکتی کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کیلئے یہ الفاظ استعمال فرمائیں۔

یہ دونوں باپ بیٹا دو اہم مسائل میں اس امت کے امام ہیں۔ ایک یہ کہ صحیح اسلامی حکومت قائم ہو اور اس کے خلاف بغاوت ہو جائے تو اس کا کیا حل ہے؟ اس بارے میں سیدنا علی علیہ السلام اس امت کے قدوہ (رہنما) ہیں۔

> سورہ حجرات: 49/9-10 کی تفسیر میں فقہ میں کتاب البغاۃ اور احادیث پڑھو تو معلوم ہوگا کہ علی علیہ السلام اس بارے میں قدوہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ حکومت اگر صحیح راستے سے ہٹ جائے اور بگڑ جائے تو اس وقت لوگوں کو کیا کرنا چاہیے تو اس بارے میں حضرت امام حسین علیہ السلام امت کے رہنما ہیں۔ ان کے سوا کوئی اور مثال امت میں نہیں ہے۔ یہ دونوں پہلو دین کا حصہ ہیں اور اس بارے میں جتنی بحثیں کتابوں میں ہوئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں باپ بیٹوں کی مثال ہی رہنما ہے۔ یہ دونوں اس بارے میں امت کے پیشوا ہیں۔

(ہدایہ باب البغاۃ، ص:337) معالم السنن، ج:2، ص:164، المغنی ابن قدامہ، ج:8، ص:؟؟، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج:9، ص:504، فتاویٰ ہندیہ، ج:4، ص:43، کتاب قتال اهل البغی ابی الحسن ماوردی، ص:66)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”مشرکین سے قتال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مرتدین سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اور باغیوں سے علی علیہ السلام نے قتال فرمایا۔“

حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا

سورہ حجرات: 9/49 کی تفسیر میں قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر احکام القرآن ج:4، ص:1705 تا 1708 پر لکھتے ہیں:

> ”دین سے بھی ثابت ہو گیا اور سب علماء اسلام بھی متفق ہو گئے کہ خلیفہ برحق اور امام حضرت علی علیہ السلام تھے اور جو انکے مقابلے پر آیا باغی تھا۔ ان سب سے لڑنا حضرت علی علیہ السلام کا موقف صحیح تھا۔ اگر وہ قصاص کے درپے ہوتے تو ان لوگوں کے قبیلے اٹھ کھڑے ہوتے اور ایک نئی جنگ شروع ہو جاتی حضرت علی علیہ السلام اس انتظار میں رہے کہ حکومت مضبوط ہو جائے، تمام لوگ بیعت کر لیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث عدالت میں آئیں، قاتلوں کی نشاندہی کریں تو حق کے مطابق فیصلہ ہو جائے، اگر امام یہ محسوس کرے تو قصاص کو موخر کر دیا جائے اور اس بارے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ قصاص سے فتنہ بہت بڑھ جائے گا۔ اور مسلمانوں کے اندر انتشار پھیلے گا تو امام کو حق ہے کہ وہ ایسا قصاص معاف کر دے۔“

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”لوگوں نے صلح حسن علیہ السلام سے یہ نتیجہ نکالا کہ درست قول ان کا تھا جو غیر جانبدار رہے اور کہتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام اور پھر معاویہ میں صلح ہونی چاہئے، جنگ نہیں ہوئی چاہیے، اگر چہ وہ سمجھتے تھے کہ علی علیہ السلام حق کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ قول سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کا ہے، مگر جمہور اہل سنت نے کہا علی علیہ السلام حق پر تھے اور وہ لوگ حق پر تھے جنہوں نے جنگوں میں علی علیہ السلام کا ساتھ دیا کیونکہ وہ خدا

تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کر رہے تھے کہ باغیوں سے لڑو اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ علی علیہ السلام سے قتال کرنے والے باغی تھے۔"

نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے سید نور الحسن خاں رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "عرف الجادی، ص:197-198 در بیان قتال اہل البغی" میں لکھتے ہیں:

"بلاشبہ ہر موقع پر حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی اور بعد میں بیعت توڑ دی، پھر ناچار ان لوگوں سے لڑنا واجب ہوگیا۔ خارجیوں سے جنگ میں حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے کیونکہ متواتر حدیث ہے کہ وہ لوگ دین سے اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے۔ اسی طرح جنگ صفین والے ہیں کہ ان کا باغی ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ قتل عمار رضی اللہ عنہ والی حدیث اس کی دلیل ہے۔ معاویہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ لڑنے کا ذرہ برابر حق نہ رکھتے تھے مگر وہ (امیر معاویہ) دنیا کے لالچی، حکومت کے بھوکے اور دنیا کی سرداری کیلئے لڑے اور ان کو وہ پیروکار ملے جو معروف ومنکر کی شناخت سے عاری تھے یعنی شامی اور معاویہ نے ان لوگوں سے چالاکی کی کہ بظاہر قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا ڈھونگ رچالیا۔ اس طرح معاویہ کا کام چل پڑا اور ان (شامی) لوگوں نے معاویہ کے کہنے پر جان ومال کی قربانی دی اور ان کی خیر خواہی کی۔ ان لوگوں کو معاویہ نے ایسا رام کر لیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے اہل عراق سے کہا میں تم جیسے دس دے کر معاویہ کے حامیوں جیسا ایک لے لوں تو بہتر ہے۔ مجھے اہل شام پر ذرہ حیرانی نہیں۔ بلکہ حیرانی تو ان صحابہ وتابعین پر ہے جو معاویہ سے مل گئے۔ کاش مجھے کوئی سمجھائے کہ ان کو کیا مغالطہ ہوا ہے کہ انہوں نے برے اور جھوٹے لوگوں کا ساتھ دیا اور حق والے کی مدد نہ کی حالانکہ ان کے کانوں میں قرآن کی آیت پڑ چکی تھی

کہ باغی سے لڑو اور متواتر حدیثیں ہیں کہ حاکم وقت اسلام پر چلے تو اس سے بغاوت نہ کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ان کے کانوں میں پڑ چکا تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی ٹولہ قتل کرے گا۔" خدا کی قسم! اگر ان کے صحابی ہونے کا لحاظ نہ ہو اور وہ دور خیر القرون میں سے تھا تو صاف نظر آتا ہے کہ اس امت کا پہلا گروہ بھی دنیا کے مال اور لالچ میں مبتلا ہوگیا تھا۔ جنگ میں قرآن کھڑا کرنا سنتِ مطہرہ میں نہیں آیا نہ سنتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں بلکہ اس بدعت کا پہلا کرنے والا معاویہ تھا۔ پھر عمرو بن عاص کی چالاکی کو حدیث وتاریخ کی کتابیں پڑھنے والا جانتا ہی ہے۔"

حکمران بننے کے بعد جب امیر معاویہ مدینہ آئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیٹی فاطمہ نے ان سے قصاص عثمان کا مطالبہ کیا۔ امیر معاویہ نے کہا بڑی مشکل سے ہماری حکومت مستحکم ہوئی ہے تو اب قصاص عثمان کی بات چھیڑ کر میں اس کو غیر مستحکم کر دوں؟

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:144)

سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ علی رضی اللہ عنہ میں کوئی کمی نہ تھی کہ خلافت کے لیے نا اہل ہوتے اور معاویہ میں کوئی خوبی نہ تھی کہ خلافت کے اہل ہوتے۔

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:141)

تمام اہل سنت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے۔

(سبل السلام محمد بن اسماعیل یمانی ج:3، ص:259، السراج الوهاج نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ ج:2، ص:716-717، شهر ستانی الملل والنحل ج:1، ص:103، عبدالقاهر الفرق بين الفرق، ص:342، نواب صديق حسن خان الروضة الندیه، ج:2، ص:360-361، سعودی عالم احمد حكمی، معارج القبول، ج:2، ص:582-583)

"باغیوں سے جنگ لڑو اور خلیفہ برحق کی مدد کرو یہی مذہب اکابر آئمہ اور محدثین کا ہے۔" (نیل الاوطار، ج:5، ص:347-348، امام شوکانی، فتح

الباری، ج:13، ص:31، امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ)

''جس نے حضرت علی علیہ السلام کے خلاف کیا اس کی اجتہادی خطا تھی۔''

(علامہ وحید الزمان ترمذی ابواب الرویا باب ماجاء فی رویا النبی علیہ السلام فی المیزان والدلو)

''جو کوئی خلافت کے معاملہ میں حضرت علی علیہ السلام کے خلاف ہوا خطا کار باغی ہے۔'' (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثناء عشریہ ص:19)

سو یہی مذہب سنیوں کا ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اپنی لڑائیوں میں حق پر تھے اور مخالف ان کے غیر حق پر اور خطا کار............ حق صرف امیر رضی اللہ عنہ کی جانب تھا اور جوان کے مقابلہ پر تھے کہ معنیٰ قرآن کے نہ سمجھے اور اجتہاد میں غلطی کی۔ (شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحفہ اثناء عشریہ ص:447)

سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے لیکچر انوار الباری کے نام سے جمع کئے جو انہوں نے بخاری شریف کی شرح میں دیئے تھے۔ اس میں سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''حضرت علی علیہ السلام اپنے تمام دور خلافت میں منہاج نبوت پر قائم رہے۔ امیر معاویہ نے دوسرے طریقے استعمال کئے۔ زمانہ اور زمانے کے لوگوں کے حالات تیزی کے ساتھ خرابی کی طرف بڑھ رہے تھے اس لیے خلافت علی منہاج النبوت سے زیادہ کامیابی دنیوی سیاست کیلئے مقدر ہو چکی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام آخر عمر تک دین اور دینی سیاست کو کامیاب بنانے کی جان توڑ مساعی میں مشغول رہے۔ ان پر ہر اگلا دور پچھلے دور سے زیادہ سخت اور صبر آزما آیا۔ مگر وہ کوہ استقامت بنے ہوئے مصائب و آلام کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔'' (انوار الباری ج:2، ص:39)

نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اکلیل الکرام'' میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ

کی کتاب **وبل الغمام علی شفاء الاوام** سے ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بلاشک وشبہ تمام لڑائیوں میں حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔''

(اکلیل الکرام فی بیان مقاصد الاما مۃ ص:12)

علامہ عبدالحیٔ بن عماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''علماء کا اجماع ہے کہ علی علیہ السلام اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے۔ بعض علماء کا مذہب ہے کہ ہر جابر حکمران کے خلاف خروج (بغاوت) کیا جاسکتا ہے۔''

(شذرات الذہب، ص:68)

جنگِ جمل

رسول کریم ﷺ کی نبوت کے دلائل میں سے اہم شعبہ سچی پیش گوئیاں ہیں۔ آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر لسان نبوی سے مدتوں پہلے بیان ہو چکی تھی۔ ان سچی پیش گوئیوں سے یقین حاصل ہوتا ہے کہ بتانے والا بھی سچا ہے اور جوان کو بتا رہا ہے یعنی خدا تعالیٰ وہ بھی سچا ہے۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں مگر سچے نبی کی پیش گوئی نہیں ٹل سکتی۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنے دورِ خلافت میں تین جنگیں لڑیں۔ ان تینوں کے متعلق حضور ﷺ کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور وہ دلیل ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام ہر جنگ میں حق پر تھے۔ علامہ ناصر الدین البانی رحمۃ اللہ علیہ نے **سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ** ج:1، ص:767 تا 770 پر حدیث:474 لکھی ہے جس کا نام حدیث الحوأب ہے۔ حوأب مکہ کے باہر چشمہ ہے۔

امہات المومنین حضور ﷺ کے پاس بیٹھی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔''

جب جنگ جمل کیلئے بصرہ کو جاتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے لشکر کے ہمراہ رات کے وقت چشمہ حوأب پر پہنچیں تو وہاں کے کتے بھونکے۔ آپ نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے؟

لوگوں نے کہا یہ حوأب کا چشمہ ہے۔آپ نے کہا میں آگے نہیں جاؤں گی میں واپس جا رہی ہوں۔مگران کے بہنوئی زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کے بصرہ جانے سے شاید صلح ہو جائے۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد مضبوط ہیں، کچھ لوگ کہتے ہیں، ہم کیسے مانیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے غلطی ہوگئی، اس کا جواب دیتے ہوئے البانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ لوگ شیعوں کی صف میں داخل ہو گئے ہیں۔وہ تو صرف بارہ اماموں کو معصوم مانتے تھے اور تم سنی لوگ ہر اس شخص کو معصوم مانتے ہو، جس نے حضور علیہ السلام کو دیکھا۔

کوئی شک نہیں ام المومنین رضی اللہ عنہا کا گھر سے نکلنا غلط تھا۔اسی طرح جب واپس ہونے لگیں تو روکنے کا زبیر رضی اللہ عنہ کا مشورہ غلط تھا۔یہ مانے بغیر تو چارہ ہی نہیں کہ دونوں فریقوں میں سے ایک غلط ہے۔دونوں طرف سے بے شمار لوگ قتل ہوئے۔کوئی شک نہیں صرف عائشہ رضی اللہ عنہا غلطی پر تھیں اور اس کے بہت واضح دلائل ہیں۔سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ وہ اپنی اس غلطی پر عمر بھر پچھتاتی رہیں ان کے درجہ اور شان کے لائق یہی ہے کہ وہ غلطی مان گئیں۔ان کی اس ندامت سے پتہ چلا کہ ان کی غلطی معاف ہو چکی بلکہ معاف ہی نہیں اس پر ان کو اجر ملے گا کیونکہ انہوں نے اپنی غلطی مان لی۔"

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ "الاستیعاب" میں لکھتے ہیں:

"ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا جب میں نے بصرہ جانے کا ارادہ کیا تھا تو تم نے مجھے روکا کیوں نہیں تھا۔انہوں نے کہا آپ پر آپ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ غالب آ چکے تھے۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا عبداللہ! اگر آپ مجھے روک دیتے تو میں رک جاتی۔جب ان کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے کہا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دفن ہونے کی آرزو تھی مگر ان کے بعد مجھ سے یہ کام ہو گیا۔مجھے باقی ازواج مطہراتؓ کے پاس دفن کر دینا۔لہٰذا انہیں البقیع میں دفن کر دیا گیا۔"

(سلسلة احادیث صحیحه ج:1 ص:776، مقدمه ابن خلدون، ص:214)

علامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وہ کام یہی جنگ جمل کا اقدام تھا، وہ اس پر نادم ہوئیں اور اس پر توبہ کی۔ ایک بات ذہن میں رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا و آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی میں یہ شیعہ سنی کا متفق علیہ مسئلہ ہے اور یہ کہ مومنہ ہیں۔کافرہ نہیں ہیں جیسا کہ بعض برخود غلط لوگ کہتے ہیں۔"

ایک حدیث ہے کہ دنیا میں میری بیویاں آخرت میں بھی میری بیویاں ہیں۔اس حدیث کی شرح میں مجدد مذہب شیعہ ملا باقر مجلسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"جنت کافروں پر حرام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے بلند ہیں کہ وہ کسی کافرہ کے رحم میں اپنا نطفہ ڈالیں، اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مائیں کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کو عزت دی اور کافرہ تو اس لقب کی اہل نہیں کیوں کہ یہ مقام بہت بلند ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے بے شک مشرک ناپاک ہیں اور اس قول کی وجہ سے کہ قیامت کے دن حسب ونسب سب ختم ہو جائیں گے سوائے میرے نسب وسبب کے اور یہ کافروں کے حق میں تو صحیح نہیں۔"

(بحار الانوار ج:16، ص:389)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس اقدام پر اظہار ندامت کرتی رہیں اور یہاں تک رویا کرتیں کہ دوپٹہ تر ہو جاتا۔

(ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمد النسفی فی کتاب الاعتماد فی الاعتقاد اور شرح فقہ اکبر ملا علی قاری بحوالہ ارجح المطالب، ص:580، عبیداللہ امرتسری)

جنگ جمل میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وطلحہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے یہ دونوں عشرہ مبشرہ میں شامل تھے۔جب جنگ کیلئے صفیں بن گئیں تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پکار کر کہا تم ہمارے پھوپھی زاد ہو کر علی علیہ السلام سے جنگ کرنے آ گئے ہو؟

حضرت علی علیہ السلام نے صفوں کے درمیان آ کر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو کہا تمہیں یاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا زبیر رضی اللہ عنہ تم ایک دن علی علیہ السلام سے لڑو گے اور ظالم ہو گے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسی وقت گھوڑے کو ایڑ لگائی اور واپس چلے گئے۔

(سلسلة الاحادیث الصحیحه البانی، ج:6، حدیث:2659، مستدرک حاکم، ج:6، ص:366، سیر اعلام النبلاء ذہبی ج:2، ص:199)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک وادی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کے لشکر سے ایک بد بخت عمرو بن جرموز نے سجدہ کی حالت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ لیا اور علی رضی اللہ عنہ کو لا کر دیا تو آپ نے فرمایا صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کا قاتل دوزخی ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:7 ص:273,272)

بعد میں عمرو بن جرموز خارجی بن گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ میں شریک ہوا۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو مروان نے زہر آلود تیر مار کر شہید کر دیا۔

(امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تهذيب التهذيب ج:5، ص:20تا22، مستدرك حاكم ج:3، ص:370)

جنگ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر شکست کھا گیا۔ مگر حضرت علی علیہ السلام نے ان کو پورے احترام سے مدینہ روانہ کر دیا۔ ان کے لشکر کا سامان لوٹنے کی اجازت نہ دی اور نہ ہاری ہوئی فوج کا تعاقب کیا نہ ان کو لونڈی غلام بنایا اور دونوں طرف کے مقتولین کی نماز جنازہ ادا کی۔

امام ابوحنیفہ واحمد بن حنبل وشافعی ونخعی رحمۃ اللہ علیہم سب فرماتے ہیں کہ مسلمان باغیوں سے کیا معاملہ کیا جائے، اس بارے میں امت کے رہنما صرف حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر جب بصرہ پہنچا تو حضرت علی علیہ السلام کے گورنر عثمان

بن حنیف رضی اللہ عنہ کی داڑھی نوچ لی گئی۔ بیت المال لوٹ لیا۔

(طبری ج:3، ص:485) البدایہ والنہایہ، ج:7 ص:254)

امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ جنگ جمل میں علی علیہ السلام حق پر تھے۔''

(الخطط و الآثار احمد بن علی المقریزی، ج:2، ص:360، بحوالہ حادثہ کربلا کا پس منظر ص 226-227)

نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جنگ جمل دن چڑھے شروع ہوئی تھی اور عصر کے وقت تک جاری رہی، اس دن تک جمادی الاخری کی دس راتیں گزر چکی تھیں اور یوم خمیس تھا، یہ جنگ نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشان ہے کہ واقعہ سے 35 سال پہلے اس کی پیش گوئی فرما دی، اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا گروہ عدل والا تھا اور دوسرے باغی تھے اور یہ بات صاف معلوم ہے کہ اس وقت علی علیہ السلام امام تھے اور وہی برحق تھے۔

(الاذاعه لما كان وما يكون بين يدى الساعة ص88-89)

جنگِ صفین

جنگ جمل کے برعکس، جنگ صفین کے دونوں فریق ایک درجہ کے نہیں تھے۔ اس جنگ میں ایک فریق کا دینی مرتبہ بہت اعلیٰ ہے اور دوسرا فریق یعنی امیر معاویہ دینی لحاظ سے ان کے پائے کے نہیں تھے۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں کہ شیعہ اولی (مراد مہاجرین وانصار سے ہے) کی اکثریت ہمراہ رکاب جناب امیر رضی اللہ عنہ کے باغیوں کی لڑائیوں میں موجود اور بنا پر معانی قرآن کے لڑتے رہے ہیں جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت میں نزول قرآن پر منکرین سے لڑتے رہے۔'' (تحفہ اثنا عشریہ، ص:11)

آگے لکھتے ہیں کہ حاضران بیعت رضوان میں سے ایک جماعت کثیر نے قریب آٹھ سو کے لڑائی صفین میں کیسی داد جاں نثاری کی دی اور تین سو آدمی درجہ شہادت کو پہنچے۔" (تحفہ اثناء عشریہ، ص:11)

حضرت سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اکثر صحابہ کرام حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ تھے اور میرے علم میں انصار تو سب ہی اور مہاجرین میں سے زیادہ علی علیہ السلام کے ساتھ تھے۔"

(انوار الباری، ج:2ص:30، مولفہ سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا محمد زکریا موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اوجز المسالک میں فرماتے ہیں:

"حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ نوے بدری صحابی، سات سو اہل بیعت رضوان تمام مہاجرین اور انصار چار سو کی تعداد میں جنگ صفین میں شریک تھے۔"

(اوجز المسالک ج:5،ص:434)

آپ نے دیکھ لیا کہ ایک پلڑے میں سب کچھ ہے اور دوسرے میں کچھ بھی نہیں۔ امیر معاویہ کا پلڑا حضرت علی علیہ السلام کے برابر کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ وہ کاتب وحی تھے۔ فلاں تھے، جبکہ اصل صورت حال یہ ہے کہ علمائے محدثین کا یہ فیصلہ ہے کہ ان کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔ وہ فتح مکہ والے دن مسلمان ہو کر طلقاء میں شامل ہو گئے اور بس!

ایک اور بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ بنو امیہ سات پشتوں سے بنو ہاشم کے مدمقابل تھے اور دشمنی دیرینہ تھی۔

1۔ جناب ہاشم کے مقابل — عبد شمس
2۔ ایضاً — امیہ بن عبد شمس
3۔ جناب عبد المطلب کے مقابل — حرب بن امیہ
4۔ جناب ابو طالب کے مقابل — صخر بن حرب (ابوسفیان)

5۔ حضور ﷺ کے مقابل — ایضاً
6۔ علی ﷺ کے مقابل — معاویہ بن ابی سفیان
7۔ حسن علیہ السلام کے مقابل — ایضاً
8۔ حسین علیہ السلام کے مقابل — یزید بن معاویہ بن ابوسفیان

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:7،ص:104 پر لکھتے ہیں:

"امیر معاویہ کا پلڑا حضرت علی علیہ السلام کے برابر کرنے کے لئے جو کوشش ہوئی اس میں ابن ابی عاصم، ثعلب کے غلام ابو عمر اور ابو بکر نقاش نے رسالے لکھے مگر ان میں جعلی روایات درج ہیں۔ امام بخاری کے استاد اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ کی فضیلت میں کوئی شے ثابت نہیں۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا آپ حضرت علی علیہ السلام اور امیر معاویہ کے معاملہ میں کیا کہتے ہیں۔ امام احمد نے دیر تک سر جھکائے رکھا پھر فرمایا خوب جان لو! علی علیہ السلام کے دشمن بے شمار تھے۔ ان دشمنوں نے بہت باریک بینی کی تاکہ علی علیہ السلام کا کوئی عیب تلاش کر سکیں، مگر نہ کر سکے۔ وہ دشمن اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اس آدمی کی حمایت میں شروع ہو گئے جس نے علی علیہ السلام سے جنگیں لڑی تھیں یعنی امیر معاویہ جن کی پھر چالبازی سے اس کو علی علیہ السلام کے برابر کرنے کیلئے اس کی شان میں روایات گھڑیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ امیر معاویہ کی شان میں روایات تو بہت مل جائیں گی مگر ان کی سند دیکھی گئی تو کوئی بھی صحیح نہیں نکلی۔"

یہ واقعہ اہل حدیث علماء کی شروح حدیث بنام **عون المعبود** اور **تحفۃ الاحوذی** میں بھی درج ہے۔ یہ دونوں شروح عرب علماء تک کو مسلّم ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام اور ان سے جنگیں لڑنے والوں کا معاملہ ذرا بھی مشتبہ یا نزاعی نہیں

ہے۔علماء اہل سنت میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے یہ نہیں لکھا کہ اپنی ہر جنگ میں علی علیہ السلام حق پر تھے۔شیعہ حضرات کی ضد میں لوگوں کے ایمان خراب نہیں کرنے چاہییں۔سارا عالم اسلام 1400 سال سے متفق ہے کہ حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے۔رہ گئی بات کہ حضرت علی علیہ السلام سے لڑنے والوں کو کیا سمجھا جائے تو اس بارے میں علماء کے ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ہیں تو سب باغی مگر ان سے خطاء اجتہادی ہوئی۔دوسرے گروہ نے کہا کہ خطاء اجتہادی نہیں تھی بلکہ وہ دنیا کے لالچ میں حضرت علی علیہ السلام سے لڑے۔اہل سنت میں یہ دو رائے ضرور موجود ہیں مگر علی علیہ السلام سے لڑنے والوں کو حق پر کہنے والا کوئی عالم اہل سنت میں نہیں ہے۔یہ امت کی اتفاقی اجماعی اور مسلمہ بات ہے جس کو آج کل کے ناصبی چیلنج کر رہے ہیں اور مسلک اہل سنت برباد کر رہے ہیں۔پردہ ڈالا ہوا ہے کہ اس سے شیعہ حضرات کی بات کی تائید ہوتی ہے۔آپ اہل سنت کی کتابیں پڑھیں اور دیکھیں کہ کون اس کے خلاف ہے؟ عقائد، فقہ، تفسیر، حدیث کی کتابوں میں کسی نے اختلاف نہیں کیا کہ علی علیہ السلام حق پر تھے۔

لوگوں کا یہ بھی طریقہ ہے کہ جس بات سے کسی کو متنفر کرنا ہو تو کوئی زہریلا لفظ بول دو تا کہ سننے والا سوچنا بند کر دے اور بات پر غور ہی نہ کرے مثلاً توحید کی بات ہو تو فوراً کہہ دیں گے کہ یہ تو وہابی کہتے ہیں۔اب ان سے کوئی پوچھے کہ یہ وہابیوں کا مسئلہ ہے یا اصلِ دین وایماں ہے؟

حضرت علی علیہ السلام کو غلطی پر بیان کرنے والا گروہ دراصل ناصبی ہے۔ناصبی دشمن اہل بیت کو کہتے ہیں۔رافضی ضرور موجود رہے مگر ناصبی مٹ چکے تھے۔یہ مروانی مذہب محمود احمد عباسی وغیرہ ناصبیوں نے پھر زندہ کر دیا اور امام حسین علیہ السلام کو باغی قرار دے دیا۔

قتل عمار رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی

جنگ صفین کے متعلق حضور علیہ السلام کی پیش گوئی 24 صحابہ کرام سے متواتر حدیث میں موجود ہے۔وہ پیش گوئی حضرت عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہے۔ان کی والدہ

ماجدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اسلام کی پہلی شہید اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ بھی اوّلین شہداء میں سے ہیں۔ان تینوں نے شروع میں اسلام قبول کیا اور مکہ میں انتہائی مصائب جھیلے۔حضور علیہ السلام ان کے پاس سے گذرتے تو فرماتے اے آل یاسر رضی اللہ عنہم! صبر کرنا، تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔
یہ تھے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ!

سیدنا عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ اسے اللہ نے شیطان سے محفوظ فرما دیا ہے۔

(بخاری کتاب بدء الخلق باب صفتة ابلیس و جنوده، کتاب الادب باب من القی له وسادة، کتاب المناقب مناقبِ عمار رضی اللہ عنہ و حذیفه رضی اللہ عنہ)

کتاب المناقب بخاری باب مناقب عمار رضی اللہ عنہ و حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر 3742، جو حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کی شرح میں امام ابن حجر رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ بزار میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا عمار رضی اللہ عنہ اپنے سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کے تلوے تک ایمان سے پر ہے۔اس روایت کی اسناد صحیح ہیں۔"

پھر لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عمار رضی اللہ عنہ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو عمار رضی اللہ عنہ نے زیادہ بہتر کو اختیار کیا۔

(فتح الباری ج:7، ص:92) ترمذی ابواب مناقب باب مناقب عمار رضی اللہ عنہ صحیح الجامع الصغیر حدیث 5619 سلسلة الاحادیث الصحیحه البانی ج:2، حدیث نمبر 833)

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شان میں متواتر حدیث دو موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ایک دفعہ مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر اور دوسری مرتبہ جنگ خندق کے موقع پر جب خندق کھودی جا رہی تھی تو اس وقت فرمایا عمار رضی اللہ عنہ! بشارت ہو، تجھے باغی ٹولہ قتل کرے گا۔یہ 37 سال پہلے فرمایا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''ہم مسجد نبوی بناتے وقت ایک ایک اینٹ لا رہے تھے اور عمار رضی اللہ عنہ دو دو اینٹیں لاتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے سے گذرے اور ان کے سر سے مٹی جھاڑی اور فرمایا ہائے عمار رضی اللہ عنہ! اس کو باغی ٹولہ قتل کرے گا۔ عمار رضی اللہ عنہ ان کو اللہ کی طرف بلائے گا اور وہ اس کو دوزخ کی طرف بلائیں گے۔

(بخاری کتاب الجهاد والسير باب مسح الغبار عن الناس في سبيل الله، حديث بخاری كتاب الصلاة، باب التعاون في بناء المسجد، سلسلة الاحاديث الصحيحه البانی حديث نمبر 710، ج:2، ص:327-328، مسند احمد حديث نمبر 11024-11239-11883، مسلم كتاب الفتن واشراط الساعة عن ابی سعيد خدری رضی اللہ عنہ وام المومنين ام سلمه رضی اللہ عنہا)

امام ابن حجر، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت علی علیہ السلام کا حق پر ہونا اور معاویہ کا باغی ہونا ثابت ہوا۔

(فتح الباری، ابن حجر ج:1، ص:547، البدايه دالنهايه جلد نمبر 7 ص291، سير اعلام النبلاج:4، ص:73)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''یہ حدیث صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کی ہے۔ چوبیس صحابہ سے روایت کی سند صحیح ہے۔ اس کے علاوہ اتنے راوی ہیں کہ گنتی مشکل ہے۔''

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ

حنظلہ بن خویلد کہتے ہیں:

''میں معاویہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، دو آدمی ان کے پاس آئے جو عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اور ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ اس نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو قتل کیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرمانے لگے تمہیں چاہیے کہ ایک دوسرے ایک دوسرے کے حق میں دستبردار ہو جائے کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو

باغی گروہ قتل کرے گا۔ معاویہ کہنے لگے تم ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ اے عمرو بن عاص تم اپنے پاگل بیٹے سے ہماری جان چھڑا کیوں نہیں دیتے؟ عبداللہ نے کہا ایک دفعہ میرے باپ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے میری شکایت کی تھی اور فرمایا تھا زندگی بھر اپنے باپ کی اطاعت کرنا، اس کی نافرمانی نہ کرنا اس لیے میں آپ کے ساتھ تو ہوں مگر لڑائی میں شریک نہیں ہوتا۔''

(مسند احمد روایت نمبر 6538-6929، مسند عبداللہ بن عمرو بن عاص)

امام اہل سنت ابوالحسن الاشعری رحمۃ اللہ علیہ کا قول عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الملل و النحل'' میں نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

''ہم عائشہ رضی اللہ عنہا وطلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں خاموش ہیں کیوں کہ انہوں نے خطا سے رجوع کر لیا اور طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور معاویہ و عمرو بن عاص کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہتے کہ ان دونوں نے امام حق کے خلاف بغاوت کی۔ (الملل والنحل ج:1، ص:145)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اپنی سنن میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کرتے ہیں:

''جس میں انہوں نے فرمایا ''یہ مت کہو کہ اہل شام نے کفر کیا لیکن یہ کہو کہ انہوں نے فسق یا ظلم کیا۔'' (السنن الكبرىٰ ج:8، ص:174 باب قتال اهل بغی)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ ج:7، ص:188، پر لکھتے ہیں:

''میں عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر رضی اللہ عنہ کے حالات لکھ رہا ہوں جو امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور ان کو اہل شام نے قتل کیا۔ اس سے وہ راز سامنے آ گیا اور ظاہر ہو گیا جس کی خبر حضور علیہ السلام نے دی تھی کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی ٹولہ قتل کرے گا۔ عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ علی علیہ السلام حق پر تھے اور معاویہ باغی تھے۔''

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''نیل الاوطار'' اہل حدیث حضرات کا مرجع ہے۔ وہ لکھتے ہیں

"حضور ﷺ نے فرمایا تھا خارجیوں کو وہ گروہ قتل کرے گا جو حق پر ہوگا۔ سیدنا علی علیہ السلام نے خارجیوں کو جنگ نہروان میں قتل کیا تھا۔ اس حدیث سے یہ دلیل معلوم ہوتی ہے کہ علی علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق پر تھے اور معاویہ اور ان کے ساتھی باطل پر تھے۔ اس بات میں کوئی منصف آدمی شک نہیں کرسکتا اور اس کا انکار صرف متعصب آدمی کرے گا۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ جو حق پر ہوگا وہ خارجیوں کو قتل کرے گا اور وہ حدیث جو بخاری میں ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا صاف صاف بتاتی ہیں کہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔"
(نیل الاوطار ج:7، ص:175)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور نووی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ دونوں اطراف کی نیت نیک تھی لہٰذا امیر معاویہ کو ایک ثواب اور علی علیہ السلام کو دو ثواب ملیں گے، یہ بات بالکل انہونی اور بالکل غلط ہے۔ خاص طور پر وہ آدمی جس کو پتہ چل گیا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی ٹولہ قتل کرے گا اور پھر بھی وہ آدمی اس شخص سے جنگ پر ڈٹا رہا جس کے ساتھ عمار رضی اللہ عنہ تھے، یہ حق سے دشمنی اور باطل پر ڈٹے رہنا ہے۔ اس بات میں وہ آدمی شک نہیں کرسکتا جس میں رائی کے دانے برابر انصاف ہوگا۔ کوئی یہ نہ کہے کہ اس سے صحابہ کو برا کہنے کا دروازہ کھل جائے گا کیونکہ میں نے یمن میں پوری کوشش کی ہے کہ شیعہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہنے سے باز آجائیں۔"
(نیل الاوطار ج:7، ص:51)

قتل عمار رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی کہ ان کو باغی ٹولہ قتل کرے گا بہت سی کتابوں میں منقول ہے مثلاً مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند ابوداؤد طیالسی میں کئی صحابہ مثلاً ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ، ام سلمہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان، حذیفہ رضی اللہ عنہ، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، ابورافع رضی اللہ عنہ، خزیمہ بن ثابت، عمرو بن العاص، ابوالیسر رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور متعدد دوسرے صحابہ نے اس کو روایت کیا۔ ابن سعد رضی اللہ عنہ نے طبقات میں کئی سندوں سے ج:3، ص:251 تا 253-259، پر اس کو نقل کیا ہے۔

متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علی علیہ السلام و معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں مذبذب تھے، حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کی علامت قرار دے دیا تھا کہ فریقین میں سے کون حق پر ہے اور باطل پر کون ہے۔
(ابن سعد طبقات ج:3، ص:253-259، طبری ج:4، ص:27، ابن اثیر ج:3، ص:153-165)

امام ابوبکر رضی اللہ عنہ امام القرآن میں لکھتے ہیں:

"علی علیہ السلام ابن ابی طالب نے باغی گروہ کے خلاف تلوار سے جنگ کی اور ان کے ساتھ اکابر صحابہ اور اہل بدر تھے جن کا مرتبہ سب جانتے ہیں۔ اس جنگ میں وہ حق پر تھے اور اس میں سوائے اس باغی گروہ کے کوئی اختلاف نہ رکھتا تھا۔ خود حضور ﷺ نے عمار رضی اللہ عنہ سے فرما دیا تھا کہ تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔ یہ ایک ایسی خبر ہے جو تواتر کے ساتھ نقل ہوئی ہے اور عام طور پر صحیح مانی گئی ہے حتیٰ کہ خود امیر معاویہ سے بھی عبداللہ بن عمرو بن عاص نے بیان کیا تو وہ انکار نہ کرسکے۔ البتہ انہوں نے یہ تاویل کی کہ عمار رضی اللہ عنہ کو اس نے قتل کیا ہے جو انہیں ہمارے نیزوں کے آگے لایا ہے۔ اس حدیث کو اہل کوفہ، بصرہ، حجاز اور اہل شام، سب نے روایت کیا ہے۔"
(احکام القرآن ج:3، ص:492)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ سے یہ بات متواتر منقول ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا اور یہ صحیح ترین احادیث میں سے ہے۔"
(الاستیعاب ج:2، ص:424)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات الاصابہ ج:2،ص:506 پر لکھی ہے۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"قتل عمارؓ کے بعد یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا اور اہل سنت اس بات پر متفق ہوگئے حالانکہ پہلے اختلاف تھا۔ (الاصابہ ج:2،ص:502)

اور یہ بات متواتر روایات میں ہے کہ عمارؓ کو باغی ٹولہ قتل کرے گا۔"

(تہذیب التہذیب، ج:7،ص:410)

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

"جنگ جمل سے حضرت زبیرؓ کے ہٹ جانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو نبی ﷺ کا یہ ارشاد یاد تھا اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں حضرت عمارؓ موجود ہیں۔"

(البدایہ والنہایہ، ج:7،ص:241، ابن خلدون تکملہ ج:2،ص:162)

پانی بند کرنا

جب حضرت علی علیہ السلام جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو امیر معاویہ (حسب منصوبۂ مروان جو پہلے گزر چکا ہے) نوے ہزار کا لشکر لے کر آ گئے اور دریائے فرات کے کنارہ پر قبضہ کرلیا اور پانی بند کر دیا۔ ان کی یہ بری سنت ان کے بیٹے یزید پلید نے برقرار رکھی۔

(البدایہ والنہایہ ج:7،ص:279، اخبار الطوال، ص:180-181، ابن جریر طبری ج:3،ص:568-569، امام ابن لاثیر ج:3، ص:145-146 الکامل فی التاریخ، تکملہ تاریخ ابن خلدون ج:2،ص:170)

بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے بات تک نہ کرے گا نہ ان کو پاک کرے گا بلکہ ان کو دکھ کی مار پڑے گی ایک تو وہ شخص جس کے پاس فالتو پانی ہو اور وہ مسافر کو نہ دے دوسرا وہ جو کسی امام کی بیعت محض دنیا کمانے کیلئے

کرے اگر وہ اس کو مال دے تو بیعت پوری کرے اور نہ دے تو بیعت توڑ دے اور تیسرا وہ شخص جو عصر کی نماز کے بعد بازار میں سامان فروخت کرنے کیلئے جھوٹی قسم کھائے اور اس کی قسم کے اعتبار پر کوئی وہ سامان خرید لے۔"

(بخاری کتاب الاحکام باب من بایع رجلا لایبایعہ الاللدنیا)

حضرت علی علیہ السلام نے فوج کو حکم دیا کہ پانی کا قبضہ چھڑایا جائے۔ فوج نے حملہ کر کے پانی پر قبضہ کرلیا۔ تب امیر معاویہ نے عمرو بن العاص سے کہا کہ تیرے مشورہ پر ہم نے پانی پر قبضہ کرلیا، اب علی علیہ السلام کی فوج نے چھڑا لیا۔ اگر انہوں نے ہمیں پانی نہ لینے دیا تو کیا بنے گا؟ عمرو بن عاص نے کہا، فکر نہ کر! ہم، ہم ہیں، علی، علی ہے۔ اس وقت حضرت علی علیہ السلام کا منادی گھوڑے پر سوار ہو کر دونوں فوجوں کے درمیان سے گذرا اور اعلان کیا کہ پانی اللہ نے حلال کیا ہے علی علیہ السلام اسے حرام نہیں کرنا چاہتا، سب کو پانی لینے کی اجازت ہے۔ اگرچہ بعد میں کربلا میں سیدنا علی علیہ السلام کے لختِ جگر کا پانی امیر معاویہ کے لخت جگر نے بند کر دیا اور اپنے باپ کی سنت برقرار رکھی۔

تاویل باطل

جب فوجیں صف آراء ہوئیں تو سیدنا عمارؓ بن یاسرؓ، سیدنا علی علیہ السلام کی فوج میں سے نکل کر آگے آئے۔ ان کو دیکھا تو امیر معاویہؓ کی فوج کو حدیث نبوی یاد آ گئی اور ان کے دل ڈول گئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ عمارؓ تو علی کے ساتھ ہے لہٰذا ہم جھوٹے اور باغی ٹولہ ہیں جن کو حدیث میں دوزخ کی طرف بلانے والے کہا گیا۔ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک ذوالقلاع حمیری یمن کا ایک سردار تھا جو ہزاروں لوگ لے کر امیر معاویہ کی حمایت کیلئے آیا تھا تاکہ خون عثمانؓ کا قصاص لے جس کا مطالبہ معاویہ کر رہے تھے۔ حالانکہ بعد میں حکومت سنبھال لینے کے بعد انہوں نے یہ مطالبہ ترک کر دیا اور کوئی قصاص نہ لیا۔

اس ذوالکلاع حمیری نے پوچھا کہ عمارؓ تو علی علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ اب آپ امیر معاویہ کی چالاکی ملاحظہ فرمائیں۔ انہوں نے جواب میں ذوالکلاع سے کہا کہ عمارؓ

مرنے سے پہلے ہمارا ساتھی بن جائے گا۔ یہ امیر معاویہ کی خوش قسمتی تھی کہ جنگ شروع ہوتے ہی ذوالکلاع قتل ہو گیا ورنہ اگر وہ زندہ ہوتا تو شہادت عمار ؓ کے بعد اس سے الگ ہو جاتا۔ امیر معاویہ کے ساتھیوں نے بعد میں کہا کہ ہمیں پتہ نہیں کہ ہمیں ذوالکلاع کے مرنے کی زیادہ خوشی ہے یا عمار ؓ کی شہادت کی! (امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:7،ص:293)

سیدنا عمار بن یاسر ؓ کی شہادت کے بعد شامی لشکر کے بعض آدمیوں نے عمرو بن عاص سے پوچھا کہ عمار ؓ تو علی علیہ السلام کی حمایت میں شہید ہو گئے، اب فرمان رسالت کے مطابق ہمارا کیا بنے گا؟ اس نے کہا عمار ؓ کے قتل کا ذمہ دار علی علیہ السلام ہے اگر وہ عمار ؓ کو ساتھ لے کر نہ آتا تو عمار ؓ نہ مارا جاتا اور شامی لشکر کی بے وقوفی ملاحظہ ہو کہ بجائے تاویل باطل ردّ کرنے کے خوشی سے ناچنا شروع کر دیا واہ واہ! کیا تاویل کی ہے۔ جب عمرو بن عاص کی یہ بات سیدنا علی علیہ السلام تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عمرو بن عاص کے اس اصول کے مطابق تو حضرت حمزہ ؓ کے قاتل (نعوذ باللہ) رسول کریم ﷺ ہیں جو ان کو ساتھ لے کر جنگ احد میں گئے۔

(شرح فقہ اکبر از ملا علی قاری ؒ، ص:79، طبری ج:4ص:29، الکامل ابن اثیر ج:3،ص:158، البدایہ و النہایہ، ج:7، ص:268تا270)

مسند احمد میں حدیث نمبر 6499، 6500، 6926، 6927 (مسند عبداللہ بن عمرو بن عاص) میں عبداللہ بن عمرو بن عاص نے یہی تاویل باطل امیر معاویہ سے روایت کی ہے کہ عمار ؓ کا قاتل وہ ہے جو اسے ساتھ لایا۔

اب اہل حدیث حضرات اپنی کتابوں میں وہ بات لکھ رہے ہیں جو امیر معاویہ اور عمرو بن عاص کو بھی نہ سوجھی کہ حضرت علی علیہ السلام کے فوجیوں نے عمار ؓ کو قتل کر کے امیر معاویہ کے لشکر میں پھینک دیا تھا۔ اگر بالفرض یہ صحیح بھی ہے تو پھر حضرت علی علیہ السلام کا لشکر باغی گروہ ہو گا کیونکہ حدیث میں تو یہ ہے کہ عمار ؓ کو باغی گروہ قتل کرے گا۔

امام ابن قیم ؒ لکھتے ہیں:

”تاویل باطل نے دین خراب کر دیا جو آیت یا حدیث اپنے خیال کے مطابق نظر نہ آئی تو اپنے خیال سے توبہ کرنے کی بجائے اس کی تاویل کر دی۔ امام لکھتے ہیں کہ اہل شام کی یہ کیا تاویل باطل ہے کہ عمار ؓ کا قاتل وہ ہے جو ان کو ساتھ لایا اور ہمارے نیزوں کے سامنے کھڑا کر دیا۔ یہ تاویل (جو امیر معاویہ اور عمرو بن عاص نے کی) اس لفظ کے ظاہر کے بھی خلاف ہے اور حقیقت کے بھی خلاف ہے۔ قاتل وہ ہو گا جو اپنے ہاتھ سے قتل کرتا ہے۔ جو کسی کو مدد کیلئے ساتھ لایا ہے وہ قاتل نہیں ہو گا۔ جو حق پر تھا اور جس کے پاس سچا دین تھا یعنی علی علیہ السلام، نے وہ جواب دیا جو لاجواب ہے۔ انہوں نے فرمایا اگر تمہاری منطق صحیح ہے کیا حمزہ ؓ اور تمام شہدائے اُحد ؓ کے قاتل (نعوذ باللہ) خود حضور ﷺ ہیں کہ ان کو مشرکین کی تلواروں کے سامنے لا کھڑا کیا۔

(مختصر الصواعق المرسله علیٰ الجهمية والمعطلة ج:1، ص:13، مقدمه ابن خلدون ص:215)

عمرو بن عاص نے خود اپنی زبان سے اعتراف کیا کہ قتل عمار ؓ ان کے ہاتھوں ہوا۔ (سیر اعلام النبلاء ج:4،ص:36)

قاتل عمار ؓ کا نام

ناصبی ٹولہ یہ بہانہ بناتا ہے کہ حضرت عمار ؓ کا قاتل نامعلوم آدمی ہے۔ جب کہ اصل صورت حال یہ ہے کہ اس کا نام حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اس کا نام یسار بن سَبُعُ ابو الغادیه الجهنی تھا۔ یہ شخص بیعت رضوان میں شامل تھا مگر بعد میں ظالم ہو گیا۔ یہ شخص جب حجاج بن یوسف کے دربار میں آتا تو کہتا قاتل عمار ؓ حاضر ہے۔ اور وہ ملعون اسے مرحبا مرحبا کہہ کر ساتھ تخت پر بٹھاتا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کا بیٹا ابوبکر بھی

شامیوں سے مل گیا تھا اور وہ بھی قاتل عمار رضی اللہ عنہ کو میرا بھائی، میرا بھائی کہتا۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:5،ص:18 تا 20 حدیث نمبر 2800 اسد الغابہ ابن اثیر ج:5 ص 267، تہذیب التہذیب ابن حجر ج:12،ص:41)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"قتل عمار رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی رسالت کے نشانات میں سے ایک نشان ہے اور اس سے علی علیہ السلام و عمار رضی اللہ عنہ کی بڑی شان ثابت ہوئی۔ اس حدیث میں ناصبیوں کا ردّ ہے جو یہ جھوٹا عقیدہ پھیلاتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام اپنی جنگوں میں حق پر نہ تھے۔"

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:5،ص:18 تا 20 حدیث نمبر 2800، جو کہ امام احمد و ابن سعد لائے ہیں، کے تحت لکھتے ہیں:

"ابو الغادیہ الجہنی کہتا ہے کہ میں نے ایک دن عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو سنا کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف باتیں کر رہے تھے۔ میں نے اسی وقت ان کے قتل کی ٹھان لی کہ اگر میرے رب نے موقعہ دیا تو میں عمار رضی اللہ عنہ سے نپٹوں گا۔ جنگ صفین میں عمار رضی اللہ عنہ بہادری سے حملے کر رہے تھے۔ لوگوں نے کہا یہ تو عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر میں نے ان کی ناف اور ٹانگوں کے درمیان حملہ کیا اور ان کے گھٹنے میں نیزہ مارا۔ وہ گر گئے تو میں نے ان کو قتل کر دیا۔ لوگوں نے کہا ارے تم نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا؟ جب میں نے عمرو بن عاص کو بتایا کہ میں نے عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تو عمرو نے کہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرے گا اور ان کا اسلحہ ان کے جسم سے اتارے گا، وہ دوزخی ہے۔ اس پر لوگوں نے کہا عمرو بن عاص تم بھی تو عمار رضی اللہ عنہ سے لڑ رہے تھے۔ اس پر عمرو بن عاص نے چالاکی سے خود کو بچایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قاتل کے لیے فرمایا ہے جنگ لڑنے والے کے لئے نہیں اور وہ قاتل ابو الغادیہ ہے، میں تو

نہیں ہوں، فرمایا: "علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس روایت کی اسناد صحیح ہیں۔"

اس روایت اور اس جیسی دوسری روایات کے تحت امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ بہانے بناتے ہیں کہ ایسے صحابہ مجتہد تھے اور مجتہد غلطی بھی کرے تو اس کو اجر ملتا ہے، اور یہ بات صحابہ کے حق میں تو بطریق اولیٰ ثابت ہے۔

اس کے جواب میں علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اصول یہی ہے لیکن ہر صحابی کے عمل پر اس کی تطبیق مشکل امر ہے کیونکہ یہ اصول یہاں حدیث رسول سے ٹکراتا ہے، کیونکہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ابو الغادیہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اجتہادی غلطی کی بنا پر قتل کیا تھا لہٰذا اسے ثواب ملے گا، بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عمار رضی اللہ عنہ کا قاتل دوزخی ہے، اگر ثواب ہوتا تو یہ کیوں فرماتے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عام حالات میں یہ اصول درست ہے مگر جہاں مضبوط دلیل ہو تو وہاں یہ قاعدہ کام نہیں دے گا بلکہ اس کام کو مستثنٰی قرار دینا پڑے گا جیسا کہ یہاں معاملہ ہے۔ لہٰذا اپنے مصنوعی قاعدوں سے صحیح حدیث کو ردّ نہ کرو۔ ابو الغادیہ اگرچہ بیعت رضوان میں شامل تھا مگر حدیث کی رو سے دوزخی ہے۔"

نیزوں پر قرآن کھڑا کرنا

جب جنگ صفین میں شامی لشکر ہارنے لگا اور مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ امیر معاویہ کے خیمے تک پہنچ گئے تو اس وقت شامی لشکر نے عمرو بن عاص کے مشورہ پر قرآن مجید کھڑے کر دیئے کہ آؤ قرآن پر فیصلہ کر لیں۔ عمرو بن عاص نے امیر معاویہ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔ اس کی مصلحت خود انہوں نے بتائی کہ اس سے علی علیہ السلام کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی اور اگر وہ مان گئے تو ہمیں مہلت مل جائے گی۔

(طبری ج:4،ص:34، ابن سعد، ج:4،ص:255، ابن اثیر، الکامل ج:3،ص:160، البدایہ والنہایہ، ج:7 ص:272، ابن خلدون

تکملہ، ج:2، ص:174، امام ذہبی سیر اعلام النبلاء، ج:4، ص:71، فتح الباری، ج:12، ص:284-285)

علامہ وحید الزماں، معروف اہلحدیث عالم اور مترجم بخاری و مسلم وغیرہ، بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق کی ایک حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''کہ صحابہ معصوم نہ تھے خصوصاً عمرو بن عاص جو چالبازی اور سازش میں یکتائے روزگار تھے۔'' (ج:5، ص:351)

علامہ وحید الزمان رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہنا مستحب ہے مگر ان پانچ لوگوں کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ نہ کہو۔

1۔ ابوسفیان والد امیر معاویہ
2۔ امیر معاویہ بن ابوسفیان
3۔ عمرو بن عاص
4۔ مغیرہ بن شعبہ
5۔ سمرہ بن جندب

ان کے بارے میں سکوت کرو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے نہ ان کو برا کہو نہ ان کی تعریف کرو۔ (کنز الحقائق من فقہ خیر الخلائق ص:234 عربی)

مولانا وحید الزمان رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

'' قرآن مجید کی سورہ حجرات : 6/49 ''اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کرلیا کرو'' اور سورہ السجدہ : 18/32 ''بھلا جو مومن ہے وہ فاسق کی طرح ہوسکتا ہے؟'' سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ میں فاسق بھی تھے مثلاً ولید بن عقبہ جس کے بارے میں سورہ حجرات کی آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح کہا گیا ہے ان کے بارے میں بھی

1۔ معاویہ بن ابی سفیان

2۔ عمرو بن عاص
3۔ مغیرہ بن شعبہ
4۔ سمرہ بن جندب (نزل الابرار من فقہ النبی المختار، ج:3، ص:94)

عمرو بن عاص کے مشورہ ہی سے امیر معاویہ نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی علیہ السلام کو خون عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ لڑی جائے کیونکہ ان کو یقین تھا کہ جنگ جمل کے بعد اب حضرت علی علیہ السلام کی فوج پوری طرح متحد ہو کر نہ لڑ سکے گی اور نہ عراق اس دل جمعی سے ان کی حمایت کرے گا جو اہل شام میں امیر معاویہ کیلئے پائی جاتی تھی۔

(طبری ج:3، ص:561، ابن اثیر۔ الکامل ج:3، ص:141-142، البدایہ والنہایہ ج:7، ص:253)

امیر معاویہ نے ایک آدمی کو تیار کیا کہ کچھ ایسے گواہ تیار کرے جو اہل شام کے سامنے یہ گواہی دیں کہ حضرت علی علیہ السلام ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ وہ پانچ آدمی تیار کر کے لے آیا جنہوں نے لوگوں کے سامنے یہ شہادت دی کہ علی علیہ السلام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا ہے۔

(ابن عبد البر الاستیعاب ج:2، ص:589)

تحکیم

حضرت علی علیہ السلام کے لشکر میں وہ بھی تھے جو بعد میں خارجی بنے۔ وہ بظاہر بڑے دیندار تھے مگر بے عقل تھے۔ جب امیر معاویہ کے لشکر نے قرآن نیزوں پر کھڑے کر دیئے تو انہی کم عقل دین داروں نے حضرت علی علیہ السلام کو مجبور کیا کہ ثالثی مان لیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے جواب دیا یہ امیر معاویہ کی چال ہے مگر ان دین داروں نے قتل کی دھمکی دے کر حضرت علی علیہ السلام کو ثالثی پر مجبور کر دیا حالانکہ حضرت علی علیہ السلام کا کہنا یہ تھا کہ شامی اگر قرآن کو مانتے ہوتے تو میرے ساتھ جنگ کیوں کرتے؟

بہر حال حضرت علی علیہ السلام نے مالک اشتر رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا ثالث مقرر کیا مگر لوگوں نے نہ

مانا۔ یہ وہ لوگ تھے جو منافق تھے اور دوسری طرف سے رشوت لے چکے تھے۔ پھر آپ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنا ثالث مقرر کیا مگر ان کو بھی نہ مانا اور اصرار کیا کہ اشعث بن قیس کو ثالث بنائیں۔ یہ شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد ہو چکا تھا۔ پھر اسلام لایا، اس کو امیر معاویہ نے راتوں رات رشوت پہنچادی تھی۔ اس کو حضرت علی علیہ السلام نے ثالث نہ مانا۔ پھر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ثالث بنایا گیا مگر وہ بعد میں سادہ لوح ثابت ہوئے۔ اور ان کو حکم بنانے پر حضرت علی علیہ السلام مطمئن نہ تھے۔

(طبری ج: 4،ص: 34 تا 36، ابن اثیر ج: 3،ص: 161 - 162، البدایہ والنہایہ، ج:7،ص:275-276، ابن خلدون تکملہ ج:2،ص:175)

وہ عمرو بن عاص کی چال میں آ گئے اور حضرت علی علیہ السلام کو معزول کر دیا حالانکہ امیر معاویہ کا دعویٰ تو اس وقت تک خلافت کا تھا ہی نہیں کہ ان کا ثالث ان کو خلافت سے معزول کرتا۔ اسوقت تک ان کی حیثیت ایک باغی گورنر کی تھی۔ ان کے ثالث عمرو بن عاص نے دھوکہ کیا اور ایسا دھوکہ بھری پنچایت میں آج بھی کوئی نہیں کر سکتا۔ عمرو بن عاص نے علیحدگی میں بات کچھ طے کی اور باہر آ کر جھوٹ بول دیا۔ بات یہ طے ہوئی تھی کہ دونوں کو ہٹا کر امت کو اختیار دے دیا جائے، جس کو چاہے خلیفہ چن لے۔ اس کے مطابق ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سے معزول کیا۔ اب باری عمرو بن عاص کی تھی اور چاہیے تھا کہ وہ بھی وعدہ کے مطابق امیر معاویہ کو گورنری سے معزول کرتے۔ مگر انہوں نے صریح جھوٹ اور دھوکہ سے کام لیتے ہوئے کہا میں معاویہ کو بطور خلیفہ برقرار رکھتا ہوں۔ اس پر دونوں ثالث آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ ایک دوسرے کو گالیاں دیں۔ اور بات وہیں کی وہیں رہی۔ شامی لشکر نے امیر معاویہ کو مبارک باد دی۔ جبکہ حضرت علی علیہ السلام کے کم عقل دین دار ساتھی جو پہلے ان کو ثالثی پر مجبور کر رہے تھے، اب اس فیصلہ کے بعد روٹھ کر الگ ہو گئے۔ وہ 12,000 آدمی تھے جو حروراء چلے گئے اور کہنے لگے کہ ثالثی مان کر حضرت علی علیہ السلام کافر ہو گئے ہیں۔ (فتح الباری، ج:11،ص:284)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جو عمرو بن عاص کی صفائی تو دیتے ہیں کہ یہ ان کی خطائے اجتہادی تھی مگر یہ ضرور لکھتے ہیں: ”عمرو بن عاص نے دھوکہ کیا اور کہا میں معاویہ کو بحال رکھتا ہوں۔“

(البدایہ والنہایہ، ج:7،ص:282-283، طبری، ج:4،ص:5)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”معاویہ کے ثالث نے دوسرے ثالث کو اپنے داؤ پیچ سے دھوکہ دیا۔“

(تحفہ اثناء عشریہ، ص:471)

عمرو بن عاص نے یہ سب کچھ اس لیے کیا کہ امیر معاویہ اور عمرو بن عاص کا سودا مصر کے تاحیات خراج پر ہو چکا تھا۔

(امام ذهبی ، سیر اعلام النبلاء ج:4،ص:38، ابو حنیفه دینوری رحمۃ اللہ علیہ اخبار الطوال،ص:168)

خطائے اجتہادی کا بہانہ

مشہور اہل حدیث عالم نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”کئی لوگوں نے ہر بات کی تاویل اجتہاد سے کی ہے۔ مثلاً کوئی لکھتا ہے مروان نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تو اجتہاد کیا یعنی ہر مجرم اجتہاد کرتا ہے۔ یہ بہانہ کہ فلاں آدمی نے جو کیا وہ تاویل سے کیا۔ یہ ایسا عذر ہے کہ اس کے بعد کسی گناہ گار کا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ وہ صاف کہہ دے گا میں نے بھی تاویل کی ہے۔ جس طرح قتل طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں اجتہاد تاویل کا بہانہ ہے اسی طرح معاویہ کی کمر توڑ بری حرکتوں کیلئے لوگوں نے یہ بہانہ بنالیا کہ وہ اپنی بغاوت میں مجتہد تھے۔ یہ بالکل غلط ہے۔ امام محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب **العواصم و القواصم فی الذب عن سنة ابی القاسم** میں لکھتے ہیں کہ تمام محدثین اس بات پر متفق ہیں کہ جتنے حضرت علی علیہ السلام سے لڑے سب باغی تھے اور حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔“

(هداية السائل الى ادّلة المسائل ص:510)

نواب صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہ ص:511 پر لکھتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ عزیزی میں لکھا ہے:

"معاویہ کی حضرت علی علیہ السلام سے جنگ نفسانیت کے شائبہ سے خالی نہیں اور خطائے اجتہادی کا قول ضعیف ہے۔"

بلوغ المرام کی شرح سبل السلام ہر اہل حدیث مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہے، اس میں امام محمد بن اسماعیل یمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حدیث دلیل ہے معاویہ اور اس کے ساتھی باغی تھے اور حضرت علی علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق پر تھے اور اس پر اہل سنت کے بڑے بڑے اماموں نے اجماع نقل کیا ہے۔" (سبل السلام ج:3، ص:259)

یہی امام لکھتے ہیں:

"زیادہ تشریح پڑھنی ہو تو میری کتاب "الروضة الندية" پڑھو جو میں نے ایک یمنی عالم کے "قصیدہ بنام القصيدة العلوية" کی شرح میں لکھی ہے۔"

جنگ کیسے شروع ہوئی؟

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:13، ص:57 کتاب الفتن میں لکھتے ہیں:

"جب جنگ صفین کی صفیں بندھ گئیں تو پہل اس طرح ہوئی کہ چھوکرے اور نوعمر لڑکے ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے، پھر تیر چلنے شروع ہوئے، پھر غلام اور احمق لوگ چل پڑے اور جنگ بے قابو ہوگئی، پھر بھڑک اٹھی۔ بصرہ کی طرف خندق کھودی گئی تھی، کچھ لوگ مارے گئے، کچھ زخمی ہوئے، حضرت علی علیہ السلام کے لشکر نے غلبہ حاصل کر لیا۔" پھر حضرت علی علیہ السلام کا منادی نکلا اور اعلان کیا کہ فرار ہونے والے کا پیچھا نہ کرو، زخمی کو قتل نہ کرو اور کسی

کے گھر میں نہ گھسنا، مقتولین کا سامان جمع کر کے بصرہ کے بیت المال میں رکھوا دیا اور اعلان کر دیا کہ اپنے اپنے مقتولین کا سامان پہچان کر لے جاؤ۔

یہ جنگ دن دھاڑے چاشت کے وقت (یعنی 10-9 بجے صبح) شروع ہوئی۔ رات کے وقت سبائیوں کی شرارت کا قصہ محض افسانہ ہے۔ جنگ دونوں فریقوں نے سوچ سمجھ کر شروع کی۔ پہلے تین دن صرف امیر معاویہ کے ساتھی حضرت علی علیہ السلام کے ساتھیوں کو زخمی کرتے رہے مگر حضرت علی علیہ السلام نے جواب دینے سے منع کیا۔ اس کے بعد آسمان کی طرف منہ کر کے دعا کی

"اے اللہ میں نے اُمت کو خوں ریزی سے بچانے کی کوشش کی مگر یہ لوگ باز نہیں آئے۔"

پھر آپ علیہ السلام نے جنگ کی اجازت دے دی۔

عمرو بن عاص کا بوقت موت اعتراف خطأ

شماستہ المھری سے روایت ہے کہ ہم عمرو بن عاص کے پاس گئے اور وہ مرنے کے قریب تھے۔ وہ بہت دیر تک روئے اور دیوار کی طرف منہ پھیر لیا۔ اس کے بیٹے نے کہا اے ابا جان آپ کیوں روتے ہیں، کیا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خوشخبری نہیں دی؟ تب انہوں نے اپنا منہ سامنے کیا اور اور کہا سب باتوں سے افضل ہم سمجھتے ہیں شہادتین کا اقرار ہے۔ مجھ پر تین دور گزرے ہیں۔ ایک دور وہ تھا جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ برا کسی کو نہیں جانتا تھا اور میری خواہش تھی کہ کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قابو پاؤں اور قتل کر دوں اگر میں اس حال میں مر جاتا تو دوزخی ہوتا۔ دوسرا دور وہ تھا کہ اللہ نے اسلام کی محبت میرے دل میں ڈال دی اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا میں نے کہا اپنا دایاں ہاتھ نکالئے تا کہ بیعت کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا مگر میں نے ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا عمرو! تجھے کیا ہوا۔ میں نے عرض کی شرط کرنا چاہتا ہوں۔ پوچھا کونسی شرط میں نے کہا یہ شرط کہ میرے اب تک کے گناہ معاف ہو جائیں۔ فرمایا اے عمرو! تو نہیں جانتا کہ پہلے گناہوں کو اسلام مٹا دیتا

ہے، حج مٹا دیتا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ مجھے کسی سے محبت نہ تھی نہ میری نگاہ میں آپ سے زیادہ کسی کی شان تھی اور نہ میں آنکھ بھر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ سکتا تھا آپ کے جلال کی وجہ سے اور اگر کوئی مجھ سے حلیہ مبارک پوچھے تو میں بیان نہیں کر سکتا کیونکہ میں آنکھ بھر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس دور میں اگر میں مرجاتا تو امید تھی کہ میں جنتی ہوتا۔ مگر اس کے بعد ہم چند چیزوں میں پھنس گئے میں نہیں جانتا میرا حال کیا ہوگا ان کی وجہ سے، تو جب میں مرجاؤں تو میرے جنازے کے ساتھ کوئی رونے چلانے والی نہ ہو نہ آگ ہو اور جب مجھے دفن کرنا تو قبر پر اچھی طرح مٹی ڈال دینا اور میری قبر کے گرد کھڑے رہنا اتنی دیر جتنی دیر میں اونٹ کاٹا جاتا ہے اور اس کا گوشت بانٹا جاتا ہے۔ تاکہ میرا دل بہلے تم سے اور دیکھ لوں کہ رب کے بھیجے ہوؤں کو میں کیا جواب دیتا ہوں۔

(مسلم کتاب الایمان باب ھل یواخذ باعمال الجاھلیہ)

علامہ اُبی مالکی اپنی شرح مسلم میں ج:1 ص:228 پر اس حدیث کے تحت محدث بیاسی رحمۃ اللہ علیہ کا قول لکھتے ہیں:

> ”عمرو بن عاص نے کہا ہم نے معاویہ کی دنیا بنانے کی خاطر اپنی آخرت خراب کرلی۔“

جنگ نہروان

مسلمانوں کی تاریخ پڑھتے ہوئے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے ہے کہ آئندہ مسلمانوں کو جو اتار چڑھاؤ پیش آنا تھا اس کے بارے میں پیش گوئی فرمادی۔ سیدنا علی علیہ السلام کے بعد جب بنوامیہ و بنوعباس کا زمانہ آیا تو انہوں نے تاریخ نویسوں سے تاریخ اس طرح لکھوائی کہ جو پڑھتا اسے لگتا کہ نعوذ باللہ حضرت علی علیہ السلام کوئی دانا آدمی نہ تھے۔ انہوں نے آتے ہی خواہ مخواہ تمام گورنر تبدیل کرادیئے اور کسی کا مشورہ نہ مانا۔

سیدنا علی علیہ السلام کی جدوجہد نظام خلافت کو بچانے کی آخری کوشش تھی۔ وہ اس دین کو

اصل شکل میں بحال کرنا چاہتے تھے جس کو بدلنے کی کوشش ہو رہی تھی۔ حضرت علی علیہ السلام نے دین کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کی جس کو لوگوں نے شیعہ، سنی کش مکش بنادیا۔ انہوں نے اپنا سر دے کر کوشش کی کہ سیلاب کو روکا جائے مگر سیلاب نہ رک سکا۔ لوگ جاگیروں اور وظیفوں کے ذریعہ دنیا کے عادی ہو چکے تھے لہٰذا علی علیہ السلام ان کو پسند نہ آئے۔ وہ ان کے دور کے آدمی نہ تھے۔

جنگ نہروان کے بارے میں پیش گوئی کے بارے میں 25 صحابہ کرام سے احادیث مروی ہیں۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ج:12، ص:302 پر ان سب کے نام لکھے ہیں۔ امام لکھتے ہیں:

> ”یہ 25 تو صحابی ہیں مگر ان کے طرق بے شمار ہیں۔ سارا مواد پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بلاشک اور قطعی خبر تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطور پیش گوئی بیان فرمائی۔ یہ جنگ ایسی تھی کہ سب پر واضح ہوگیا کہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پہلی جنگوں کے متعلق کچھ لوگ بہانے بناتے ہیں مگر اس جنگ پر سب متفق ہیں کہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔“
>
> یہ گروہ خوارج سے جنگ تھی۔ جنگ صفین میں ثالثی کے بعد 12,000 لوگ لشکر علی علیہ السلام سے الگ (خارج) ہوگئے۔ اور بغاوت کردی۔

(ابن حجر، فتح الباری، ج:11، ص:284)

حضرت علی علیہ السلام نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو ان کے سمجھانے سے 8,000 نے توبہ کرلی مگر 4,000 اڑے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ آپ خلیفہ برحق تھے، مگر ثالثی مان کر آپ کافر ہوگئے کیونکہ آپ نے باغی امیر معاویہ کا سر کاٹ لینے کی بجائے ثالثی تسلیم کرلی۔ حالانکہ پہلے ثالثی ماننے پر بھی وہی لوگ مجبور کر رہے تھے اور قتل کی دھمکی دے رہے تھے۔ وہ لوگ قرآن کے قاری، عالم، نیک مگر متشدد تھے۔ دین داروں کو جب تشدد جیسی بیماری لگ جاتی ہے تو وہ نکتہ اعتدال کی حد پار کر جاتے ہیں۔

بخاری استتابة المر تدین وا لمعاندین باب من ترك قتال الخوارج

میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقسیم کر رہے تھے کہ اس وقت ایک صحابی عبداللہ بن ذوالخویصرہ تمیمی آ پہنچا اور کہنے لگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عدل کر! دوسری کتابوں میں اس کے اور الفاظ بھی آتے ہیں کہ اس نے کہا اے محمدؐ! تجھے خدا نے ڈرنے اور انصاف کرنے کا حکم دیا تھا مگر تم نہ خدا سے ڈرے نہ انصاف کیا، تمہاری ساری تقسیم باطل ہے۔"

اس بد بخت نے یہ سب بکواس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو کردی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"تیرا بیڑا غرق ہو! اگر میں نے انصاف نہ کیا تو دنیا میں کون انصاف کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور اجازت دیں میں اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں رہنے دے، اس کا ایک گروہ نکلے گا جن کی نماز اور روزے کے سامنے تم اپنے نماز روزے حقیر جانو گے مگر وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے۔ مگر اس پر نہ خون لگا ہوتا نہ گوبر یعنی ان کی ایک ایک چیز دیکھ لو تو دین کا نشان تک ان میں نہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کی ایک ایسی نشانی مقرر کردی جس سے حق واضح ہو گیا۔ جب خارجی قتل ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام کے ساتھیوں کے دل میں بھی شک آ گیا تھا کہ ہم سے بہت غلط کام ہوا جو اتنے پرہیزگار لوگوں کو قتل کر دیا۔

نشانی یہ بیان فرمائی کہ ان خارجیوں میں ایک شخص ایسا ہوگا جس کا ایک بازو عورت کے پستان کی طرح ہوگا۔ یہ لوگ اس وقت پیدا ہوں گے جب مسلمانوں میں پھوٹ پڑ چکی ہوگی اور خارجیوں کو وہ گروہ قتل کرے گا جو حق پر ہوگا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

"گواہی دیتا ہوں کہ ان کو علی علیہ السلام نے قتل کیا اور میں بھی ان کے ساتھ تھا جب وہ

شخص لایا گیا اور اس کی شکل وہی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس ذوالخویصرہ کے بارے میں تو قران کی آیت اتری کہ بعض لوگ تجھ پر صدقات کی تقسیم میں الزام لگاتے ہیں۔" (سورۂ توبہ)

جب جنگ نہروان حضرت علی علیہ السلام نے جیت لی تو مقتولین میں سے اس شخص کی تلاش کا حکم دیا۔ لوگ آ کر کہنے لگے نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا ہے، پھر تلاش کرو۔ آخر خود تشریف لے گئے اور ایک گڑھا دیکھا جس میں بہت سی لاشیں ڈھیر کی شکل میں پڑی تھیں۔ ان لاشوں کو ہٹایا تو ان میں سے اس شخص کی لاش ملی۔ حضرت علی علیہ السلام نے اسی وقت سجدہ کیا اور فرمایا اللہ اور اس کا رسول سچا ہے۔"

(ماجاء فی قول الرجل ویلك كتاب الادب)

اس حدیث کے ہم معنی احادیث بخاری میں دوسری جگہ اور دوسری کتابوں میں بھی آتی میں مثلاً

(بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ والی عاد اخاهم هوداً، کتاب المناقب باب علامات النبوت فی الاسلام، نسائی کتاب المحاربه باب من شهر سیفه ثم وضعه فی الناس، مسند احمد، 11600, 11305,11311، 11558,11644,11671,11718, مسلم کتاب الزکاة باب اعطاء المؤلفه)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے مصعب نے پوچھا کیا اخسرین اعمالا سے مراد حروری لوگ ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہود حضور علیہ السلام کا انکار کر کے کافر ہوئے اور نصاریٰ جنت کا انکار کر کے کہ وہاں کھانا پینا نہ ہوگا۔ حروریہ (خارجی) تو ان میں داخل میں جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ سعد رضی اللہ عنہ ان کو فاسق کہا کرتے تھے۔

(بخاری کتاب التفسیر باب قل هل انبئکم اخسرین اعمالا)

خارجی لوگ کافروں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ان کو بدترین مخلوق شمار کرتے تھے۔ ان کی نشانی ٹنڈ کرانا تھی۔ خارجیوں کو قتل کرنا ثواب کا کام تھا۔

(بخاری کتاب استتابه المر تدین والمعاندین باب قتل الخوارج و الملحدین بعد امامة الحجة علیهم، کتاب التوحید باب قراة الفاجر و المنافق ، کتاب لمناقب باب علامات نبوة فی الاسلام ، کتاب التفسیر باب اثم من رای بقراتِ القران، مسلم کتاب زکوٰة باب اعطاء المؤلفة، مسند احمد حدیث:11637)

ابوامامہ نے کہا، خارجی دوزخ کے کتے ہیں۔

(ترمذی ابو اب التفسیر باب تفسیر سوره آل عمران)

خارجیوں کو قتل کرنے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دیا تھا۔ (مسند احمد:11135)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:12، ص:299 پر لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس میں حضرت علی علیہ السلام کی بڑی شان ہے اوران کے ساتھی حق پر تھے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام اپنی تمام جنگوں، جمل، صفین اور نہروان میں حق پر تھے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا:

''خارجی اس وقت ظاہر ہوں گے جب امت دو حصوں میں بٹ چکی ہوگی اور خارجیوں کو وہ گروہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا۔''

(مسند احمد حدیث:11031، 11468، 11634، 11928، مسلم کتاب الزکوٰة باب اعطاء المولفة)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''جنگ نہروان بن بازو شخص کی لاش ملنے سے یہ ثابت ہوگیا کہ علی علیہ السلام اور ان کے ساتھی حق پر تھے اور معاویہ اوران کے ساتھی باطل پر تھے۔ اس بات

میں کوئی منصف شک نہیں کرسکتا اور اس کا انکار صرف متعصب آدمی کرے گا یہ حدیث اور حدیث عمار رضی اللہ عنہ بھی دلیل ہے کہ علی علیہ السلام اوران کے ساتھی حق پر تھے۔'' (نیل الاوطار ج:7، ص:175)

خلیفہ برحق سیدنا علی علیہ السلام کے دور میں آزادی اظہار کا یہ عالم تھا کہ خارجی ان کو قتل کی دھمکیاں دیتے تھے مگر آپ نے ان کے خلاف محض دھمکی دینے کے جرم میں کوئی قدم نہ اٹھایا۔ فتح القدیر شرح ہدایہ باب البغاۃ اور دیگر کتب فقہ میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ کوفہ کی مسجد میں بعض خوارج حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا میں خدا سے عہد کرتا ہوں کہ علی علیہ السلام کو ضرور قتل کروں گا۔ کثیر الحضرمی اسے سن رہے تھے۔ وہ اس شخص کو پکڑ کر حضرت علی علیہ السلام کے پاس لائے تو آپ نے اسے چھوڑ دینے کا حکم دیا، کثیر نے کہا یہ آپ کے قتل کی قسم کھا چکا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا میں اسے قتل کروں حالانکہ اس نے مجھے قتل نہیں کیا۔ کثیر نے کہا یہ آپ کو گالیاں دے رہا تھا۔ آپ نے کہا تم چاہو تو جوابی گالی دے لو ورنہ چھوڑ ہی دو۔

مسجد میں حضرت علی علیہ السلام منبر پر ہوتے اور حاضرین میں سے کوئی خارجی کھڑا ہو کر کہتا تم کافر ہو، ہم تمہیں قتل کردیں گے۔ اس پر آپ کوئی قدم نہ اٹھاتے بلکہ کہتے بیٹھ جا! کوئی بات نہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ نہ تم لوگوں کا بیت المال سے وظیفہ بند کروں گا نہ مسجدوں میں نماز پڑھنے سے روکوں گا۔ میرے بارے میں جو کہو گے کوئی نوٹس نہ لوں گا مگر خون خرابہ نہیں کرنے دوں گا۔ لیکن خارجی باز نہ آئے۔ (فتح الباری، ج:12، ص:284)

اب ذرا ان کے زہد وتقویٰ کی داستان بھی سن لیں۔ اگر کوئی خارجی کسی عیسائی ذمی کے باغ سے ایک کھجور بلا اجازت توڑ لیتا تو اس کو کافر قرار دے دیتے کہ اس نے ذمی رعایا کا نقصان کیا لیکن مسلمانوں کی بستیوں میں گھس کر ان کا قتل عام کرتے کہ ان کے خیال میں حضرت علی علیہ السلام کے تمام ساتھی کافر ہیں لہٰذا ان کا قتل جائز ہے۔ اس کو زہد وتقویٰ کا ہیضہ کہتے ہیں۔

ان کے ظلم کی انتہا یہ تھی کہ حضرت علی علیہ السلام کے مقرر کردہ گورنر حضرت عبداللہ بن خباب بن ارت اپنی بیوی کے ساتھ اپنے علاقہ کو تشریف لے جا رہے تھے۔ ان کو ایک پل پر خارجیوں نے روک لیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں مشہور صحابی رسولؐ حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں۔ خارجیوں نے ان کو چھری سے ذبح کیا اور ان کی حاملہ بیوی کا پیٹ چاک کر کے بچہ نیزے میں پرو دیا۔ (فتح الباری ج:12،ص:284)

اس پر امیر المومنین نے ان کو پیغام بھیجا کہ میں نے تم کو جس کام سے منع کیا تھا تم وہی کر رہے ہو۔ اب مجھ پر لازم ہو گیا ہے کہ میں تم سے جنگ لڑوں۔ جنگ سے پہلے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا۔ ان میں سے 8,000 نے توبہ کر لی باقی اڑے رہے۔

یہ تھے وہ خارجی جن کے بارے میں حضور علیہ السلام فرما چکے تھے کہ اگر میں اس وقت زندہ ہوا، جب وہ ظاہر ہوں گے، تو میں ان کو جہاں پاؤں، قتل کر دوں گا۔ وہ لوگ آسمان کی چھت تلے بدترین مخلوق ہوں گے۔ جو حق پر ہو، اس کو چاہئے ان کو قتل کرے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ان کو قتل کیا۔

دوران جنگ لوگ حضرت علی علیہ السلام کو بتاتے کہ خارجی نہر پار کر آئے ہیں۔ آپ فرماتے کہ وہ نہر پار نہیں کر سکتے کیونکہ یہ نبوی پیش گوئی ہے بلکہ ہم اس طرف جائیں گے، اور تم میں سے صرف 12 شہید ہوں گے۔ جبکہ خارجی سب قتل ہوں گے صرف 12/10 بچیں گے۔ لوگوں نے جنگ کے بعد گنا تو ایسا ہی پایا

(بخاری کتاب استتابه المر تدین و المعاندین باب قتل الخوارج و الملحدین بعد امامة الحجة علیهم)

عقائد میں اہل سنت کے امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''مقالاتِ الاسلامیہ'' مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ وہ پہلے معتزلی تھے، پھر اہل سنت کے امام ہوئے۔ انہوں نے معتزلہ سے قلمی اور زبانی جنگ لڑی۔ ان کی تحقیق کا نچوڑ امام عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ نے

اپنی کتاب ''الملل والنحل'' میں پیش کیا ہے۔ یہ کتاب مذاہب عالم کے بارے میں ہے۔ ان کی کتاب پڑھ کر آدمی حیران ہوتا ہے کہ وہ اس دور میں بدھ مت، ہندومت، عیسائیت وغیرہ مذاہب کے بارے میں بہت جانتے تھے۔ ان کے فرقوں اور گرو گھنٹال کے بارے میں جانتے تھے۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے فرقوں کے بارے میں بھی معلومات رکھتے تھے۔ کتاب کا نام ہی گروہ اور فرقے رکھا ہے۔ وہ 479ھ میں پیدا ہوئے اور 548ھ میں فوت ہوئے۔

وہ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا صحابہ کی لڑائیوں کے بارے میں یہ عقیدہ لکھتے ہیں۔

> ''ہم اہل سنت عائشہ رضی اللہ عنہا، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں سوائے اس کے کچھ نہیں کہتے کہ وہ خطا پر تھے مگر انہوں نے اپنی غلطی سے رجوع کر لیا، طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے اور جنت میں ہیں۔ معاویہ و عمرو بن عاص نے امام حق سے بغاوت کی اور اس بغاوت پر جمے رہے اور امام برحق نے اس بغاوت کے جرم میں ان سے جنگ لڑی جو جنگ نہروان والے خارجی تھے، وہ دین سے نکلے ہوئے لوگ تھے، جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے، ان تمام جنگوں میں حق علی کے ساتھ تھا، وہ جدھر جدھر گھومتے گئے، حق ان کے ساتھ گھومتا گیا۔''

(الملل و النحل ج:1،ص:103، علامه احمد بن علی مقریزی، الخطط و الآثار ج:2،ص:360)

یہ ہے اہل سنت کا عقیدہ جس کو ناصبی مجروح کرنا چاہتے ہیں اور اپنے ہی گھر کو آگ لگا رہے ہیں۔ مختلف فرقوں کے بارے میں امام عبدالقاہر رحمۃ اللہ علیہ نے 429ھ میں ایک کتاب ''الفرق بین الفرق'' لکھی۔ اس کے ص:342، پر امام لکھتے ہیں:

> ''ہم اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام اپنی تمام جنگوں، جمل، صفین، نہروان میں حق پر تھے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ طلحہ رضی اللہ عنہ نے توبہ کر لی تھی اور جنگ سے رجوع کر لیا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ جنگ چھوڑ کر چلے گئے تو ان کو وادی سباع

میں قتل کر دیا گیا، جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ زبیر رضی اللہ عنہ جنگ چھوڑ کر چلے گئے تو انہوں نے بھی جنگ سے نکل جانے کا ارادہ کر لیا۔ مروان بن حکم نے زہر آلود تیر سے ان کو شہید کر دیا۔ اہل سنت یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارادہ جنگ کا نہ تھا۔ بلکہ دونوں فریقوں میں صلح کے ارادہ سے وہاں گئی تھیں۔ مگر بنوضبہ اور بنوازدان کی رائے پر غالب آ گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اجازت کے بغیر جنگ شروع کر دی، پھر ہوا جو ہوا۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صفین میں حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا، معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے بغاوت کی۔ انہوں نے جو سمجھا، غلط سمجھا مگر اس غلطی سے کافر نہیں ہوئے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام تحکیم (ثالث مان لینے میں) میں حق پر تھے، جبکہ ثالثوں نے بالکل غلط قدم اٹھایا اور ایک ثالث نے دوسرے ثالث سے دھوکہ کیا۔

حنفی حضرات کی سب سے مشہور کتاب ہدایہ کے باب البغاۃ میں لکھا ہے کہ حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا اور جو ان سے لڑے سب باغی تھے۔ شافعیوں کی کتابوں میں بھی یہی بیان ہوا ہے۔

اہل حدیث حضرات کے امام نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الروضۃ الندیہ" اہل حدیث مدرسوں کے نصاب میں شامل ہے۔ یہ فقہ الحدیث کے موضوع پر ہے۔ اس کا متن امام شوکانی کی کتاب "الدرر البهيه" ہے جو چھوٹا سا رسالہ ہے۔ اس میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عمر بھر کی تحقیق کا نچوڑ لکھ دیا ہے۔ اس کی شرح نواب صدیق رحمۃ اللہ علیہ نے "الروضۃ الندیہ" کے نام سے لکھی۔ نواب صاحب اس کتاب کی ج:2، ص:361-360 پر لکھتے ہیں:

"ساری امت کے عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ جتنے بھی حضرت علی علیہ السلام سے لڑے باغی تھے اور حق علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے

پہلے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی پھر بیعت توڑ کر مکہ چلے گئے اور وہاں لشکر اکٹھا کر کے جنگ کی تیاری کی۔ لہٰذا ان سے جنگ حضرت علی علیہ السلام کے لیے ضروری ہو گئی تھی۔ خارجیوں سے جنگ کے بارے میں متواتر احادیث بتاتی ہیں کہ وہ گروہ دین سے نکل گیا تھا۔ اہل صفین کا باغی ہونا بالکل ظاہر ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی ٹولہ قتل کرے گا۔ یہی حدیث کافی ہے۔ معاویہ جیسے آدمی کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام سے ٹکر لیتے۔ وہ دنیا کے طالب اور حکومت کے بھوکے تھے۔ ان کو شام کے بے وقوف لوگ مل گئے جن کو نہ نیکی کا پتہ تھا نہ بدی کا۔ معاویہ نے خون عثمان رضی اللہ عنہ کا بہانہ بنا کر شامیوں سے دھوکہ کیا۔ ان پر یہ جادو چل گیا اور لوگوں نے اپنے جان و مال لٹا دیئے۔ شام کے لوگوں پر ہمیں کوئی حیرانی نہیں، حیرانی تو ان صحابہ اور تابعین پر ہے کہ وہ کیوں معاویہ کے پاس چلے گئے؟ خدا کی قسم! مجھے ان کے اس عمل کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ انہوں نے کیوں اہل باطل کی مدد کی اور اہل حق کا ساتھ کیوں چھوڑ دیا حالانکہ وہ قرآن میں سن چکے تھے کہ "باغیوں سے جنگ کرو۔" (حجرات:9/49)

کیا ان کو حدیثیں بھول گئی تھیں کہ جب تک جائز خلیفہ کفر بواح (کھلم کھلا کفر) نہیں کرتا، اس کے خلاف خروج منع ہے۔ (کیا حضرت علی علیہ السلام خلیفہ بننے کے بعد کافر ہو گئے تھے؟) ان لوگوں نے یہ بھی سنا تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی ٹولہ قتل کرے گا۔ اگر مجھے اس بات کا لحاظ نہ ہو کہ وہ چند دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے تھے، تو میں صاف کہہ دیتا کہ جیسے پہلی امتیں برباد ہوئیں، ان لوگوں (چند صحابہ و تابعین) کو بھی دنیا کے لالچ نے برباد کر دیا۔"

مکتبہ سلفیہ مکہ مکرمہ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام "**معارج القبول بشرح سُلّم الاصول الی علم الاصول فی التوحید**" ہے جو حافظ احمد حکمی کی تالیف ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:

"سیدنا علی علیہ السلام اپنے پورے دورِ خلافت میں حق پر قائم رہے۔ دین پر مستقیم رہے، کتاب اللہ کو نہیں چھوڑا، سنت رسول سے ادھر ادھر نہیں ہٹے۔ وہ کوشش کرتے رہے کہ منتشر امت کو دوبارہ اکٹھا کروں اور فتنہ کی آگ بجھادوں، بدعتی لوگوں کو ختم کردوں، مگر اس دوران وہ شقی ابن ملجم خارجی ملعون نے اس نیک بندہ خدا پر حملہ کیا اور مسجد میں شہید کردیا۔ اللہ اُس ملعون پر لعنت کرے اور میرا یقین ہے کہ وہ کرچکا! نہروان میں خارجیوں اور خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کرنے والوں سے حضرت علی علیہ السلام دین کو زیادہ جانتے تھے۔

(ج:2،ص:581-582)

امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

"حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ بن عیاض سے امیر معاویہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا وہ ہیں تو صحابی مگر دنیا کی محبت میں مبتلا ہوگئے۔"

(البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:152)

مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"امیر معاویہ خلفائے راشدین جیسی حکومت کیسے کرسکتے تھے کیونکہ انہیں وہ صحبت نصیب نہیں ہوئی جو پہلوں کو ملی۔"

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری میں تعبیر الرویاء کے باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

"خلفائے راشدین کے علاوہ حکمرانوں کو اگر ہم خلیفہ کہتے ہیں تو وہ صرف ایک لغوی اصطلاح ہے ورنہ دین کے مطابق سب ملوک ہیں۔ ان کا طرز عمل وہ نہیں جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تھا۔"

ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8،ص: پر لکھتے ہیں کہ سنت یہی ہے کہ معاویہ کو بادشاہ کہا جائے۔ خلیفہ نہ کہا جائے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث ہے کہ میرے بعد خلافت 30 سال تک ہے پھر ملک عضوض ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور ارشاد الحق اثری صاحب کا مشاجرات صحابہ میں مسلک یہ ہے کہ معاویہ کے مقابلہ میں اگرچہ علی علیہ السلام حق پر ہیں مگر حضرت علی علیہ السلام بھی غلطی پر تھے حق وہ ہے جو سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص وغیرہ غیر جانبدار حضرات کہتے تھے کہ جنگ لڑنے کی بجائے حجروں میں بیٹھ جانا چاہیے۔ حضرت علی علیہ السلام کو چاہتے تھا کہ حکومت چھوڑ دیتے، جو چاہتا سنبھال لیتا، یہ جنگ لڑنا برا کام تھا۔ ان حضرات نے اس طرح خلیفہ برحق کے طرز عمل کو غلط ٹھہرایا۔ جن اصحاب نے غلطی کی اور بعد میں نادم ہوئے، ان کے طرز عمل کو درست ٹھہرایا کہ انہوں نے فتنہ میں حصہ نہ لیا، ورنہ یہ فتنہ وہ نہ تھا جس میں حصہ لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا، حضرت علی علیہ السلام کی جنگ تو قرآن پر عمل تھا کہ باغیوں سے لڑو۔ ان نیک صحابہ یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی غیر جانبداری نے حضرت علی علیہ السلام کو بہت نقصان پہنچایا، کیونکہ بہت سے لوگوں نے صرف یہ دیکھ کر حضرت علی علیہ السلام کا ساتھ نہ دیا کہ غیر جانبدار رہنا ہی درست راستہ ہے، ورنہ باغی کچلے جاتے۔ خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت ہو اور وہ حکومت چھوڑ کر گھر چلا جائے، تو ذرا سوچئے ملک میں کیا ہوگا؟ یہ تو نری جہالت ہے کہ باغیوں کو کچلنے کی بجائے وہ حکومت چھوڑ دے۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نیل الاوطار ج:5،ص:343-344 پر لکھتے ہیں:

"کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں میں جنگ ہو تو کسی کا ساتھ نہ دو بلکہ وہ قتل کرنے کیلئے آجائیں تو قتل ہوجاؤ۔ دوسرے کہتے ہیں کہ باغیوں سے نہ لڑو، اگر وہ تم کو قتل کرنے کے لئے آجائیں تو مقابلہ کرو۔ بعض کہتے ہیں وہ علاقہ چھوڑ دو۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

"یہ سب مذہب غلط ہیں۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ باغیوں سے جنگ لڑو اور خلیفہ برحق کی مدد کرو۔ یہی علماء اسلام کی اکثریت کا مذہب ہے

کیونکہ قرآن میں حکم ہے کہ باغیوں سے لڑو۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہی صحیح مذہب ہے۔ اگر پہلے گروہ کی بات مان لی جائے کہ مقابلہ نہ کرو، تو پوری دنیا میں فساد پھیل جائے اور بدمعاش غالب آ جائیں۔ باغیوں سے جنگ لڑنے کے حکم والی آیت کے علاوہ دوسری آیات واحادیث سے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے کا حکم ملتا ہے۔"

شہادت عظمیٰ

امام ہادیٔ انام ابوالآئمہ العظام حضرت علی علیہ السلام

بکر بن حماد القاہری نے واقعہ ہائلہ شہادت پر جو اشعار کہے ان کا ترجمہ یہ ہے۔

"ابن ملجم سے کہنا (گو میں جانتا ہوں) کہ تقدیر سب پر غالب ہے کہ کم بخت تو نے اسلام کے ارکان کو ڈھایا۔ وہ شخص جو زمین پر چلنے والوں میں سے سب سے افضل تھا اور اسلام اور ایمان میں سب سے اوّل تھا اور قرآن وسنت کے جاننے میں سب سے اعلم تھا، تو نے اسے قتل کیا۔ وہ داماد نبی اور ان کا دوست و ناصر تھا جس کے مناقب کے نور اور برہان روشن ہیں۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایسا تھا جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہارون علیہ السلام۔ جو لڑائی میں شمشیر براں اور دلیر شیر تھا جب خوب گھمسان کا رن پڑ جاتا! میں اس کے قاتل کا خیال کرتا ہوں اور روتا روتا کہتا ہوں اے اللہ! تو پاک ہے، تیری قدرت عجیب ہے۔ میں تو اس قاتل کی بابت کہوں گا کہ وہ بشر نہیں جو قیامت سے ڈرتا ہو بلکہ وہ شیطان ہے اپنے قبیلہ مراد میں سب سے زیادہ بد بخت اور میزان میں سب سے زیادہ زیاں کار۔ (وہ تو) عاقر ناقہ جیسا تھا جس نے صالح علیہ السلام کی ناقہ کو مارا اور قوم ثمود پر ملک حجر میں تباہی لانے کا سبب ٹھہرا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر وار کرنے سے اس کا مقصد یہی ہوگا کہ وہ خود جہنم کی آگ کا ایندھن بن سکے۔"

(رحمۃ العالمین، قاضی سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ، ص:337-338، ج:2)

قرآن مجید میں کئی مقامات پر قوم ثمود کا ذکر آیا ہے۔اس بدنصیب قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے سیدنا صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تھا۔آخر انہوں نے مطالبہ کیا کہ اپنی نبوت کی کوئی نشانی دکھائیں تو حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ نے نشانی مقرر کردی ہے،اس کو برائے سے ہاتھ نہ لگانا۔اگر بری نیت سے کسی نے چھیڑا تو برباد ہو جاؤ گے۔یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے۔ایک دن یہ اکیلی پانی پئے گی اور ایک دن تمہارے جانور پانی پئیں گے۔قرآن مجید بتاتا ہے کہ وہ نامراد باز نہ آئے۔اللہ کے نبی کی بات کو جھٹلایا اور اونٹنی کو قتل کردیا۔پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی سزا میں ان کا نام ونشان تک مٹا دیا۔

ہماری امت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایک ناقۃ اللہ کو پیدا کیا کہا اس کو قتل نہ کرنا ورنہ تم پر اندھیری رات چھا جائے گی اور تم ہمیشہ اندھیروں میں ٹھوکریں کھاتے پھرو گے۔وہ اونٹنی حضرت علی علیہ السلام تھے،جن کو بدقسمتی سے اس امت نے قتل کردیا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے البدایہ والنہایہ،ج:7،ص:227 تا 229 پر ذکر مقتل امیر المومنین علی علیہ السلام ابن ابی طالب کے عنوان کے تحت وہ تمام احادیث درج کردی ہیں جن میں سیدنا علی علیہ السلام کی شہادت اور اس کی کیفیت کا بیان ہے۔

حضرت جابر بن سمرہ روایت کرتے ہیں:

> ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ پہلی امتوں میں سب سے بدنصیب آدمی کون تھا؟ لوگوں نے عرض کیا حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کرنے والا پھر پوچھا اس امت کا سب سے بدبخت آدمی کون ہوگا؟ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''علی علیہ السلام! وہ تیرا قاتل ہوگا۔''

حضرت علی علیہ السلام بار بار لوگوں سے فرماتے کہ اس اللہ کی قسم جس نے جانیں پیدا کیں، جو انگوریاں اُگاتا ہے۔(یعنی بیج پھاڑتا ہے) کہ میرا سر داڑھی تک خون سے رنگا جائے گا۔وہ بدبخت کیوں نہیں آتا؟ میں ان مسلمانوں سے تنگ آچکا ہوں۔عبداللہ بن

سبعہ نے کہا امیر المومنین! اللہ کی قسم اگر کسی آدمی نے یہ کام کیا تو ہم اس کی نسل ختم کردیں گے۔حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا، میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں اگر ایسا ہوا تو میرے قاتل کے سوا کسی کو قتل نہ کرنا۔یہ تھا علی علیہ السلام کا عدل!

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت ناقۃ اللہ کا قتل ہے۔اس امت کے تابوت میں آخری کیل حضرت علی علیہ السلام کی شہادت تھی۔وہ ایک انسان سے زیادہ ایک مدرسہ فکر تھے۔وہ ایک اصول کیلئے لڑ رہے تھے کہ اللہ کے دین کو بچالو اور حکومت ایسی ہو جیسی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائی تھی۔سیدنا علی علیہ السلام سیاسی اسلام کے قائل تھے۔حکومت وہ چشمہ ہے جو گدلا ہو جائے تو سارا پانی گدلا ہو جائے گا۔حضرت علی علیہ السلام اس کی آخری نشانی تھے۔

اس وقت دو اصول، دو مدارس فکر برسر پیکار تھے۔ایک دنیاوی سیاست تھی۔امیر معاویہ دنیاوی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جس کا کوئی اصول نہیں۔جھوٹ بولنا پڑے بولو، ناجائز سختی کرنا پڑے تو کرو،لوگوں کے مال چھیننا چاہو تو چھین لو، وہاں نہ کوئی اصول تھا نہ دین تھا، بظاہر نماز روزہ تھا مگر حکومت دنیاوی تھی۔اس وقت دنیاوی حکومت اور دینی حکومت ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام دینی حکومت کی بقاء کیلئے لڑ رہے تھے۔ان کو اپنے اقتدار سے غرض نہ تھی۔وہ نبیوں کی میراث کیلئے برسر پیکار تھے کہ حکمران امت کا سب سے عادل اور متقی آدمی ہو اور وہ قرآن کے ماتحت رہ کر کام کرے۔مگر ان کی پیش نہ چلنے دی گئی کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور سے لوگ حکومت سے وظیفے اور جاگیریں لینے کے عادی ہو چکے تھے۔اس لیے لوگوں کا مزاج بدل چکا تھا علی علیہ السلام ان کو موافق نہ تھے۔وہ لوگوں کو جدھر موڑنا چاہتے تھے۔لوگ وہ رستہ چھوڑ چکے تھے۔فتوحات کے بعد بہت مال آگیا۔دنیا میں دنیاداری آگئی تھی۔حضرت علی علیہ السلام لوگوں کو درکار نہیں تھے۔

جنگِ جمل، جنگِ صفین، جنگ نہروان اور امیر معاویہ کے چھاپہ مار دستوں نے حضرت علی علیہ السلام کی حکومت کو کمزور کردیا۔امیر معاویہ کے چھاپہ مار دستے حضرت علی علیہ السلام

کے زیر انتظام علاقوں میں آبادیوں کو لوٹتے اور بھاگ جاتے۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''معاویہ کی پوزیشن روز بروز مضبوط ہوتی گئی۔ ہر طرف ان کے فوجی چھاپہ مار دستے پھرتے تھے اور آبادیوں کو لوٹتے تھے۔ نعرہ یہ لگاتے کہ علی علیہ السلام کے ثالث نے ان کو برطرف کر دیا ہے اور امیر معاویہ کے ثالث نے ان کو خلیفہ مقرر کر دیا لہٰذا علی علیہ السلام اب خلیفہ نہیں ہے، اب معاویہ امیر المومنین ہیں۔ جوں جوں معاویہ کا کام ترقی کرتا چلا گیا، عراقی کمزور ہوتے چلے گئے آبادیاں چھن گئیں، فوج بددل ہوگئی حتیٰ کہ مکہ و مدینہ تک چھن گئے۔

حضرت علی علیہ السلام کو اتنا زیادہ تنگ کیا گیا کہ انہوں نے دعا کی اے اللہ! یہ لوگ مجھ سے تنگ آ چکے ہیں اور میں ان سے تنگ آ چکا ہوں۔ یہ مجھے اچھا نہیں جانتے، میں ان کو اچھا نہیں جانتا۔ مجھ پر رحم فرما، میری جان ان لوگوں سے چھڑا دے۔ اس دعا کے بعد ایک جمعہ بھی نہیں گزرا کہ آپ شہید کر دیئے گئے۔''

(ابن کثیر: البدایہ والنہایہ، ج:7، ص:355)

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ ولی اللہ نے جھوٹی روایات کا سہارا لے کر حضرت علی علیہ السلام نے ذمے بات لگائی جس سے امیر المومنین بری ہیں۔ ایسی تمام روایات من گھڑت اور جعلی ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام آخر میں پچھتائے تھے اور کہتے تھے کاش میں 20 سال پہلے مر گیا ہوتا! یہ بالکل سفید جھوٹ ہے۔ ان کو اپنی جنگوں کے بارے میں کوئی شک نہیں تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ان کو فرما چکے تھے اور پیش گوئی کر چکے تھے کہ علی علیہ السلام یہ جنگیں لڑیں گے۔ یہ ان کے ذمہ تہمت ہے کہ نتائج دیکھ کر وہ کہتے تھے کاش میں ان جنگوں میں نہ پڑتا۔ اس کے علاوہ یہ جھوٹ حضرت علی علیہ السلام کے ذمہ لگایا گیا کہ آخر میں خط و کتابت کے ذریعہ علی علیہ السلام نے امیر معاویہ سے طے کر لیا کہ تم شام میں حکومت کرو میں عراق پر حکومت کرتا ہوں، لہٰذا وہ آدھی حکومت دینے پر رضامند ہو گئے۔ حضرت علی علیہ السلام نے ایسی

بات کبھی نہیں کی، اور ایسی تمام روایات جھوٹی ہیں۔ حضرت علی علیہ السلام نے آخر تک امیر معاویہ کو جائز حکمران تسلیم نہ کیا، نہ ان سے کوئی معاہدہ کیا اور نہ کوئی حصہ دینا تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت حسن علیہ السلام کا نام لے کر جھوٹ بولا گیا کہ حضرت حسن علیہ السلام حضرت علی علیہ السلام سے کہتے تھے کہ میں نے آپ کو پہلے ہی منع کیا تھا کہ ان کاموں میں نہ پڑیں۔ حضرت حسن علیہ السلام نے ایسا کبھی نہیں کہا اور وہ ہر جنگ میں حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

جب حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کا وقت آیا تو تین آدمی مکہ میں جمع ہوئے۔ انہوں نے آپس میں بات کی اور نتیجہ نکالا کہ تین آدمیوں کی وجہ سے امت میں انتشار ہے، ایک امیر معاویہ، دوسرے عمرو بن عاص، اور تیسرے حضرت علی علیہ السلام، لہٰذا ان تینوں کو ختم کر دیا جائے تاکہ انتشار ختم ہو۔ ان کے بعد امت اپنا حکمران پھر سے چن لے گی۔

ابن ملجم حضرت علی علیہ السلام کا قاتل ضرور ہے مگر اس نے اجتہاد کیا۔ وہ آدمی نیک تھا مگر مغالطے کا شکار ہو گیا۔ ابن کثیر، طبری اور تہذیب الآثار میں ہے کہ جس نے ایمانداری سے اجتہاد کر کے نہایت برا کام کیا، وہ ابن ملجم تھا۔

جو عمرو بن عاص کو قتل کرنے گیا وہ اس لیے کامیاب نہ ہوا کہ اس دن عمرو بن عاص کی بجائے فجر کی نماز پڑھانے کے لئے ایک آدمی عمرو بن خارجہ آیا تو اس کو زخمی کر دیا، دوسرے آدمی نے امیر معاویہ پر حملہ کیا مگر کامیاب نہ ہوا اور پکڑا گیا، ابن ملجم کا وار کامیاب رہا۔

سیدنا علی علیہ السلام فجر پڑھانے آئے تو اس نے پیچھے سے سر پر وار کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیش گوئی کے عین مطابق سر مبارک زخمی ہوا اور داڑھی خون سے رنگی گئی۔ اس وقت حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''کعبہ کے رب کی قسم میں مراد پا گیا!''

ابن کثیر لکھتے ہیں:

''پیش گوئی تھی اس امت کا شقی علی علیہ السلام کا قاتل ہوگا۔''

(البدایہ والنہایہ ج:7، ص:355)

اب ذرا امیر المومنین کا اخلاق ملاحظہ فرمائیں کہ دوسری پارٹی نے تو بچے تک نہ

چھوڑے مگر حضرت علی علیہ السلام نے اپنے قاتل کے بارے میں کیا فرمایا: ؟

امام بیہقی السنن الکبریٰ میں لکھتے ہیں:

جب ابن ملجم نے ضرب لگائی اور پکڑا گیا تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"اسے اچھا کھانا دو، جب تک قید میں رہے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، اگر میں بچ گیا تو میں اپنے خون کا خود مالک ہوں، اگر مر جاؤں تو اس کو قتل کر دینا مگر اس کی لاش نہ بگاڑنا۔" (ج:8،ص:183)

حضرت علی علیہ السلام کے مخالف یہاں بھی باز نہ آئے، جو گناہ وہ خود کرتے تھے وہ حضرت علی علیہ السلام کے گھر والوں پر لگا دیا کہ حسن علیہ السلام نے بعد میں عبداللہ بن جعفر کے ساتھ مل کر ابن ملجم کے ہاتھ پاؤں کاٹے اور پھر اس کو جلا دیا۔ یہ سفید جھوٹ ہے اور اس بارے میں کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ اصل صورت حال صرف اتنی ہے کہ ابن ملجم کو قتل کر دیا گیا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: "میرے بدلے میں صرف میرے قاتل کو قتل کرنا۔" (البدایہ والنہایہ ج:7،ص:353)

آپ نے اپنے بعد کسی کو نامزد نہیں فرمایا بلکہ بوقت شہادت فرمایا کہ اگر اللہ نے پوچھا تو کہہ دوں گا کہ امت کو بے خلیفہ چھوڑ آیا ہوں۔ (ابن کثیر البدایہ ج:7،ص:353)

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت اس امت کی بدبختی کا آغاز تھی۔ پھر کوئی اصول باقی نہ رہا۔ دولت اور جاگیروں کے ذریعہ لوگ خرید لئے گئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی کے داماد عبداللہ بن جعفر کو بھی امیر معاویہ نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ حضرت حسین علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ سب بک چکے تو پھر خروج فرمایا۔ عبداللہ بن جعفر سے یزید نے حکومت سنبھالنے کے بعد پوچھا کہ میرا باپ تجھے کتنا مال دیتا تھا۔ اس نے کہا ایک لاکھ درہم، یزید نے کہا یہ لے دو لاکھ! ابن جعفر نے کہا لوگ مجھے کہتے ہیں میں یزید کو اچھا نہ کہوں بتاؤ میں یزید کو کیوں اچھا نہ کہوں؟ ایسی صورت حال میں حضرت علی علیہ السلام اور حسین علیہ السلام کیسے کامیاب ہو سکتے تھے۔

اسلام کا اصل پیغام حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ایلچی حضرت ربی بن رضی اللہ عنہ

عامر نے رستم کے دربار میں اس کے تخت پر کھڑے ہو کر دیا اور اُسی پیغام نے دنیا کے دِل جیتے تھے۔ انہوں نے فرمایا:

"ہم لوگ اس لیے نکلے ہیں کہ لوگوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں پہنچا دیں۔ دنیا کی تنگنائے سے نکال کر آخرت کی وسعت میں پہنچانا چاہتے ہیں۔ گروہ بندیوں سے نکال کر اسلام کی وسعت میں پہنچانا چاہتے ہیں۔"

یہ نظام اگر دنیا میں چلتا رہتا تو پوری دنیا مسلمان ہو جاتی۔

صلح امام حسن علیہ السلام

”اور اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو۔“ (سورۂ انفال: 8/61-62)

صلح حسن علیہ السلام اسلامی تاریخ کا سب سے نازک موضوع ہے۔ اس کے بارے میں اتنی غلط فہمیاں پھیلا دی گئی ہیں کہ اس کو سمجھنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے بڑے بڑے پھسل گئے۔ اس صلح سے اتنے غلط نتیجے نکالے گئے کہ سارا دین ٹیڑھا ہو کر رہ گیا کہ جس گروہ سے حضرت علی علیہ السلام جنگ لڑتے رہے اور جو گروہ نص رسول کے مطابق باغی تھا، اس کے سامنے امام حسن علیہ السلام نے ہتھیار ڈال دیئے اور اس کو حکمران تسلیم کر لیا؟ اس وقت نیک آدمیوں کا بڑا گروہ غیر جانبدار بن گیا۔ اگر وہ علی علیہ السلام کا ساتھ دے دیتے تو اسلام کو اتنا نقصان نہ ہوتا اور فتنہ ختم ہو جاتا۔ ان غیر جانبدار حضرات نے اس صلح سے یہ جواز نکال لیا کہ اگر جنگیں درست تھیں تو پھر حضرت حسن علیہ السلام نے صلح کیوں کی؟ اگر حضرت علی علیہ السلام بھی امیر معاویہ سے صلح کر لیتے تو اس صلح سے زیادہ بہتر نتیجہ نکلتا۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات پکڑ لی اور کہا حضرت حسن علیہ السلام کا صلح کر لینا ہی ثابت کرتا ہے کہ ان کے والد کی جنگیں غلط تھیں۔

دوسری طرف اس گروہ نے جو نص رسول کے مطابق باغی تھا، یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر امیر معاویہ اتنے ہی نااہل تھے تو حضرت حسن علیہ السلام نے ان کو حکمران کیوں تسلیم کر لیا؟ لہٰذا ان کی صلح نے یہ ثابت کر دیا کہ امیر معاویہ خلافت کے اہل تھے اور اس طرح اِن کو سند جواز عطا کر دی۔

تیسری طرف جو لوگ حضرت حسن علیہ السلام کے فدائی تھے، ان پر بد دلی کا پہاڑ گر گیا۔ آدمی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ سیدنا حسن علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں یعنی حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ جیسوں پر کیا گزری۔ وہ لوگ روتے رہے اور کہتے رہے کہ آپ ہمیں مروا دیتے تو اس سے بہتر تھا کہ امیر معاویہ کے سامنے ہمیں جھکا دیا؟ حضرت حسن علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے بعض اس صلح کے بعد، آپ کو یا عار المسلمین (اے مسلمانوں کیلئے باعث شرم) اور یا مذل المومنین (اے مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے) کہنے لگے۔

اس صلح کے بعد حضرت حسن علیہ السلام پر بہت مشکل وقت آ پڑا۔ دوست ناراض ہو گئے اور دشمنوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر حسن علیہ السلام حکومت کرنے کے قابل ہوتے تو امیر معاویہ کو حکومت کیوں سونپ دی؟ اور یہ کہ حسن علیہ السلام کو صرف عورتوں کا شوق ہے۔ کتابوں میں سیدنا حسن علیہ السلام کو بدنام کیا کہ نکاح کرتے جاتے اور طلاق دیتے جاتے۔ آپ سے حکومت بھی چھین لی اور یہ سفید جھوٹ بھی پھیلا دیا کہ حسن علیہ السلام کو سوائے عورتوں کے اور کوئی کام ہی نہیں لہٰذا انہوں نے حکومت کیا کرنی ہے؟ انہوں نے خود حکومت چھوڑی ہے، ان کو سوائے جماع کے اور کوئی کام آتا ہی نہیں!

یہ بیان کیا گیا کہ انہوں نے نوے (90) عورتوں سے شادی کی۔ کسی نے جھوٹ بولنے والوں سے یہ نہ پوچھا کہ وہ نوے عورتیں کس قبیلہ سے تھیں، نام کیا تھے، کس کی اولاد تھیں؟ مگر سیدنا حسن علیہ السلام مظلوم ہو گئے۔

تاریخ میں امام حسن علیہ السلام امام حسین علیہ السلام سے زیادہ مظلوم ہیں۔ ان سے اپنے بھی ناراض ہیں اور بیگانے بھی ناخوش! جو کہتے تھے صلح نہ کریں وہ بھی ناراض ہو گئے اور بعد میں جو کچھ ہوا، اسے دیکھ کر وہ سچے بھی لگتے ہیں۔ پھر وہ پوچھتے تھے کہ اب جو ہو رہا ہے کیا یہ ٹھیک ہے؟ ساتھی قتل ہو رہے ہیں، جائیدادیں ضبط ہو رہی ہیں، حضرت علی علیہ السلام پر لعنت ہو رہی ہے، یہ صلح کرنا تھی؟

یہ موضوع اتنا نازک اور پیچیدہ ہے کہ تاریخ کی مدد سے حل ہونے والا نہیں، یہ صرف

حدیث کی برکت سے حل ہوگا۔اسلامی تاریخ میں اس سے بڑھ کر کوئی موضوع پیچیدہ نہیں ہے۔

ایک بات تو ذہن میں یہ ہے کہ سیدنا حسن علیہ السلام کی صلح سے لوگوں نے جو یہ نتیجہ نکالا کہ حضرت علی علیہ السلام کی جنگیں حضور ﷺ کو پسند نہیں تھیں، اس لئے حضرت حسن علیہ السلام کی صلح کو حضور ﷺ نے اچھا جانا، تو یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے۔ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، جنگ کے وقت جنگ لازم ہے۔ حضرت علی علیہ السلام حضور ﷺ کے فرمان اور حکم قرآن کے مطابق جنگ لڑ رہے تھے کہ باغیوں سے لڑو۔ان کی جنگیں قرآن پر عمل تھا۔امام ماوردی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔جس پوزیشن میں حضرت علی علیہ السلام تھے، اگر سیدنا حسن علیہ السلام بھی ہوتے، تو جنگ لڑتے اور جس پوزیشن میں سیدنا حسن علیہ السلام تھے، اگر حضرت علی علیہ السلام بھی ہوتے تو صلح کرتے۔ (الماوردی، قتال اهل البغی ص:93)

دوسری بات یہ تھی کہ حضرت حسن علیہ السلام کے کمانڈر امیر معاویہ نے خرید لئے تھے۔ (امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، فتح الباری ج: 13،ص: 67، شرح نہج البلاغہ، ج: 16، ص:7-8 بحوالہ ابوالحسن المدائنی)

یہ بات سیدنا حسن علیہ السلام کے علم میں تھی لہٰذا انہوں نے خلافت چھوڑنے سے پہلے خطبہ ارشاد فرمایا: اور اپنے ساتھیوں کا ضعف بیان کیا۔

(ابن کثیر، اسد الغابہ ج:2،ص:13-14)

لہٰذا ہر جگہ اور صورتِ حال کیلئے جدا جدا قانون ہے، اندھے کی لاٹھی نہیں چلانی چاہیے۔

اب ذرا سورۂ انفال:8/61-62 پڑھیں، جو لوگ شروع سے حضور ﷺ سے دشمنی کر رہے تھے اور ان کی عداوت چھپی ہوئی نہ تھی، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی دیرینہ دشمنی اگرچہ بالکل واضح ہے اور آئندہ بھی باز آنے والے نہیں ہیں، یہ دھوکہ کریں گے، ان سب باتوں کے باوجود حکم ہوا کہ اگر کفار آپ ﷺ کو حالت جنگ

میں بھی صلح کی پیش کش کریں تو ان سے صلح کر لیں۔ اسلام پر عمل کرنا پل صراط سے گزرنا ہے۔اسلام اخلاقیات کا پابند ہے جبکہ سیاسی چالیں اور ہیں۔اگر کفار سے ان کی پیش کش کے باوجود صلح نہ کریں تو ان کو یہ پراپیگنڈہ کرنے کا موقعہ مل جائے گا کہ مسلمان دہشت گرد ہیں صلح سے نفور ہیں اور صرف فساد چاہتے ہیں۔فرمایا اگر کافر صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔(اگرچہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کفار مکہ اور یہود باز نہ آئیں گے مگر صلح کا حکم فرمایا کیونکہ صلح نہ کرنے سے بدنامی ہوگی اللہ سب کچھ دیکھنے والا جاننے والا ہے۔اگر کافر صلح کے پردے میں دھوکہ دینے کا ارادہ رکھتے ہیں اور یہ صلح صرف چال ہے تو آپ یہ بدنامی نہ لیں کہ مسلمان صلح کرنا جانتے ہی نہیں) اللہ تیرے لیے کافی ہے۔

یہ قرآن ہی کا حکم تھا کہ خندق کی جنگ لڑنے اور کفار کے بے بس کر دینے کے بعد، جب حدیبیہ کے مقام پر کفار نے صلح کی پیش کش کی، تو فوراً منظور فرمالی ورنہ اشارہ فرماتے تو جانثار کفار کی بوٹیاں اڑا دیتے کیونکہ وہ کافر وہی تو تھے جو دو دفعہ ہار چکے تھے۔مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا صلح کر لیں۔حضور ﷺ نے صلح کی اور ایسی شرطوں پر کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے محدث (جو نبی نہ ہو مگر خدا سے الہام کرے) نے ان شرطوں پر احتجاج کیا۔جیسے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی فرما دیا تھا، کفار نے صلح کے بعد دھوکہ کیا اور حضرت حسن علیہ السلام سے صلح کرنے والوں نے بھی دھوکہ کیا۔

مؤرخین نے جھوٹ لکھا کہ حضرت حسن علیہ السلام نے خلیفہ بنتے ہی امیر معاویہ کو صلح کی پیش کش کے خط لکھنا شروع کر دیئے۔صحیح بخاری اور دوسری کتابیں پڑھو، کیا حسن علیہ السلام نے ایک بار بھی صلح کی پیشکش کی؟

مؤرخین نے مزید یہ جھوٹ بولا کہ حضرت حسن علیہ السلام بزدل آدمی تھے، حضرت علی علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ان کو جنگ سے روکتے رہے۔اس طرح جھوٹ لکھ لکھ کر سیدنا حسن علیہ السلام کی شخصیت کو داغدار کر دیا۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ

سیدنا حسن علیہ السلام نے ایک دن بھی امیر معاویہ کو صلح کی پیش کش نہیں کی بلکہ خود امیر

معاویہ نے صلح کی پیش کش کی تھی۔ امام بخاری کتاب الصلح باب الصلح فی الدیۃ" میں ایک روایت لائے جو موسی رحمۃ اللہ علیہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا وہ کہتے تھے خدا کی قسم! حسن علیہ السلام بن علی علیہ السلام معاویہ کے مقابل پہاڑوں کی طرح فوجیں لے کر آئے تھے۔ عمرو بن عاص نے کہا میں ایسی فوجیں دیکھ رہا ہوں جو اس وقت تک پیٹھ نہ پھیریں گی جب تک اپنے مقابل لوگوں کو قتل نہ کرلیں۔ معاویہ نے کہا اے عمرو! (یہاں حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں عمرو اور معاویہ میں سے معاویہ پھر بھی بہتر تھا) اگر انہوں نے ان کو اور انہوں نے ان کو ماردیا، آخر ان کے خون کا کون ذمہ دار ہوگا۔ اور ان کی عورتوں بچوں کی خبر گیری کون کرے گا۔ قریش کے دو اشخاص عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر کو جو بنی عبدشمس سے تھے امام حسن رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا ان کے پاس جاؤ اور صلح پیش کرو، ان سے گفتگو کرو اور جو وہ کہیں مان لو۔ وہ دونوں گئے، گفتگو کی اور صلح کے طلب گار ہوئے۔ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ہم عبدالمطلب کی اولاد خلافت سے سیر ہو گئے اور ہمارے ساتھ جو لوگ ہیں وہ خون خرابہ کرنے میں طاق ہیں۔ وہ دونوں کہنے لگے معاویہ آپ کو یہ یہ باتیں پیش کرتا ہے، آپ سے صلح چاہتا ہے اور جو آپ چاہیں وہ منظور کرتا ہے۔ امام حسن علیہ السلام نے پوچھا ضامن کون ہے؟ ان دونوں نے کہا ہم ضامن ہیں۔ امام حسن علیہ السلام نے جو بات بھی چاہی ان دونوں نے یہی کہا ہم اس کا ذمہ لیتے ہیں آخر امام حسن علیہ السلام نے صلح کرلی۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا وہ کہتے تھے:

> "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر دیکھا اور امام حسن علیہ السلام آپ کے پہلو میں تھے۔ آپ علیہ السلام کبھی لوگوں کی طرف منہ کرتے کبھی حسن علیہ السلام کی طرف اور فرماتے میرا یہ بیٹا سردار ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے۔"

یہ روایت بخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم للحسن بن علی میں

بھی آئی ہے۔

سیدنا حسن علیہ السلام حکم قرآن سے مجبور تھے جیسا کہ اِن آیات سے واضح ہے۔ اگر آپ اس پیش کش کو قبول نہ فرماتے تو نہ جانے کتنے ہی الزام ان کے ذمے لگا دیئے جاتے کہ وہ فساد کو پسند کرتے ہیں۔

سیدنا حسن علیہ السلام حکم قرآن سے مجبور تھے جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے۔ اگر آپ اس پیش کش کو قبول نہ فرماتے تو نہ جانے کتنے ہی الزام ان کے ذمے لگا دیئے جاتے کہ وہ فساد کو پسند کرتے ہیں۔ امیر معاویہ نے بظاہر مصلحت کی چادر اوڑھ کر، مسلمانوں کی خیر خواہی کا بہانہ بنا کر صلح کی پیش کش کی۔ اب اگر امام حسن علیہ السلام یہ پیش کش ردّ کر دیتے تو عوام میں ان کو بدنام کرنے کا اچھا خاصا بہانہ ہاتھ آ جاتا کہ یہ مسلمانوں کے بچے مروا کر خوش ہیں۔ اس سے پہلے امیر معاویہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا بہانہ بنا کر لوگوں کو بے وقوف بنا چکے تھے حالانکہ قصاص نہ لینا تھا نہ لیا مگر لوگوں کو یہ باور کرادیا کہ میرے چچا کا بیٹا عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوگیا ہے اور میں اس کا بدلہ لینے کیلئے اٹھا ہوں۔ سیدنا علی علیہ السلام کو بھی اسی طرح بدنام کیا اور اگر امام حسن علیہ السلام یہ پیش کش قبول نہ کرتے تو یہ پراپیگنڈہ شروع ہو جاتا کہ یہ خاندان ہی شرارتی ہے۔

سیدنا حسن علیہ السلام نے بھی اپنے ساتھیوں کو یہی سمجھایا کہ قرآن کے حکم پر خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے ساتھ صلح کی تھی، یہ لوگ تو پھر کلمہ گو ہیں۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

> "لوگوں نے حضرت حسن علیہ السلام کی صلح سے یہ نتیجہ نکالا کہ درست بات ان کی تھی جو صحابہ غیر جانبدار تھے اور کہتے تھے امیر معاویہ اور حضرت علی علیہ السلام میں صلح ہونی چاہیے جنگ نہیں ہونی چاہیے، اگرچہ وہ سمجھتے تھے کہ علی علیہ السلام حق کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ قول حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تمام ساتھیوں کا ہے۔ مگر جمہور اہل سنت

نے کہا کہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کے ساتھی جنگوں میں حق پر تھے کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق عمل کر رہے تھے کہ باغیوں سے لڑو اور یہ ثابت شدہ بات ہے کہ علی علیہ السلام سے قتال کرنے والے باغی تھے۔"

امیر معاویہ نے حضرت حسن علیہ السلام کے سامنے پہل کر کے خود صلح کی پیش کش کر دی۔ اس طرح انہوں نے زبردست سیاسی چال چل کر حضرت حسن علیہ السلام کو مجبور کر دیا کہ یا تو صلح کریں یا لوگوں میں بدنام ہوں۔ اگر حضرت حسنِ صلح نہ کرتے تو یا تو وہ قتل ہو جاتے یا قید ہو جاتے، جس کا پورا بندوبست امیر معاویہ نے کر لیا تھا۔ امیر معاویہ نے حضرت حسن علیہ السلام کے لشکر کے کمانڈر خرید لئے تھے۔

(ابن حجر فتح الباری، ج:13، ص:67 ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج:16، ص:6-8، بحوالہ ابو الحسن المدائنی)

یہ گواہی خود امیر معاویہ کے بھانجے کی ہے۔ امیر معاویہ نے حضرت حسن علیہ السلام، کو ان خطوط کا پلندہ بھجوایا جو آپ کے جرنیلوں نے معاویہ کو لکھے تھے۔ لوگ موجودہ دور کی ہارس ٹریڈنگ اور کرپشن کو روتے ہیں، یہ سلسلہ پرانا ہے۔ ان جرنیلوں نے امیر معاویہ کو لکھا تھا کہ ہم حسن علیہ السلام کو لشکر کیساتھ لے کر آ رہے ہیں اور خود گرفتار کر کے تیرے حوالے کر دیں گے۔ امیر معاویہ نے پیغام بھجوایا کہ حسن علیہ السلام! یہ خط پڑھ لو۔ اس فوج کے سہارے مجھ سے جنگ لڑنے آ رہے ہو؟ حضرت کا اس سے پہلے صلح کا کوئی ارادہ نہ تھا بلکہ آپ قیس رضی اللہ عنہ ابن سعد صحابی کو 12 ہزار فوج کے ساتھ بطور ہراول بھجوا چکے تھے اور خود پیچھے لشکر لے کر جا رہے تھے۔ اسی دوران امیر معاویہ نے پیش کش کر دی۔ مقصد یہ تھا کہ صلح نہ کی تو بدنام کریں گے اور جو کر لی تو پھر بعد میں جو چاہے کریں گے کون پوچھے گا؟ اور ایسا ہی کیا!

حضرت حسن علیہ السلام حضرت قیس رضی اللہ عنہ کے پیچھے لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ ایک جگہ پڑاؤ کیا تو اموی جاسوسوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ حضرت قیس رضی اللہ عنہ بن سعد قتل ہو گئے ہیں۔ اس

افواہ کے بعد آپ کے لشکر میں شامل منافقین نے حضرت حسن علیہ السلام پر حملہ کر دیا، ان کے نیچے سے مصلا کھینچ لیا اور آپ کے کندھے پر تلوار مار کر زخمی کر دیا۔ فوج کا یہ حال دیکھ کر آپ مدائن چلے گئے۔ یہ امیر معاویہ کے جاسوسوں کا کارنامہ تھا۔

سیدنا حسن علیہ السلام نے یہ حالات دیکھ کر صلح کی پیش کش قبول کر لی. کہ ان لوگوں کی قسمت میں اگر یہی لکھا ہے تو بھگتیں جبکہ بنو عبدالمطلب تو اس امر خلافت سے سیر ہو گئے۔ حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ نے اس وقت کہا آپ ہمیں مروا دیتے تو اچھا تھا۔ آپ نے فرمایا حُجر اگر سب کی رائے تیرے جیسی ہوتی تو حسن علیہ السلام یہ کام نہ کرتا۔ سیدنا حسن علیہ السلام نے حکومت سے دست بردار ہو کر یہ طعنہ بھی دھو دیا کہ خاندان رسالت حکومت کا بھوکا ہے۔

سیدنا حسن علیہ السلام نے صلح کر کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بات کو سچا کر دکھایا جو بخاری و مسلم نے روایت کی ہے بخاری کے دوسرے مقامات کے علاوہ **بخاری کتاب المناقب باب علامات النبوة فی الاسلام** میں ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن حسن کو لے کر باہر نکلے اور لے کر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ شاید اللہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے۔

اس صلح پر تبصرہ کرتے ہوئے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی "**الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح** ج:4، ص:138 پر لکھتے ہیں:

> "اس صلح سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ بات سچی ثابت ہوئی کہ خلافت 30 سال تک ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت تک ساڑھے 29 سال ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے 6 ماہ کیلئے حضرت حسن علیہ السلام کو خلافت دیکر فرمان رسول علیہ السلام سچا ثابت کر دیا اور وہ خاتمِ خلفائے راشدینؓ بن گئے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام دنیا میں میرے دو گلاب کے پھول ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک خوشبو بدر میں ہے اور ایک صلح حدیبیہ میں ہے۔ سیدنا حسن علیہ السلام نے حدیبیہ والی خوشبو پھیلائی اور سیدنا حسین علیہ السلام نے کربلا میں

بدر والا رنگ دکھایا۔ اس حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں کہ
حضرت فاطمہ علیہا السلام کے دونوں بیٹے اپنی مثال آپ ہیں۔ سیدنا حسن علیہ السلام کی خوشبو یہ تھی کہ

آں یکے شمعِ شبستانِ حرم
حافظِ جمعیتِ خیر الامم
تانشیند آتشِ پیکار و کیں
پشت پا زد بر سر تاج و نگیں

انہوں نے اپنے نانا ﷺ کی اس بات کو پورا کیا کہ اگر لوگ صلح کی پیش کش کریں
تو یہ الزام نہ لینا کہ آل رسول ﷺ صلح نہیں چاہتی۔ تخت کو ٹھوکر مار دینا مگر امت میں
لڑائی ختم کر دینا۔

دوسرے بیٹے سیدنا حسین علیہ السلام کی خوشبو یہ تھی۔

رمز قرآں از حسینؑ آموختیم
ز آتش او شعلہ ہا افروختیم

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"عراقیوں نے حضرت حسن علیہ السلام بن علی علیہ السلام کی بیعت کر لی تاکہ شامیوں
کا مقابلہ جاری رکھا جائے مگر شامی کامیاب ہوئے اور عراقیوں کا ارادہ کہ
حضرت حسن علیہ السلام کو خلیفہ بنائیں پورا نہ ہوا۔ یہ اس لیے ہوا کہ شامی متحد
رہے مگر عراقی بددل اور منتشر رہے۔ کاش عراقی یہ سمجھتے اللہ نے ان پر کتنا بڑا
انعام کیا ہے کہ انہوں نے اس شخص کی بیعت کی جو بنت رسول ﷺ کا بیٹا
ہے مسلمانوں کا سردار ہے اور عالم صحابہ میں سے ہے۔ اگر کوئی پوچھے کہ تم
حسن علیہ السلام کو خلیفہ کیوں شمار کرتے ہو تو ہمارا جواب یہ ہے کہ اس کی دلیل وہ
حدیث ہے جو ہم دلائل نبوت میں بیان کر چکے ہیں جو سفینہ رضی اللہ عنہ مولیٰ رسول
اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ خلافت میرے بعد 30 سال تک ہے اور پھر

بادشاہت ہے۔ وہ 30 سال حضرت حسن علیہ السلام بن علی کی خلافت کے 6 ماہ
شمار کر کے پورے ہو گئے۔" (البدایہ والنہایہ ج:8،ص:228)

امام اہلحدیث نواب سید صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الاذاعہ ما کان و مایکون
بین یدی الساعۃ ص:90) پر لکھتے ہیں:

"حضور ﷺ کی پیش گوئیوں میں سے وہ بھی سچی ہوئی جو صحابہ سے مروی
ہے کہ امیر المومنین سید المسلمین خاتم الخلفاء الراشدین حسن بن علی علیہ السلام کے
امیر معاویہ کے حق میں دست بردار ہونے سے، میرے اس بیٹے کے ذریعہ
اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔"

سیدنا رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں بھی جنگ اور صلح دونوں موجود ہیں۔
حضور ﷺ نے حدیبیہ میں صلح فرمائی مگر اگلے ہی سال کفار نے دھوکہ کیا اور آپ ﷺ
کے حلیف بنوخزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ لہٰذا آپ ﷺ نے صلح ختم کر دی اور بعد میں
مکہ فتح کر لیا اس طرح سیدنا حسن علیہ السلام نے بھی صلح کی مگر ان سے بھی دھوکہ کیا گیا صلح حدیبیہ
کے بعد باپ نے دھوکہ کیا تھا۔ صلح حضرت حسن علیہ السلام کے بعد بیٹے نے دھوکہ کیا۔ جنگ
صفین میں قرآن کھڑے کر کے بعد میں دھوکہ کیا اور پرانی چال چلتے ہوئے حسن علیہ السلام سے
صلح کر کے دھوکہ کیا۔

جب حسن علیہ السلام اقتدار سے دستبردار ہوئے تو الوداعی خطاب فرمایا۔ وہ خطاب بھی
رقت انگیز ہے۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے "اسد الغابہ ج:2، ص:13-14 پر اس خطاب کا ذکر کیا:

"جب حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد حالات ایسے ہوئے کہ جرنیل
امیر معاویہ سے مل گئے اور حضرت حسن علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ یہ لوگ مجھے
گرفتار کر کے امیر معاویہ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں
کہ حسن علیہ السلام صلح قبول کرے یا موت قبول کرے تو انہوں نے صلح کر لی،
کیونکہ ایسی موت کا کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ ان کو خاموشی سے شہید کر دیا جانا

تھا۔ جبکہ امام حسین علیہ السلام نے اعلانیہ موت قبول کی جس کے بعد قاتل اپنے چہرے چھپا نہ سکے۔

امام حسن علیہ السلام نے حمد وثناء کے بعد فرمایا:

''یہ جو میں امیر معاویہ سے جنگ ختم کر رہا ہوں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہمیں اپنے موقف کی سچائی میں کوئی شک ہے اور نہ ہمیں کوئی شرمندگی ہے کہ میرا یا میرے باپ کا طریقہ غلط تھا۔ ہم نے ایمان کی سلامتی اور ثابت قدمی سے ان شامیوں کا مقابلہ کیا۔ مگر اب ہماری فوج میں ایمان کی وہ سلامتی رہی اور نہ وہ صبر رہا۔ ہم اب بھی تمہارے لئے وہی ہیں جیسے پہلے تھے۔ تم میں سے کچھ تو صفین کے اپنے مقتولوں کا نوحہ کر رہے ہیں، کچھ نہروان کے مقتولوں کو رو رہے ہیں۔ تم میں بد دلی اور انتشار پیدا ہوگیا ہے اور جنگ کے قابل نہیں رہے۔ جو باقی ہیں وہ مدد کرنے سے انکاری ہیں۔ جو روتے ہیں وہ اپنا انتقام تلاش کرتے ہیں، ان میں اخلاص نہیں رہا۔ سن لو! معاویہ جس بات کی دعوت دے رہا ہے اس میں عزت ہے نہ انصاف! اگر تم موت قبول کرنے کو تیار ہو تو میں اس کی صلح کی پیش کش واپس کر دوں اور تلواروں کی دھار کے ذریعہ اللہ جو فیصلہ کرے سو کرے۔ اگر جینا چاہتے ہو تو میں صلح قبول کر لوں اور اس کے لیے تم سے فیصلہ لے لوں۔ اس پر ہر طرف سے آوازیں آئیں ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں، صلح چاہتے ہیں۔ اس پر امام نے فرمایا ٹھیک تم جانو اور وہ جانے، میں مدینہ واپس جا رہا ہوں۔''

اس صلح کے بعد ایک اور حادثہ ہوا کہ صلح کی دستاویز گم کر دی گئی کہ جن شرائط پر صلح ہوئی تھی اس کی بجائے حضرت حسن علیہ السلام کے نام پر جھوٹی باتیں لگا کر کتابوں میں لکھ دی گئیں تاکہ ان کو مزید بدنام کیا جا سکے کہ وہ تو پیسے کے لالچی تھے۔ میڈیا کتنی ظالم شے ہے!

صلح حسن علیہ السلام کا متن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ دستاویز ہے جس پر حسنِ بن علیِ ابن ابی طالب نے معاویہ بن ابی سفیان کے ساتھ صلح کی مسلمانوں کی حکومت معاویہ کے سپرد کر دی، اس شرط پر کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسولؐ اور سیرۃ خلفائے، صالحین پر عمل کرے گا اور اس شرط پر کہ معاویہ بن ابی سفیان کو اختیار نہیں کہ اپنے بعد کسی کو اپنا ولی عہد بنائے بلکہ اس کے بعد امر مسلمانوں میں بطور مشورہ کے ہوگا اور اس شرط پر کہ لوگ اللہ کی زمین میں جہاں ہوں گے خواہ شام میں خواہ عراق میں اور حجاز میں اور یمن میں، مامون ہوں گے اور اس شرط پر کہ علی علیہ السلام کے اصحاب اور ان کے شیعہ اپنی جانوں اور مالوں اور عورتوں اور بچوں پر مامون ہوں گے اور اس شرط پر کہ معاویہ بن ابی سفیان پر خدا کا عہد اور میثاق ہے اور جو کچھ اللہ نے عہد لیا ہے کسی سے اپنی مخلوق میں سے اور اللہ نے جس کی بجا آوری کا کسی سے مطالبہ کیا ہے اپنے آپ ہی اس کو ادا فرمایا ہے اور اس شرط پر کہ نہ حسن بن علی علیہ السلام نہ اس کے بھائی حسین علیہ السلام اور نہ اہل بیت میں سے کسی سے کوئی فریب ہوگا، نہ پوشیدہ نہ ظاہر اور نہ کوئی ان میں سے کسی پر ظلم کرے گا۔ اس پر فلاں اور فلاں گواہ ہوئے اور اللہ کافی گواہ ہے۔''

(ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ ج:16، ص 6-8، ھدایات الرشید ص 381-382، مولانا خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی رحمہ اللہ)

اس صلح نامہ میں کہیں رقم لینے دینے کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں امیر معاویہ کو قرآن و سنت اور سنت خلفائے راشدین کا پابند کیا گیا ہے۔ یہ امام حسن علیہ السلام کی بہت بڑی فتح ہے جس نے امیر معاویہ کو بالکل ننگا کر دیا، آج پوری امت میں کوئی گروہ ان کو خلیفہ راشد نہیں کہتا۔ امیر معاویہ اس کی پہلی شرط ہی سے پھر گئے۔

اس معاہدہ کے گواہ عبداللہ بن حارث بن نوفل بن حارث بن عبدالمطلب وامہ ہند بنت ابوسفیان بن حرب اور عمرو بن سلمہ تھے۔اس معاہدہ کی شرائط اور متن مرزا غیاث الدین شیرازی شیعی نے اپنی تاریخ مسمیٰ حبیب السیئر ج:2،ص:14-15 میں بھی درج کی ہیں۔جن سے مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مطرقۃ الکرامہ ص:290 پر بھی درج کی ہیں اور ابن ابی الحدید نے اپنی شرح نہج البلاغہ میں بحوالہ ابوالحسن علی بن محمد المدائنی درج کی ہیں جن کو امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ثقہ ہے، ثقہ ہے، ثقہ ہے، پھر ابن ابی الحدید نے شرح کی ج:16،ص:7 پر حسین بن المنزلہ ،یہ بھی ثقہ راوی ہے، کے حوالہ سے لکھا کہ اس نے کہا اللہ کی قسم معاویہ نے امام حسن علیہ السلام سے ایک وعدہ بھی پورا نہ کیا۔صلح کی یہ شرائط امام ذہبی نے ''سیر اعلام النبلاء''میں ج:4،ص:74 پر درج کیں اور امام ابن اثیر نے اسد الغابہ ج:2،ص:13-14 تذکرہ حسن علیہ السلام کے تحت درج کیں۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ج:13،ص:65 پر لکھا کہ معاویہ نے تمام شرائط کی خلاف ورزی کی۔شیعہ عالم باقر مجلسی نے بحار الانوار ج:44،ص:64-65 پر اس صلح کی شرائط درج کی ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کا سلسلہ امیر معاویہ نے ایک منٹ کیلئے بھی نہ روکا۔کوفہ کے منبر پر امیر معاویہ موجود تھے اور مغیرہ بن شعبہ بھی وہیں تھے کہ لوگ باری باری اٹھ کر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کر رہے تھے (خدا ان پر لعنت کرنے والوں پر لعنت کرے۔امام ابن حزم) اس پر عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے ساتھ والے شخص سے پوچھا یہ کس کو گالیاں دے رہے ہیں۔ اس نے کہا علی علیہ السلام کو سعید رضی اللہ عنہ بن زید نے فرمایا یہ اس آدمی پر لعنت کر رہے ہیں جس کے بارے میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا علی علیہ السلام جنتی ہے۔

تیسری شرط یہ تھی کہ پچھلی رنجشوں کی وجہ سے دونوں فریق کسی کو نقصان نہیں پہنچائیں گے مگر حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ جیسوں کو قتل کر دیا گیا اور یحییٰ بن عبداللہ الحضرمی کا پورا قبیلہ

قتل کر دیا گیا۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھی تھے۔ حضرت حسن علیہ السلام سے طے کی گئی کوئی شرط پوری نہ ہوئی، حکومت پر قبضہ کر لیا اور حسن علیہ السلام بے بس ہو کر مدینہ چلے گئے۔

مسجد نبوی کے منبر پر قبر رسول کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام اور ان سے محبت کرنے والوں پر لعنت کی جاتی رہی اور یہ کام جمعہ کے خطبوں میں ہوتا تھا۔اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا لوگو! تمہارے منبروں پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ (خدا ان پر لعنت کرے) کیونکہ میں جانتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ محبت علی علیہ السلام سے کرتے تھے۔ مگر سب بے بس تھے۔

صلح پامال، شرائط تباہ، لہٰذا امام حسین علیہ السلام کو حق پہنچ گیا کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں۔اس صلح کی وجہ بھی سمجھ میں آتی ہے، کہ ڈاکٹر آپریشن پہلے دن بھی کر سکتا ہے۔مگر پھوڑا ابھی پکا نہیں تھا۔ڈاکٹر پھوڑا پکنے دیتا ہے تاکہ ہر کوئی دیکھ لے اب اپریشن کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

سیدنا حسن علیہ السلام وحسین علیہ السلام نے 20 سال تک امیر معاویہ کو اس لیے فری ہینڈ دیا تاکہ جو پردہ ہے وہ ہٹ جائے کہ وہ بھی صحابی ہیں، خون عثمان رضی اللہ عنہ کے طالب ہیں اور سادہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کہتے تو امیر معاویہ ہی ٹھیک ہیں، لہٰذا ان کو ننگا ہونے دو۔وہ زکوٰۃ لوٹیں، نماز تباہ کریں، حج برباد کریں، پھر امت کو پتہ چلے کہ حضرت علی علیہ السلام اور ان کی اولاد تخت کیلئے نہیں بلکہ دین کے خلاف اموی اقدامات کے خلاف لڑتے تھے۔ بنوامیہ اس سب کو برباد کرنا چاہتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین کیلئے کیا۔اس کی تفصیل امیر معاویہ کے دور کے حالات میں آئے گی۔

ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''کئی بے وقوفوں نے سمجھ لیا کہ حضرت حسن علیہ السلام کی دست برداری سے معاویہ خلیفہ بن گئے۔جس حدیث میں صلح کی پیش گوئی ہے اس حدیث میں یہ بھی بیان فرمایا گیا کہ صلح اوپر سے ہوگی، دل سے نہ ہوگی۔کوئی اس صلح کو اس بات کا بہانہ نہ بنائے کہ حضرت حسن علیہ السلام نے صلح کر لی تو معاویہ خلیفہ

بن گئے۔اس سے معاویہ خلیفہ نہیں بنے اور نہ ہی صلح اس کا جواز ہے۔

حضور ﷺ نے کافروں سے صلح کی تھی تو کیا اس سے کافر سچے ہو گئے؟

(مرقاۃ المفاتیح ج:10، ص:124 ، شرح مشکوٰۃ المصابیح از ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ)

اب وہ وقت آ گیا کہ حسن علیہ السلام فوت ہو گئے، **مسلم شریف کتاب الفضائل ، باب شیبہ** علیہ السلام میں ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا آپ کا رنگ سفید تھا اور بوڑھے ہو گئے تھے اور امام حسن علیہ السلام آپ ﷺ کے مشابہ تھے۔ (مسلم:6081)ان کی وفات پر امیر معاویہ نے جو ردّعمل ظاہر کیا وہ بھی حدیث کی کتابوں مثلاً ابوداؤد، مسند احمد، نسائی وغیرہ میں محفوظ ہے۔اس ردّعمل کو پڑھیں اور ان لوگوں کے بارے میں سوچیں جو بنوامیہ کی حمایت کرتے ہیں۔ابوداؤد کی روایت میں کہنے والے کا نام فلاں لکھا ہے جبکہ مسند احمد میں حدیث :17321، ج:7، ص:141 میں امیر معاویہ کا نام موجود ہے۔

سلسلة الاحاديث الصحيحه جلد نمبر 2 حديث نمبر 811 اور ابو داؤد كتاب اللباس باب فى جلود النمور میں خالد روایت کرتے ہیں کہ مقدام رضی اللہ عنہ بن معدیکرب، عمرو بن الاسود اور بنی اسد میں سے ایک شخص معاویہ بن ابی سفیان کے پاس آئے تو معاویہ نے مقدام رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم کو خبر ہوئی حسن بن علی فوت ہو گئے، مقدام نے یہ سن کر انا للہ پڑھا۔امیر معاویہ نے کہا کیا تم امام حسن علیہ السلام کی وفات کو مصیبت سمجھتے ہو؟ حضرت مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا میں کیوں ان کی موت کو مصیبت نہ سمجھوں جن کو گود میں بٹھا کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسن مجھ سے مشابہ ہے اور حسین علیہ السلام علی علیہ السلام سے مشابہ ہے۔ ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا حسن علیہ السلام تو آگ کا انگارہ تھا جو خدا نے بجھا دیا۔مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا معاویہ آج میں یہاں سے تیرا دل جلائے اور جلی کٹی سنائے بغیر نہ جاؤں گا۔ پھر کہا معاویہ! اگر میں سچ کہوں تو میری تصدیق کرنا ورنہ کہہ دینا کہ جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ معاویہ نے کہا اچھا ایسا ہی کروں گا۔ مقدام نے کہا تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم نے رسول

اللہ ﷺ سے نہیں سنا کہ مردوں کو سونا پہننے سے منع فرمایا، معاویہ نے کہا ہاں سنا ہے، مقدام نے کہا تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو ریشم پہننے سے منع نہیں فرمایا ؟ معاویہ نے کہا ہاں! مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا معاویہ تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی کھالیں پہننے اور ان پر بیٹھنے سے منع نہیں فرمایا، معاویہ نے کہا ہاں! مقدام رضی اللہ عنہ نے کہا معاویہ! اللہ کی قسم یہ تینوں کام تیرے گھر میں ہو رہے ہیں۔معاویہ نے کہا مقدام رضی اللہ عنہ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ کوئی تجھ سے نہیں جیت سکتا۔خالد نے کہا پھر معاویہ نے مقدام رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھیوں سے زیادہ مال دینے کا حکم دیا اور ان کے بیٹے کا حصہ مقرر کیا دوسو والوں میں، مقدام رضی اللہ عنہ نے وہ مال اپنے ساتھیوں میں بانٹ دیا اور اسدی نے اپنے مال میں سے کسی کو کچھ نہ دیا۔ یہ خبر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا مقدام تو ایک سخی شخص ہے جس کا ہاتھ کھلا ہوا ہے اور اسدی اپنی چیز کو اچھی طرح روکتا ہے۔"

ابوداؤد کے شارح مشہور اہل حدیث عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس معاویہ پر مجھے حیرانی در حیرانی ہے کہ اس نے اہل بیت کی یہ شان پہچانی کہ حسن علیہ السلام کی موت پر اس نے کہا جو کہا (یعنی کوئی افسوسناک بات نہیں) یقیناً حسن علیہ السلام کی موت بڑی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت تھی۔ اللہ تعالیٰ مقدام رضی اللہ عنہ کو جزائے خیر دے اور ان پر راضی ہو کہ وہ حق کہنے سے باز نہ آئے اور یہی ایک کامل مخلص مومن کی شان ہے۔اور یہ جو کہا وہ آگ کا انگارہ تھا جسے اللہ نے بجھا دیا تو یہ اس لیے کہا کہ حسن علیہ السلام اور معاویہ کے معاہدہ کی چوتھی شرط یہ تھی کہ معاویہ کی موت پر اگر حسن علیہ السلام زندہ ہوئے تو پھر حسن علیہ السلام خلیفہ ہوں گے (اس شرط کو عام کتابوں میں چھپا دیا گیا مگر امام ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب، ابن اثیر کی اسد الغابہ میں شرط لکھی ہوئی ہے۔ لہٰذا حسن علیہ السلام ان کی راہ میں کانٹا تھے اگر ان کو راستے سے نہ ہٹایا جاتا

تو بنوامیہ کا بنا بنایا کھیل خراب ہو جاتا)۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں کہ حسن علیہ السلام نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس شرط پر معاہدہ کیا کہ اپنے بعد حکومت حسن علیہ السلام کو دو گے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے تسلیم کیا کہ اپنے بعد حسن علیہ السلام کو خلیفہ نامزد کروں گا۔

مولانا آگے لکھتے ہیں کہ اسدّی نے کہا معاویہ خلافت اپنے سے چھن جانے سے خوف زدہ رہتے تھے کہ حسن علیہ السلام کہیں خروج نہ کردیں، جیسا کہ بعد میں حسین علیہ السلام نے خروج کیا۔ خلافت کے اصل حق دار تو حسن علیہ السلام ہی تھے جن کی 40 ہزار افراد نے بیعت کی تھی۔ پھر امیر معاویہ اور حسن علیہ السلام کے درمیان ہوا جو ہو۔ فوج لے کر پہلے امیر معاویہ ہی آئے تھے اور صلح کی پیش کش بھی انہوں نے ہی کی۔ حسن علیہ السلام کی موت زہر سے ہوئی جو ان کی بیوی جَعْدَہ بنتِ اشعث کے ذریعہ یزید کے اشارہ پر دیا گیا۔ اللہ حسن علیہ السلام سے اور تمام اہل بیت سے راضی ہو۔

(عون المعبود شرح ابو داؤد، ج:4، ص:115-116)

ابو حنیفہ دینوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الاخبار الطّوال ص:222 پر لکھتے:

''حضرت حسن علیہ السلام کی وفات کی خبر امیر معاویہ کے عامل مدینہ مروان نے ان تک پہنچائی۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا جو ان کے پاس شام میں آئے ہوئے تھے۔ امیر معاویہ نے ان سے تعزیت کی اور امام حسن علیہ السلام کی وفات پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آپ ان کی موت پر خوش نہ ہوں خدا کی قسم آپ بھی ان کے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہ رہیں گے۔''

مولانا خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی ابوداؤد کی شرح ''بذل المجهود'' میں ابو داؤد کی اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں:

''اسدی نے یہ بات معاویہ کی رضا اور تقرب حاصل کرنے کے لیے کہی

تھی۔ جب مقدام رضی اللہ عنہ نے اس شخص کی بات سنی جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے امیر معاویہ کی خاطر داری کیلئے کہی تھی، تو مقدام رضی اللہ عنہ معاویہ سے کہنے لگے کہ میں ہرگز یہاں سے نہ ہلوں گا جب تک آپ کو غصہ نہ دلاؤں اور ایسی بات نہ سناؤں جو آپ کو ناپسند ہو جس طرح آپ نے مجھے ایسی بات سنائی جو مجھے پسند نہیں۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ''تہذیب التہذیب'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت حسن علیہ السلام کو زہر کئی دفعہ دیا گیا مگر بچ جاتے تھے۔ مگر آخری دفعہ بہت سخت زہر دیا گیا، جگر کے ٹکڑے قے کے ذریعے تھال میں گرے اور فرمایا حسین علیہ السلام! اب میں زندہ نہیں رہوں گا۔''

امام حسن علیہ السلام کی موت پر خوشیاں منانے کے بعد جنازہ کا جو حال بنوامیہ نے کیا وہ بھی ملاحظہ ہو۔ امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ اسد الغابہ ج:2، ص:15 پر لکھتے ہیں:

''حضرت حسن علیہ السلام کی موت زہر سے ہوئی جو انکی بیوی جعدہ بنت اشعث نے دیا۔ امام کو اتنی قے آرہی تھی کہ ایک تھال رکھا جاتا اور دوسرا اٹھا لیا جاتا۔ جب بیماری زیادہ ہو گئی تو اپنے بھائی حسین علیہ السلام سے فرمایا مجھے تین دفعہ زہر دیا گیا مگر اس زہر جیسا پہلے نہ دیا گیا تھا۔ اب میرا جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر باہر آگیا ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے زہر دینے والے کا نام پوچھا تو فرمایا کیوں پوچھتے ہو۔ کیا اس سے جنگ لڑو گے؟ میں نے ان ظالموں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا ہے۔''

جب وفات کا وقت آیا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ میں اپنے نانا کے پاس دفن ہونا چاہتا ہوں، اجازت دیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی۔ حسن علیہ السلام نے حسین علیہ السلام کو کہا ہو سکتا ہے عائشہ رضی اللہ عنہا نے میرا لحاظ کر کے اجازت دی ہو لہٰذا میرے مرنے کے بعد دوبارہ اجازت لے لینا۔ مگر مجھے پورا یقین ہے کہ بنی امیہ مجھے روضہ پاک میں دفن نہیں

ہونے دیں گے۔ اگر نوبت جھگڑے تک پہنچ جائے تو جھگڑا نہ کرنا اور مجھے بقیع میں دفن کر دینا۔

جب حسن علیہ السلام فوت ہو گئے تو بنو امیہ تلواریں لے کر آ گئے کہ ہم حسن علیہ السلام کو روضہ پاک میں دفن نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت حسین علیہ السلام پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس اجازت کیلئے گئے تو انہوں نے بہت عزت سے کہا اجازت ہے۔ روضہ پاک میں دفن کرنے کی اجازت کی خبر مروان اور دوسرے بنو امیہ کو بھی ہو گئی۔ وہ کہنے لگے رب کی قسم! ہم حسن علیہ السلام کو وہاں کبھی دفن نہ ہونے دیں گے، اس پر حضرت حسین علیہ السلام اور ہاشمیوں نے اسلحہ اٹھا لیا ادھر مروان اور اس کے ساتھی ہتھیار لگا کر روکنے کیلئے تیار ہو گئے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور کہا اس سے بڑا ظلم بھی کوئی ہو گا کہ حسن علیہ السلام کو اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دفن بھی ہونے نہیں دیتے۔ خدا کی قسم! وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے تھے۔ پھر وہ حسین علیہ السلام کے پاس آئے، ان سے بات کی اور خدا کی قسم دی اور کہا کہ تمہارے بھائی کہہ گئے تھے کہ خطرہ پیدا ہو جائے تو مجھے قبرستان میں دفن کر دینا۔ سیدنا حسین علیہ السلام مان گئے اور جنازہ بقیع میں لے گئے۔ بنو امیہ سے کوئی شخص جنازہ میں شریک نہ ہوا سوائے گورنر مدینہ سعید بن العاص کے جس کی ڈیوٹی تھی کہ جنازہ پڑھائے۔ حضرت حسین علیہ السلام نے اس کو جنازہ پڑھانے کیلئے آگے کیا اور فرمایا اگر سنت نہ ہوتی کہ حاکم جنازہ پڑھائے تو تجھے کبھی آگے نہ کرتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس دن مدینہ کی گلیوں میں رو رو کر کہتے جاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لاڈلا فوت ہو گیا ہے چلو اس کے جنازہ میں شامل ہو جاؤ۔ یہ ہے صلح حسن علیہ السلام جس کا اتنا شور مچایا جا رہا ہے۔

یہاں پر شیعوں کی طرف سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر لگائے گئے ایک بہتان کا ردّ بھی ضروری ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس دن خچر پر سوار ہو کر جنازہ روکنے آ گئی تھیں۔ **الکافی میں کتاب الحجة باب الاشارہ والنص علیٰ** حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام میں تیسری روایت ہے۔ علامہ باقر مجلسی شیعہ عالم نے الکافی کی شرح مراۃ العقول ج:3، ص:3 حدیث نمبر

3، ص:313 تا 320 پر اس روایت کو لکھ کر کہا کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

ناصبی لوگ قاضی ابو بکر ابن العربی کی کتاب ''العواصم من القواصم'' کا بہت حوالہ دیتے ہیں۔ اسی قاضی ابو بکر کی **تفسیر احکام القرآن سورہ حجرات میں المسئلہ الثالثہ** ص:1707 تا 1708 دیکھ لیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''قرآن کا حکم ہے باغی ٹولے کے خلاف لڑو۔ اس پر علی علیہ السلام نے عمل کیا انہوں نے ان لوگوں سے جنگ کی جو امام کے مقابلہ میں سرکش ہو گئے تھے۔ قصاص مانگنے کا یہ کوئی طریقہ نہیں کہ دارالحکومت میں آئے بغیر، خلیفہ کے سامنے پیش ہوئے بغیر، گواہ پیش کئے بغیر، فوج تیار کر کے جنگ لڑنا شروع کر دو، اگر ان لوگوں کی نیت ٹھیک ہوتی تو حضرت علی علیہ السلام کے پاس جاتے، مقدمہ لڑتے، اگر علی علیہ السلام انصاف نہ کرتے تو کسی جنگ کی ضرورت نہ پڑتی بلکہ امت خود ہی علی کو معزول کر دیتی مگر اللہ نے علی کو بچا لیا اور ان سے کوئی غلط حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ اور حسن علیہ السلام نے وہ کیا جو اس وقت کے حالات تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ خارجیوں نے بھی فتور ڈال دیا ہے، میرا لشکر بد دل ہے، معاویہ لشکر لے کر آ گئے ہیں۔ ان کے اپنے لشکر نے ان کو گھوڑے سے گرا دیا، زخمی کیا اور وہ زخم بڑی مشکل سے ٹھیک ہوئے اس طرح ان کو پتہ چل گیا کہ میں اپنے لشکر پر رائی بھر اعتبار نہیں کر سکتا۔ یہ منافق ہیں لہٰذا قید ہونے کی بجائے اپنی شرطوں پر صلح بہتر ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے سچے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کو یاد کیا کہ اللہ میرے اس بیٹے کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرا دے گا۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سچی ثابت ہوئی اور ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ پیش گوئی پوری ہوئی کہ میرے بعد خلافت 30 سال تک ہے پھر بادشاہت ہے۔ اس دور میں حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، حسن رضی اللہ عنہم کے ادوار شامل ہیں۔ وہ تیس سال امام حسن رضی اللہ عنہ پر پورے ہوئے، نہ ایک بڑھا نہ گھٹا!

پاک ہے وہ خدا جس کے علم میں ہر بات ہے اور اس کے سوا کوئی رب نہیں۔“

سیدنا حسن علیہ السلام کو زہر دیئے جانے پر تبصرہ کرتے ہوئے اہل حدیث عالم علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

”یزید کی خلافت دغا بازی اور زبردستی پر مبنی تھی۔ اس کے پدر بزرگوار یہ شرط قبول کر چکے تھے کہ امام حسن علیہ السلام نے تا حیات خلافت میرے سپرد کی ہے۔ پھر معاویہ کے بعد خلافت اپنے اصل حقدار کی طرف رجوع کرے گی۔ اصلی حق دار امام حسن علیہ السلام اور ان کے بعد امام حسین علیہ السلام تھے۔ لیکن یزید نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوا دیا اور ان کی وفات پر بہت خوش ہوئے بلکہ یہ کہا کہ امام حسن علیہ السلام ایک انگارہ تھے جس کو اللہ نے بجھایا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ بھی اس سازش میں شریک اور راز دار تھے۔ اس پر طرہ یہ کیا کہ آپ کو حیاتی وہ بھی مستعار خلافت کا حق حاصل تھا۔ آپ کو کیا اختیار تھا کہ عہد شکنی کر کے بیٹے کو خلافت دے جائیں اگر معاویہ صحابی نہ ہوتے تو ہم ان کی شان میں بہت کچھ کہہ سکتے تھے۔ صحابیت کا ادب کر کے ہم سکوت کرتے ہیں اور یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

(بخاری کتاب الفتن باب اذ اقال عند قومٍ شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ اردو ج:9 ص:172-173)

الاستیعاب میں ابن عبدالبر اور مروج الذہب میں مسعودی نے لکھا ہے کہ قتادہ کہتے ہیں کہ حسن علیہ السلام بن علی علیہ السلام کو ان کی بیوی جعدہ نے زہر دیا اور ایک عالم کا قول ہے کہ معاویہ کی لاگ (تدسیس، سازش) سے تھا۔ (ارجح المطالب، عبیداللہ امرتسری ص:592)

مولانا شمس الحق عظیم آبادی عون المعبود شرح ابوداؤد ج:، ص:115 پر لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام کی موت زہر سے ہوئی جو ان کی بیوی جَعْدَہ بنت اشعث نے یزید بن معاویہ کے اشارہ سے دیا۔

دورِ امیر معاویہ

صلح حسن علیہ السلام کی شرائط کی خلاف ورزی

پہلی شرط۔ کتاب اللہ۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرتِ خلفائے صالحینؓ پر عمل کرنا ہوگا۔

اسلام پر یہ حادثہ قیامت سے کم نہیں تھا کہ امت کے بہترین لوگ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بلکہ عشرہ مبشرہ میں سے اصحاب رضی اللہ عنہ موجود تھے اور اس وقت ایک شخص جو طلیق ابن طلیق، معاویہ بن ابوسفیان، جن باپ بیٹوں کو فتح مکہ والے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معافی دی تھی، برسر اقتدار آ گیا، بخاری شریف میں غزوہ خندق کے بیان کے تحت یہ آتا ہے کہ جب امیر معاویہ نے ثالثی میں چالاکی کے بعد حکومت سنبھال لی تو خطبہ دیا، جس میں کہا جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ خلافت کا زیادہ حق دار ہے، وہ ذرا اپنا سر اونچا کرے۔ وہاں صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے جی میں آئی کہ میں معاویہ کو کہوں کہ خلافت کا حق دار ہے جس نے تجھے اور تیرے باپ کو مار مار کر اسلام میں داخل کیا اور تم سے جنگیں لڑیں۔ مگر میں خطرہ کے پیش نظر چپ کر کے بیٹھا رہا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص جیسے فاتح ایران اور عشرہ مبشرہ میں سے اصحاب موجود تھے مگر کسی کو پوچھا تک نہیں، حکومت ان لوگوں نے سنبھالی جن کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جن لوگوں کو فتح مکہ والے دن معافی ملی، ان کا ان کی اولاد اور ان کی اولاد کا حکومت میں کوئی حصہ نہیں۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:9، پر لکھتے ہیں: ''علی ابن المدائنی محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ابن عینیہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے سنا کہ علی علیہ السلام میں کوئی خامی نہ تھی کہ وہ خلافت کیلئے نااہل ہوتے اور معاویہ میں کوئی خوبی نہ تھی جس کی بنا پر علی علیہ السلام سے جنگ کر سکتے، قاضی شریک سے لوگوں نے کہا معاویہ بڑے حلیم اور نرم طبع تھے۔ قاضی شریک نے کہا جس نے حق کو نہ پہچانا حق کا انکار کیا اور علی علیہ السلام سے جنگ لڑی وہ حلیم الطبع کیسے ہوسکتا ہے۔''

امیر معاویہ کے دور میں نماز کا جو حال کیا گیا وہ نسائی شریف **کتاب الامارۃ** باب نمبر 469 **الصلوۃ مع آئمہ جور** میں ایک حدیث سے واضح ہوتا ہے۔ امیر معاویہ کا گورنر زیادہ ابن ابیہ نماز لیٹ کر کے پڑھاتا تھا۔ راوی ابوالعالیہ البراء کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ میں نے ان کو کرسی دی وہ اس پر بیٹھے پھر میں نے زیاد کا حال بیان کیا کہ وہ نماز میں دیر کرتا ہے۔ انہوں نے انگلی دانتوں کے نیچے رکھی اور میری ران پر ہاتھ مارا اور کہا میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہی بات پوچھی تھی جیسے تم نے مجھ سے پوچھی ہے تو انہوں نے میری ران پر ہاتھ مارا جیسے میں نے تیری ران پر ہاتھ مارا۔ اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کو پوچھا تھا جیسے تو نے مجھ سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری ران پر ہاتھ مارا جیسے میں نے تیری ران پر ہاتھ مارا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اپنی نماز وقت پر پڑھ لیا کرنا پھر اگر ان کے ساتھ پڑھنے کا موقع ملے تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لیا کرنا اور یہ مت کہنا کہ میں تو پڑھ چکا ہوں، لہٰذا اب نہیں پڑھوں گا۔ (تاکہ وہ ظالم حاکم تجھے ایذا نہ دیں)۔

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نسائی کی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے ظالم حاکموں کے پیچھے نماز پڑھنے کا جواز معلوم ہوتا ہے کیونکہ نماز کو دیر کر کے پڑھنا صرف ظالم حاکموں کا کام ہے۔

حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ راہب اصحاب رسول مشہور تھے۔ ان کو امیر معاویہ کے حکم

سے مرج عذراء کے جنگل میں، جو علاقہ انہوں نے فتح کیا تھا، قتل کیا گیا، ان کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے گورنر زیاد کو نماز لیٹ کر کے پڑھانے پر ٹوکا تھا۔ بوقت قتل حضرت حجر رضی اللہ عنہ نے کہا میری بیڑیاں اور میرے کپڑے نہ اتارنا، میں قیامت کے دن پل صراط پر معاویہ سے اسی حال میں ملوں گا۔ معاویہ کے سپاہیوں نے اس جگہ حضرت حجر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سمیت سات افراد کو قتل کیا۔ ان کے قتل کے تفصیلی حالات دورِ معاویہ میں ملیں گے۔

اگر بریلوی حضرات معمولی بدعت نکال لیں تو اہل حدیث حضرت بہت سیخ پا ہوتے ہیں حالانکہ وہ لوگ نیک نیتی سے غلط کام کرتے ہیں، امام ابن تیمیہ ایسے لوگوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کا اجتہاد ہے اور ہوسکتا ہے ان کی نیک نیتی کی وجہ سے ان کو اجر ہی مل جائے، مگر امیر معاویہ نے جو بدعات ایجاد کیں ان پر اہل حدیث کیوں خاموش ہیں؟

حضرت علی علیہ السلام اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر امیر معاویہ کے حکم سے لعنت شروع ہوئی تو لوگ عید کا خطبہ سنے بغیر چلے جاتے۔ مگر لعنت سنوانے کی خاطر امیر معاویہ نے عید کا خطبہ عید کی نماز سے پہلے شروع کر دیا۔ یہ حدیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ میں اس جگہ ایک جامع حوالہ ذکر کروں گا۔ امام ابن حزم کے استاد امام ابن عبدالبر اپنی کتاب ''**التمہید لما فی المؤطا فی المعانی والآسانید**'' میں لکھتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ عید کیلئے سب سے پہلے اذان جس نے شروع کی وہ معاویہ ہے اور اس نے عید کا خطبہ نماز سے پہلے شروع کیا۔

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ المحلیٰ ج:5، ص:85 پر لکھتے ہیں:

''بنو امیہ نے یہ بدعات شروع کیں، نماز دیر کر کے پڑھنا عید کی اذان اور اقامت، عید کا خطبہ نماز سے پہلے شروع کر دیا، وہ ص:86 پر بنو امیہ کے لیے اس کا بہانہ یہ لکھتے ہیں کہ لوگ عید پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور ہمارا خطبہ نہیں سنتے۔

مسلم شریف کتاب صلوٰۃ العیدین حدیث:9 میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں گورنر مدینہ مروان بن حکم کو نماز کے لئے کھینچتا تھا اور وہ خطبہ دینے کیلئے منبر کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اس کو کہا کہ نماز عید کا پہلے پڑھنا کہاں گیا؟

تو مروان نے کہا اے ابوسعید ترک کر دی گئی وہ سنت جو تم جانتے ہو! میں نے کہا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اس سے بہتر کام نہیں کر سکتے جو میرے علم میں ہے۔"

نسائی شریف ابواب الحج باب التلبیه بیوم العرفه میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عرفات میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، انہوں نے پوچھا لوگ لبیک کیوں نہیں کہتے میں نے کہا معاویہ کے ڈر سے! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے خیمہ سے نکلے اور لبیک کہا اور فرمایا علی علیہ السلام کے بغض میں ان لوگوں نے سنت بھی چھوڑ دی۔

امیر معاویہ کے دور میں زکوٰۃ کا جو حال ہوا وہ تفصیل سے ان کے دور کے حالات میں آئے گا جو امام ابو عبید نے اپنی کتاب الاموال ص: 8 6 5، میں روایت نمبر 1797,1789 اور 1811 کے تحت لکھا ہے۔

"امیر معاویہ نے صحابہ کو چھوڑ کر زکوٰۃ و تعلیم کے محکمہ جات عیسائیوں کے سپرد کر دیئے جبکہ سورہ آل عمران :118/3 میں خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ مومنو! "یہود و نصاریٰ کو اپنا راز دار نہ بناؤ"

چوری کے مال کے بارے میں امیر معاویہ نے حدیث کی صریح خلاف ورزی کی اور اپنا فیصلہ منوانے کے لیے یمامہ کے گورنر پر دباؤ ڈالا۔ اس کی تفصیل امام ناصر الدین البانی نے **سلسلة الاحاديث الصحيحه** ج:2، حدیث:609، ص:164 تا 167 پر لکھی ہے اسی طرح امیر معاویہ نے مال غنیمت میں غلط تصرف شروع کیا اور حکم نہ ماننے پر گورنر کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا۔ یہ سارا واقعہ مستدرک حاکم کی ج:3 میں مذکور ہے۔

یہ تھا صلح حسن علیہ السلام کی پہلی شرط کا حشر کہ کتاب و سنت و سیرت خلفاء، صالحینؓ کے مطابق حکومت کرو گے۔

آزادی اظہار کا خاتمہ

صلح میں ایک شرط یہ بھی تھی لوگ اللہ کی زمین میں جہاں ہوں گے خواہ شام میں خواہ

عراق میں اور حجاز اور یمن میں مامون ہوں گے۔

سورہ آل عمران :79/3 میں فرمایا گیا کہ کسی نبی کو شایان نہیں کہ خدا تو اسے کتاب سنت (فہم نبوت، وحی خفی، ملکۂ نبوت، بصیرت، فہم قرآن) اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ بلکہ اس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ اہل کتاب تم ربانی بن جاؤ۔ نبی اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی خامی نہیں ہوتی۔ اگر وہ لوگوں سے کہیں کہ میرے غلام بن جاؤ تو ان کو زیبا ہے مگر وہ لوگوں کو صحیح معنوں میں آزادی عطا فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو کمال ہی کر دیا۔ جیسے فدائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملے تھے ان سے جو چاہتے منوا لیتے مگر یہ دیانت کا کمال ہے کہ حکم خدا اور حدیث میں لکیر کھینچ دیتے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور یہ میری رائے ہے، تم بھی اپنی رائے دو۔ اور کئی مواقع پر صحابہ رضی اللہ عنہ کی رائے پر عمل فرمایا۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہ لونڈی کا واقعہ تو آزادی اظہار میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی تربیت اس انداز سے فرمائی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنی رائے کا اظہار کر سکتے تھے تو بعد میں کون مائی کا لال ایسا خلیفہ یا حکمران ہو سکتا ہے جس کے سامنے زبان بند رکھنا ضروری ہو۔
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس احسان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

بود انساں در جہاں انسان پرست
ناقص و نابود مند و زیر دست
تا امینؑ حق بحق داراں سپرد
بندگاں را مسند خاقاں سپرد

"انسان دنیا میں انسان پرست تھا۔ وہ ناقص، نہ ہونے کے برابر اور غلام تھا۔ حتیٰ کہ امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق داروں کو ان کا حق سپرد کیا اور بادشاہوں کی گدی غلاموں کے حوالے کر دی۔"

یقین جانئے اس وقت پوری دنیا میں جہاں کہیں آزادی اظہار موجود ہے یا کوئی اچھا

کام ہو رہا ہے تو وہ صرف حضور ﷺ کی عطا ہے۔ مگر یہ بڑے دکھ کی بات ہے کہ یہ آزادی جو تحفہ نبوت تھی۔ اس امت سے بہت جلد چھین لی گئی اور مزید دکھ کی بات یہ ہے کہ امت کے دل سے احساس زیاں بھی جاتا رہا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مگر یہ نقصان ایک دن میں نہیں ہوا۔ اس کے لئے بنو امیہ اور بنو عباس نے بہت رشوت دی اور بہت جبر کیا انہوں نے بولنے والی زبانیں بند کر دیں اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ صرف وہ دیکھیں جو حکومت دکھانا چاہتی ہے اور وہ سوچیں جو حکومت پسند کرتی ہے۔

امیر معاویہ کے دور میں وہ حدیثیں تک سنانے پر پابندی لگا دی گئی تھی جو حکومت و سیاست کے متعلق تھیں۔ صحیح بخاری کتاب العلم حدیث نمبر 120، باب حفظ العلم میں

فوت ہو گئے۔"

مولانا منظور نعمانی دیوبندی تبلیغی جماعت والے اپنی کتاب "معارف الحدیث" کی ساتویں جلد میں سیاست کے عنوان کے تحت اس حدیث کی شرح میں کہ میرے بعد خلافت 30 سال تک ہے پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت ہے، لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ ان خلفاء میں شامل نہیں جو حضور ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمائے۔

امیر معاویہ کے دور میں حکومت کی حد تک اسلام بے دخل کر دیا گیا تھا۔ امام ابن حجر رضی اللہ عنہ فتح الباری ج:13، ص:65 پر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے تمام شرائط کی خلاف ورزی کی۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ج:16، ص:7 پر ایک ثقہ راوی حسین ابن المنزلہ کے حوالہ سے لکھا اللہ کی قسم! معاویہ نے حسن علیہ السلام سے ایک وعدہ بھی پورا نہ کیا۔

بنو امیہ کے دور میں آزادی اظہار یہاں تک چھین لی گئی کہ ولید بن عبد الملک جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا۔ اس نے خطبہ اتنا لمبا کیا کہ عصر کا وقت بھی ختم ہو گیا تھا۔ ایک تابعی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھ کر کہا رسول ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آیا، قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں اتری، عصر کا وقت بھی جا رہا ہے، جمعہ پڑھاؤ۔ تو اس تابعی کو کیا جواب ملا؟ اسے قتل کر دیا گیا۔

(ابن عبدربہ، العقد الفرید، ج:1 ص:62)

یہ ظلم کی حکومت تھی جو امیر معاویہ سے شروع ہوئی۔ یہ جبر و استبداد بنو امیہ کا تحفہ ہے جس کی وجہ سے مسلمان ملکوں میں عوام کو آزادی نصیب نہیں ہوئی۔

مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے اخبار الہلال کی مکمل فائل الہلال اکیڈمی A-32 شاہ عالم مارکیٹ لاہور نے چھپوا دی ہے۔ اس کی دوسری جلد سے حوالہ پیش خدمت ہے۔ دوسری جلد کے صفحہ نمبر 6 پر اسلامی حکومت کے بارے میں مولانا آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ہمارا عقیدہ ہے اگر قیامت کے دن دنیا کے ظالموں کی صفوف عام فساق و فجار سے الگ قرار دی جائیں گی تو ان میں سب سے پہلی صف یقیناً بنی امیہ کی ہوگی۔ انہی ظالموں نے اسلام کی اس روح حریت کو غارتِ ظلم و استبداد کیا۔ اور اس

کے عین عروج کے وقت اس کی قوت نموکو اپنی اغراض شخصیہ کے نیچے کچل ڈالا۔ ان کا اقتدار و تسلط فی الحقیقت امر بالمعروف کے سد باب کا پہلا دن تھا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے اسلام کی جمہوریت کو غارت کر کے اس کی جگہ شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی، جو یقیناً اعتقادِ قرآن کی رو سے کفر جلی تھا بلکہ سب سے بڑا جرم یہ کیا کہ اظہار حق اور امر بالمعروف کو تلوار کے زور سے دبا دینا چاہا اور مسلمانوں کی حق گوئی کی ترقی کے ولولے کو مضمحل کر دیا۔ تاہم چونکہ عہد نبوت کا فیضان روحانی اور تعلیم قرانی کا اثر ابھی بالکل تازہ تھا، اس لیے اگر چہ طرح طرح کی بدعات اور محدثات و معصیت کا بازار گرم ہو گیا تھا لیکن پھر بھی امر بالمعروف کی آواز کی گرج کوفہ اور دمشق کے ایوان و محل کو لرزا دیتی تھی۔''

آگے لکھتے ہیں: ''بنی امیہ کا سب سے بڑا ظلم جو انہوں نے اسلام پر کیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ خلافتِ راشدہ اسلامیہ کی بنا جو اجماع مشورۂ مسلمین پر تھی، کو حکومت شخصی و مستبدّہ و سلطنت ملکیہ سیاسیہ میں تبدیل کر دیا۔ اور حکومت کی بنیاد و شریعت پر نہیں رکھی بلکہ محض قوت اور سیاست پر رکھی۔ تاریخ اسلام کے تمام صغار کبار و عالی و دانی اس پر متفق ہیں اور تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ ایک سخت بدعت تھی اور فرمان صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ملک عضوص کا آغاز تھا۔ اور سنو! ازاں جملہ بنی امیہ و بنی مروان کی سب سے بری ہادم شریعت اور پر معصیت و فسق و عدوان بدعت شنیعہ جس کا انتقامانہ اتباع برادران شیعہ نے شروع کیا اور افسوس ہے کہ بد بختانہ شاید آج تک کرتے ہیں یعنی سب سے پہلے سرزمین اسلام میں جو رحم و محبت اور صلح و اخوت کی تخم ریزی کیلئے بنی تھی، سبّ و شتم اور لعن و تبرے کا تخم انہوں نے بویا تھا اور لعنت گھروں پر رہ کر نہیں، بلکہ مقدس مساجد اسلام میں جو صرف عبادت و طاعت الٰہی کے مقاصد مقدسہ کیلئے بنائی گئی تھیں، اپنے اغراض نفسانیہ و منکرات ذاتیہ سے اہل بیعت نبوت اور امیر علیہ السلام پر

علانیہ لعنت بھیجنی شروع کی۔

پھر لکھتے ہیں: بنی امیہ کی سب سے پہلی بدعت اور اسلام و مسلمین پر ان کا اولین ظلم یہ تھا کہ نظام حکومت اسلامیہ کا تختہ یکسر الٹ دیا اور خلافت راشدہ جمہوریہ صیحہ کی جگہ مستبدہ (ڈکٹیٹرشپ) و ملک عضوص کی بنیاد ڈالی۔ یہ انقلاب بہت شدید تھا اور بہت مشکل تھا کہ ملک کو اس پر راضی کیا جائے۔ ابھی صحابہ کرام موجود تھے اور خلافت راشدہ کے واقعات بچے بچے کی زبان پر تھے۔ اس لیے اس احساس اسلامی کو مٹانے کے لئے تلوار سے کام لیا گیا اور جس نے قوت حق و معرفت سے زبان کھولی، اس کو زور شمشیر و خنجر سے چپ کرا دیا گیا۔ رفتہ رفتہ احساس منقلب اور خیالات بدلتے چلے گئے اور حقیقت روز بروز مہجور و محجوب ہوتی گئی۔

الہلال کی تیسری جلد میں عشرہ محرم الحرام کے تحت مضمون میں مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بنو امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد و جبر و شخصیت پر ہو، کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورہ اجماع امت کی جگہ محض غلبہ جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظام حکومت شریعت الٰہیہ نہ تھا بلکہ محض اغراض نفسانیہ و مقاصد سیاسیہ تھا۔ ایسی حالت میں ضرور تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جائے اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔ حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی اس کی طاعت اور وفاداری سے انکار کر دیا۔ پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غارت گر ہو اور جس کے احکام

مستبدّہ وجابرہ کی بنیاد صداقت وعدالت کی بجائے ظلم پر ہو۔"

اظہار آزادی تحفہ تھا جو حضور ﷺ نے دنیا کو دیا تھا۔ جو نہ پہلے ملا اور نہ بعد میں، امیر معاویہ وبنوامیہ کی کوششوں سے باقی رہا۔ لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ خلیفہ کا کوئی الگ محل ہو، پہرے دار ہوں یا وہ جلوس میں سفر کرے۔

هنوز اندر جهاں آدم غلام است
نظامش خام و کارِش ناتمام است
غلام فقرِ آں گیتی پناہم
کہ در دینش ملوکیت حرام است

امیر معاویہ کے دور میں مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (اظہار رائے) کی آزادی چھین لی گئی تھی حالانکہ اسلام نے اسے مسلمانوں کا حق نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا۔ ان کے دور ملوکیت میں ضمیروں پر قفل چڑھا دیئے گئے تھے اور زبانیں بند کر دی گئیں۔ یہ اصول بن گیا کہ منہ کھولو تو تعریف کے لئے کھولو ورنہ چپ رہو۔ جو باز نہ آئے ان کیلئے قید، کوڑے اور سزائے موت کا بندوبست تھا جیسا کہ حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے قتل سے ظاہر ہے۔ جبر کا شجر خبیثہ بعد میں اتنا تناور ہو گیا کہ عبدالملک بن مروان 75ھ میں جب مدینہ گیا تو منبر رسول ﷺ پر کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا کہ

"میں امت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا کسی اور چیز سے نہ کروں گا۔ اب اگر کسی نے مجھے کہا کہ اللہ سے ڈر تو میں اس کو قتل کر دوں گا۔"

(الکامل ابن الاثیر ج:4،ص:41-104احکام القرآن الجصاص ج:1،ص:82 فوات الوفیات ،محمد بن شاکر الکتبی ج:2،ص:33)

اس جبر کے نتیجہ میں لوگ ملک اور اس کے معاملات سے لاتعلق ہو گئے اور حکومتوں کی آمد ورفت کے خاموش تماشائی بن کر رہ گئے۔

امیر معاویہ حکمران کیسے بنے؟

امیر معاویہ کی حکومت کی نوعیت ایسی نہ تھی کہ وہ مسلمانوں کے بنانے سے حکمران بنے ہوں۔ وہ بہرحال حکمراں بننا چاہتے تھے اور انہوں نے لڑ کر حکومت حاصل کی۔ لوگوں نے ان کو حکمران نہیں بنایا بلکہ وہ خود اپنے زور پر حکمران بنے۔ وہ خود بھی اپنی اس پوزیشن کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ اپنی حکومت کے آغاز میں معاویہ نے مدینہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم! میں حکومت سنبھالتے ہوئے اس بات سے بے خبر نہ تھا کہ تم میرے برسر اقتدار آنے سے خوش نہیں ہو اور اسے پسند نہیں کرتے۔ اس معاملہ میں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے میں اسے خوب جانتا ہوں مگر میں نے اپنی اس تلوار کے زور پر تم کو مغلوب کر کے اسے (یعنی حکومت کو) لیا ہے......اب اگر تم دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا پورا ادا نہیں کر رہا ہوں تو تھوڑے پر مجھ سے راضی رہو۔" (امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:132)

جو لوگ یزید سے بات شروع کرتے ہیں، انہیں کبھی امام حسین علیہ السلام کی سمجھ نہیں آ سکتی۔ کیا حضرت علی علیہ السلام نعوذ باللہ یزید سے بھی کم مرتبہ تھے؟ وہ مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے چنے ہوئے خلیفہ برحق تھے۔ بات امیر معاویہ سے شروع ہوئی تو تب سمجھ آئے گی۔ انہوں نے سب سے پہلے اسلام میں بغاوت کا آغاز کیا (**اوّل من بغی فی الاسلام معاویه**) اور بہانہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بنالیا جو کہ بالکل غلط تھا۔ اگر حضرت علی علیہ السلام جان بوجھ کر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص نہ لیتے تو زیادہ سے زیادہ نعوذ باللہ فاسق ہوتے۔ اگر خود سیدنا علی علیہ السلام

ہی نعوذ باللہ قاتل عثمان رضی اللہ عنہ ہوتے تو گناہ گار ہی ہوتے۔ کیا حضرت علی علیہ السلام کافر ہوگئے تھے جو امیر معاویہ نے بیعت نہیں کی۔ جو روایات یزید کے حق میں پیش کی جاتی ہیں کہ حکمران جیسا بھی ہو اطاعت کرو، تو کیا وہ حضرت علی علیہ السلام کے حق میں پیش نہیں ہوسکتیں؟ ایک صوبہ کے گورنر نے کیوں بغاوت کی؟ امیر معاویہ نے علانیہ حضرت علی علیہ السلام کی آئینی حکومت کو چیلنج کیا۔ حالانکہ بات سیدھی سی ہے کہ پہلے حضرت علی علیہ السلام کو خلیفہ تسلیم کر کے بیعت کرو پھر قتل سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا مقدمہ پیش کرو، لوگ خود دیکھ لیں گے کہ حضرت علی علیہ السلام انصاف کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر وہ امیر معاویہ کے خیال میں آئینی خلیفہ ہی نہیں تو پھر اُن سے قصاص کا مطالبہ ہی کیوں کرتے ہیں؟

امیر معاویہ نے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر ایک ڈھونگ رچا لیا تھا، عام لوگ اس سے دھوکہ کھا گئے۔ سیدنا حسن علیہ السلام نے اسی لیے صلح کی کہ امیر معاویہ کو اگلے بیس سال کیلئے فری ہینڈ دے دیا۔ پھر لوگوں نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ امیر معاویہ نے کون سا قصاص لیا اور کون سے سا اسلام قائم کیا۔ اسی لیے ایک بھی عالم جرأت نہیں کر سکا کہ ان کے دور کو خلافت راشدہ کہہ سکے۔ مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

"اللہ بنو امیہ سے انصاف کرے جنہوں نے اسلام میں اس مقدس تصویر مساوات کو اپنی کثافت سے ملوث کر دیا اور اس کی بڑھتی ہوئی قوتیں عین دور عروج میں پامالِ مفاسدِ استبداد ہو کر رہ گئیں۔"

(بحوالہ اسلام اور جمہوریت ص:158 مولانا محمد شفیق خاں پسروری اہل حدیث عالم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں حالات کی نزاکت کا احساس کر کے فرمایا کہ میں نے معاویہ کو شام کا علاقہ سپرد کر کے غلطی کی

(مسلم شریف کی شرح فتح الملھم ج:7، ص:154، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

پھر معاویہ نے حکومت سنبھالنے کے بعد جو خطاب کیا اس کا ذکر بخاری میں بھی

ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ معاویہ نے تقریر کرتے ہوئے کہا جو حکومت کے بارے میں کوئی بات کہنا چاہتا ہے وہ ذرا سر تو اٹھائے۔ ہم اس سے اور اس کے باپ سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ حبیب رضی اللہ عنہ ابن مسلمہ صحابی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے معاویہ کی تقریر کا جواب کیوں نہیں دیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں جواب میں اسے یہ کہنا چاہتا تھا کہ تم سے زیادہ حقدار خلافت وہ ہے جو تم سے اور تمہارے باپ سے جنگیں لڑتا رہا۔ پھر میں ڈرا کہ کہیں ایسا کہنے سے جماعت میں پھوٹ نہ پڑ جائے اور خون ریزی نہ ہو اور لوگ میرا مطلب کچھ اور نہ سمجھ لیں۔ میں نے جنت کی نعمتیں جو اللہ نے تیار کر رکھی ہیں، ان کا خیال کیا۔ حبیب بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا تم بچ گئے اور محفوظ رہے۔

(بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق وھی الاحزاب)

امیر معاویہ نے لوگوں سے خوف و رشوت کے ذریعہ بیعت لی۔ یمن کے مشہور سلفی عالم شیخ مقبلی جو ہجرت کر کے مکہ آ گئے تھے۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ حکومت کے لالچی تھے اور اس کیلئے ہر مکر و فریب روا رکھا اور یزید کی بیعت سے آخری کیل بھی ٹھونک دیا۔ جو کہتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا اور نیک نیتی سے غلطی کھا گیا ایسا کہنے والے لوگ یا تو جاہل ہیں یا گمراہ ہیں جو اپنی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اے اللہ میں تجھ کو اپنے اس عقیدہ پر گواہ بتاتا ہوں۔ (العَلَم والشامِخ، ص:238)

صحابہ نے بیعت معاویہ بطور تقیہ کی تھی

بانی تبلیغی جماعت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب معانی الآثار کی شرح امانی الاحبار کے نام سے لکھی ہے۔ اس کی ج:4، ص:252 پر وہ لکھتے ہیں:

"تقیہ کوئی انہونی بات نہیں اور نہ اس سے دین میں کوئی خرابی آتی ہے تقیہ کا جو معنیٰ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لیا وہ دین میں حرام نہیں بلکہ کئی موقعوں پر جائز ہوتا ہے۔ کیا اس معترض (اہل حدیث عالم) کو معلوم نہیں کہ حضرت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی علیہ السلام کے خاص ساتھیوں میں سے تھے۔ یہ حضرت علی علیہ السلام کے ان اصحاب میں سے تھے جو امیر معاویہ کو بہت غلط جانتے تھے، اس لیے بغض رکھتے تھے۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کی زندگی میں امیر معاویہ سے جنگیں لڑتے رہے، مگر بعد میں انہوں نے تقیہ کے طور پر امیر معاویہ کی بیعت کرلی۔ زیادہ صحابہ نے ڈر کے مارے اور کچھ نے راضی ہو کر بیعت کی۔ اور اسی طرح اس کے بیٹے یزید کی بیعت بھی تقیہ کے طور پر کی تھی۔"

بخاری کتاب الاکراہ کے شروع میں ہی امام بخاری لکھتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: "تقیہ قیامت تک قائم رہے گا۔"

امیر معاویہ کی فضیلت

ان کی فضیلت میں کوئی حدیثِ صحیح ثابت نہیں ہے۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی شرح فتح الباری ج:7، ص:104 پر لکھتے ہیں:

"ابن ابی عاصم نے ایک پورا رسالہ امیر معاویہ کی شان پر لکھا۔ ثعلب کے غلام ابو عمر نے بھی ایسا ہی رسالہ لکھا اور ابو بکر نقاش نے بھی لکھا۔ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات (من گھڑت روایات) پر جو کتاب لکھی اس میں ایسی روایات ذکر کے امام اسحٰق بن راہویہ محدث رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کر دیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک روایت بھی صحیح نہیں ہے۔"

پھر امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا قصہ بھی لکھا کہ انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں کتاب "خصائص علی علیہ السلام" لکھی تو شام کے لوگوں نے امیر معاویہ کی شان بھی پوچھی۔ امام نے جواب دیا کہ ان کی شان میں کوئی حدیث ثابت نہیں البتہ ایک بد دعا ثابت ہے کہ خدا اس کا پیٹ نہ بھرے۔ پھر شامیوں نے امام کو اتنا مارا کہ ان کے خصیے کچل دیئے اور پیٹ پھاڑ دیا جس سے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ شہید ہو گئے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "معلوم ہوتا ہے امام نسائی نے بھی اپنے استاد اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد کیا۔"

مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری نے ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج:4، ص:354-355 پر یہی لکھا کہ امیر معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔ عبید اللہ امرتسری نے اپنی کتاب ارجح المطالب کے ص:581 پر شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے یہی قول لکھا۔ ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب موضوعات کبیر (بڑے جھوٹ) اردو کے ص:566 اور عربی کے ص:106 پر امام اسحٰق راہویہ کے حوالہ سے یہی قول لکھا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **اللآلی المصنوعه فی الآحادیث الموضوعه** ج:1، ص:424 پر یہی لکھا ہے۔

شیخ محمد بن احمد سفارینی اپنی کتاب **لوامع الانوار الیهیه و سواطع الاسرار الاثریه** میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے عبداللہ کا قول نقل کرتے ہیں:

"انہوں نے کہا میں نے اپنے والد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے علی علیہ السلام و معاویہ کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ علی علیہ السلام کے دشمن بہت تھے۔ انہوں نے علی علیہ السلام میں تلاش کیا مگر نہ کر سکے تو یہ لوگ ایک ایسے شخص (معاویہ) کی طرف متوجہ ہوئے جس نے علی علیہ السلام سے جنگ و جدال کیا تھا اور ان دشمنان علی علیہ السلام نے عیب امیر معاویہ کی تعریف بڑھا چڑھا کر کی جو علی علیہ السلام کے خلاف ایک چال تھی۔

(لوامع الانوار ج:2، ص:339)

امیر معاویہ کی سیاست

مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ البلاغ ج:6، ص:55 پر لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ کی سیاست یہ تھی کہ مال و دولت کے چھینٹوں سے گرم دلوں کو ٹھنڈا کیا جائے۔

اوّلیاتِ امیر معاویہ یا بدعات امیر معاویہ

ان کے دور میں مندرجہ ذیل بدعات شروع ہوئیں۔

(1) موروثی حکومت

مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں:

''بنی امیہ کی سب سے پہلی بدعت اور اسلام و مسلمین پر ان کا اولین ظلم یہ تھا کہ نظام حکومت اسلامیہ کا تختہ یکسر الٹ دیا اور خلافت راشدہ جمہوریہ صحیحہ کی جگہ مستبدہ (ڈکٹیٹر شپ) وملک عضوض کی بنیاد ڈالی۔

(الہلال کی فائل کی ج:2،ص:6)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے امیر معاویہ سے بار بار اصرار کیا کہ حکمران کا انتخاب امت پر چھوڑ دے جو سنت نبوی ہے۔ امیر معاویہ نے کہا کوئی اور تجویز دو تو انہوں نے کہا ابوبکرؓ کی طرح کر کہ اپنے خاندان سے باہر امت کا کوئی نیک آدمی ولی عہد نامزد کر دے۔ امیر معاویہ نے کہا یہ بھی منظور نہیں۔ انہوں نے کہا حضرت عمرؓ کی طرح کمیٹی بنا دے، امیر معاویہ نے کہا اس کے علاوہ کوئی اور صورت؟ ابن زبیرؓ نے کہا اور کوئی صورت نہیں تو امیر معاویہ نے کہا میں ان سب کو ٹھیک کر دوں گا۔ پھر انہوں نے خوف و لالچ سے سب کو ٹھیک کر دیا۔

امام ذہبیؒ اپنی کتاب سیر اعلام النبلاء ج:3،ص:158 پر لکھتے ہیں:

''کاش امیر معاویہ اپنے بیٹے کے حق میں وصیت نہ کرتے اور امت کو اپنی مرضی کا حکمران چننے کیلئے چھوڑ جاتے۔ اس کتاب کی ج:4،ص:44 پر امام

لکھتے ہیں کہ حضرت حسن بصریؒ کہتے تھے اگر یہ بری سنت جاری نہ ہوتی کہ اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کو ولی عہد بنا دیا (بعد میں یہ تماشہ نہ ہوتا کہ بڑے بڑے بدمعاش حکومت پر آ گئے) تو شوریٰ ہوتی۔

علامہ رشید رضا مصریؒ اپنی کتاب ''الخلافۃ الامامۃ العظمیٰ'' میں لکھتے ہیں:

''تصنیف و تالیف کا دور اس وقت آیا جب امیر معاویہ کی ایجاد کی ہوئی دو بدعتوں کے باعث خلافت نے ملوکیت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اول یہ کہ حکومت کو عصبیت کی قوت کے تابع کر دیا اور دوم یہ کہ خلافت کو میراث بنا دیا۔''

(کتاب مذکور کے اردو ترجمہ کا ص:121)

امام ابن اثیرؒ اپنی کتاب ''الکامل میں لکھتے ہیں:

''معاویہ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے اسلام میں اپنے بیٹے کیلئے بیعت لی۔''

حدیث میں آتا ہے کہ میری سنت کو بنو امیہ کا ایک آدمی بدلے گا۔ یہ حدیث **صحیح الجامع الصغیر** ج:1،ص:504،نمبر 2582 پر حضرت ابوذرؓ سے، علامہ البانی **سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ** ج:4، ص:329-330 حدیث نمبر 1749 پر درج ہے۔ علامہ البانیؒ اس کی شرح میں ص: 330 پر لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے شوریٰ کو وراثت میں بدل دیا۔

(2) اسلام میں سب سے پہلی بغاوت

امام سعد الدین تفتازانیؒ لکھتے ہیں:

''اکثر علماء کا یہ مسلک ہے کہ اوّلَ مَنْ بغیٰ فی الاسلام معاویہ یعنی اسلام میں سب سے پہلے بغاوت معاویہ نے کی، (شرح مقاصد تفتازانی بحوالہ ارجح المطالب ص:578، عبیداللہ امرتسری) لہٰذا صلح حسن علیہ السلام کے بعد معاویہ کے امام ہونے میں اختلاف ہے۔ (ارجح المطالب ص:582)

(3) پہلا بادشاہ

صحیح حدیث میں فرمایا گیا کہ میرے بعد خلافت 30 سال تک ہے پھر ملک عضوض (کاٹ کھانے والی بادشاہت) ہے۔

(سلسلة الاحادیث الصحیحه البانی ج:1، ص:520،حدیث نمبر 459،ابو داؤد حدیث نمبر 4646، ابن حبان حدیث نمبر 1535، سیر اعلام النبلاء ذهبی رحمۃ اللہ علیہ ج:4،ص:79، الجواب الصحیح امام ابن تیمیه رحمۃ اللہ علیہ ج:4،ص:138)

ترمذی ابو اب الفتن باب ماجآء فی الخلافة میں سعید بن جمهان حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں خلافت 30 برس تک ہے پھر بادشاہت ہے۔ پھر سفینہ رضی اللہ عنہ نے کہا خلافت گن لے خلافت ابو بکر وعمر و عثمان، علی رضی اللہ عنہم کو پھر ہم نے گنا اور پایا 30 سال، کہا سعید رضی اللہ عنہ نے کہ میں نے سفینہ رضی اللہ عنہ سے کہا بنی امیہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے کہا سفینہ نے یہ بنوزرقاء جھوٹ بولتے ہیں، وہ بادشاہ ہیں بلکہ بدترین بادشاہ!

(تاریخ الخلفاء سیوطی بحواله مصنف ابن ابی شیبه بحواله ارجح المطالب ص:583-584)

سنن ابو داؤد کی شرح عون المعبود ج:4،ص:342 پر اہل حدیث عالم مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:

''بنوامیہ کے حاکم چاہے زبردستی خلیفہ بن گئے لیکن وہ قطعاً اس کے اہل نہ تھے بلکہ وہ ظالم حکمران تھے۔ وہ خلیفہ راشد نہیں بلکہ ظالم بادشاہ تھے۔

آگے لکھتے ہیں کہ امام مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

''خلافت ختم ہونے کے بعد یعنی 30 سال کے بعد بادشاہت ہوگی کیونکہ خلیفہ کا نام صرف ان کیلئے جو سنت نبوی پر چلتے رہے اور مخالف سنت نبوی بادشاہ تھے، خلیفہ نہ تھے۔ ہاں ان بادشاہوں کو خلیفہ کہہ دیتے ہیں کیونکہ ایک

کے بعد دوسرا جو آیا۔''

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:12،ص:392 پر لکھتے ہیں:

''حدیث میں ہے کہ میرے بعد خلافت 30 سال ہے اس سے مراد خلافت نبوت ہے اور معاویہ اور بعد والے بادشاہوں کے طریقہ پر تھے چاہے ان کا نام خلیفہ رکھو۔ معاویہ اور بعد میں آنے والوں کو خلیفہ صرف لغوی معنوں میں کہتے ہیں مگر ان کی سیرت ملوکانہ تھی۔''

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اہل حدیث عالم ترمذی کی شرح تحفة الاحوذی ج:3،ص:230 پر لکھتے ہیں:

''حضرت سفینہ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا معاویہ پہلا بادشاہ ہے۔ خلافت نبوت سے مراد خلافت کاملہ لی جاتی ہے اور وہ صرف 5 اشخاص میں منحصر ہے (یعنی سیدنا حسن علیہ السلام تک) لہٰذا جب حدیث میں 12 خلفاء کا ذکر آئے تو وہ اس کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں مطلق حکمرانوں کی بات ہے۔''

مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح مرقاۃ میں ج:10 ص:124 پر لکھتے ہیں:

''معاویہ خلیفہ نہیں بادشاہ تھے، ان کو کسی امام اور عالم نے خلیفہ نہیں کہا۔''

یہی بات شاہ ولی اللہ نے حجة البالغه ج:2،ص:212 پر لکھی ہے۔

عشرہ مبشرہ میں شامل سعد بن ابی وقاص نے امیر معاویہ کو بادشاہ کہہ کر سلام کیا (الکامل ابن اثیر ج:3،ص:405) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفۃ اثناء عشریہ ص:363 باب در امامت میں امیر معاویہ کو اسلام میں پہلا بادشاہ لکھتے ہیں۔

امیر معاویہ نے خود کہا کہ انا اوّل الملوک (میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں،

(الاستیعاب امام ابن عبدالبر ج:1،ص:254، البدایه والنهایه، ابن کثیر ج:8،ص:135)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول سنت یہی ہے کہ ان کو خلیفہ کی بجائے بادشاہ کہا جائے کیونکہ حدیث میں فرمایا گیا میرے بعد خلافت 30 سال ہے پھر

بادشاہت ہے اور یہ مدت ربیع الاوّل 41ھ میں ختم ہوگئی جبکہ حسن علیہ السلام معاویہ کے حق میں دست بردار ہوگئے۔ (البدایہ والنھایہ، ج 8، ص 16)

(4) نمازعید کی اذان واقامت

عید کی اذان واقامت امیر معاویہ نے شروع کی

(ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج:1،ص:375، بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ) امام ابن حزم المحلی ج:5،ص:85-86، امام ابن عبدالبر، التمھید لما فی المؤطا فی المعانی والا سانید ج: 10 ،ص:244، امام سیوطی ، تاریخ الخلفاء اردو،ص:248)

(5) نمازعید کا خطبہ نماز سے پہلے شروع کردیا۔

مروان گورنر مدینہ صحابی حضرت ابوسعید خدری نے پہلے خطبہ سے منع کیا تو س نے کہا چھوٹ گئی وہ سنت جو تم جانتے ہو۔(مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین عن ابی سعید رضی اللہ عنہ الخدری)

(6) سیدنا علی علیہ السلام پر لعنت کرانا

ابوعبداللہ الجدلی سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تمہارے منبروں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جاتی ہیں جب یہ کہا جاتا ہے کہ علی علیہ السلام اور اس سے محبت کرنے والوں پر لعنت کیونکہ میں جانتی ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ علی علیہ السلام سے محبت کرتے تھے۔

(سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ البانی ج:7،حصہ 2حدیث نمبر 3332، مسند ابو یعلیٰ ج:12،ص:444-445، طبرانی فی المعجم الاوسط ج:6،ص:389، حدیث نمبر 5228، المعجم الصغیر ص:199ھندیہ، المعجم الکبیر ج:23،ص:323،حدیث نمبر 738)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ المحلیٰ ج:5،ص:86 پر لکھتے ہیں کہ بنوامیہ خطبہ عید میں حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرتے تھے۔

ابوعبداللہ الجدلی سے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تمہاری موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دی جاتی ہیں۔انہوں نے کہا معاذ اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے علی علیہ السلام کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔

(مسند احمد حدیث نمبر 27284،ج:12،ص:112 اردو)

اس موضوع پر تفصیلی بحث حضرت علی علیہ السلام کے دور کے حالات میں گزر چکی ہے۔
امیر معاویہ سیدنا علی علیہ السلام کی دشمنی میں اس حد تک آگے چلے گئے کہ حضرت علی علیہ السلام کو گالی نہ دینے والے سے جواب طلبی کرتے تھے۔

(مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی علیہ السلام ابن ابی طالب، ترمذی ابواب المناقب باب مناقب علی علیہ السلام ابن ابی طالب)

یہ رواج بنوامیہ میں اتنا زیادہ پھیل گیا تھا کہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی موت کی وجہ بن گیا اور ان کو حب علی علیہ السلام کے الزام میں قتل کردیا گیا۔امیر معاویہ کی شروع کردہ اس بری بدعت کا ذکر امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ ج:4،ص:188 امام ابن الاثیر نے الکامل ج:3،ص:234، ج:4،ص:154 امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج:8،ص:289،ج:9،ص:80 پر بھی کیا ہے۔

(7) دین وسیاست الگ الگ کردیئے

امیر معاویہ اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دین وسیاست کو الگ الگ کردیا۔

(8) لاش کا سر کاٹنا

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین نے کسی لاش کا سر نہیں کٹوایا۔جنگ بدر میں ابوجہل کا سر کاٹنے کی باتیں محض جعلی ہیں۔امام بیہقی اپنی سنن میں لکھتے ہیں:

> ''ایک عیسائی پادری جنگ میں مارا گیا۔مسلمان کمانڈر نے اس کا سر کاٹ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھجوایا۔آپ نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا آئندہ یہ حرکت نہ کرنا۔'' (بحوالہ المبسوط امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ ج:10،ص:131)

معاویہ کے حکم سے عمرو بن حمق صحابی کا کاٹا گیا اور شہر شہر پھرایا گیا۔پوری سلطنت میں پھرانے کے بعد ان کی بیوی کی گود میں لاکر پھینک دیا گیا جو کہ امیر معاویہ نے قید کی ہوئی تھی۔اس کا نام آمنہ بن شریک تھا۔اس نے سر کو

چوما اور اپنے سینہ سے لگا کر کہا ان لوگوں نے زندگی میں تجھے مجھ سے جدا رکھا اور اب تیرا سر لا کر یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ میں تجھ سے نفرت کرتی ہوں لیکن تو اب بھی میرا محبوب ہے۔ تم راہ خدا میں شہید ہوئے۔

(امام ابن اثیر اسد الغابہ ج:4، ص:101، امام ابن حجر، التلخیص الحبیر ج:4، ص:107-108، طبقات ابن سعد ج:6، ص:25، الاستیعاب ج:2، ص:440، تھذیب ج:8، ص:24)

امیر معاویہ نے کفر کا رواج شروع کیا اور یہی ان کے بیٹے یزید نے امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا۔

اسلام میں سب سے پہلا سر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا کاٹا گیا جو جنگ صفین میں شریک تھے۔ سر کاٹ کر امیر معاویہ کے پاس لایا گیا اور دو آدمی اس سر کے بارے میں جھگڑ رہے تھے، ہر ایک کہتا تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو میں نے قتل کیا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل حدیث نمبر 6538-6929، طبقات ابن سعد ج:3 ص:253)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ مصر میں حضرت علی علیہ السلام کے گورنر تھے۔ جب امیر معاویہ کا قبضہ مصر پر ہوا تو انہیں گرفتار کر کے قتل کیا گیا پھر ان کی لاش مردہ گدھے کی کھال میں رکھ کر جلائی گئی۔

(الاستیعاب ج:1، ص:235، طبری ج:4، ص:79، ابن اثیر، الکامل ج:3، ص:180 ابن خلدون تکملہ ج:2، ص:182)

امیر معاویہ کا جاری کردہ یہ طریقہ بعد میں بھی قائم رہا اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ، معصب بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کے سر بنو امیہ کے دور میں کاٹے گئے۔

(9) سونا، چاندی، ریشم اور درندوں کی کھالوں کا استعمال

امیر معاویہ کے گھر میں سونا چاندی مردوں کے استعمال میں ہوتے تھے، درندوں کی کھالیں بطور نشست اور ریشم بطور لباس استعمال ہوتا تھا، ان تمام باتوں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ ان کاموں کے منع ہونے اور ان کے گھر میں ہونے کا اعتراف امیر معاویہ کو بھی تھا جیسا کہ حضرت

مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مکالمہ سے ثابت ہوتا ہے۔

(ابو داؤد، کتاب اللباس باب فی جلود النمور باب نمبر 263، مسند احمد روایت نمبر 17321 ج:7، ص:141)

(10) مسلمانوں کو غلام بنانا

امیر معاویہ کے گورنر بُسر بن ابی ارطاط نے حضرت علی علیہ السلام کے زیر انتظام علاقہ ہَمَدان پر معاویہ کے حکم سے حملہ کیا اور جنگ میں پکڑی جانے والی مسلمان لونڈیاں بنالیں جس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں۔

(امام ابن عبدالبر، الاستیعاب ج:1، ص:65)

امیر معاویہ نے گورنروں کو بے لگام چھوڑا ہوا تھا۔ جب کوئی ان کے ظلم کی فریاد لے کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاتا تو اسے کہا جاتا کہ میرے گورنروں سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(الکامل ابن اثیر ج:3، ص:248، البدایہ والنہایہ، ابن کثیر ج:8، ص:71، طبری ج:4، ص:223، امام ابن اثیر اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج:1، ص:181، پر لکھتے ہیں کہ یہ پہلی عورتیں تھیں جو اسلام میں لونڈیاں بنائی گئیں۔

(11) پانی بند کرنا سنت معاویہ ہے

جنگ صفین کیلئے معاویہ کا لشکر پہلے پہنچ چکا تھا اور انہوں نے فرات کے پانی پر قبضہ کر لیا اور علی علیہ السلام کی فوج کا پانی بند کر دیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی فوج نے لڑ کر پانی کا قبضہ لیا اور سیدنا علی علیہ السلام نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اپنی ضرورت بھر پانی لیتے رہو اور مخالف لشکر کو بھی فائدہ اٹھانے کی اجازت دو۔

(طبری ج:3، ص:568-569، الکامل ابن اثیر ج:3، ص:145-146، ابن خلدون تکملہ تاریخ ابن خلدون ج:2، ص:170)

امیر معاویہ کے "سعادت مند" بیٹے یزید نے دوسری باتوں کی طرح اپنے والد کی یہ سنت بھی برقرار رکھی اور سیدنا امام حسین علیہ السلام کا کربلا میں پانی بند کر دیا۔ اس بارے میں

حدیث ملاحظہ ہو کہ پانی بند کرنے والے پر اللہ تعالیٰ کتنا ناراض ہے۔

بخاری کتاب الاحکام باب من بایع رجلاً لا یبا یعہ الا للدنیا میں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے بات تک نہ کرے گا نہ انکو گناہوں سے پاک کرے گا بلکہ ان کو دُکھ کی مار پڑے گی۔ ایک تو وہ شخص جس کے پاس راستے میں فالتو پانی ہو اور وہ مسافر کو نہ دے، دوسرے وہ شخص جو محض دنیا کمانے کی خاطر کسی امام کی بیعت کرے کہ اگر وہ اسے مال دے تو بیعت پوری کرے ورنہ نہ پوری کرے، تیسرے وہ شخص جو عصر کی نماز کے بعد سامان فروخت کرنے جائے اور اللہ کی جھوٹی قسم کھائے کہ اس کی یہ قیمت مجھے ملتی تھی مگر میں نے نہ بیچا اور اس کی قسم کے اعتبار پر کوئی وہ سامان خرید لے حالانکہ وہ جھوٹا ہو اور اس کو اتنی قیمت نہیں ملتی تھی۔

اس حدیث کے تحت مولانا وحید الزماں نے سیدنا حسین علیہ السلام کا پانی بند کرنے کا ذکر کر کے لکھا کہ ان مردودوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی خیال نہ آیا کہ آپ علیہ السلام کی جوتیوں کے طفیل سے اس درجہ کو پہنچے کہ حکومت اور سرداری ملی۔

(12) پیشگی زکوٰۃ لینا شروع کر دی

ابن شہاب نے کہا سب سے پہلے معاویہ نے عطیات میں سے پیشگی زکوٰۃ کاٹی۔

(موطا امام مالك كتاب الزكاة باب الزكوٰة فى العين من الذهب والورق)

علامہ وحید الزماں اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"یعنی تنخواہ کی تقسیم کے وقت لے لیتے، یہ امر خلفائے راشدین سے منقول نہیں ہے اور خلاف ہے حدیث کے اور اجماع صحابہ کے اس واسطے اس پر عمل نہیں ہوا۔"

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ موطا کی شرح المصفیٰ ص:207 پر لکھتے ہیں کہ سالانہ و ماہانہ عطیات پر کسی کو دیتے وقت ہی زکوٰۃ وصول کرنا بدعت ہے۔

(13) جمعہ کا خطبہ بیٹھ کر

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"طاؤس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابو بکر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور سب سے پہلے معاویہ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا۔ **(ازالۃ الخفاء ج:2، ص:199)**

مسلم شریف کتاب الجمعہ میں روایت ہے:

"حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے تو ابن ام الحکم بیٹھے ہوئے خطبہ جمعہ پڑھ رہا تھا تو انہوں نے کہا اس خبیث کو دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جب دیکھتے ہیں کسی تجارت یا کھیل کو تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور تجھ کو کھڑا ہو چھوڑ جاتے ہیں۔" (سورۂ جمعہ)

(14) بیت الخلاء قبلہ رخ بنانا

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنے سے منع فرمایا۔ مگر شام میں بیت الخلاء قبلہ رخ بنے ہوئے تھے۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب قبلہ اهل المدينه اهل الشام، مسلم كتاب الطهارة باب استقبال القبلة)

(15) کوتوال کا عہدہ

بخاری شریف کتاب الاحکام باب ماتحت حاکم قصاص کا حکم دے سکتا ہے میں پہلی حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

"کوتوال کا عہدہ خلافت راشدہ کے دور تک نہ تھا یہ بنی امیہ کی ایجاد ہے اور انہی کا اثر اس عہدے میں آ گیا کہ کوتوال اکثر ظالم، سفاک اور بے رحم ہوتا ہے۔"

(16) مقصورہ میں نماز پڑھنا

مسلم کتاب الجمعہ کی آخری روایت میں سائب سے روایت ہے کہ میں نے معاویہ کے ساتھ جمعہ پڑھا مقصورہ میں۔

(17) حج تمتع سے منع کرنا

سب سے پہلے جس نے حج تمتع سے منع کیا وہ معاویہ ہیں۔

(مسند احمد کی شرح الفتح الربانی ج:11، ص:158 ، ترمذی کتاب الحج باب ماجاء فی التمتع عن ابن عباسؓ)

(18) بیعت لیتے وقت قسم لینا

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بیعت لیتے وقت قسم لینے کا طریقہ امیر معاویہ نے ایجاد کیا اور عبدالملک بن مروان نے طلاق اور عتاق کی بھی قسم لینا شروع کر دی۔

(تاریخ الخلفاء سیوطی اردو ص:248)

(19) نیزوں پر قرآن کھڑا کرنا

جنگ میں قرآن کھڑا کرنا سنت مطہرہ میں نہیں آیا نہ سنت خلفائے راشدین میں بلکہ اس بدعت کا پہلا کرنے والا معاویہ تھا۔ پھر عمرو بن عاص کی چالاکی کو حدیث و تاریخ کی کتابیں پڑھنے والا جانتا ہی ہے۔

(سید نور الحسن خان رحمۃ اللہ علیہ ابن نواب صدیق حسن خان رحمۃ اللہ علیہ، عرف الجادی ص:197-198 باب دربیان قتالِ اهل البغی)

سنتوں میں تبدیلی

آپ پیچھے اولیات امیر معاویہ کی پہلی بدعت موروثی حکومت کے تحت یہ حدیث ملاحظہ کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میری سنت کو سب سے پہلے بنوامیہ کا ایک آدمی بدلے گا۔ آپ دیکھتے جائیں کہ ایک ایک سنت کیسے بدلی گئی۔

(1) نماز میں تبدیلی

''پھر ان کے بعد ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو چھوڑ دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے۔'' (سورہ تحریم:19/59)

امیر معاویہ کے دور میں نماز کا جو برا حال ہوا وہ نسائی **کتاب الامامة باب الصلوٰة مع آئمة الجور** میں حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ امیر معاویہ کا گورنر زیاد ابن ابیہ نماز لیٹ کر کے پڑھاتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ ہمارے پاس عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ آئے میں نے ان کیلئے کرسی بچھائی، وہ بیٹھ گئے۔ میں نے کہا زیاد نماز لیٹ کر کے پڑھتا ہے۔ انہوں نے حیرت سے ہونٹ چبائے اور میری ران پر اس طرح ہاتھ مارا تھا، جیسے میں نے تیری ران پر مارا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جیسے تم نے مجھ سے پوچھا ویسے ہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح میری ران پر ہاتھ مارا تھا جیسے میں نے تیری ران پر مارا ہے۔ فرمایا میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے یہی پوچھا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم وقت پر نماز پڑھ لینا۔ جب ظالم حاکم لیٹ کر کے نماز پڑھائیں تو ان کے پیچھے بھی پڑھ لینا اور یہ نہ کہنا کہ میں تو پڑھ چکا اب نہیں پڑھوں گا۔

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابوالحسن سندھی ؒ کہتے ہیں کہ
اس حدیث سے ظالم حاکموں کے پیچھے نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہوتا ہے
کیونکہ نماز کو تاخیر سے پڑھنا صرف ظالم حاکموں کا کام ہے۔
(حاشیہ نسائی، علامہ سندھی ج:2، ص:76)

امام ابن حجر ؒ اسد الغابہ میں حضرت حجر بن عدی ؓ کے حالات ج:1، ص:385 پر لکھتے ہیں کہ ان کے قتل کا سبب بھی زیاد کو نماز دیر سے پڑھانے پر کنکریاں مار کر ٹوکنا تھا۔

صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ، باب تضیع الصلاۃ عن وقتھا میں حضرت انس ؓ سے مروی احادیث میں بنوامیہ کے دور میں نماز کی بربادی پر روشنی پڑتی ہے۔ **صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اتمام التکبیر** سے معلوم ہوتا ہے کہ بنوامیہ نے اونچی آواز سے اللہ اکبر کہنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

امام ابن قیم ؒ زادالمعاد میں ج:1، ص:56 پر لکھتے ہیں:

"ہمارے شیخ امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے تھے کہ رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا بھی قومہ اور قعدہ، نماز کے دونوں حصے بنوامیہ کے حاکموں نے بدل دیئے تھے اور اللہ اکبر کہنا چھوڑ دیا تھا اور نماز میں شدید تاخیر کرتے تھے۔"

امام ابن حجر فتح الباری شرح بخاری ج:2، ص:14 پر اور مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری ؒ تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج:1، ص:157 پر لکھتے ہیں:

"بنوامیہ کے دور میں لوگ بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھ لیتے تھے تاکہ اٹھ کر پڑھنے کی صورت میں گردن نہ اتار دی جائے۔"

ترمذی ابو اب الصلوٰۃ باب ماجاء فی تعجیل الصلاۃ اذا اخّرَ ھا الامام میں سیدنا ابی ذر ؓ سے روایت ہے کہ کہ فرمایا:

"نبی ﷺ نے کہ میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو نماز کو مار ڈالیں گے تو تم وقت پر پڑھ لینا۔ اگر تم نے وقت پر پڑھ لی تو امام کے ساتھ نفل ہو جائے گی اور اگر نہیں پڑھی تو تم اپنی نماز کی حفاظت کر چکے۔"

یہی روایت **ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا اخر الامام الصلوٰۃ عن الوقت** میں بھی آئی ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے مصر کے اموی حاکم عقبہ بن عامر کو مغرب کی نماز دیر سے پڑھانے پر کھڑے ہو کر کہا بھلا یہ کیا نماز ہے اے عقبہ؟ اس نے کہا ہم مصروف تھے آپ نے فرمایا کیا تو نے نہیں سنا کہ حضور ﷺ فرماتے تھے میری امت میں ہمیشہ بہتری رہے گی جب تک مغرب میں دیر نہ کریں گے۔ **(ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت المغرب)**

ایسے حاکموں کے متعلق نبوی پیش گوئی بھی تھی مثلاً **ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا اخر الامام الصلوٰۃ عن الوقت** میں حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ اور قبیصہ ؓ بن وقاص سے روایت ہیں ایسے حاکموں کو نماز لیٹ کرنے کا گناہ ہوگا، مقتدیوں کو نہ ہوگا۔ جیسا کہ مذکورہ احادیث اور ایک دوسری حدیث **کتاب الصلوٰۃ ابو داؤد باب فی جُمّاع الامامۃ و فضلھا** میں بیان فرمایا گیا۔

بنوامیہ کو سیدنا علی ؑ سے اتنی چڑ تھی کہ سنت کے مطابق جمعہ کی نماز میں سورتیں پڑھنا بھی ان کو پسند نہیں تھا۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے مروان کے قائم مقام گورنر کی حیثیت میں جمعہ میں سنت کے مطابق سورت جمعہ اور سورہ منافقون پڑھیں تو ایک نے اٹھ کر کہا آپ نے وہ سورتیں پڑھیں جو علی ؑ کوفہ میں پڑھتے تھے۔ ابو ہریرہ ؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہی سورتیں پڑھتے دیکھا تھا۔ (صحیح مسلم کتاب الجمعہ)

یہ یاد رہے کہ مومنوں میں سے ہر نیک و بد کے پیچھے نماز جائز ہے (ملا علی قاری شرح الفقہ الاکبر ص:91) عقیدہ طحاویہ میں امام طحاوی لکھتے ہیں کہ حج و جہاد مسلمانوں کے حکمران

کے ماتحت قیامت تک جاری رہیں گے خواہ نیک ہوں یا بدان کاموں کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی اور نہ ان کا سلسلہ منقطع کر سکتی ہے۔

(ابن ابی العز الحنفی، شرح الطحاویہ ص:322)

نماز فاسق اماموں کے پیچھے بھی ان کے فسق کے باوجود جائز ہوگی۔

(احکام القرآن امام ابو بکر جصّاص حنفی ج:1،ص:80-81، المبسوط امام سرخسی ؒ ج:10،ص:130)

ظالم حاکم سے وظیفہ لیا جاسکتا ہے۔ امام حسن بصری ؒ اور سعید بن جبیر ؒ ظالم حاکموں سے وظیفہ لیتے تھے۔ لیکن ان کو جائز حاکم تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ ان کو فاجر کہتے تھے۔

(احکام القرآن ابوبکر جصّاص ج:1،ص:71)

یہی معاملہ اس سے پہلے لوگ معاویہ کے ساتھ کرتے تھے کہ نہ اس سے محبت کرتے، بلکہ اس سے براءت کرتے مگر وظیفہ لیتے تھے۔

(2) حج میں تبدیلی

حضرت سعید بن جبیر ؓ سے روایت ہے کہ میں عرفات میں عبداللہ بن عباس ؓ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے کہا کیا وجہ ہے حج میں لبیک کی آواز نہیں آتی۔ میں نے کہا لوگ معاویہ سے ڈرتے ہیں۔ (انہوں نے لبیک کہنے سے منع کیا ہے) یہ سن کر ابن عباس ؓ اپنے خیمے سے نکلے اور لبیک اللّٰھم لبیک کہا۔ اور کہا کہ لوگوں نے حضرت علی علیہ السلام کی دشمنی میں سنت نبوی کو چھوڑ دیا۔

(نسائی کتاب الحج باب التلبیہ بعَرَفة)

امام کعبہ محب الدین طبری نے اپنی کتاب ''القری لقاصد ام القری ص:365 پر لکھا ہے:

''ابن عباس ؓ نے کہا اللہ بنی فلاں پر لعنت کرے (یعنی بنی امیہ پر) انہوں نے حج کے دن کی زینت مٹا دی۔ حج کے دن کی زینت لبیک پکارنا ہے۔''

مولانا شبیر احمد عثمانی ؒ دیوبندی صحیح مسلم کی شرح فتح الملہم ج:3،ص:300-301 پر حضرت عمران بن حصین ؓ کی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں:

''وہ 52ھ میں فوت ہوئے یہ امیر معاویہ کا دور تھا۔ یہ زیاد کی طرف سے قاضی بھی رہے اور بعد میں مستعفی ہوگئے۔ جب عمران بن حصین ؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے مطرّف ؒ کو بلایا اور فرمایا میں تجھے چند حدیثیں سنانے لگا ہوں جن سے تم، اگر زندہ رہے اور بعد والے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اگر میں مرض سے بچ گیا تو یہ حدیث کسی کو نہ بتانا (دور معاویہ کا جبر ملاحظہ ہو۔) اگر میں مرگیا تو بے شک بیان کر دینا۔ وہ یہ کہ حضور ﷺ پر حج تمتع کی آیت اتری۔ ہم نے ان کے ساتھ حج تمتع کیا۔ یاد رکھ حضور ﷺ نے حج وعمرہ اکٹھا کرنے کا حکم دیا۔ پھر کتاب اللہ میں کوئی آیت اس کو منسوخ کرنے والی نہیں اتری اور نہ حضور ﷺ نے اس کو منسوخ فرمایا۔ اب لوگوں نے اپنی مرضی سے اس کو منع کر دیا۔ حضور ﷺ نے وفات تک اس سے نہ روکا۔ روایت مسلم کتاب الحج باب جواز التمتع میں ہے۔

''سعد بن ابی وقاص ؓ سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ حج تمتع کیا تھا، اس وقت معاویہ مکے کے مکانوں میں کافر تھا۔'' (الفتح الربانی شرح مسند احمد، ج:11 ص159)

حج کیلئے حضرت عثمان ؓ جب مکہ آئے تو انہوں نے پوری نماز پڑھی۔ جب منیٰ گئے تو قصر پڑھی۔ جب حج سے واپس آ کر منیٰ میں ٹھہرے تو پوری پڑھنا شروع کر دی۔ امیر معاویہ حج کیلئے مکہ آئے تو قصر نماز یعنی دو رکعت ظہر پڑھائی پھر دارلندوہ چلے گئے تو مروان اور عثمان ؓ کا بیٹا عمرو بن عثمان اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا معاویہ! تو نے اپنے چچا کے بیٹے عثمان پر وہ داغ لگایا ہے جو کوئی نہیں لگا سکا۔ معاویہ نے کہا میں نے ایسا کیا کیا؟ کہنے لگے

تجھے معلوم نہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں پوری نماز پڑھتے تھے۔ معاویہ نے کہا تمہارا بیڑہ غرق ہو، جو میں نے کیا دین تو یہی تھا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہاں قصر نماز پڑھتا رہا ہوں۔ وہ دونوں کہنے لگے تیرے چچازاد بھائی نے پوری پڑھی اور تیرا ان کے طریقہ کے خلاف کام کرنا لوگوں کیلئے عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف سند بن گیا ہے۔ پھر معاویہ نے اگلی نماز یعنی عصر کی نماز پڑھائی تو پوری پڑھائی۔ اس طرح سیاست کی دہلیز پر دین کو قربان کر دیا۔ (الفتح الربانی شرح مسند احمد ج:5،ص:106، امام عبدالرحمٰن البناء رحمۃ اللہ علیہ)

امام ابن حزم لکھتے ہیں:

''معاویہ نے حج میں سنت کو نظر انداز کیا۔'' (المحلی ج:5،ص:86)

ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج:2،ص:82 پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری اہل حدیث عالم لکھتے ہیں کہ معاویہ نے حج تمتع کی ممانعت کر دی تھی۔ سب سے پہلے جس نے حج تمتع سے منع کیا وہ معاویہ ہیں۔

یہی بات الفتح الربانی ج:11،ص:158، **ترمذی کتاب الحج باب ماجاء فی التمتع، عن ابن عباس** رضی اللہ عنہ میں ہے۔

حالانکہ قرآن مجید میں سورہ بقرہ :196/2 میں حج تمتع کی اجازت دی گئی اور احادیث میں بھی اس کی اجازت دی گئی اور منع نہ فرمایا گیا۔

(3) کفار کو عہدے دینا

امیر معاویہ کے عیسائی وزیر و درباری

(1) یوحنا۔ وزیر تعلیم

(2) ابن اثال۔ شاہی طبیب

(3) سرجون بن منصور رومی عیسائی، مشیر اعلیٰ۔ اسی کے کہنے پر ابن زیاد کو یزید نے گورنر بنایا تھا۔

(4) ابن اخطل ۔ درباری شاعر (البدایہ والنہایہ ج:8،ص:158) سرجون کو بعد میں یزید نے

پرنسپل سیکرٹری بنالیا اور وصیت معاویہ کے مطابق، یزید سرجون کا باپ کی طرح ادب کرتا تھا۔

(5) زکوٰۃ کے محکمہ کے افسر عیسائی مقرر کئے گئے۔ امام ابو عبید کتاب الاموال ص:569 روایت نمبر 1792 کے تحت لکھتے ہیں۔ کہ امیر معاویہ نے کافروں کو سرکاری ملازم رکھا جو کہ اسلام میں منع ہے۔ جب عیسائی زکوٰۃ کے محکمہ کے افسر بنا دیئے گئے تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اب حکومت کو زکوٰۃ نہ دو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حساب کتاب کے ماہر ایک عیسائی منشی کو ملازم رکھنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے منع کر دیا اور قرآن کا حوالہ دے کر کہا اللہ نے مسلمانوں کو اس سے بے نیاز کر دیا ہے۔ کہ وہ غیر مسلموں سے مدد کے طالب ہوں۔ (تفسیر قرطبی ج:4،ص:179)

سورۂ آل عمران :118/3 میں خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ مومنو کسی غیر مسلم کو اپنا راز دار نہ بنانا مگر معاویہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر عیسائی اپنی حکومت کے وزیر اور مشیر مقرر کئے۔

(4) زکوٰۃ کی بربادی

امیر معاویہ کے دور میں زکوٰۃ بھی بربادی سے نہ بچ سکی اور اس کے معاملات میں بھی بے اعتدالیاں شروع ہو گئیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ دیکھ رہے ہیں سلطان کیا کر رہا ہے کیا اس کو زکوٰۃ دیں؟ وہ اپنی خوشبوؤں اور کپڑوں پر زکوٰۃ خرچ کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''ظالم حاکموں کو زکوٰۃ دے دو۔ چاہے وہ اس سے شراب پیئے تم بری ہو جاؤ گے، گناہ ان کو ہو گا۔''
(سنن کبریٰ ج:4،ص:115، بیہقی، مسند احمد)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نیل اوطار ج:4،ص:165 اور امام ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ المتوفی 224ھ اپنی کتاب الاموال (Law of Taxation) ص:568، روایت نمبر 1789، کے تحت زکوٰۃ کے ابواب میں لکھتے ہیں کہ راوی بیان کرتا ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص، ابن عمر رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے پوچھا (یاد رہے سعد بن ابی وقاص اور ابو

ہریرہ، دونوں معاویہ کے عہد میں فوت ہوئے) کہ بادشاہ جو کچھ زکوٰۃ کے ساتھ کر رہا ہے، وہ آپ کے سامنے ہے، کیا میں اس کو زکوٰۃ دوں؟ چاروں نے فتویٰ دیا کہ اس کو زکوٰۃ دو۔

روایت نمبر 1797 کے تحت کتاب الاموال میں لکھا ہے:

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ (ان حالات میں) زکوٰۃ کن کو دی جائے، انہوں نے کہا حاکموں کو دو چاہے وہ اپنے دسترخوان پر کتوں کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں۔ روایت نمبر 1811 کے تحت لکھتے ہیں:

''راوی نے سعید بن جبیر سے زکوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں پوچھا، انہوں نے کہا ان حاکموں کو دے دو۔ جب حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ محفل سے اٹھ کر گئے تو پوچھنے والا بھی ان کے پیچھے پیچھے گیا اور کہا آپ نے مجھے فتویٰ دیا کہ ان حاکموں کو زکوٰۃ دے دو جبکہ وہ زکوٰۃ سے یہ کرتے ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا جن کے بارے میں اللہ کا حکم ہے، ان مصرفوں پر خرچ کر۔ تم نے مجھ سے بھرے مجمع میں پوچھا تھا جہاں بنوامیہ کے جاسوس بھی ہوتے ہیں، تو میں نے وہ فتویٰ دیا تھا۔''

امام ابوعبید ص:569 پر الاموال میں لکھتے ہیں:

''راوی نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ زکوٰۃ ان حاکموں کو دیں؟ کہنے لگے ہاں! میں نے کہا اب تو عیسائی زکوٰۃ کے محکمہ میں حاکم مقرر کردیئے گئے ہیں۔ (راوی کہتا ہے کہ زیاد کے دور میں کفار کو عہدے دیئے گئے)۔ پھر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اب زکوٰۃ ان حاکموں کو نہ دو۔''

روایت نمبر 1792 کے تحت کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے کافروں کو حکومت کا ملازم رکھا جو کہ اسلام میں منع ہے۔

ابی عبید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الاموال میں ظالم حاکم کو زکوٰۃ دینے کی مثال کے طور پر امیر معاویہ کی حکومت کو زکوٰۃ دینے کا ذکر کیا ہے جو کہ روایت

نمبر 568-570-1811-1798-789 پر لکھا ہے۔

امیر معاویہ نے سرکاری عطیات سالانہ و ماہانہ پر پیشگی زکوٰۃ لینا شروع کردی جو کہ بدعت ہے اور یہ سب سے پہلے امیر معاویہ نے شروع کی

(موطا امام مالك كتاب الزكاة باب الزكاة فى العين من الذهب والورق، شاه ولى الله، المصفىٰ شرح موطا ص:207)

(5) جمعہ وعیدین میں تبدیلی

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ المحلیٰ ج:5، ص:85 پر لکھتے ہیں:

''بنوامیہ نے یہ بدعات شروع کیں، نماز لیٹ کر کے پڑھنا، عید کی اذان و اقامت، عید کا خطبہ نماز سے پہلے شروع کیا۔ امام ص:86 پر بنوامیہ کا یہ بہانہ لکھتے ہیں کہ لوگ عید کی نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور ہمارا خطبہ نہیں سنتے۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کرتے اس لئے مسلمان چلے جاتے تھے اور یہی مسلمانوں کیلئے درست تھا اگرچہ عید کے خطبہ کیلئے بیٹھنا لازم بھی نہیں تھا۔''

ابن حزم کے استاد امام ابن عبدالبر اپنی کتاب ''التمهيد'' ج:10، ص:246 پر لکھتے ہیں:

''صحیح قول یہ ہے کہ عید کیلئے سب سے پہلے جس نے اذان شروع کی وہ معاویہ ہے اور اسی نے عید کا خطبہ عید کی نماز سے پہلے شروع کیا۔''

مسلم شریف كتاب صلوٰة العيدين میں حدیث نمبر 9 میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''میں مروان بن حکم گورنر مدینہ کو عید کی نماز کی طرف کھینچتا تھا اور مجھ سے ہاتھ چھڑا کر منبر کی طرف خطبہ دینے کیلئے جا رہا تھا۔ میں نے پوچھا نماز عید کا پہلے پڑھنا کہاں گیا؟ اس نے کہا اے ابوسعید رضی اللہ عنہ! ترک کردی گئی وہ سنت جو تم جانتے ہو۔ میں نے کہا ہرگز نہیں ہوسکتا، قسم ہے اس کی جس کے قبضہ

میں میری جان ہے تم اس سے بہتر کام نہیں کر سکتے جو میرے علم میں ہے یعنی سنت۔ غرض میں نے تین بار یہ بات کہی تب مڑا۔ یہ روایت **مسلم کتاب الایمان باب کون النهی عن المنکر من الایمان وان الایمان یزید و ینقص** میں بھی ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مروان نے عیدگاہ میں خلافِ سنت، منبر کا بھی اہتمام کیا تھا۔ اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری ؒ ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج:1، ص:375 پر مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ عید کی اذان معاویہ نے شروع کی۔ حالانکہ حدیث کی کتابیں اور امت کا عمل اس پر گواہ ہے کہ عیدین کی نماز اذان و اقامت کے بغیر ہے۔ نمونہ کے طور پر ابوداؤد باب نمبر 401، ترک الاذان فی العید ملاحظہ ہو۔

(6) برائی کا حکم دینا

صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب الوفآء بالبیعۃ الخلیفۃ الاوّل فالاوّل میں عبدالرحمٰن بن عبدرب الکعبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں:

"وہ کعبہ کے سائے میں بیٹھے تھے اور انہوں نے ایک لمبی روایت بیان کی جس میں راوی ابن عبدرب الکعبہ نے ان سے کہا تمہارے چچا کے بیٹے معاویہ ہم کو حکم کرتے ہیں ایک دوسرے کا مال ناحق کھانے کا اور ایک دوسرے کو قتل کرنے کا جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! مت کھاؤ اپنے مال ناحق مگر رضامندی سے تجارت کے ذریعہ اور مت قتل کرو اپنی جانوں کو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن عمرو بن عاص تھوڑی دیر تک چپ رہے پھر کہا معاویہ کی اطاعت کرو اس کام میں جو اللہ کے حکم کے مطابق ہو اور جب وہ خدا کی نافرمانی کا حکم دے تو نہ مانو۔"

(7) سودی سودا کرنا

امیر معاویہ نے سودی سودا کیا یعنی چاندی کے بدلے زیادہ چاندی لینے کا تو حضرت عبادہؓ بن صامت نے منع کیا۔ یہ سن کر لوگوں نے اپنے روپے واپس لے لیے مگر جب معاویہ کو خبر ملی تو تقریر کی کہ لوگ وہ حدیثیں بیان کرتے ہیں جن کو ہم نے نہیں سنا حالانکہ ہم آپ ﷺ کی صحبت میں رہے اور پاس حاضر رہے۔ پھر عبادہؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم تو سنی ہوئی حدیث ضرور ہی بیان کریں گے اگرچہ معاویہ کو برا معلوم ہو۔ یہ حدیث **صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعت** میں ابوقلابہ سے آئی ہے اور باب الرباء میں بھی درج ہے۔

یہی روایت نسائی کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر میں بھی آئی ہے جو حضرت عبادہ بن صامت سے ہے اور اسی کتاب کے **باب بیع الذهب بالذهب** میں عطاءؓ بن یسار سے آئی ہے۔

موطا امام مالك كتاب البیوع باب بیع الذهب بالورق عینا وتبرا میں عطاء بن یسار ؒ سے روایت ہے:

"معاویہ بن ابی سفیان نے ایک برتن پانی پینے کا سونے یا چاندی کا اس کے وزن سے زیادہ سونے یا چاندی کے بدلے بیچا تو ابوالدرداءؓ نے ان سے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ اس سے منع کرتے تھے مگر برابر بیچنا درست رکھتے تھے۔ معاویہ نے کہا میرے نزدیک کوئی قباحت نہیں ہے۔ ابوالدرداءؓ نے کہا بھلا کون میرا عذر قبول کرے گا اگر میں معاویہ کو اس کا بدلہ دوں کہ میں تو اس سے حدیث نبوی بیان کرتا ہوں اور وہ مجھ سے اپنی رائے بیان کرتا ہے۔ میں اب تمہارے ملک میں نہ رہوں گا۔ پھر وہ مدینہ حضرت عمرؓ کے پاس آ گئے اور ان سے یہ قصہ بیان کیا۔ حضرت عمرؓ نے معاویہ کو لکھا پھر ایسی خرید و فروخت نہ کریں مگر برابر تول کر۔"

(8) صدقہ فطر میں تبدیلی

صحیح مسلم کتاب الزکاۃ باب زکاۃ الفطر میں دو روایات ہیں کہ ابو سعید خدریؓ نے کہا جب معاویہ نے نصف صاع گندم کا مقرر کیا ایک صاع کھجور کے برابر تو ابو سعید خدریؓ نے انکار کیا اور کہا میں تو وہی دوں گا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں دیتا تھا، ایک صاع کھجور یا انگور یا پنیر۔ یہی روایت ابوداؤد کتاب الزکاۃ باب نمبر 542 کم یوڈّی فی صدقۃِ الفطر میں بھی آئی ہے۔

(9) حدیث کا مذاق اڑانا

مسند احمد کی روایت نمبر 11864 میں حضرت ابو سعید خدریؓ بیان کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ میں نے معاویہ سے کہا نبی ﷺ نے تو انصارؓ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے گی۔ معاویہ نے پوچھا پھر تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ میں نے کہا نبی ﷺ نے ہمیں صبر کا حکم دیا تھا، معاویہ نے کہا پھر صبر کرو۔"

بالکل یہی واقعہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء ذکر معاویہ میں لکھا ہے: وہ مزید لکھتے ہیں کہ جب اس بات کی خبر عبدالرحمٰن بن حسانؓ کو ہوئی تو انہوں نے شعر کہے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ

"خبردار! معاویہ بن حرب کو ہمارا کلام پہنچا دو۔ ہم صبر کرتے ہیں اور تم کو مہلت دیتے ہیں یوم قیامت اور انصاف کے دن تک کی۔"

(10) مالِ غنیمت کی تقسیم میں تبدیلی

مالِ غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی معاویہ نے کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ کتاب و سنت کی رو سے پورے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل ہونا چاہیے اور باقی

چار حصے اس فوج میں تقسیم کئے جانے چاہئیں جو لڑائی میں شریک ہوئی ہو۔ لیکن امیر معاویہ نے حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے سونا چاندی ان کیلئے الگ نکال لیا جائے، پھر باقی مال شرعی قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے

(طبقات ابن سعد ج:7، ص:28-29، طبری ج:4، ص:187، الاستیعاب امام ابن عبدالبر ج:1، ص:118، الکامل ابن اثیر ج:3، ص:233، البدایہ والنہایہ، امام ابن کثیر ج:8، ص:29)

ایک صحابی حضرت حکم بن عمرو غفاریؓ کو ایک جہاد میں بڑا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ زیاد نے ان کو معاویہ کا یہ حکم لکھ کر بھیجا کہ سونا چاندی مجھے بھجوا دو اور باقی مال غنیمت لشکر میں تقسیم کر دو۔ اس صحابی نے زیاد کو لکھا کہ اللہ کی کتاب ، معاویہ کے حکم سے مقدم ہے جس کے مطابق 1/5 حصہ بیت المال اور باقی 4 / 5 حصہ لشکر میں تقسیم ہوگا۔ اور ساتھ ہی لکھا کیا معاویہ نے حکم رسول ﷺ نہیں سنا کہ **لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق** (مخلوق کا وہ حکم نہیں ماننا جس میں رب کی نافرمانی ہو)۔ اس کے بعد اس صحابی نے لشکر میں مال غنیمت قرآن کے مطابق تقسیم کر دیا۔ اس پر معاویہ نے آدمی بھیج کر اس صحابی کو گرفتار کر لیا اور وہ جیل میں ہی فوت ہو گئے۔ قرآن پر عمل کا یہ پھل ان کو معاویہ کی طرف سے ملا ہے۔

(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:67-73-5176)

یہ واقعہ مستدرک حاکم ج:3، ص:442-443 پر لکھا ہوا ہے اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص مستدرک میں بھی اس کو لکھا ہے۔

(11) چوری کے مال کے بارے میں حکمِ نبوی ﷺ کی جان بوجھ کر خلاف ورزی کرنا

نسائی کتاب البیوع باب ایک شخص مال بیچے پھر اس کا مالک کوئی اور نکلے اور

سلسلة الاحادیث الصحیحه ج:2،حدیث نمبر 609،ص:164 تا167 پر علامہ البانی ایک حدیث مع تبصرہ لائے ہیں جس میں لکھتے ہیں:

"یمامہ کے علاقہ کے گورنر حضرت اُسید بن ظہیر کو مروان نے لکھا کہ معاویہ کا حکم آیا ہے کہ اگر کسی سے چوری کا مال خریدا ہوا ملے تو اس سے مال واپس لے لو اور اسے معاوضہ بھی نہ دو۔ حالانکہ حضور ﷺ کا حکم ہے اگر وہ شخص چوروں کا مال خریدنے میں بدنام نہیں ہے تو پھر اس کو معاوضہ دے کر اس سے چوری کا مال واپس لے لو ورنہ اپنا چور تلاش کرو۔ لیکن معاویہ نے اس کے خلاف حکم دیا کہ ایسے شخص سے مال چھین لو اور معاوضہ بھی نہ دو۔"

یمامہ کے صحابی گورنر نے یہ خط ملنے کے بعد مروان کو لکھا:

"یہ حکم خلاف شرع ہے اور حکم نبوی لکھ کر کہا کہ خلفائے راشدین اسی کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔ تو مروان نے یہ بات لکھ کر معاویہ کو بھیج دی۔ پھر معاویہ نے جواب میں لکھا کہ اے مروان تو اور یمامہ کا گورنر مجھ پر حاکم نہیں ہو بلکہ میں حاکم ہوں۔ میں نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔ مروان نے معاویہ کا جواب یمامہ کے گورنر کو بھجوا دیا۔ اس گورنر نے جواب دیا میں جب تک اس عہدہ پر ہوں۔ معاویہ کا یہ حکم نہیں مانوں گا۔"

اس پر علامہ البانی رحمہ اللہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے پتہ چلا اگر حاکم وقت غلط حکم دے تو افسر انکار کر دیں۔

(12) معاویہ کا کعبہ کے چاروں کونوں کو چومنا

صحیح بخاری کتاب المناسک باب دونوں یمانی رکنوں کے سوا کونوں کو نہ چومنا میں ابو الشعثاء سے روایت ہے:

"معاویہ کعبہ کے چاروں کونوں کو چومتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے شامی اور

عراقی کونوں کو چومنے سے منع کیا تو معاویہ نے کہا کعبہ کی کوئی چیز نہیں چھوڑی جاسکتی۔ یہی روایت **ترمذی ابو اب الحج باب ماجاء فی استلام الحَجَر وَ الرکن الیمانی دون ماسوا هما** میں بھی آئی ہے۔"

(13) اہل روم سے صلح کی مدّت ختم ہونے سے پہلے حملہ کی تیاری کرنا

ترمذی ابواب الجهاد باب مَا جآء فی الغدر میں سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ معاویہ اور اہل روم کے درمیان صلح تھی۔ معاویہ نے اس ارادہ سے لشکر کو کوچ کا حکم دیا کہ جب صلح کی مدت ختم ہو تو اچانک رومیوں پر حملہ کر دیں۔ پھر عمرو رضی اللہ عنہ بن عبسہ گھوڑے یا جانور پر سوار آئے اور کہا اللہ اکبر، تم پر عہد کی پابندی لازم ہے نہ کہ وعدہ خلافی۔ معاویہ نے یہ بات کہنے کا سبب پوچھا تو کہا کہ میں نے رسول ﷺ سے سنا کہ فرماتے تھے جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو نہ معاہدہ توڑے اور نہ اس میں تبدیلی کرے یہاں تک کہ مدت معاہدہ گزر جائے یا وقت سے پہلے اس معاہدہ کو دوسرے فرقے کو باقاعدہ اطلاع دے کر علانیہ ختم کر دے کہ دونوں برابر کی پوزیشن پر ہو جائیں یہ سن کر معاویہ لشکر کو واپس لے کر لوٹے۔

دین میں تبدیلی کی رفتار بعد میں اور تیز ہو گئی اور عبدالملک بن مروان نے ابن زبیرؓ کے مکہ پر قبضہ کے بعد لوگوں کو کعبہ جانے سے روک دیا اور بیت المقدس میں مقام صخرہ کو قبلہ بنا دیا اور لوگوں کو کعبہ کے حج اور قربانی سے منع کر دیا اور کعبہ کی بجائے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ (البدایہ والنہایہ، امام ابن کثیر رحمہ اللہ، ج:8، ص:301-302)

امیر معاویہ کو بددعائے نبوی

صحیح مسلم کتاب البر الصله والا دب باب من لعنه النبی ولیس هوا هلا لها میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دو دفعہ روایت ہے:

"میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں ایک دروازہ کے پیچھے چھپ گیا۔ آپؐ نے ہاتھ سے مجھے تھپکا

اور فرمایا معاویہ کو بلا کے لا، میں گیا پھر لوٹ کر آیا اور میں نے کہا وہ کھانا کھاتے ہیں۔ آپ نے پھر فرمایا جا اور معاویہ کو بلا لا، میں پھر لوٹ آیا اور کہا وہ کھانا کھاتے ہیں، آپؐ نے فرمایا: ''خدا اس کا پیٹ نہ بھرے۔''

کاتب وحی ہونا

صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ابی سفیان صخر ابن حرب میں عبداللہ بن عباس سے روایت میں یہ بھی بیان ہے کہ ابوسفیان نے خود حضور سے درخواست کی تھی کہ میرے بیٹے معاویہ کو اپنا کاتب رکھ لیجئے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کہتے ہیں:

''معاویہ کے کاتب وحی ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ وہ صرف خطوط لکھا کرتے تھے، وحی نہ لکھتے تھے جیسا کہ جامع الاصول اور موہب الدنیہ میں لکھا ہے۔'' (ارجح المطالب ص:582)

کاتب وحی ہونا کیونکہ کوئی خاص فضیلت نہیں بلکہ بعض کاتب وحی تو مرتد تک ہو چکے مثلاً عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، جس کے بارے میں فتح مکہ کے دن اعلان تھا کہ کعبہ کے پردوں سے بھی چمٹا ہوا ہو تو قتل کر دیا جائے، (نسائی کتاب المحاربہ باب الحکم فی المرتد، روایت نمبر 4073 اور 4075) اور **صحیح مسلم کتاب صفات المنافقین و احکامھم** میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے ایک مرتد کاتبِ وحی کے برے انجام کے بارے میں روایت ہے کہ جو قوم بنی نجار میں سے تھے۔

شراب پینا

مسند احمد میں مسند الانصار روایت نمبر 23329 پر مجمع الزوائد از امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ ج:5، ص:45 اور **الفتح الربانی شرح وتبویب مسند احمد از امام عبدالرحمن البناء**، ج:17، ص:115 **باب مَا جاء فی برکۃ اللبن و شربہ وحلبہ** میں یہ روایت آئی ہے کہ عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ایک مرتبہ میں اور میرے والد معاویہ کے پاس

گئے۔ انہوں نے ہمیں دستر خوان پر بٹھایا، پھر کھانا پیش کیا جو ہم نے کھایا پھر پینے کیلئے لائی گئی جو معاویہ نے پی پھر میرے والد کو برتن پکڑا دیا تو وہ کہنے لگے جب سے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو حرام قرار دے دیا تب سے میں نے کبھی نہیں پی۔ پھر معاویہ نے کہا میں قریش کا خوبصورت ترین نوجوان تھا۔ اور سب سے عمدہ دانتوں والا تھا، مجھے دودھ یا اچھی باتیں کرنے والے انسانوں کے علاوہ ''اِس'' سے بڑھ کر کسی چیز لذت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''معاویہ کے کلام میں کوئی شے ایسی تھی جو میں نے چھوڑ دی۔''

(ج:5، ص:48 مجمع الزوائد)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی معاویہ کے بارے میں رائے

آپ نے اہل شوریٰ سے فرمایا میرے بعد اے لوگو آپس میں گروہ بندی سے بچو اور اگر تم نے ایسا کیا تو سمجھ رکھو معاویہ شام میں موجود ہے۔

(ابن حجر الاصابہ ج:3، ص:414، ج:4۔ ص:65)

جبکہ ناصبی محمود احمد عباسی لکھتا ہے کہ معاویہ سرداری کی صفت میں چاروں خلفاء راشدین سے بڑھ کر تھے۔ (ہفوات، عباسی ج:2، ص:23-24)

لوگوں کو ساتھی بنانے کے لئے رشوت دینا

عقیل بن ابی طالب نے حضرت علی علیہ السلام سے مال مانگا تو انہوں نے بیت المال سے ناحق دینے سے انکار کیا۔ وہ ناراض ہو کر معاویہ سے مل گئے تو معاویہ نے ایک لاکھ درہم دے کر کہا برسر منبر یہ اعلان کر دو کہ علی علیہ السلام نے تم کو کیا دیا اور میں نے کیا دیا، عقیل نے منبر پر چڑھ کر کہا میں نے علی علیہ السلام سے وہ چیز مانگی جو ان کے دین کو نقصان پہنچاتی تھی انہوں نے دین کو عزیز رکھا جبکہ معاویہ نے وہی چیز دین کو پس پشت ڈال کر مجھے دے دی۔

(تاریخ الخلفاء امام سیوطی اردو ص:252-253 باب معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابو سفیان)

آپ یزید کی ولی عہدی کے باب میں بھی پڑھیں گے کہ امیر معاویہ نے

لوگوں کو رام کرنے کے لئے لاکھوں روپے فی کس پیش کئے اور بطور گورنر حضرت علی علیہ السلام سے جنگوں میں کتنا خرچ کیا۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بطور گورنر ان کی تنخواہ 80 دینار ماہانہ مقرر کی تھی۔ پھر یہ لاکھوں کہاں سے آ گئے؟ (البدایہ والنہایہ امام ابن کثیر ج:7، ص:124)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم بھیجے تو انہوں نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ کیا میں اپنے دین کو دنیا کے عوض بیچ دوں؟

(ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8، ص:88-89)

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کو معاویہ کی شکایت پر مدینہ بلایا گیا

زید بن وہب کہتے ہیں کہ میں ربذہ میں سے گزرا وہاں مجھ کو ابوذر رضی اللہ عنہ ملے۔ میں نے پوچھا آپ اس جگہ کیوں رہنے لگے۔ انہوں نے کہا میں شام گیا تھا اور میرا معاویہ سے اس آیت کے بارے میں اختلاف ہو گیا **الذین یکنزون الذھب والفضہ ولا یفقونھا فی سبیل اللہ** (جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ (سورہ توبہ:34/9)

معاویہ کہنے لگے یہ آیت اہل کتاب کے حق میں اتری ہے میں نے کہا نہیں ہم مسلمانوں کے بارے میں بھی ہے اور اہل کتاب کے حق میں بھی ہے۔ مجھ میں اور ان میں ہوا جو ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو میری شکایت لکھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے لکھا تم مدینے چلے آؤ۔ میں مدینہ آیا تو لوگ میرے پاس جمع ہونے لگے جیسے انہوں نے مجھ کو اس سے پہلے کبھی دیکھا ہی نہ ہو۔ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا تو انہوں نے کہا اگر چاہو تو مدینہ سے باہر کہیں قریب چلے جاؤ۔ میں اس وجہ سے یہاں (جنگل) میں پڑا ہوا ہوں۔ اگر مجھ پر ایک حبشی کو حاکم بنائیں تو میں بات سنوں گا اور اس کا کہا مانوں گا۔

(بخاری کتاب الزکاۃ باب ما ادی زکاتہ فلیس بکنز، سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ

سے دوسری روایت احنف بن قیس اس باب میں بیان کرتے ہیں اور یہ روایت بخاری کتاب التفسیر، سورہ براءۃ (توبہ) زیر آیت مندرجہ بالا زید بن وہب سے مروی ہے۔)

معاویہ۔ خال المومنین

امیر معاویہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا برادرِ نسبتی ہونے کی وجہ سے خال المومنین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے جو ام المومنین تھیں لہٰذا معاویہ مومنین کے ماموں ہوئے۔ ناصبی اس پہلو کو بہت اجاگر کرتے ہیں مگر جو اور خال المومنین تھے ان سے ناصبی دشمنی رکھتے ہیں یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ جو حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

معاویہ فقیہہ کے معنی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ کے کسی مسئلہ اجتہادیہ کی تصدیق نہیں فرمائی کہ ان کا اجتہاد معتبر و مفتیٰ بہ ہو سکے اور جس نے معاویہ کو مجتہد کہا تو اس نے بھی درست کہا اس واسطے کہ حضرت معاویہ نے اخیر عمر میں احادیث کثیرہ دیگر صحابہ کبار سے سنیں اور اس وجہ سے بعض مسائل فقہ میں دخل دیتے تھے اور یہی مراد ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے کہ اِنّہ فقیہہ (وہ فقیہہ ہیں) فتاویٰ عزیزی مترجم ص:218)

اس کے بعد ذرا آگے شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس وقت آپ کا (معاویہ کا) اجتہاد اس درجہ کا نہ تھا کہ آپ اہل حل و عقد میں شمار ہو سکتے اور علاوہ اس کے خلافت علی علیہ السلام کرم اللہ وجہ کی محققین کے نزدیک نص سے ثابت ہے۔''

شاہ صاحب کے قول کا مدعا یہ ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کی خلافت نص سے ثابت ہے تو اس خلافت سے انحراف و بغاوت کو اجتہاد کس طرح کہا جا سکتا ہے؟

معاویہ حلیم تھے

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے علی ابن المدائنی بحوالہ سفیان بن عینہ رحمۃ اللہ علیہ لکھا کہ علی علیہ السلام میں کوئی عیب نہ تھا اور معاویہ میں کوئی خوبی نہ تھی۔ قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ متوفی 177ھ مہدی باللہ کے زمانہ میں بغداد کے قاضی تھے۔ ان سے کسی نے کہا کہ معاویہ بہت حلیم تھے۔ قاضی شریک نے کہا جو شخص حق سے نادان بن جائے اور علی علیہ السلام سے جنگ کرے وہ حلیم نہیں ہوسکتا۔

(ارجح المطالب ص:592، بحوالہ عمرو بن مظفر الوردی فی کتابہ تتمۃ المختصر فی اخبار البشر، البدایہ والنہایہ ج:8، ص:141)

ابوسفیان کا کردار

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''ابوسفیان نے اور کچھ دوسرے لوگوں نے چاہا تھا کہ جاہلیت کے طریقے کے مطابق امامت بنو عبدمناف میں ہو مگر علی علیہ السلام، عثمان رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے علم و تدین کی بنا پر اس خواہش کی حوصلہ افزائی نہ کی۔ (منہاج السنہ ج:1، ص:161، ج:2، ص:169، ج:4، ص:123)

اسی کتاب میں امام لکھتے ہیں کہ ابوسفیان میں جاہلیت عرب کے بقایا موجود تھے جن کی بنا پر وہ اپنے قبیلہ کے سوا دوسرے شخص کا امیر بننا پسند نہیں کرتے تھے۔

(منہاج السنہ ج:3، ص:179)

بعد میں آنے والے حکمرانوں کے متعلق نبوی پیش گوئی

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے کعب بن عجرہ میں تجھے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں ان حکمرانوں سے جو میرے بعد ہوں گے، جو ان کے دروازے پر گیا اور ان کے جھوٹ کو سچ کہا اور ظلم میں ان کی مدد کی تو وہ میرا نہیں ہے اور میں اس کا نہیں اور وہ میرے

پاس کبھی بھی حوض کوثر پر نہیں آسکے گا۔ اور جو ان کے پاس گیا یا نہ گیا مگر ان کے جھوٹ کو سچ نہ کہا اور ظلم میں ان کی مدد نہ کی تو وہ میرا ہے اور میں اس کا جلد ہی وہ میرے پاس حوض پر آئے گا اے کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ نماز دلیل ہے روزہ ڈھال ہے اور صدقہ بجھاتا ہے گناہوں کو جیسے بجھاتا ہے پانی آگ کو اور اے کعب رضی اللہ عنہ بن عجرہ نہیں بڑھتا ہے گوشت حرام سے مگر آگ اس کے حق میں لائق تر ہے۔

(ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب مَاذکر فی فضل الصلوٰۃ) (نسائی کتاب البیعت باب من لم یعن امیراً علی الظلم)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ساٹھ سال بعد حکمرانوں کے جانشین ایسے ہوں گے جو نماز کو ضائع کردیں گے اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے۔ جو قرآن تو پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور قرآن کی تلاوت تین طرح کے لوگ کرتے ہیں، مومن، منافق اور فاجر راوی حدیث بشر کہتے ہیں کہ میں نے ولید بن قیس سے پوچھا کہ یہ تین طرح کے لوگ کیسے ہیں انہوں نے کہا منافق اس کا منکر ہوتا ہے، فاجر اس کے ذریعے کھاتا ہے اور مومن اس پر ایمان رکھتا ہے۔''

(مسند احمد روایت نمبر 11360، مسند ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ)

حسنین علیہما السلام نے 20 سال تک فری ہینڈ کیوں دیا

سیدنا امام حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام نے بیس سال تک امیر معاویہ کو فری ہینڈ اس لیے دیا اور کوئی اقدام نہیں اٹھایا تاکہ قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر جو پردہ انہوں نے اپنی کاروائیوں پر ڈالا ہوتھا وہ ہٹ جائے اور یہ لوگ سمجھتے تھے یہ بھی صحابی ہے لہٰذا درست مطالبہ کرتے ہیں، اس کو ننگا ہونے دو۔ وہ ظلم کرے، زکوٰۃ لوٹے، نماز تباہ کرے، حج برباد کرے، پھر امت کو پتہ چلے کہ علی علیہ السلام اور ان کی اولاد تخت کیلئے معاویہ سے نہیں لڑے تھے بلکہ دین کے خلاف

اموی ردِّعمل سے جنگ لڑتے تھے کیونکہ بنوامیہ اس کام کو برباد کرنا چاہتے تھے جو رسول ﷺ نے دین کیلئے کیا۔

اندازِ حکمرانی

ظالم حکمران جبر سے عوام کو چپ کرادیتے ہیں اور بعد میں ان کی خاموشی کو اجماع سکوتی کا نام دے دیتے ہیں کہ خاموش اکثریت ہمارے ساتھ ہے حالانکہ عوام دل میں ان ظالموں پر لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں مگر طاقت کے سامنے بے بس ہوتے ہیں۔ ان کی بے بسی کا مذاق اڑاتے ہوئے حکمران کہتے ہیں کہ لوگ ہمارے ساتھ ہیں۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کیوں ناکام ہوئے اور امیر معاویہ ان کے مقابلہ میں کیوں کامیاب ہوئے، وجہ بیت المال کے دروازے اپنے ساتھیوں پر کھولنا تھی، یہ حکمران کے پاس عوام کی امانت تھی جسے لٹانا شروع کردیا۔ حتیٰ کہ علی علیہ السلام کے بھتیجے حسین علیہ السلام کے بہنوئی اور شوہر زینب عبداللہ ابن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو بھی ایک لاکھ درہم دے کر اپنے ساتھ ملالیا اور بعد میں یزید نے دو لاکھ دینے شروع کردیئے۔

علامہ رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر المنار اپنی کتاب الخلافتہ والامامۃ العظمیٰ (اردو) ص:46-47-62 پر لکھتے ہیں:

"امیر معاویہ نے اپنے فاسق بیٹے کیلئے قوت و رشوت سے بیعت لی اور ص:116 پر لکھتے ہیں کہ معاویہ نے طاقت ور لوگوں پر تغلب کے دروازے کھولے یعنی زبردستی کرنے کی راہ دکھائی۔ وہ ص:121 پر لکھتے ہیں کہ معاویہ کی ایجاد کی ہوئی دو بدعتوں کے باعث خلافت نے ملوکیت کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ایک یہ کہ عصبیت کو قوت کے تابع کردیا دوسرے یہ کہ خلافت کو میراث بنادیا۔ علامہ ص:49 اور ص:64 پر لکھتے ہیں کہ استنبول (ترکی) میں ایک جرمن عالم نے شریف مکہ سے کہا تھا کہ ہمارے لیے تو مناسب ہے کہ ہم اپنی عبادت گاہوں میں معاویہ کا سونے کا مجسمہ نصب

کریں اس لیے کہ اگر وہ اقتدارِ خلافت کو شریعت کے اصل طریقہ سے نہ ہٹائے، جس پر خلفائے راشدین نے عمل کیا تو عرب ہمارے تمام ممالک پر قابض ہوجاتے اور ان کو عربی اسلامی مملکت بنالیتے۔

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ کے الہلال کی ج:7، ص:525 پر اوائل عہد اموی کی اسلامی ذہنیت کے نام سے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"یہ وہ وقت تھا جب خلافت راشدہ کا دورِ حکومت ختم ہوچکا تھا اور امیر معاویہ رومی و ایرانی جاہ و جلال سے تختِ خلافت کو روشناس کراچکے تھے۔"

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست
خود سرِ تختِ ملوکیت نشست
از ملوکیت نگاہ گردد دگر
عقل و ہوش و رسم و راہ گردد دگر

جب بسر بصرہ پہنچا اور معاویہ نے بسر کو اس لیے بھیجا تھا کہ وہ ان کے مخالفین کو قتل کرے اور ان کی بیعت کرنے والوں کو زندہ رہنے دے تو بسر نے منبر پر چڑھ کر علی علیہ السلام کا ذکر برے الفاظ میں کیا اور ان کو گالیاں دیں، برا بھلا کہا پھر کہنے لگا لوگو! تمہیں خدا کی قسم کیا میں نے سچ کہا۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تم بہت بڑی ذات کی قسم دلا رہے ہو خدا کی قسم تم نے سچ کہا نہ نیکی کا کام کیا۔ بسر نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو مارنے کا حکم دیا حتیٰ کہ وہ بے ہوش ہوگئے۔ (البلاذری انساب الاشراف ج:1، ص:492)

امیر معاویہ نے فوجی کمانڈر بسر بن ابی ارطاط کو حجاز و یمن کو حضرت علی علیہ السلام کے قبضہ سے نکالنے کے لئے بھیجا تھا اور پھر ہمدان پر قبضہ کرنے کیلئے مامور کیا تھا۔ اس شخص نے یمن میں حضرت علی علیہ السلام کے گورنر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبیداللہ بن عباس کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر

قتل کر دیا۔ ان بچوں کی ماں اس صدمے سے دیوانی ہو گئی۔

(الاستیعاب امام ابن عبدالبر ج:1،ص:65 امام طبری، ج:4،ص:107، امام ابن اثیر، الکامل ج:3،ص:193 امام ابن کثیر ج:8،ص:90، امام شوکانی، نیل الاوطار ج:7،ص:145)

اس شخص نے جنگ میں پکڑی گئی مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنالیا۔

(الاستیعاب ج:1،ص:65) اور ایسا اسلام میں پہلی بار ہوا۔

امام ابن حجر اس بسر بن ابی ارطاط کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس نے مکہ، مدینہ اور یمن میں جو کچھ کیا اس کا بیان ممکن نہیں۔''

(تہذیب التہذیب، ج:1،ص:435-436)

اس بُسر نے جب معاویہ کی بیعت کیلئے اصرار کیا تو ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ معاویہ کی بیعت، بیعت ضلالت ہے۔

(البدایہ والنہایہ امام ابن کثیر ج:7،ص:352)

محدث یحییٰ ابن معین اور محدث دار قطنی فرماتے ہیں:

''بسر بن ابی ارطاط برا آدمی تھا، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں کہ بُسر نے نبی علیہ السلام سے کچھ نہیں سنا۔ اس نے یمن میں مسلمان عورتوں کو لونڈیاں بنایا جنہیں بر سر عام فروخت کر دیا گیا۔''

(تہذیب التہذیب ج:1،ص:435)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بُسر معاویہ کی طرف سے حجاز و یمن کا گورنر بنا اور برے افعال کا مرتکب ہوا۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ الاصابہ میں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے بُسر کو یمن اور حجاز کی طرف 40ھ کے شروع میں بھیجا اور حکم دیا کہ جن لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام کا مطیع دیکھے تو اپنی تاخت و تاراج کرے اور اس نے ایسا ہی کیا۔''

(سیر اعلام النبلاء ج:3،ص:274)

امیر معاویہ کے ایک اور فوجی کمانڈر سفیان بن عوف نے جو صحابی بھی تھا،

معاویہ کے حکم پر حضرت علی علیہ السلام کے زیر انتظام علاقوں میں لوٹ مار کی، قتل عام کیا اور مسلمان قیدیوں کو خلاف شرع غلام بنایا۔

(امام ذہبی، سیر اعلام النبلاء ج:4،ص:210، تذکرہ القرطبی ص:125)

معاویہ کے حکم پر عبداللہ بن عمرو بن الحضرمی بصرے میں بغاوت کرانے کے لئے آیا اور بدترین انجام سے دوچار ہوا۔

(ابن حجر، فتح الباری، ج:13،ص:28)

معاویہ کے دور میں ہی ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی موت پراسرار حالات میں مکہ کے قریب حُبشی پہاڑ میں ہوئی۔ وہ یزید کی ولی عہدی کے مخالف تھے اور جان بچانے کیلئے مدینہ سے مکہ اور پھر دس میل دور حُبشی پہاڑ پر چلے گئے تھے۔ ان کی موت پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھنا ہوا گوشت نہ کھانے کی قسم کھائی۔ (شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید ج6،ص:33)

بخاری کتاب المناقب، مناقب الانصار باب ایام الجاهلیه میں قیس ابن ابی حازم سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''لوگ تب تک ٹھیک رہیں گے جب تک ان کے امام یعنی حاکم ٹھیک رہیں گے۔''

امیر معاویہ کے اسی انداز حکمرانی کے پیش نظر امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ خدا کے سامنے پیش کرنے کیلئے میرے پاس تیرے خلاف بغاوت نہ کرنے کا کوئی عذر سجھائی نہیں دیتا۔

(امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، البدایہ والنہایہ ج:8،ص:175، سیر اعلام النبلاء، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ج:4،ص:150)

ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی اهل الشام میں قُرَّۃَ سے روایت ہے:

''فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب شام کے لوگ بگڑ جائیں تو تم میں خیر باقی نہیں رہے گی۔ تم میں ایک گروہ مدد کیا گیا (طائفہ منصورہ) ہمیشہ رہے

گا۔ جوان کی مدد چھوڑ دے گا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔ امام محمد بن اسمٰعیل بخاری نے کہا علی ابن المدینی محدث رحمۃ اللہ علیہ نے کہا وہ گروہ اصحاب حدیث ہیں۔"

"امیر معاویہ نے اپنے گورنروں کو قانون سے بالاتر قرار دیا اور ان کی زیادتیوں پر شرعی احکام کے مطابق کاروائی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ان کا گورنر عبداللہ بن عمرو غیلان بصرے میں منبر پر خطبہ دے رہا تھا کہ ایک شخص نے دوران خطبہ اس کو کنکر مار دیا۔ اس پر عبداللہ نے اس کو گرفتار کرایا اور اس کا ہاتھ کٹوا دیا۔ حالانکہ شرعی قانون کی رو سے یہ ایسا جرم نہ تھا جس پر ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ (گمان غالب ہے کہ گورنر اس وقت حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کر رہا ہوگا جب اس کو کنکری ماری گئی) جب معاویہ کے پاس مقدمہ پیش کیا گیا تو اس نے کہا ہاتھ کی دیت تو میں بیت المال سے ادا کر دوں گا مگر میرے گورنروں سے قصاص لینے کی کوئی سبیل نہیں ہے۔"

(امام ابن اثیر: الکامل ج:3،ص:248، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:71) امام ابن جریر طبری ،تاریخ طبری ج:4،ص:223)

معاویہ نے زیاد کو بھائی بنانے کے بعد بصرے کے ساتھ کوفہ کا بھی گورنر مقرر کیا۔ وہ پہلی مرتبہ خطبہ دینے کیلئے کوفے کی جامع مسجد کے منبر پر کھڑا ہوا تو کچھ لوگوں نے اس پر کنکر پھینکے۔ اس نے مسجد کے دروازے بند کرا دیئے اور کنکر پھینکنے والے تمام لوگوں کو جنکی تعداد 30 سے 80 تک بیان کی جاتی ہے، گرفتار کرا کے اسی وقت ان کے ہاتھ کٹوا دیئے۔

(امام ابن جریر طبری، تاریخ طبری ج:4،ص:175، امام ابن اثیر ج:3،ص:228)

اس واقعہ کا بھی امیر معاویہ نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔

ابن خلدون جو بنوامیہ اور ان کے گورنروں کی زیادتیوں کو ہلکا کر کے دکھانے پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نے بھی اپنی تاریخ ج:3،ص:8 پر لکھا ہے:

"زیاد عشاء کی نماز کے کچھ دیر بعد تک لوگوں کو چلنے پھرنے کی مہلت دیتا تھا،

اس کے بعد اس کی پولیس جسے پاتی تھی، قتل کر دیتی تھی یعنی سارا سال کرفیو نافذ رہتا تھا۔ پھر لکھتے ہیں کہ زیاد پہلا شخص ہے جس نے تلوار برہنہ کر لی، لوگوں کو محض گمان کی بنا پر پکڑا، مواخذہ کیا اور محض شبہ پر سزائیں دیں۔"

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ زیاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وہ ہر شخص کیلئے حجاج سے بھی زیادہ خونخوار تھا جو اس کی خواہش نفس کا مخالف ہوتا۔" (سیر اعلام النبلاء ج:3،ص:326)

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"معاویہ نے جب زیاد کو عراق کا گورنر بنایا تو اس نے درشتی اور بد خلقی کا مظاہر کیا۔" (الاستیعاب ج:1،ص:355)

حامیوں سے وقت گذاری کیلئے جھوٹے وعدے کرنا اور مخالفوں کو مختلف حربوں سے الجھائے رکھنا بھی امیر معاویہ کا طریقہ تھا۔ بنوامیہ کے حامی مورخ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"پھر امیر معاویہ نے مصر کی جانب کاروائی کا ارادہ کیا کیونکہ مصر کے خراج سے وہ اپنی جنگوں میں مالی امداد کی توقع رکھتے تھے۔ پس امیر معاویہ نے کہا صحیح رائے یہ ہوگی کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامیوں کو تحریری وعدے دیتے ہیں اور دشمن (علی علیہ السلام) سے کبھی صلح کی بات چیت پر خط و کتابت کریں اور کبھی انہیں ڈرائیں۔ اس کے بعد جنگ کا آغاز کریں۔"

(تاریخ ابن خلدون ج:2،ص:181)

یاد رہے کہ یہ ساری منصوبہ بندی معاویہ نے بطور گورنر مرکزی حکومت کے خلاف ناجائز بغاوت کیلئے کی تھی۔

امیر معاویہ کے دور پر سلیمان بن صُرد رضی اللہ عنہ صحابی کا جامع تبصرہ

سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ صحابی تھے۔ ان کے بارے میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ وہ جلیل، نبیل، فاضل صحابی تھے۔ انہوں نے معاویہ کی وفات کے بعد

امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا جس میں لکھتے ہیں کہ ''آپ کے مخالف کی کمر خدا نے توڑ دی اور وہ دنیا سے چلا گیا۔ وہ ڈکٹیٹر، دین کا مخالف، جس نے امت پر تلوار کے زور پر قبضہ کیا، امت سے سب کچھ چھین کر خود مالک بن گیا، امت کا خزانہ غصب کرلیا، امت خوش نہیں تھی مگر سر پر سوار ہو گیا، امت کے نیک آدمیوں کو قتل کیا، بدترین لوگوں کو ترجیح دی، اللہ کا مال بیت المال اپنے ساتھیوں اور بدمعاشوں میں بانٹا، جیسے قوم ثمود دنیا سے دفع ہوئی اسی طرح وہ بھی دنیا سے دور ہوا۔''

(امام ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:164)

استلحاق زیاد

دور معاویہ میں امیر معاویہ کی طرف سے شریعت کے جو حکم علانیہ توڑے گئے ان میں سے ایک بڑا واقعہ زیاد بن عبید کو زیاد بن ابی سفیان بنانا ہے۔

(ذہبی، سیر اعلام النبلاء ج:4، ص:265-266)

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا یعنی بیٹا اس کا جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔

زیاد پہلے حضرت علی علیہ السلام کا حامی تھا۔ یہ بڑا قابل آدمی تھا۔ معاویہ نے اس کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے خلافِ شرع اپنا بھائی بنالیا۔ باقاعدہ مجلس ہوئی جس میں ابوسفیان اور زیاد کی ماں سمیہ کے زنا کی گواہیاں لی گئیں حالانکہ ابوسفیان خود بھی کہتے تو نسب ثابت نہ ہوتا۔ وہ بیٹا اپنے باپ عبید غلام کا ہی شمار ہوتا اور اس مجلس سے پہلے وہ اسی کا بیٹا کہلاتا تھا۔

مسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ و دعآء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیھا بالبرکة و بیان تحریمھا وتحریم صید ھا و بیان حدود حر مھا میں ابراہیم تیمی نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ سیدنا علی علیہ السلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان مدینہ کے بارے میں سنائے اور یہ بھی کہا کہ جس نے اپنے باپ کے علاوہ خود کو کسی اور کا بیٹا ٹھہرایا یا اپنے آقا کے سوا کسی اور کا غلام قرار دیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی

لعنت ہے اور قیامت کے دن ایسے آدمی سے نہ فرض نہ سنت قبول کئے جائیں گے۔ ایسی ہی روایت **ترمذی ابواب الوصایا باب ماجاء لا وصیة لوارث** میں بھی آئی ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اس دور میں معاویہ کے ڈر سے لوگوں نے زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا کہا مگر اب نہ کوئی کہتا ہے نہ کہہ سکتا ہے، اگر کوئی کہے گا تو حرام کرے گا،

وہ نیل الاوطار ج:5، ص:114 پر لکھتے ہیں:

''جب معاویہ کا زمانہ آیا تو اس بات پر بھری مجلس میں گواہیاں لی گئیں کہ زیاد ابوسفیان کا بیٹا ہے۔ یہ صحیح حدیث کے خلاف کیا جس میں فرمایا گیا کہ بیٹا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ یہ سب دنیاوی غرض کیلئے کیا گیا۔''

اس کام کی وجہ سے معاویہ کی اتنی بدنامی ہوئی کہ شاعروں نے نظمیں لکھیں جن میں سے یزید بن مفرغ کے دو شعر امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھے ہیں:

ان کا ترجمہ یہ ہے ابوسفیان حرب کے بیٹے معاویہ کو میرا پیغام پہنچا دو، میں یمنی شاعر ہوں اگر کوئی یہ گواہی دے کہ تیرا باپ پاک دامن تھا تو تو ناراض ہوتا ہے اور اگر کوئی یہ گواہی دے کہ تیرا باپ زانی تھا تو تو خوش ہوتا ہے۔''

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''اب تمام علماء متفق ہیں کہ کوئی زیاد کو ابوسفیان کا بیٹا نہ کہے۔ اس کو کسی شخص نے جو زیاد بن ابی سفیان کہا تو وہ بنوامیہ کے ڈر سے کہا تھا یعنی تقیہ کیا تھا۔''

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نیل الاوطار ج:5، ص:114 پر ایک روایت کے تحت زیاد کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اس روایت میں ذکر ہے کہ زیاد بن ابی سفیان عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتا ہے۔ ایسی روایات جن میں زیاد کی ولدیت ابوسفیان کا ذکر ہے، بنوامیہ کے دور میں روایت ہوئیں اور بعد میں علماء اسے زیاد ابن ابیہ لکھنا شروع ہو گئے۔ اس سے پہلے

لوگ زیاد بن عبید کہتے تھے۔ معاویہ کے دور میں ایک گروہ کی گواہی پر معاویہ نے اسے اپنا بھائی بنالیا۔ اس کام میں معاویہ نے حدیث صحیح کی مخالفت کی جس میں فرمایا گیا کہ بیٹا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ یہ دنیوی غرض کیلئے تھا۔"

جب معاویہ نے زیاد کو بھائی بنالیا تو یونس بن عبید ثقفی کھڑے ہوئے اور کہا اے معاویہ! تجھے معلوم ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ بیٹا اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ تو نے دین الٹ کر رکھ دیا اور سنت رسول ﷺ کی مخالفت کی اور کتاب اللہ کے خلاف کیا اور ابوسفیان کے زنا کی گواہی ابومریم شراب فروش سے لے کر زیاد کو اپنا بھائی بنالیا؟

یہ سن کر معاویہ نے کہا یونس چپ ہو جا! ورنہ تیرا سر ایسے اڑا دوں گا کہ بہت دور جا کر گرے گا۔ پھر یونس بن عبید کے ٹوکنے کے باوجود معاویہ نے زیاد کو بھائی بنانے کا فیصلہ جاری کر دیا۔

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم شرح مسلم ج:1 ص:175 میں یہ سارا واقعہ بحوالہ شرح ابی اکمال اکمال المُعلِم لکھا ہے۔

بخاری کتاب البیو ع باب شراء المملوك من الحربی وهبته وعتقه میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زمعہ نے ایک لڑکے کے بارے میں جھگڑا کیا۔ سعد رضی اللہ عنہ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! یہ میرے بھائی عتبہ بن ابی وقاص کا بیٹا ہے اس نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔ آپ اس کی صورت دیکھئے عتبہ سے کیسی ملتی ہے۔ عبد بن زمعہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ میرا بھائی ہے میرے باپ کی لونڈی نے اس کو جنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لڑکے کی طرف نظر کی تو وہ صاف عتبہ کے مشابہ معلوم ہوا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا عبد! یہ تجھے ملے گا۔ لڑکا اس کا ہے

جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں اور ام المومنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو۔ پھر سودہ رضی اللہ عنہا نے اس کو کبھی نہیں دیکھا۔ یہ روایت بخاری **کتاب الاحکام باب من قضی له بحق اخیه فلا یاخذه** میں بھی آئی ہے یہی روایت **نسائی کتاب الطلاق باب الحاق الولد بالفراش** میں بھی آئی ہے۔

زیاد کی موت کے بعد معاویہ نے صحابہ کے ہوتے ہوئے ابن زیاد جیسے چھوکرے کو گورنر مقرر کیا۔ (فتح الباری ج:13، ص:127-128)

بخاری کتاب المناقب باب نسبة الیمن الی اسماعیل علیہ السلام میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے دوسرے شخص کو جان بوجھ کر اپنا باپ بنایا وہ کافر ہو گیا اور جو شخص اپنے آپ کو دوسری قوم کا بتائے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔"

بخاری کتاب الفرائض باب من ادّعی الی غیر ابیه میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"آپ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی اپنے اصل باپ کے علاوہ کسی اور کو اپنا باپ بتائے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں تو اس پر جنت حرام ہو گئی۔ ابوعثمان رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے یہ حدیث ابوبکرہ صحابی سے بیان کی تو انہوں نے کہا میرے کانوں نے بھی یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی اور اس کو یاد رکھا۔ **مسلم کتاب الایمان باب من ادّعی الی غیر اَبیه فقد کفر** میں ابوذر رضی اللہ عنہ غفاری سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص خود کو کسی اور کا بیٹا بتائے حالانکہ وہ جانتا بھی ہے کہ وہ اس کا بیٹا نہیں ہے۔ (یعنی جان بوجھ کر ایسا کرے) تو وہ کافر ہو گیا اور جس شخص نے اس

چیز کا دعویٰ کیا جو اس کی نہیں ہے، وہ ہم میں سے نہیں ہے اور جو شخص کسی کو کافر کہہ کر بلائے یا خدا کا دشمن کہہ کر بلائے، اور وہ شخص جس کو ایسے نام سے پکارا ایسا نہ ہو، تو کفر کہنے والے کی طرف پلٹ آئے گا۔"

اس حدیث سے اگلی روایت میں ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے باپوں سے نفرت مت کرو، جو شخص اپنے باپ سے نفرت کرے گا وہ کافر ہو گیا۔"

اس سے اگلی روایت میں ابو عثمان کہتے ہیں:

"جب زیاد کا دعویٰ کیا گیا تو میں ابو بکرہ سے ملا (وہ زیاد کے ماں جائے بھائی تھے) اور میں نے کہا یہ تم نے کیا کیا؟ میں نے سعد بن ابی وقاص سے سنا وہ کہتے تھے میرے کانوں نے رسول ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے جس نے اسلام میں آ کر اپنے باپ کے سوا کسی کو باپ بنایا تو جنت اس پر حرام ہے۔ ابو بکرہ ؓ نے کہا میں نے خود سنا ہے رسول اللہ ﷺ سے۔" یہ روایت مسند احمد میں بھی آئی ہے۔

اس سے اگلی روایت سعد بن ابی وقاص اور ابو بکرہ ؓ دونوں سے ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور دل نے یاد رکھا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی اور کو باپ بنائے تو اس پر جنت حرام ہے۔

الاخبار الطوال میں ابو حنیفہ دینوری ؒ زیاد ابن ابیہ کے عنوان کے تحت ابتداء میں لکھتے ہیں:

"زیاد پہلے ابن عبید کے نام سے مشہور تھا۔ پھر زیاد معاویہ کے پاس گیا اور اس کے حالات ساز گار تھے، یہاں تک کہ معاویہ نے اس کے نسب کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے بیان کیا کہ وہ ابو سفیان کا بیٹا ہے اور ابو مریم سلولی جو جاہلیت میں طائف کا شراب فروش تھا اس نے گواہی دی کہ ابو سفیان نے

سمیّہ سے مباشرت کی اور بنو مصطلق کے ایک دوسرے شخص یزید نے گواہی دی کہ اس نے ابو سفیان کو کہتے سنا کہ زیاد اس کے نطفے سے ہے جو اس نے سمیّہ کے پیٹ میں ڈالا۔ پس معاویہ کا دعویٰ زیاد کے بارے میں مکمل ہو گیا اور پھر جو ہونا تھا، سو ہوا۔"

ابو عثمان نہدی سے مسلم کی روایت کی تشریح میں امام نووی ؒ شرح مسلم میں، مولانا شبیر احمد عثمانی فتح الملہم میں اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ بذل المجہود شرح ابی داؤد میں یہی قصہ لکھ کر حضرت ابو بکرہ ؓ کا اس استلحاق سے انکار اور اس پر سخت ناراضگی ظاہر کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ ابو بکرہ ؓ زیاد کے ماں شریک بھائی تھے اور مخلص صحابی تھے۔ انہوں نے زیاد کی اس حرکت کے بعد اس سے کبھی کلام نہیں کیا۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ؒ استلحاق زیاد کے بارے میں تحفہ اثناء عشریہ میں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے زیاد کو اپنی طرف مائل کرنے میں حد سے زائد کوشش کی کیونکہ وہ بہت مدبر، شجاع و زیرک سردار تھا جس کے ساتھ ایک جمعیت کثیر تھی اور بادشاہوں کو اس قسم کے آدمی کی ضرورت ہوا ہی کرتی ہے.......... اب ابن زیاد، نطفہ ناتحقیق کی شرارت دیکھیے کہ معاویہ کی رفاقت میں پہلا فعل جو اس سے سرزد ہوا، حضرت امیر علیہ السلام کی اولاد کی عداوت تھی۔ (تحفہ اثناء عشریہ اردو، ص:483 تا 486)

مولانا ابو الکلام آزاد ؒ لکھتے ہیں:

"یہ ایک مشہور تفصیل طلب واقعہ ہے۔ عام ناظرین کیلئے اس قدر لکھ دیتا ہوں کہ سمیہ جاہلیت کی ایک زانیہ اور فاحشہ عورت تھی۔ ابو سفیان اس کے پاس رہا کرتا تھا اور اس سے زیاد پیدا ہوا۔ لیکن غرض سیاسیہ سے (معاویہ نے) پھر اس کا استلحاق پیدا کیا اور اس کو اپنا بھائی قرار دیا۔ اس کیلئے ایک خاص مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں گواہوں کے اظہار کیلئے ازاں جملہ

ایک گواہ ابو مریم الفجار بھی تھا جس نے ابوسفیان کیلئے سمیّہ کو مہیا کیا تھا۔
بالآخر ایسی شہادت سے زیاد بھی شرما گیا۔

(مکالات ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ ص:149-150)

ایسا ہی مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی زندگی ص:192-193، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نے تاریخ ملت ج:3، ص:22، مولانا سعید احمد فاضل دیوبند نے کتاب مسلمانوں کا عروج وزوال ص:50 پر لکھا ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ (الاستیعاب ج:1، ص:196 ابن الاثیر نے الکامل میں ج:3، ص:7-8 پر زیاد کو بھائی بنانے کا واقعہ لکھا ہے۔

استلحاقِ زیاد کو امیر معاویہ بھی غلط جانتے تھے

حافظ نور الدین ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج:5، ص:14 باب الولد للفراش میں مسند ابی یعلی کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"نصر بن حجاج اور خالد بن ولید کے لڑکے خالد کے درمیان ایک بچے کے بارے میں تنازعہ تھا۔ خالد کہتے تھے کہ یہ بچہ ان کے غلام عبداللہ کا لڑکا ہے، جس کے بستر پر یہ پیدا ہوا جبکہ نصر بن حجاج کا کہنا تھا کہ ان کے بھائی کی وصیت کے مطابق یہ اس کے نطفے سے ہے۔ یہ جھگڑا امیر معاویہ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے کہا یہ بچہ اس کا ہے جس کے گھر میں پیدا ہوا۔ اس پر نصر بن حجاج نے کہا تو پھر زیاد کو بھائی بنانے کا تمہارا فیصلہ کہاں گیا اے معاویہ! تو معاویہ نے جواب دیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ معاویہ کے فیصلے سے بہتر ہے۔"

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ استلحاق زیاد کا فیصلہ امیر معاویہ کے نزدیک بھی غلط تھا۔

استلحاق کو زیاد بھی دوزخیوں والا کام سمجھتا تھا

محدث ابن عساکر تاریخ دمشق میں لکھتے ہیں:

"زیاد نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کیا تم دیکھتے نہیں کہ امیر المومنین میرے استلحاق کا ارادہ رکھتے ہیں حالانکہ میں عبید کے بستر پر پیدا ہوا اور اس سے مشابہت رکھتا ہوں اور تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے سے انتساب کیا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔" (تاریخ دمشق ابن عساکر ج:5، ص:409)

پھر محدث ابن عساکر محدث ابن یحییٰ اور سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابن یحییٰ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں میں سے جو پہلا فیصلہ رڈ کیا گیا وہ زیاد کے بارے میں ہے اور سعید رحمۃ اللہ علیہ بن مسیب نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں میں سے اوّلین فیصلہ جسے علانیہ رڈ کیا گیا وہ معاویہ نے زیاد کے معاملہ میں کیا۔

مؤرخ ابوالفداء دمشقی اپنی تاریخ ج:2، ص:98-99 پر لکھتے ہیں:

"سمیّہ حارث بن کلدہ ثقفی طبیب کی کنیز تھی جسے اس نے اپنے ایک رومی غلام عبید نامی سے بیاہ دیا تھا اور زیاد عبید کے گھر میں پیدا ہوا اور شرعاً اس کی اولاد تھا۔ آگے لکھتے ہیں کہ ابو مریم شراب فروش نے استلحاق کے وقت اس طرح گواہی دی کہ خود زیاد کو شرم آ گئی، اس نے ابو مریم کو خاموش کرا دیا اور کہا ذرا ٹھہر، تجھے گواہی کیلئے طلب کیا گیا ہے نہ کہ گالیاں دینے کیلئے۔"

اس کے بعد ابوالفداء لکھتے ہیں:

"امیر معاویہ نے زیاد کا استلحاق کرلیا اور یہ پہلا واقعہ ہے جس میں علانیہ شریعت کی مخالفت کی گئی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صریح ارشاد ہے کہ بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ لوگوں نے اس فیصلے کو بڑا حادثہ سمجھا اور اس پر احتجاج کیا بالخصوص بنو امیہ نے کیونکہ اس طرح رومی غلام عبید کا بیٹا زیاد بنو امیہ کا فرد بن گیا۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ الاصابہ میں زیاد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"جب بنوامیہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تو پھر اسے زیاد ابن ابیہ اور زیاد بن سمیّہ کہا جانے لگا، اس نے اپنے باپ عبید کو ایک ہزار درہم دے کر آزاد کرایا تھا۔"

اب آخر میں مولانا رشید احمد گنگوہی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

ترمذی ابواب المناقب میں باب مناقب حسین رضی اللہ عنہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضرت حسین علیہ السلام کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو اس شقی وخبیث نے آپ علیہ السلام کے چہرے اور ناک پر چھڑی سے کچوکا دیا۔ اس حدیث کی شرح میں مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں، ابن زیاد کی اس حرکت پر تعجب نہیں کیونکہ اس کا باپ زیاد ولد الزنا تھا، معاویہ نے اس کا استلحاق کیا، اسی لیے اسے زیاد ابن ابیہ کہا جاتا ہے۔"

(الکوکب، الدری، افادات مولانا رشید احمد گنگوھی، مرتب مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی ج:2، ص:437)

امیر معاویہ کے چار افعال مہلکہ

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معاویہ کے چار افعال ایسے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی ایک کا بھی ارتکاب کرے تو وہ اس کے حق میں مہلک ہو۔

1۔ ایک ان کا امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے۔

2۔ دوسرے ان کا اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنانا حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا، ریشم پہنتا اور طنبورے بجاتا تھا۔

3۔ تیسرے ان کا زیادہ کو بھائی بنانا حالانکہ حکم نبوی تھا کہ اولاد اس کی جس کے بستر پر وہ پیدا ہو اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔

4۔ چوتھے حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دینا۔

(امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8، ص:130، امام ابن کثیر الکامل ج:3، ص:242)

حضرت حجرؓ بن عدی رضی اللہ عنہ صحابی اور ان کے ساتھیوں کا قتل

یہ خوں چکاں قصہ پڑھنے سے پہلے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ نسائی کتاب المحاربہ باب تحریم الدم میں ابوادریس روایت کرتے ہیں:

"میں نے معاویہ سے سنا، وہ خطبہ دے رہے تھے، اور انہوں نے بہت کم حدیثیں روایت کی ہیں، وہ کہتے تھے میں نے سنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ میں فرماتے تھے، ہر ایک گناہ اللہ بخش دے گا مگر جو مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے یا کافر ہو کر مرے۔"

حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کو 51ھ میں معاویہ کے حکم سے قتل کیا گیا، وہ ایک عابد زاہد صحابی اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے۔ امیر معاویہ کے زمانے میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علی علیہ السلام پر لعنت اور سب کا سلسلہ شروع ہوا تو عام مسلمانوں کے دل ہر جگہ ہی اس سے زخمی ہو رہے تھے مگر لوگ خون کا گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے۔ کوفہ میں حجر بن عدی رضی اللہ عنہ سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے جواب میں حضرت علی علیہ السلام کی تعریف اور معاویہ کی مذمت شروع کر دی مغیرہ بن شعبہ جب تک کوفہ کے گورنر رہے۔ وہ ان کے ساتھ رعایت برتتے رہے۔ ان کے بعد جب زیاد کی گورنری میں بصرہ کے ساتھ کوفہ بھی شامل ہو گیا تو زیاد اور حضرت حجر رضی اللہ عنہ کے درمیان کشمکش برپا ہو گئی۔ زیاد خطبے میں حضرت علی علیہ السلام کو گالیاں دیتا تھا اور یہ اٹھ کر اس کا جواب دینے لگتے تھے۔ اس دوران ایک مرتبہ انہوں نے زیاد کو نماز جمعہ لیٹ کرانے پر بھی ٹوکا۔ آخر کار زیاد نے انہیں اور ان کے بارہ ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور ان کے خلاف بہت سے لوگوں کی شہادتیں اس فرد جرم پر لیں کہ انہوں نے ایک گروہ بنا لیا ہے، خلیفہ کو علانیہ گالیاں

دیتے ہیں، امیر المومنین کے خلاف لڑنے کی دعوت دیتے ہیں۔ان کا یہ دعویٰ ہے کہ خلافت آل ابی طالب کے سوا کسی کیلئے درست نہیں، انہوں نے شہر میں فساد برپا کیا اور امیر المومنین کے عامل کو نکال باہر کیا، یہ ابوتراب (حضرت علی علیہ السلام) کی حمایت کرتے ہیں ان پر رحمت بھیجتے ہیں اور ان کے مخالفین سے اظہار برأت کرتے ہیں۔

ان جھوٹی گواہیوں میں سے ایک گواہی قاضی شریح کی بھی ثبت کی گئی مگر انہوں نے ایک الگ خط میں معاویہ کو لکھ بھیجا کہ میں نے سنا ہے آپ کے پاس حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو شہادتیں بھیجی گئی ہیں، ان میں ایک میری شہادت بھی ہے۔میری اصل گواہی حجر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، ہمیشہ حج وعمرہ کرتے رہتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، ان کا خون اور مال حرام ہے، آپ چاہیں تو ان کو قتل کردیں ورنہ معاف کردیں۔

یہ ملزم معاویہ کے پاس بھیجے گئے اور انہوں نے ان کے قتل کا حکم دے دیا، قتل سے پہلے جلادوں نے ان سے کہا کہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اگر تم علی علیہ السلام سے براءت کا اظہار کرو اور ان پر لعنت بھیجو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے ورنہ قتل کردیا جائے، حضرت حجر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے انکار کردیا۔حضرت حجر رضی اللہ عنہ نے کہا میں منہ سے وہ بات نہیں نکال سکتا جو رب کو ناراض کرے۔

آخرکار وہ اور ان کے ساتھی قتل کردیئے گئے۔ان میں سے ایک صاحب عبدالرحمٰن بن حسان رضی اللہ عنہ کو معاویہ نے زیاد کے پاس واپس بھیج دیا اور اس کو لکھا کہ انہیں بدترین طریقے سے قتل کرو۔چنانچہ زیاد نے انہیں زندہ دفن کرادیا۔اس کے دو سال بعد زیاد بھی 53ھ میں مرگیا۔

(امام ابن جریر ، تاریخ ، ج:4، ص:190تا207، امام ابن عبدالبر ، الاستیعاب ، ج:1، ص:135، امام ابن اثیر ،الکامل ج:3، ص:234تا 242، امام ابن کثیر ، البدایہ والنہایہ ، ج:8،

ص:50-55، سیر اعلام النبلاء امام ذھبی ج:4، ص 246)

امام ابن اثیر نے اسد الغابہ ج:1، ص:385 پر حضرت حجر بن عدی کے حالات میں یہی قصہ لکھا ہے۔

حضرت حجر فضلائے صحابہ میں سے تھے۔جنگ صفین میں بنو کندہ کے کمانڈر اور نہروان میں بائیں طرف کے کمانڈر تھے۔

ان لوگوں کو مرج عذرا کے جنگل میں قتل کیا گیا۔وہ علاقہ حضرت حجر رضی اللہ عنہ نے ہی فتح کیا تھا اور انہوں نے پہلی دفعہ تکبیر کی۔قتل سے پہلے انہوں نے 2 رکعت نماز پڑھی۔اور فرمایا کہ قتل کے بعد میری بیڑیاں، کپڑے وغیرہ نہ اتارنا۔میں قیامت کے دن معاویہ سے اسی حال میں پل صراط پر ملوں گا۔

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ سزائے موت کا قیدی قتل سے پہلے دو رکعت پڑھ سکتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ امت کے دو چوٹی کے آدمیوں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اور حجر بن عدی رضی اللہ عنہ نے اپنے قتل سے پہلے دو رکعت پڑھی لہٰذا یہ درست ہے۔

(مستدرک حاکم ج:3، ص:470، زاد المعاد ج:2، ص:109)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جب اس قتل کی اطلاع ملی تو وہ شدت غم سے اٹھ کھڑے ہوئے اور رونے لگے۔ (ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج:8، ص:65)

امیر معاویہ کے گورنر خراسان ربیع ابن زیاد کو جب حجر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے قتل کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا خدایا اگر تیرے علم میں میرے اندر کچھ خیر باقی ہے تو مجھے دنیا سے اٹھالے۔ان کی دعا فوراً قبول ہوئی۔

(البدایہ والنہایہ ج:8، ص:66، الاستیعاب ج:1، ص:135، طبری، ج:4، ص:208، تاریخ ابن خلدون، ج:3، ص:13)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی چند تصانیف کا مجموعہ جوامع السیرۃ کے نام سے احمد شاکر، احسان عباس اور ڈاکٹر ناصر الدین الاسد نے تحقیق ونظر ثانی کے بعد شائع کیا ہے اس کتاب میں ایک رسالہ **اسماء الخلفاء والاۃ وذکر مددھم** کے نام سے شامل ہے۔اس

کے صفحہ 356 پر معاویہ کے حالات صرف پانچ سطروں میں بیان کئے گئے ہیں جس میں ابن حزم ؒ لکھتے ہیں:

"معاویہ کے عہد میں قسطنطنیہ کا محاصرہ ہوا اور حجر ؓ بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو باندھ کر دمشق کے مضافات میں قتل کیا گیا اور اسلام میں یہ امر رخنے اور کمزوری کا باعث ہے کہ جس صحابی ؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو دیکھا ہو اسے ارتداد یا شادی کے بعد زنا کے جرم کے بغیر قتل کیا جائے۔ حضرت عائشہ ؓ نے ان حضرات کے قتل پر جو کچھ فرمایا وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔"

اس قتل پر معاویہ کا اظہار ندامت

امام طبری ؒ نے اپنی تاریخ میں امام ابن سیرین ؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

"جب معاویہ کی موت کا وقت قریب تھا تو حالت غیر میں کہہ رہے تھے

"اے حجر ؓ تیری ملاقات کا دن بہت طویل ہوگا۔"

سیر اعلام النبلاء، ج:3، ص:307 میں امام ذہبی نے لکھا:

"امیر معاویہ اپنے اس فعل پر نادم تھے۔"

قتل حجر ؓ بن عدی آئمہ کی نظر میں

شمس الائمہ سرخسی حنفی المبسوط، باب الصلوٰۃ علی الشھید میں لکھتے ہیں:

"جب حضرت عمار بن یاسر ؓ جنگ صفین میں شہید ہونے لگے تو فرمایا کہ میرا خون نہ دھونا اور میرے کپڑے نہ اتارنا، میں اسی حال میں معاویہ سے قیامت والے دن ملاقات کروں گا اور حجر ؓ بن عدی سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔"

امام آگے چل کر باب الخوارج ج:10، ص:131 پر لکھتے ہیں:

"جو لوگ اہل عدل میں سے قتل ہوں تو ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو شہداء کے ساتھ ہوتا ہے یعنی غسل دیئے بغیر ان کا جنازہ پڑھا جائے گا۔ حضرت علی ؑ نے اپنے مقتول ساتھیوں سے یہی کیا تھا، اور عمار ؓ بن یاسر ؓ، حجر ؓ بن عدی اور زید بن صوحان ؓ نے شہید ہوتے وقت یہی وصیت کی تھی۔"

امام ابوالحسن ماوردی اپنی کتاب **الاحکام السلطانیہ** ص:56، پر باغیوں سے جنگ کی بحث کے تحت لکھتے ہیں:

"باغیوں کو تنبیہ کی جا سکتی ہے مگر قتل نہیں کیا جا سکتا۔"

فصل التعزیر میں لکھتے ہیں:

"تعزیر کے ذریعے خون بہانا جائز نہیں۔"

قاضی ابو یعلی محمد بن الحسین الفرّاء اپنی کتاب "**الاحکام السلطانیہ باب قتال اھل البغی** ص:39 پر لکھتے ہیں:

"مسلمان باغیوں میں سے جو قیدی بنائے جائیں گے وہ قتل نہیں کئے جائیں گے اور حربی کافروں اور مرتدوں کے قیدی قتل کئے جائیں گے۔"

امام نووی ؒ نے شرح مسلم **کتاب الزکاۃ باب مؤلفۃ القلوب** میں اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ خوارج اور باغیوں کے قیدیوں کا قتل جائز نہیں ہے۔

امام ذہبی ؒ لکھتے ہیں: ص:51 کے حوادث میں اسی سال حجر بن عدی اور ان کے ساتھی معاویہ کے حکم سے عذراء کے مقام پر قتل ہوئے۔ حجر ؓ صحابی ہیں جو ایک وفد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ ایک عبادت گزار انسان تھے جنہوں نے جہاد میں شرکت کی۔"

(العبر فی خبر من غبر، ج:1 ص:57)

استاد عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ النجار جنہوں نے تاریخ الکامل ابن اثیر کے نسخہ کی تصحیح وتہذیب کی ہے وہ اس کتاب کی ج:3، ص:241 پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''حضرت ابن حجر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جو سیاسی اغراض کے باعث قتل ہوئے۔ وہ اپنے قول وعمل میں معاویہ کی نسبت زیادہ برسرِ حق تھے۔ وہ اپنے دین کے معاملے میں مداہنت کی بجائے صراحت سے کام لیتے تھے جس پر ان کا خون بہایا گیا۔''

مولانا مناظر احسن گیلانی دیوبندی تدوین حدیث ص:423 پر لکھتے ہیں:

''حضرت حجر رضی اللہ عنہ کی جلالت شان کا اندازہ اسی سے کیجئے کہ کوفہ سے شام گرفتار کر کے بھیجے گئے اور یہ خبر مدینہ پہنچی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت امیر معاویہ کے پاس قاصد دوڑایا کہ حجر رضی اللہ عنہ کو قتل نہ کرنا لیکن قاصد اس وقت پہنچا جب وہ شہید ہو چکے تھے۔''

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''سیرت عائشہ'' رضی اللہ عنہا ص:150-151 پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تاثرات اس قتل کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''مسروق تابعی راوی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ خدا کی قسم اگر معاویہ کو معلوم ہوتا کہ اہل کوفہ میں کچھ بھی جراءت اور خودداری باقی ہے تو وہ کبھی حجر رضی اللہ عنہ کو ان کے سامنے پکڑوا کر شام میں قتل نہ کرتا۔ لیکن اس جگر خوارۂ ہند کے بیٹے نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب لوگ اٹھ گئے۔''

حضرت حجر رضی اللہ عنہ بن عدی کا مرتبہ

امام حاکم نے مستدرک حاکم ج:3 میں صحابہ کے حالات بیان کرتے ہوئے ص:468 پر ایک باب کا عنوان قائم کیا۔ حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کے مناقب جو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راہب (درویش صفت) صحابی تھے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی تلخیص مستدرک حاکم میں بھی یہی عنوان موجود ہے۔ امام ابن کثیر

نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ امام ابن عبدالبر ''الاستیعاب'' میں فرماتے ہیں کہ حجر رضی اللہ عنہ صاحب فضیلت صحابہ میں سے تھے۔ ان عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حجر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اسی طرح مرزبانی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ حجر بن عدی اپنے بھائی ہانی بن عدی کے ساتھ وفد کی صورت میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔

پھر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یحییٰ بن سلیمان کا قول نقل کرتے ہیں کہ حجر رضی اللہ عنہ بن عدی مستجاب الدعوات اور افاضل اصحاب النبیؐ میں سے تھے۔ الاستیعاب میں ابن نافع سے منقول ہے کہ وہ حضرت حجر رضی اللہ عنہ کو رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دیتے ہوئے ان سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قتل پر فرمایا:

''افسوس اور خرابی ہے اس کیلئے (یعنی معاویہ) جس نے حجر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔'' (امام ابن عبدالبر الاستیعاب ج:1، ص:357)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے الاصابہ میں امام حاکم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت حجر رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت ہانی رضی اللہ عنہ وفد کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائے تھے۔ پھر ابن حجر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر بن حفص کا قول نقل کیا ہے جس کے مطابق حضرت حجر رضی اللہ عنہ صحابی تھے اور ان سے روایت کردہ حدیث لکھی ہے۔

امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسد الغابہ میں لکھا کہ حضرت حجر رضی اللہ عنہ کا لقب حجر الخیر (نیکی کرنے والا یا نیکوکار حجر) مشہور تھا اور آپ اپنے بھائی کے ساتھ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے اور فاضل صحابی اور اعیان صحابہ میں شمار کئے جاتے تھے۔ قتل کے وقت وہ اتنے بوڑھے تھے کہ جم کر سواری پر بغیر سہارے کے نہ بیٹھ سکتے تھے۔

حضرت حجر رضی اللہ عنہ بن عدی کا جرم

کسی حکمران کی حکومت کو خوش دلی سے تسلیم نہ کرنا اور کسی اور کو اس کے مقابلہ میں

زیادہ مستحق حکمرانی سمجھنا شرعاً بغاوت کے جرم کے تحت نہیں آتا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے پوری زندگی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی اور وہ انصار رضی اللہ عنہ کو مستحق خلافت سمجھتے تھے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرا تاریخی واقعہ معاویہ کے والد ابوسفیان کا لکھا ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی اور ابوسفیان نے حضرت علی علیہ السلام کو کہا کہ قریش کے سب سے چھوٹے قبیلے نے خلافت پر قبضہ کرلیا، اے علی علیہ السلام، اگر تم پسند کرو تو خدا کی قسم میں اس وادی کو پیادوں اور سواروں سے بھر دوں گا۔ حضرت علی علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ تم ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کے دشمن بنے رہے مگر اس سے اسلام اور مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکا۔ ہماری رائے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منصب خلافت کے اہل ہیں۔

یہ واقعہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے منہاج السنہ میں کئی بار نقل کیا اور دوسری کتابوں میں بھی نقل ہوتا آرہا ہے۔ اگر کسی کو حکمران کے خلاف اکسانا جرم ہے تو یہ جرم معاویہ کے ابا جان ابوسفیان پہلے ہی کر چکے ہیں، پھر حضرت حجر رضی اللہ عنہ پر اتنا غصہ کیوں؟

مزید یہ کہ حنفی مسلک کے شمس الآئمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ المبسوط ج:10، ص:125 پر فرماتے ہیں:

> ''حضرت علی علیہ السلام کی حدود سلطنت میں رہ کر خارجی ان کو گالیاں دیتے تھے اور حضرت علی علیہ السلام نے ان کو کوئی سزا نہ دی۔ اس میں اس بات کی دلیل موجود ہے کہ حکمران کو گالی دینا موجب تعزیر نہیں ہے۔''
>
> حضرت حجر رضی اللہ عنہ کے خلاف یکطرفہ گواہیاں لے کر امیر معاویہ نے سزائے موت سنادی اور ان کو اپنا موقف پیش کرنے کا موقعہ نہ دیا گیا۔ ان کے خلاف زیاد نے زبردستی گواہیاں کیسے لیں ان کا ذکر امام ابن جریر نے اپنی تاریخ میں ج:4، ص:200 پر کیا ہے۔''

اسی کتاب میں ج:4، ص:303 پر امام لکھتے ہیں: ''جب سارے ملزم مرج عذراء کے مقام پر قید کر دیئے گئے تو انہیں وہاں یزید بن حجیہ کے ذریعے معلوم ہوا کہ انہیں سزائے موت ملنے والی ہے۔ اس پر حضرت حجر رضی اللہ عنہ نے یزید سے کہا کہ وہ معاویہ سے جا کر

کہیں کہ ہم اپنی بیعت پر قائم ہیں اور ہمارے خلاف گواہی دشمنی و تہمت پر مبنی ہے۔ یزید نے پیغام بھجوایا مگر معاویہ نے جواب دیا کہ زیاد ہمارے نزدیک حجر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا ہے۔'' جب معاویہ سے ملزم پیش کرنے کی بات کی گئی تو انہوں نے کہا میں ان کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ (امام ذہبی، سیر اعلام النبلاء)

جب معاویہ سے حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو حجر نے کہا ہم بیعت پر قائم ہیں لیکن معاویہ نے پھر بھی ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ (الاصابہ، ابن حجر، ج:1، ص:329، نمبر شمار 1624)

حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ کا اصل جرم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت تھا اور یہی ان کے قتل کا سبب تھا۔ (مستدرک حاکم، ج:3، ص:470)

یزید کی ولی عہدی

امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کیلئے خوف اور لالچ کے ذرائع سے بیعت لے کر اس امکان کا خاتمہ کر دیا کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کبھی بحال ہو سکے

بیعت یزید اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم

یزید کو جب ولی عہد نامزد کیا تو اس وقت اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے علاوہ عشرہ مبشرہ میں سے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص بھی زندہ تھے۔

(شرح مسلم از علامہ اُبی مالکی، ج:2، ص:261)

امام ذہبی اور ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہم لکھتے ہیں:

''بیعتِ یزید کی طرح زبردستی کسی کی بیعت نہیں لی گئی

(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:86، سیر اعلام النبلاء، ج:3، ص:148-149)

یہ بات تمام محدثین نے لکھی ہے کہ یزید شرابی اور تارک نماز تھا۔

(امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، سیر اعلام النبلاء، ج:4، ص:318)

جبکہ شراب ام الخبائث ہے۔

(صحیح الجامع الصغیر، ج:1، ص:632، حدیث:3344، سلسلة الاحادیث الصحیحه، ج:4، حدیث:1854)

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یزید ولی بھی ہوتا تو بھی اس کو خلیفہ نامزد کرنا غلط ہوتا کیونکہ اس سے امت میں اس بری رسم نے جنم لیا کہ ہر مرنے والا اپنے بیٹوں کو ولی عہد بنا دے۔

(امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر اعلام النبلاء، ج:3، ص:318)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ کاش امیر معاویہ اپنے بیٹے یزید کیلئے ولی عہدی کا اعلان نہ کرتے اور امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے بعد امت کو اختیار دے دیتے۔ یزید کو ولی عہد بنانے کے عمل سے امام حسین علیہ السلام دکھ سے بھر گئے کہ معاویہ نے اپنے بیٹے کیلئے زبردستی بیعت لی لہٰذا امام حسین علیہ السلام اس کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔

(سیر اعلام النبلاء امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ج:3، ص:291-292)

علامہ وحید الزماں بخاری کتاب الجنائز باب ما جاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ عنہ کی آخری حدیث کی شرح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے بیٹے عبداللہ کا خلافت میں کوئی حق نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی ایک کام دیکھ لو اور اس کو معاویہ کے کام سے ملاؤ کہ انہوں نے مرتے وقت زبردستی اپنے ناخلف بیٹے یزید سے بیعت کرا دی تو دونوں میں زمین آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر طعنے کرتے ہیں ان کو یہ کاروائی دیکھ کر شرمانا چاہئے۔

علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ کتاب التفسیر، سورہ احقاف باب والذی قال لو الولدیه اف لکما میں بیان شدہ حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں ''افسوس کہ معاویہ کو اپنی آخر عمر میں حقانیت کا کچھ خیال نہ ہوا اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل استحقاق کے زندہ ہوتے ہوئے بھی اپنے نالائق بیٹے یزید کو خلافت دینا چاہی اور اس پر طرّہ یہ کیا کہ ایسی خود غرضی کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سے مقدس حضرات کا طریقہ قرار دیا۔''

یزید کی ولی عہدی کے بارے میں خود امیر معاویہ کی رائے

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب منہاج السنہ کی تلخیص المنتقیٰ کے نام سے کی ہے۔ اس میں معاویہ کے عنوان کے تحت امام نے لکھا کہ امیر معاویہ نے یزید سے کہا ''مجھے سب سے زیادہ اس کام (یعنی ولی عہدی) کا خوف ہے، جو تیرے معاملہ میں ہوا۔''

دورِ یزید کے بارے میں نبوی پیش گوئی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے ساٹھ سال بعد حکمرانوں کے جانشین ایسے ہوں گے جو نماز کو ضائع کر دیں گے، اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے اور جہنم کے گڑھے میں جا پڑیں گے۔ ان کے بعد ایسے لوگ جانشیں ہوں گے جو قران تو پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور قرآن کی تلاوت تین طرح کے لوگ کرتے ہیں، مومن، منافق اور فاجر راوی حدیث بشیر کہتے ہیں کہ میں نے ولید سے پوچھا کہ تین لوگ کیسے ہیں۔ انہوں نے کہا منافق تو اس کا منکر ہوتا ہے، فاجر اس کے ذریعے کھاتا ہے اور مومنؓ اس پر ایمان رکھتا ہے۔ (مسند احمد حدیث نمبر 11360)

مفتی محمد شفیع دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شہید کربلا میں خلافت اسلامیہ پر ایک حادثہ عظیمہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

> ''بالآخر بیعت یزید کا قصد کر لیا جاتا ہے اور اسلام پر یہ پہلا حادثہ عظیم ہے کہ خلافت نبوت ملوکیت میں منتقل ہوتی ہے۔''

آگے لکھتے ہیں کہ یزید کے ذاتی حالات بھی اس کی اجازت نہ دیتے تھے کہ اس کو تمام ممالک اسلامیہ کا خلیفہ مان لیا جائے۔

دیو بندی عالم مولانا عبید اللہ انور فرماتے ہیں کہ خلفاء راشدین کی سنت یہ ہے کہ مسلمانوں کی مجلس شوریٰ خلیفہ منتخب کرے مگر امیر معاویہ نے قیصر و کسریٰ کی سنت کے مطابق بادشاہت کا سلسلہ قائم کر دیا، اس واسطے آپ (حضرت حسین علیہ السلام) اصولاً اس کاروائی کے خلاف تھے۔ یزید ذاتی طور پر بھی اس قابل نہ تھا۔ (خدام الدین مورخہ 22 جون 1962ء ص:9)

مولانا عبد الحئی لکھنوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے افراط سے کام

لیا اور کہا کہ جب یزید بالاتفاق تمام مسلمانوں کا رہبر بن گیا تو اس کی اطاعت امام حسین علیہ السلام پر واجب تھی لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ مسلمانوں کا اتفاق اس کی امارت پر کب ہوا تھا، صحابی اور اولاد صحابہ کی ایک جماعت اس کی اطاعت سے خارج تھی اور جنہوں نے اس کی اطاعت قبول کی تھی جب ان کو یزید کی شراب خوری اور ترک صلوٰۃ اور زنا اور محارم کے ساتھ حرام کاری کی حالت معلوم ہوئی تو مدینہ منورہ میں واپس آ کر انہوں نے بیعت کو فسخ کر دیا۔ (فتاویٰ مولانا عبد الحئی، ص:79)

مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ رئیس کا تقرر اگر بشکل انتخاب نہ ہو تو وہ مسلمانوں کے نزدیک امام اسلام نہیں ہو سکتا بلکہ قیصر و کسریٰ سمجھا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مشہور حدیث میں اسی قسم کی حکومت کو ملک عضوض فرمایا ہے۔ (مقالات الہلال ص:114)

کہا جاتا ہے کہ یزید کی ولی عہد کی تجویز کی ابتداء مغیرہ بن شعبہ کی طرف سے ہوئی۔ معاویہ انہیں کوفے کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ کو اس بات کی خبر مل گئی۔ وہ فوراً کوفہ سے دمشق پہنچے اور یزید سے مل کر کہا ''صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین تمہارے لیے بیعت لے لینے میں تامل کیوں کر رہے ہیں۔'' یزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد سے کیا۔ انہوں نے مغیرہ کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے یزید سے کہی؟ مغیرہ نے جواب دیا: ''امیر المومنین آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے۔ اب بہتر یہ ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے۔ بیعت لے لیں تا کہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو۔'' امیر معاویہ نے پوچھا کہ اس کام کو پورا کرنے کی ذمہ داری کون لے گا؟ مغیرہ نے کہا اہل کوفہ کو میں سنبھال لوں گا اور اہل بصرہ کو زیاد، اس کے بعد اور کوئی مخالفت کرنے والا نہیں۔ مغیرہ بن

شعبہ نے معاویہ کے پاس سے باہر نکل کر کہا کہ معاویہ کا پاؤں ایسی دلدل میں پھنسا آیا ہوں جہاں سے وہ قیامت تک نہیں نکل سکتے۔ (تاریخ الخلفاء، ص:255، اردو، امام سیوطی)

مگر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ یزید کو ولی عہد بنانے کا خیال امیر معاویہ کا اپنا تھا۔ اس کے باوجود اس روایت کے آخری فقرے کی صداقت بالکل واضح ہے اور یزید کی ولی عہدی تا قیامت معاویہ کے گلے کا ہار بن گئی۔

یہ بات کر کے مغیرہ بن شعبہ کوفے آئے اور دس آدمیوں کو تیس ہزار درہم دے کر اس بات پر راضی کیا کہ ایک وفد کی صورت میں معاویہ کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کیلئے ان سے کہیں۔ یہ وفد مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے موسیٰ بن مغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پورا کیا۔ بعد میں امیر معاویہ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پوچھا:

''تمہارے باپ نے ان سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے؟ تو موسیٰ نے کہا تیس ہزار درہم میں۔ امیر معاویہ نے کہا ''تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے۔''

یزید کی ولی عہدی کیلئے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی بلکہ ایک گورنر نے اپنے ذاتی مفاد یعنی نوکری بچانے کیلئے وقت کے حکمران کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔

یہ قصہ امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے الکامل ج:3، ص:249، امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:79، ابن خلدون نے تاریخ ج:3، ص:15-16 پر لکھا ہے۔

امام سیوطی اپنی کتاب تاریخ الخلفاء، اردو، ص:252 باب معاویہ بن ابی سفیان میں عرب کے چار عقل مند کے ترجمہ کے تحت لکھتے ہیں۔

قبیصہ بن جابر کہتے ہیں کہ میں مغیرہ بن شعبہ کے ساتھ ہی رہا ہوں۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر کسی شہر کے آٹھ دروازے ہوں اور ہر ایک دروازے سے کوئی شخص مکر کئے بغیر نہ نکل سکتا ہو تو یہ آٹھوں دروازوں سے بڑی آسانی سے گزر سکتے ہیں۔

اس کے بعد یہ تجویز زیاد کو بھجوائی گئی جس نے اس کی چند مشوروں کے ساتھ تائید کی۔ اور معاویہ کو یہ بھی مشورہ دیا کہ آپ اس معاملے میں جلدی نہ کریں۔ (حوالہ ایضاً)

امیر معاویہ نے اپنی موت سے چار سال پہلے ہی لوگوں کو یزید کی ولی عہدی کیلئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ ایک دن ایک وفد ان سے ملنے آیا تو ایک شامی یزید بن مقنع نے دربار میں تلوار لہرا کر وفد سے کہا ہمارے امیر المومنین معاویہ ہیں اور ان کے بعد یہ یزید ہے اور جو نہ مانے اس کیلئے تلوار ہے۔ اس پر امیر معاویہ نے اسے کہا بیٹھ جا تو سید الخطباء ہے۔

مسند ابو یعلیٰ پر حاشیہ اہل حدیث عالم مولانا ارشاد الحق اثری نے لکھا ہے۔ اس کی روایت نمبر 7138، ج:6 میں مندرجہ ذیل واقعہ بیان ہوا ہے، جس کے راویوں کو اثری صاحب نے ثقہ لکھا ہے۔

امیر معاویہ نے گورنر مدینہ کو لکھا کہ مدینہ سے وفد بھیجو۔ اس نے عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ کو وفد کا سردار بنا کر بھجوا دیا۔ جب دمشق پہنچ کر وفد نے ملاقات کی اجازت مانگی تو امیر معاویہ نے تجاہل عارفانہ سے پوچھا یہ عمرو کس لئے آیا ہے؟ (حالانکہ خود بلایا گیا تھا) معاویہ نے کہا اگر وہ رقم مانگتا ہے تو دو، میں اسے دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔ (معاویہ نے یہ ان سب اصحاب کو ذلیل کرنے کیلئے کہا تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ وہ دور بدل گیا جب تمہاری عزت ہوتی تھی)۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں رقم لینے نہیں بات کرنے آیا ہوں۔ معاویہ نے ایک دن فجر کے وقت ملاقات کیلئے بلا لیا۔ ملاقات میں عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے کہا معاویہ! یزید کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ قریش کے خاندان سے ہے، مال بھی اس کے پاس بہت ہے، میں تیرے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تجھے بتاؤں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو رعیت دیتا ہے تو قیامت کے دن اس سے پوچھے گا کہ تم نے رعایا سے کیسا برتاؤ کیا؟ تو جس کو خلیفہ بنانے لگا ہے، اس کا حال ہم سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔ میں تجھے اللہ کا خوف دلاتا ہوں کہ امت محمدیہ پر کس کو حکمران بنا کر جا رہا ہے۔ (یاد رہے اس وقت عشرہ مبشرہ میں سے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ زندہ تھے۔) اس وقت سخت سردی

کا موسم تھا مگر بات سن کر معاویہ کو پسینہ آ گیا اور سانسیں تیز ہو گئیں۔ تین بار پسینہ پونچھنے کے بعد امیر معاویہ نے کہا تو خیر خواہ آدمی ہے۔ تو نے اپنے خیال سے جو درست سمجھا کہا۔ بات یہ ہے کہ اور صحابہ کے بھی بیٹے ہی باقی رہ گئے ہیں اور میرا بھی بیٹا ہے۔ میرا بیٹا ان سے بہتر ہے۔ تو ان باتوں کو چھوڑ اور مانگ جو مانگتا ہے۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے کہا میری کوئی حاجت نہیں ان کے بھائی نے کہا چھوڑ عمرو! ہم مدینہ سے اونٹوں کے جگر جلا کر یہاں شام میں چند باتیں سنانے نہیں آئے، ہمیں کچھ لینے دے۔ اس طرح بھائی بک گیا۔ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے کہا، میں تو یہی بات کرنے آیا تھا۔ امیر معاویہ نے کہا عمرو کے بھائی کو رقم دے دو اور عمرو کیلئے بھی ویسی ہی تھیلی لاؤ۔

اس طرح معاویہ نے ایک طرف ڈنڈے اور دوسری طرف پیسے کے زور سے یزید کی بیعت لی۔

یزید کی بیعت کے بارے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رائے

یزید کی بیعت گنتی کے چند صحابہ نے کی تھی۔ ان کا موقف امام ابن عبدالبر نے ''التمہید ج:16، ص:354-355، پر بیان کیا ہے۔

> وہب بن کیسان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ صحابی رضی اللہ عنہ سے سنا کہ جب مسلم بن عقبہ (مسرف بن عقبہ) مدینہ آیا تو مختلف قبیلے آ کر بیعت کرنا شروع ہوئے۔ قبیلہ بنو سلمہ نے بھی بیعت کر لی مگر میں نہ گیا۔ مسلم بن عقبہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اصرار کیا اور قتل کی دھمکی دی۔ قبیلہ والوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس کے مطالبہ کا ذکر کیا۔ حضرت جابر ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے مشورہ مانگا۔ ام المومنین نے کہا خدا کی قسم یہ بیعت ضلالت ہے (گمراہی کے بیعت) مگر میں نے مجبوراً اپنے بھتیجے عبداللہ کو بھی بیعت کا مشورہ دیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس بات سے میں سمجھا وہ اپنے بھتیجے کی اور میری جان

بچانا چاہ رہی ہیں لہٰذا میں گیا اور میں نے بیعت کر لی۔

اگر بیعت کرنا ہی سب کچھ ہو تو لوگوں نے تو مختار ثقفی کی بھی بیعت کی تھی جیسا کہ التمہید ج:16، ص:355 پر لکھا ہے۔

> سماک بن حرب کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک آدمی جس نے مختار ثقفی کی بیعت کی تھی، پوچھا کہ ہم نے اس آدمی (مختار) کی بیعت کی ہے۔ اس میں کوئی نقصان تو نہیں؟ سماک بن حرب نے کہا جیسے اس پتھر کی بیعت ہے، ویسے ہی اس مختار کی بیعت ہے یعنی بے اثر ہے کیونکہ یہ زبردستی کی بیعت ہے، بیعت تو دل میں ہوتی ہے۔ اگر تو دل سے اس بات کا منکر ہو جو وہ حکمران کہہ رہا ہے تو ایسی بیعت کا کوئی حرج نہیں۔

مصر کے مشہور سلفی عالم علامہ سید رشید رضا مصری رحمۃ اللہ علیہ (صاحب تفسیر المنار) اپنی کتاب الخلافۃ الامامۃ العظمیٰ میں ص:46 -47) پر لکھتے ہیں:

> یزید کیلئے معاویہ کی طرف سے نامزدگی کو بھلا کوئی صاحب عقل اور اہل علم حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عمل پر قیاس کر سکتا ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مصلحت اور حق وعدل کے پیش نظر اہل حل وعقد کے مشورہ اور رضامندی کے بعد عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد فرمایا تھا۔ اور فاسق و فاجر یزید کی نامزدگی کیلئے ایک طرف قوت و طاقت سے کام لیا گیا تو دوسری طرف بڑے بڑے لوگوں کو عہدوں کی رشوت کے ذریعہ راضی کرنے کی کوشش کی گئی اس کے بعد بری بدعات یکے بعد دیگرے ظہور میں آتی رہیں۔ اہل جور وطمع نے طاقت حاصل کر لی اور امامت کو اولاد رشتہ داروں کیلئے دیگر مال ومتاع کی طرح وراثت اور ترکہ بنا دیا۔ حالانکہ یہ طریقہ کار تعصب پر مبنی ہے جو ہدایت قرآنی اور سنت اسلام کے منافی ہے۔

علامہ رشید رضا ص:61 پر لکھتے ہیں:

مسلمانوں کا سب سے زیادہ نقصان اس مسئلہ نے کیا ہے جو علماء نے اپنا لیا کہ حکومت پر زبردستی قبضہ کرنے والے کی اطاعت شرعاً فرض ہے اور جو اس سے روگردانی کرے گا وہ مجرم ہوگا۔ جو اصل الاصول تھا کہ حکومت حاصل کرنے کے لئے کوئی کوشش نہ کرے، اس اصول کی بجائے یہ کلیہ بنالیا کہ متغلب بھی شرعی حاکم ہے۔ بادشاہت کو اپنے خاندان میں محصور کردینے کیلئے جب باغیوں کی اپنی اولاد میں سے کسی کی نامزدگی اور تعین کا حق شرعی بنادیا گیا۔ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کرنے اور معاویہ کے یزید کو نامزد کرنے میں کوئی فرق محسوس نہیں کیا گیا جبکہ ایک نے اپنے فاسق بیٹے یزید کو مسلمانوں کی رائے کے برعکس جانشین مقرر کیا تو دوسرے (یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے ارباب حل وعقد سے مشورہ اوران کی رضا جوئی کے بعد بے شمار فضائل کے حامل امام عادل عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین منتخب کیا تھا۔

وہ آگے ص:62 پر لکھتے ہیں:

”معاویہ نے ایسے فاسق بیٹے یزید کیلئے طاقت اور رشوت کے ذریعے بیعت لی تو حجاز ہی وہ سرزمین تھی جہاں انہیں قولاً یا عملاً مقابلہ کرنا پڑا۔“

بنو امیہ کا یہ جرم معاف نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے اسلامی حکومت کا بنیادی اصول ہی بدل دیا۔ وہ اصول مشورے سے خلیفہ کا انتخاب بذریعہ اہل حل وعقد تھا۔ اس اصول کی بجائے بنو امیہ نے نیا اصول بنایا کہ طاقت ہی حق ہے یعنی (MIGHT IS RIGHT)، بنو امیہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرعی اصول کو برباد کردیا اوران کے بعد آنے والوں نے ان کی پیروی کی۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی اپنی کتاب **التعلیق الممجد** ج:ص:259 پر لکھتے ہیں:

”معاویہ نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم بھیجے جو انہوں نے واپس کردیئے اور کہا میں اپنا دین دنیا کے عوض نہیں بیچ سکتا۔“

امام بخاری کے استاد خلیفہ بن خیاط کی تاریخ چھپ گئی ہے۔ وہ ص:214-215 پر لکھتے ہیں:

ہم سے وہب نے اس سے ابی الحرب نافع نے بیان کیا کہ معاویہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں خطبہ دیا اور کہا خدا کی قسم، یا تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یزید کی بیعت کرے ورنہ ضرور بالضرور میں اسے قتل کردوں گا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ تین دن کا سفر کرکے مکہ گئے اور بتایا کہ معاویہ نے یہ اعلان کیا ہے۔ جب ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو بہت روئے۔ یہی خبر عبداللہ بن صفوان صحابی رضی اللہ عنہ کو ملی۔ وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور پوچھا کیا معاویہ نے ایسا کہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں، ابن صفوان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تمہارا معاویہ سے جنگ کا ارادہ ہے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا صبر بہتر ہے۔ ابن صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا تم جنگ کرو نہ کرو، اگر معاویہ نے تمہیں قتل کرنے کی کوشش کی تو میں اس سے جنگ کروں گا۔ جب معاویہ مکے آئے تو ابن صفوان رضی اللہ عنہ نے ان سے مل کر پوچھا کہ تم کہتے ہو اگر ابن عمر رضی اللہ عنہ نے میرے بیٹے کی بیعت نہ کی تو تم اسے قتل کردو گے۔ معاویہ مکر گئے اور کہا میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کروں گا؟ خدا کی قسم میں انہیں قتل نہیں کروں گا۔

زیاد کی وفات (53ھ) کے بعد جب امیر معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کرلیا تو بااثر لوگوں کی رائے ہموار کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور یزید کی بیعت کیلئے راضی کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا اچھا یہ روپیہ اس مقصد کیلئے بھیجا گیا تھا، پھر تو میرا دین بڑا ہی سستا ہوگیا۔“ یہ کہہ کر انہوں نے روپیہ لینے سے انکار کردیا۔

(ابن حجر رحمہ اللہ: فتح الباری، کتاب الفتن ج:13، ص:70، ابن اثیر۔ الکامل ج:3، ص:250، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج:8، ص:89، امام نووی شارح مسلم فی تہذیب الاسماء و اللغات، سیر اعلام النبلاء، ذہبی، ج:3، ص:158)

اسی طرح دوسرے چوٹی کے آدمی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو بھی بیعت یزید پر راضی کرنے کیلئے ایک لاکھ درہم بھیجے جو انہوں نے واپس کردیئے اور فرمایا میں اپنا

دین دنیا کے عوض نہیں بیچ سکتا۔

پھر امیر معاویہ نے مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم کو لکھا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں جانشین مقرر کر دوں، لوگوں سے پوچھو کہ جانشین مقرر کرنے کے معاملہ میں وہ کیا کہتے ہیں۔ مروان کو پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کیلئے یزید کو منتخب کیا ہے۔ مروان نے پھر یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھ دیا اور مسجد نبوی میں تقریر کرتے ہوئے کہا ''امیر المومنین نے تمہارے لیے مناسب آدمی تلاش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا ہے۔ یہ بہت اچھی رائے ہے جو اللہ نے ان کو سجھائی ہے۔ اگر وہ اس کو جانشین مقرر کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے بھی جانشین مقرر کئے تھے۔

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اٹھے اور انہوں نے کہا:

''اے مروان! تم جھوٹ بولتے ہو اور معاویہ بھی جھوٹ بولتا ہے۔ تم نے ہرگز امت محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی۔ تم اسے قیصریت بنانا چاہتے ہو کہ ایک قیصر مرا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا آ گیا۔ یہ سنت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو جانشین نہیں بنایا تھا۔''

مروان نے کہا پکڑو اس شخص کو یہی ہے وہ جس کے بارے میں قرآن میں اللہ نے فرمایا:

''اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا اُف ہے تم پر! تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ میں زمین سے اٹھایا جاؤں گا حالانکہ بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں اور وہ دونوں خدا کی جناب میں فریاد کرتے تھے کہتے تھے کہ کم بخت ایمان لا۔ خدا کا وعدہ سچا ہے۔ تو کہنے لگا یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔''

(الاحقاف 17/44)

''حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بھاگ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں پناہ لے لی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بول اٹھیں کہ مروان نے جھوٹ کہا! ہمارے خاندان کے کسی

فرد کے بارے میں یہ آیت نہیں آئی ہے بلکہ ایک اور شخص کے بارے میں آئی ہے جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتی ہوں۔ البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت کی تھی جبکہ مروان ابھی اس کی صلب میں تھا۔

''اس موقعہ پر مروان نے منبر سے اتر کر ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے سخت کلامی کی اور انہوں نے اس کو ویسے ہی جواب دیئے تو آخر واپس چلا گیا۔''

(فتح الباری، ج:8، ص:577)

اس مجلس میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی یزید کی ولی عہدی ماننے سے انکار کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر، ج: 4، ص: 159، زیر آیت ہذا، امام ابن حجر، فتح الباری، ج:8، ص:516-517، حدیث نمبر 4827)

اس واقعہ کا مختصر ذکر بخاری کتاب التفسیر، تفسیر سورہ احقاف میں ہے۔ امام ابن حجر نے فتح الباری ج:8 میں حدیث نمبر 4827 کے تحت اس کی تفصیلات نسائی، اسماعیلی، ابن المنذر، ابو یعلیٰ اور ابن ابی حاتم سے نقل کیں۔ امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابن ابی حاتم اور نسائی کے حوالہ سے اس کی بعض تفصیلات کو نقل کیا ہے۔

(مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو، الاستیعاب ج:2، ص:393، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:89، الکامل ابن اثیر ج:3، ص:250)

امام ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''بعض روایات کی رو سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال 53ھ میں ہو چکا تھا۔ اس لیے اگر یہ صحیح ہے تو وہ اس موقعہ پر موجود نہیں ہو سکتے۔''

لیکن حدیث کی معتبر روایات اس کے خلاف ہیں اور البدایہ والنہایہ میں ابن کثیر بتاتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال 58ھ میں ہوا ہے۔

اس واقعہ کے بعد وہ مکہ چلے گئے تھے پھر وہاں بھی امان نہ پا کر مکہ سے دس

میل دور حبشی پہاڑ پر چلے گئے جہاں ان کی موت پر اسرار حالات میں ہوئی اور عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایک مدت تک خیال رہا کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا ہے۔ (مستدرک حاکم ج:3،ص:476)

اسی زمانہ میں امیر معاویہ نے مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کئے اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا۔لوگ جواب میں خوشامدانہ تقریریں کرتے رہے مگر حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔امیر معاویہ نے کہا ''ابو بحر،تم کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے،جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر ہے۔آپ یزید کے شب و روز، خلوت و جلوت، آمد و رفت، ہر چیز کو خوب جانتے ہیں، اگر آپ اس کو اللہ اور اس امت کیلئے واقعی پسندیدہ جانتے ہیں تو اس کے بارے میں کسی سے مشورہ نہ کیجئے اور اگر آپ کے علم میں وہ اس سے مختلف ہے تو آخرت کو جاتے ہوئے دنیا اس کے حوالے کر کے نہ جایئے۔رہے ہم تو ہمارا کام تو بس یہ ہے جو حکم ملے اس پر سمعنا اور اطعنا کہہ دیں۔

(الکامل ابن اثیر ج:3،ص:250-251،البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج:8،ص:80)

عراق، شام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد امیر معاویہ خود حجاز گئے کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیائے اسلام کی وہ بااثر شخصیات جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔ مدینے کے باہر حضرت حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان سے ملے۔امیر معاویہ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکے چلے گئے۔اس طرح مدینے کا معاملہ آسان ہو گیا۔پھر امیر معاویہ نے مکے کا رخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر کے باہر بلا کر ان سے ملے۔اس مرتبہ ان سے برتاؤ اس سے برعکس تھا۔جو مدینے کے باہر ان سے کیا تھا۔ ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔انہیں اپنے ساتھ لئے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔پھر تخلیے میں بلا کر انہیں یزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ آپ تین کاموں سے ایک کام کیجئے یا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح کسی کو جانشین نہ

بنایئے۔لوگ خود اسی طرح کسی کو خلیفہ بنالیں گے جس طرح انہوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا۔یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ اپنی جانشینی کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو مقرر کیا جن کے ساتھ ان کا کوئی دور کا رشتہ بھی نہ تھا۔یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجئے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا کہ چھ آدمیوں کی شوریٰ تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا۔

امیر معاویہ نے باقی حضرات سے پوچھا کہ آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔اس پر امیر معاویہ نے کہا ''اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا ہوں۔اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی، تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہوگی۔

پھر اپنے باڈی گارڈ دستے کے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ ان میں سے ہر آدمی پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے، اس کا سر قلم کر دے۔

اس کے بعد امیر معاویہ ان چاروں کو لے کر مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ ہیں، جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا، یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انہوں نے بیعت کر لی ہے، لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو۔

اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا۔اہل مکہ نے بھی بیعت کر لی۔'' (الکامل ابن اثیر ج:3،ص:252)

امام سیوطی کہتے ہیں کہ یزید کو ان کے والد نے اپنی زندگی میں ولی عہد مقرر کیا تھا اور لوگوں کو مجبور کر کے بیعت لی۔ (تاریخ الخلفاء (اردو) ص:255)

اس طرح خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہوگیا۔ خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں (Dynasties) نے لے لی اور مسلمانوں کو اس کے بعد سے آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہوسکی۔

اسلام کا طریقہ بیعت

اسلام میں بیعت اقتدار کا نتیجہ نہیں ہوتی بلکہ اس کا سبب ہوتی ہے بیعت حاصل ہونے میں آدمی کی کسی کوشش یا سازش کا دخل نہ ہو۔ لوگ بیعت کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں پوری طرح آزاد ہوں۔ جب تک کسی شخص کو بیعت حاصل نہ ہو وہ برسر اقتدار نہ آئے اور جب لوگوں کا اعتماد اس پر سے اٹھ جائے تو وہ اقتدار سے چمٹا نہ رہے۔ اسلام میں بیعت مانگی نہیں جاتی بلکہ بیعت کی جاتی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ نے زندگی بھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی مگر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نہ ان سے کبھی بیعت مانگی اور نہ ان کے خلاف کوئی ایکشن لیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے 6 ماہ تک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کی۔ مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کوئی ایکشن نہ لیا۔

جبر واکراہ خدا کے نزدیک اتنا ناپسند ہے کہ اس نے سچا دین منوانے کیلئے بھی جبر پسند نہ کیا بلکہ انسانوں کو دونوں راستے سمجھا کر اپنی آزاد مرضی سے فیصلہ کرنے کیلئے چھوڑ دیا چاہے وہ کفر کرے چاہے ایمان لائے۔ جبر اتنا ناپسند ہے کہ اگر جبر کے تحت کسی کو کلمہ کفر بھی کہنا پڑے اور دل اسلام پر مطمئن ہو تو اس کا کلمہ کفر بھی معاف ہے۔ سورۃ الانعام نمبر 6 کی آیت نمبر 35 میں فرمایا گیا اگر خدا (زبردستی کرنا) چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ اگر جبر واکراہ سے مسلمان بنانا درست نہیں تو اس طرح حکومت سنبھالنا کب جائز ہوسکتا ہے۔ سورہ نور: 23/24 میں فرمایا کہ جو عورت زنا پر مجبور کی گئی تو خدا بخشنے والا ہے۔ حاکم اگر ولی بھی ہو تب بھی اس کا زبردستی حکومت سنبھالنا بہت بڑا جرم ہے کیونکہ ارادہ وعمل کی آزادی سے تو انسان کو خدا نے بھی محروم نہیں کیا مگر اس نے کر دیا۔ جبر واکراہ اسلام میں ہی نہیں پوری دنیا کے ہر قانون میں بہت بڑا جرم ہے۔

واقعہ کربلا جبر واکراہ کے خلاف بغاوت ہے کہ کسی کو یہ حق نہیں کہ امت پر اپنی مرضی زبردستی ٹھونسے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے بھی امیر معاویہ سے اسی لیے معاہدہ صلح کیا تھا کہ ان کو فری ہینڈ دے کر امت پر ان کا جبر واضح کر دیا جائے۔

امیر معاویہ اور ان کی پالیسی پر علماء اسلام کی رائے

(1) امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ظاہری اموی

اہل حدیثوں کے امام اپنی کتاب المحلیٰ میں لکھتے ہیں: ”خدا علی و ابن زبیر رضی اللہ عنہ پر لعنت کرنے والوں پر لعنت کرے۔“ (المحلیٰ ج:5، ص:64)

(2) مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ

ان کے اخبار الہلال کی مکمل فائل کی ج:2، ص:6 پر اسلامی حکومت کے بارے میں آزاد لکھتے ہیں:

> ”ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر قیامت کے دن دنیا کے ظالموں کی صفوف، عام فساق وفجار سے الگ قرار دی جائیں گے تو ان میں سب سے پہلی صف یقیناً بنی امیہ کی ہوگی۔ انہی ظالموں نے اسلام کی اس روح حریت کو غارت ظلم و استبداد کیا اور اس کے عین عروج اور نشو ونما کے وقت اس کی قوت نمو کو اپنی اغراض شخصیہ کے نیچے کچل ڈالا، ان کا اقتدار و تسلط فی الحقیقت امر بالمعروف کے سدّ باب کا پہلا دن تھا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے اسلام کی جمہوریت کی روح کو غارت کر کے اس کی جگہ شخصی حکومت کی بنیاد ڈالی، جو یقیناً اعتقاد قرآنی کی رو سے کفر جلی تھا بلکہ سب سے بڑا جرم یہ کیا کہ اظہار حق اور امر بالمعروف کو تلوار کے زور سے دبا دینا چاہا۔

آگے لکھتے ہیں:

> ”بنی امیہ کا سب سے بڑا ظلم جو انہوں نے اسلام پر کیا وہ یہ تھا کہ خلافتِ

راشدہ اسلامیہ کی بنا جو اجماع و مشورہ مسلمین پر تھی، اس کو حکومت شخصی و
مستبدہ و سلطنت ملکیہ سیاسیہ میں تبدیل کر دیا اور حکومت کی بنیاد شریعت پر
نہیں رکھی بلکہ محض قوت و سیاست (یعنی Might is right) پر رکھی۔"

الہلال کی تیسری جلد میں مولانا آزاد عشرہ محرم کے تحت مضمون میں لکھتے ہیں:

"بنو امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و
شخصیت پر ہو، کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اسلام کی
روح حریت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورہ و اجماع امت کی جگہ محض غلبہ
جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظام حکومت شریعت
الٰہیہ نہ تھا بلکہ محض اغراض نفسانیہ و مقاصد سیاسیہ تھا۔ ایسی حالت میں ضرور
تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جائے اور حق و حریت کی راہ
میں جہاد کیا جاتا۔ حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی مثال قائم کر کے
مظالم بنی امیہ کے خلاف جہاد حق کی بنیاد رکھی اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و
جبر پر تھی اس کی طاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔"

اہل حدیث عالم مولانا محمد شفیق پسروری نے اسلام اور جمہوریت نامی اپنی کتاب
کے ص: 157-158، پر مولانا ابو الکلام آزاد کا ایک اقتباس نقل کیا جو کہ فتوح الشام ازدی
کے حوالہ سے مولانا نے لکھا:

"اس میں حضرت معاذ بن جبلؓ کی دربار روم میں کی گئی تقریر لکھنے کے
بعد مولانا آزادؒ لکھتے ہیں کہ "اللہ بنو امیہ سے انصاف کرے جنہوں
نے اسلام کی اس مقدس تصویر مساوات کو اپنی کثافت سے ملوث کر دیا اور اس
کی بڑھتی ہوئی قوتیں عین دور عروج میں پامال مفاسد استبداد ہو کر رہ گئیں۔"

(3) امام صالح بن مہدی مقبلی یمنیؒ

یہ یمن کے اہل حدیث عالم تھے اور یمن سے ہجرت کر کے مکہ آ گئے تھے۔ وہ اپنی کتاب

العلم الشامخ فی ایثار الحق علی الآباء و المشائخ میں ص: 238 پر لکھتے ہیں:

"امیر معاویہ حکومت کے لالچی اور دنیا کے طالب تھے اور اس کیلئے ہر مکر و
فریب روا رکھا اور یزید کی بیعت سے آخری کیل بھی ٹھونک دیا۔ جو کہتے ہیں
کہ انہوں نے اجتہاد کیا، نیک نیتی سے غلطی کھا گئے، تو یہ لوگ یا تو جاہل ہیں
یا گمراہ ہیں جو اپنی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اے اللہ! میں تجھ کو
اس عقیدہ پر گواہ بناتا ہوں۔"

(4) علامہ رشید رضا مصری صاحبِ المنار

یہ مصر کے مشہور اہل حدیث عالم تھے۔ وہ اپنی کتاب الخلافۃ ۔ الامامۃ العظمیٰ
کے ص: 62 (اردو) پر لکھتے ہیں:

امیر معاویہ نے اپنے فاسق بیٹے یزید کیلئے طاقت اور رشوت کے ذریعے
بیعت لی۔

(5) مولانا محمد یوسفؒ تبلیغی جماعت والے

یہ بانی تبلیغی جماعت محمد الیاسؒ کے بیٹے اور جماعت کے دوسرے امیر تھے۔
انہوں نے کتاب شرح المعانی الآثار کی شرح امانی الاحبار کے نام سے لکھی ہے۔
اس کی ج: 4، ص: 252 پر مولانا لکھتے ہیں:

"انسانوں سے تقیہ کوئی انہونی بات نہیں نہ اس سے دین میں کوئی خرابی آتی
ہے۔ تقیہ کا جو معنی امام طحاویؒ نے کیا ہے وہ دین میں حرام نہیں بلکہ کئی
موقعوں پر جائز ہوتا ہے۔ کیا اس معترض (اہل حدیث عالم) کو معلوم نہیں
کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے خاص ساتھیوں میں سے
تھے۔ یہ حضرت علی کے وہ اصحاب تھے جو امیر معاویہ کو بہت غلط جانتے تھے
اور اس سے بغض رکھتے تھے۔ وہ حضرت علیؑ کی زندگی میں امیر معاویہ
سے جنگیں لڑتے رہے تھے مگر بعد میں انہوں نے تقیہ کے طور پر امیر معاویہ

کی بیعت کرلی۔زیادہ نے ڈر کے مارے اور کچھ نے راضی ہو کر بیعت کی۔
اوراسی طرح اس کے بیٹے یزید کی بیعت بھی تقیہ کے طور پر کی تھی۔"

(6) امام ابوبکر جصاص ؒ (حنفی) مجتہد

امام اپنی تفسیر احکام القرآن ج:1 ص:71 پر لکھتے ہیں:

"حسن بصری ؒ اور سعید بن جبیر ؓ وغیرہ تابعین کے سرداران ظالموں سے وظیفے لیتے تھے مگر ان سے محبت نہیں رکھتے تھے نہ وہ ان کی حکومت مانتے تھے۔وہ وظیفے اس لیے لیتے تھے کہ یہ بیت المال میں ہمارے حقوق ہیں۔پھر یہ لوگ حجاج بن یوسف کے مقابلے میں اٹھے اور چار ہزار عالم میدان میں آگئے۔وہ سارے تابعین میں نیک لوگ اور فقیہہ تھے۔انھوں نے عبدالملک کی بیعت توڑ دی اور وہ اس پر لعنت کرتے تھے،اس سے براءت کا اظہار کرتے تھے۔اس سے پہلے لوگ معاویہ کے ساتھ یہی معاملہ کرتے تھے (یعنی نہ کوئی اس کو خلیفہ مانتا تھا نہ اس سے محبت کرتا تھا۔) وہ جب علی کے قتل کے بعد زبردستی حکمران بن گیا تو حسن وحسین علیہما السلام بھی اس سے عطیے لیتے تھے اور دوسرے صحابہ ؓ بھی لیتے تھے۔ان میں سے کوئی معاویہ سے محبت نہیں کرتا تھا بلکہ اس سے براءت کا اظہار کرتے تھے۔جیسے علی علیہ السلام معاویہ کو باغی جانتے تھے اسی طرح صحابہ بھی اس کو باغی جانتے تھے۔تو ظالم حاکموں سے وظیفہ لینا،ان کی ملازمت کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ لوگ ان کو خلیفہ برحق مانتے تھے۔"

(7) امام ابن حجر ؒ صاحب فتح الباری شرح بخاری

امام ابن حجر ؒ فتح الباری ج:12 ص:392 پر لکھتے ہیں:

"ہم معاویہ کو جو خلیفہ کہتے ہیں تو یہ لغوی معنوں میں ہے ورنہ خلافت علی منہاج النبوۃ 30 سال تک تھی۔معاویہ اور ان کے بعد آنے والوں کو لوگ بے شک خلیفہ کہہ دیتے ہیں مگر ان کا طریقہ بادشاہوں (ملوک) کا تھا۔"

(8) نواب سید صدیق حسن ؒ

اہل حدیث حضرات کے امام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اپنی کتاب "یُغنیۃُ الرّائد فی شرح العقائد ص:100 پر لکھتے ہیں:

"معاویہ نے حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جو لڑائیاں لڑیں،وہ نفسانیت اور اپنی غرض کی خاطر تھیں۔جو یہ کہتے ہیں کہ اجتہادی خطا تھی تو انصاف پسند لوگ اس کو نہیں مان سکتے۔"

نواب صاحب اپنی ایک اور کتاب **هداية السائل الى ادلة المسائل** ص:510 پر لکھتے ہیں: مروان کا طلحہ ؓ کو قتل کرنا اجتہادی خطا نہیں تھی۔مروان کا طلحہ ؓ کو قتل کرنا اسی طرح تھا جیسا کہ معاویہ کے کمر توڑ دینے والے کاموں کو کہتے ہو کہ وہ امیر المومنین علی علیہ السلام سے بغاوت کرنے میں مجتہد تھا۔

(9) پروفیسر یوسف سلیم چشتی ؒ

آپ مولانا حسین احمد مدنی ؒ سے بیعت تھے۔وہ علامہ اقبال ؒ کے کلام کے شارح بھی ہیں۔وہ ارمغان حجاز کے ترجمہ وتشریح میں ص:84 پر لکھتے ہیں:

"اسلام میں خلافت کا دور صرف 30 سال تک رہا،41ھ میں خلافت کی جگہ ملوکیت قائم ہوگئی یعنی عمرانی نظام کی حیثیت سے اسلام ہمیشہ کیلئے فنا ہوگیا۔ہاں مذہب کی حیثیت سے ضرور باقی رہ گیا یعنی روح تو 41ھ میں نکل گئی لیکن لاشہ بے جان ابھی تک موجود ہے۔"

(10) امام حسن بصری ؒ

آپ ؒ فرماتے ہیں کہ معاویہ نے چار وہ کام کئے کہ ان میں سے ایک بھی ہلاکت کیلئے کافی تھا۔

(1) اس امت پر تلوار سونت لینا اور مشورے کے بغیر حکومت پر قبضہ کر لینا حالانکہ امت میں صحابہ موجود تھے۔

(2) اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنانا حالانکہ وہ شرابی اور نشہ باز تھا، ریشم پہنتا تھا اور طنبورے بجاتا تھا۔

(3) زیاد کو اپنا بھائی بنانا حالانکہ نبی ﷺ کا صاف حکم موجود تھا کہ اولاد اس کی ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔

(4) حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ اور ان ساتھیوں کو قتل کر دینا۔ ہائے حجر کا قتل!

(امام ابن اثیر: الکامل ج:3، ص:242، ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8، ص:130)

آپ کا قول نے امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے: ''اگر یزید ولی بھی ہوتا تو بھی اس کو خلیفہ بنانا غلط تھا۔ اس سے امت میں بری رسم نے جنم لیا۔ کہ ہر مرنے والا اپنے بیٹوں کو ولی عہد بنا دے۔'' (سیر اعلام النبلاء ج:4، ص:318)

(11) مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج:3م، ص:230 پر لکھتے ہیں:

> ''حضرت سفینہ صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا معاویہ پہلا بادشاہ ہے اور خلافت نبوت سے مراد خلافتِ کاملہ لی جاتی ہے اور صرف پانچ اشخاص (سیدنا حسن علیہ السلام سمیت) میں منحصر ہے لہٰذا جب حدیث میں 12 خلفاء کا ذکر آئے تو وہ اس کے خلاف نہیں کیونکہ اس حدیث میں مطلق حکمرانوں کی بات ہے۔''

(12) سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ

امام المحدثین سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علی علیہ السلام میں کوئی عیب نہ تھا اور معاویہ میں کوئی خوبی نہ تھی۔

(ابن کثیر بحوالہ علی ابن المدائنی: البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:141)

(13) قاضی شریک رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 177ھ)

یہ مہدی باللہ عباسی کے زمانہ میں بغداد کے قاضی تھے۔ ان سے کسی نے کہا

معاویہ بہت حلیم تھے۔ قاضی شریک نے کہا کہاں کا حلیم؟ جو شخص حق سے نادان بن جائے اور علی علیہ السلام سے جنگ کرے وہ حلیم نہیں ہوسکتا۔

(عمر بن مظفر الوردی فی کتاب تیمیہ المختصر فی اخبار البشر بحوالہ ارجح المطالب ص:592)

(14) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے اپنی صحیح میں کتاب المناقب میں ذکر معاویہ کے نام سے باب ضرور باندھا مگر کوئی ایک حدیث بھی ان کی فضیلت کی نہیں لکھی۔ دو روایات وتر کے متعلق اور ایک عصر کے بعد کی دو سنتوں کے متعلق لکھی ہیں۔

(ج:5، ص:9 تا 29)

(15) علامہ وحیدالزماں حیدرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے بخاری و مسلم وغیرہ حدیث کی کتابوں کا ترجمہ و تشریح لکھی۔ وہ بخاری کتاب المناقب ذکر معاویہ کے تحت لکھتے ہیں کہ امام نسائی اور اسحٰق بن راہویہ نے کہا معاویہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ (ج:5، ص:90)

بخاری کتاب الفتن باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافہ کی پہلی حدیث کی شرح میں علامہ وحیدالزماں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

> ''یزید نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوایا دیا اور ان کی وفات پر (معاویہ) بہت خوش ہوئے بلکہ یہ کہا امام حسن علیہ السلام ایک انگارہ تھے جس کو اللہ نے بجھا دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ بھی اس سازش میں شریک اور راز دار تھے۔ اس پر طرّہ یہ کیا کہ آپ کو جین حیاتی وہ بھی مستعار خلافت کا حق حاصل تھا آپ کو کیا اختیار تھا کہ عہد شکنی کر کے اپنے بیٹے کو خلافت دے جائیں۔ اگر معاویہ صحابی نہ ہوتے تو ہم ان کی شان میں بہت کچھ کہہ سکتے تھے۔ صحابیت کا ادب کر کے ہم سکوت کرتے ہیں۔''

(16) امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ وحید الزمان بخاری کتاب لمناقب باب ذکر معاویہ کی آخری روایت کے تحت لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے ایک مرفوع حدیث بھی معاویہ کی فضیلت میں بیان نہیں کی۔ ادھر ادھر کے تذکرے کر دیئے ہیں۔ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خاص کتاب خصائص کبریٰ جناب علی علیہ السلام کے فضائل میں مرتب کی تو خارجیوں نے ان پر بلوہ کیا (دراصل شامیوں نے کیا تھا) اور کہا معاویہ کی فضیلت میں بھی تم نے کوئی کتاب لکھی۔ انہوں نے کہا ان کی فضیلت کہاں سے آئی یا ان کی فضیلت میں تو کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی البتہ ایک حدیث یہ ہے کہ اللہ ان کا پیٹ نہ بھرے۔ اس پر خارجی مردوں (شامیوں) نے امام نسائی کو گھونسوں اور لاتوں سے شہید کر ڈالا۔"

(17) امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ

ان کی صحیح مسلم بھی معاویہ کی فضیلت کے ذکر سے خالی ہے۔

(18) امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ

ان کی کتاب نیل الاوطار اہل حدیث حضرات کی حرز جاں ہے۔ امام اس کتاب کی ج:7، ص:47-48-168 پر لکھتے ہیں کہ معاویہ باطل پر تھے انہوں نے حق کے ساتھ دشمنی کی۔

(19) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

صاحب تحفۂ اثناء عشریہ لکھتے ہیں کہ علماء ماوراء النہر اور مفسرین اور فقہا کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ کے حرکاتِ جنگ و جدل جو حضرت علی علیہ السلام مرتضیٰ کے ساتھ ہوئیں، وہ صرف خطاء اجتہادی کی بنا پر تھیں۔ محققین اہل حدیث نے بعد تتبع روایت دریافت کیا ہے کہ یہ حرکات شائبۂ نفسانی سے خالی نہ تھے۔ اس تہمت سے خالی نہیں کہ جناب ذی النورین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ

میں جو تعصب امویہ و قریشیہ میں تھا، اس کی وجہ سے یہ حرکات حضرت معاویہ سے وقوع میں آئے جس کا غایت نتیجہ یہی ہے کہ وہ مرتکب کبیرہ و باغی قرار دیئے جائیں۔ **و الفاسق لیس بااھل للعن یعنی فاسق** قابل لعن نہیں۔ تو اگر برا کہنے سے مراد اس قدر ہے کہ ان کے اس فعل کو برا کہنا چاہیے تو بلاشبہ اس امر کا ثبوت محققین پر واضح ہے۔

(فتاویٰ عزیزی کامل ص: 380-381)

(20) مولانا عبدالشکور لکھنوی مناظر اہل سنت

اس لڑائی (جنگ صفین) کے متعلق اہل سنت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام مرتضیٰ برحق تھے اور معاویہ اور ان کے ساتھ والے خاطی و باغی۔"

(خلفائے راشدین ص:111)

(21) مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی

آپ هداية الشيعه میں تحریر فرماتے ہیں:

"معاویہ کا محاربہ حضرت امیر کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں؟ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں۔" (ہدایت الشیعہ ص:30)

(22) سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

ملوک بنوامیہ، جنہوں نے اسلام کے نظریہ خلافت کو یکسر مسترد کر کے اپنی ساری سیاسی بازی گریوں کا محور اس نصب العین کو بنالیا تھا کہ بخت و اتفاق سے جو حکومت ان کے ہاتھ لگ گئی ہے اس کا تسلسل ان ہی کے خاندان میں باقی رہے۔ پھر اس نصب العین کے تحت جن ناکردنیوں کے ارتکاب پر آمادہ ہوئے ان سے کون ناواقف ہے۔ (مناقب الخوارزمی ج:1، ص:170)

(23) مولانا عبید اللہ انور دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ جمعیۃ العلمائے اسلام (ہزاروی گروپ) کے امیر تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ امیر معاویہ کے گرد دنیا پرست لوگوں کی ایک بہت بڑی جماعت جمع ہو چکی تھی۔ یہ لوگ صرف اپنی دنیا طلبی کیلئے ہر جائز و ناجائز فعل پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔

خلفائے راشدین کی سنت یہ ہے کہ مسلمانوں کی مجلس شوریٰ خلیفہ منتخب کرے۔ مگر امیر معاویہ نے قیصر و کسریٰ کی سنت کے مطابق بادشاہت کا سلسلہ قائم کر دیا۔ (رسالہ خدام الدین لاہور 22 جون 1962)

(24) مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ تاریخ اسلام کے پہلے مطلق العنان اور مستبد بادشاہ ہیں۔ اس لیے ان کے عہد میں خلافت راشدہ کی جمہوریت اور اس کا طریق جہاں بانی تلاش کرنا بے سود ہے۔'' (غیر مہاجر و انصار صحابہ ج:1، ص:74)

(25) حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فضیل بن عیاض کا قول روایت کیا ہے:

''معاویہ صحابی اور علماء کبار میں سے ہیں لیکن وہ حب دنیا میں مبتلا ہو گئے۔''

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج:8، ص:140)

(26) مولانا محمد تقی عثمانی دیوبندی

آپ اپنے رسالہ البلاغ میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک اس مسئلے کا تعلق ہے کہ معاویہ کا یزید کو ولی عہد بنانا رائے تدبیر و نتائج کے اعتبار سے صحیح تھا یا غلط، اس میں ہمیں مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ سے اختلاف نہیں ہے۔ جمہور امت کے محقق علماء ہمیشہ یہ کہتے آئے ہیں کہ

حضرت معاویہ کا یہ فعل رائے اور تدبیر کے درجے میں نفس الامری کے طور پر درست ثابت نہیں ہوا اور اس کی وجہ سے امت کے اجتماعی مصالح کو نقصان پہنچا۔'' (بحوالہ خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ، ص:293 ملک غلام علی)

(27) امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ

اشاعرہ (اہل سنت) کے عقیدہ میں امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا قول علامہ عبد الکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب الملل والنحل میں یوں نقل کیا ہے:

''ہم (اہل سنت) عائشہ رضی اللہ عنہا و طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ نہیں کہتے کیونکہ انہوں نے اپنی غلطی سے رجوع کر لیا تھا اور طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور ہم معاویہ و عمرو بن عاص کے بارے میں یہی کہتے ہیں کہ وہ دونوں باغی تھے جنہوں نے امام برحق کے خلاف بغاوت کی۔''

(ج:1، ص:145)

(28) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

اگر آپ (معاویہ) حضرت علی علیہ السلام سے جنگ نہ کرتے اور اپنے اقتدار میں ملوکیت کا طریقہ اختیار نہ کرتے تو کوئی شخص بھی ان کا ذکر اچھائی کے بغیر نہ کرتا جس طرح کہ آپ جیسے دوسرے صحابہ کرام کا ذکر خیر کیا جاتا ہے۔

(منہاج السنہ ج:2، ص:214)

''ابوسفیان میں جاہلیت عرب کے بقایا موجود تھے جن کی بنا پر وہ اپنے قبیلے کے سوا کسی دوسرے شخص کا امیر بننا پسند نہ کرتا تھا۔''

(منہاج السنہ، ج:3، ص:169)

''صحابہ کرام و تابعین میں سے کسی نے بھی امیر معاویہ پر تو نفاق کی تہمت نہیں لگائی لیکن ابوسفیان کے معاملے میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا

ہے۔" (منہاج السنہ ج:4،ص:179)

(29) سید انور شاہ کشمیری دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

"حضرت علی علیہ السلام اپنے تمام دور خلافت میں منہاج نبوت پر قائم رہے۔ حضرت معاویہ نے دوسرے طریقے استعمال کئے۔ زمانہ اور زمانے کے لوگوں کے حالات تیزی کے ساتھ خرابی کی طرف بڑھ رہے تھے، اس لیے خلافت علی منہاج النبوت سے زیادہ کامیابی دنیوی سیاست کیلئے مقدر ہو چکی تھی۔"

(انوار الباری شرح بخاری ج:2،ص:39، تالیف سید احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ شاگرد سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ)

(30) امام محمد بن ابراہیم الوزیر یمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی کتاب "العواصم و القواصم" میں لکھتے ہیں:

"تمام اہل حدیث مانتے ہیں کہ معاویہ اور ان کے تمام ساتھی جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کی وہ حضرت علی علیہ السلام کے باغی تھے اور حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے۔"

(بحوالہ نواب سید صدیق حسن خان۔ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل ،ص:510)

(31) مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ بریلوی شاگرد مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی کتاب بہارِ شریعت (جو سترہ جلدوں میں ہے) کی ج:1 ،ص:75 پر لکھتے ہیں۔

"عقیدہ: امیر معاویہ مجتہد تھے۔ ان کا مجتہد ہونا سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے حدیث صحیح بخاری میں بیان فرمایا ہے۔ مجتہد سے صواب و خطا دونوں صادر ہوتے ہیں۔ خطا دو قسم ہے۔ خطاء عنادی، یہ مجتہد کی شان نہیں اور خطاء اجتہادی یہ مجتہد سے ہوتی ہے اور اس پر اصلاً عند اللہ مواخذہ نہیں۔ مگر احکام دنیا میں وہ دو قسم ہے، خطاء مقرر کہ اس کے صاحب پر انکار نہ ہوگا۔ یہ وہ خطاء اجتہادی ہے جس سے دین میں کوئی فتنہ نہ پیدا ہوتا ہو جیسے ہمارے

نزدیک مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا، دوسری خطاء منکر یہ وہ خطاء اجتہادی ہے جس کے صاحب پر انکار کیا جائے گا کہ اس کی خطاء باعث فتنہ ہے۔ امیر معاویہ کا حضرت سیدنا امیر المومنین کے خلاف اسی قسم کی خطاء تھا اور فیصلہ خود رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مولیٰ علی علیہ السلام کی ڈگری اور امیر معاویہ کی مغفرت۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔"

(32) امام ابو عبد اللہ محمد بن مرتضیٰ الیمانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا آٹھویں صدی کے مجتہدین میں شمار کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی کتاب **ایثار الحق علی الخلق** کے ص:458 پر حضرت علی علیہ السلام اور امیر معاویہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"امام عادل سے لڑنے والا خطا کار و گناہ گار ہے کیونکہ یہ بغاوت و تعدی فروعی مسائل میں سے نہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ جس مجتہد کی اجتہادی غلطی معاف ہے۔ اس کے اجتہاد کے خلاف قتال نہیں ہوتا نہ اسے قتل کر کے اس کا خون معاف ہو سکتا ہے۔ اسی مقام پر انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اس مسئلے پر اپنی دوسری کتاب **الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسمؐ** میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔"

(33) امام ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

"اہل بغاوت ہر وہ گروہ ہے جو زبردست طاقت کا مالک ہو، غلبہ و تسلط رکھتا ہو، اجتماعی ہیئت کا حامل اور اہل عدل کے مقابلہ میں تاویل کے بل پر قتال کرے اور اس کے افراد یہ کہیں کہ حق ہمارے ساتھ ہے اور وہ حکمرانی کے مدعی ہوں۔" (ردّ المحتار فتاویٰ شامی ، ج:3،ص:427)

(34) شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

معاویہ خلیفہ نہیں بادشاہ تھے۔ ان کو کسی عالم اور امام نے خلیفہ نہیں کہا۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج:2،ص:212)

(35) ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ

"معاویہ خلیفہ نہیں بادشاہ تھے۔ ان کو کسی عالم اور امام نے خلیفہ نہیں کہا۔"

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج:10، ص:124)

(36) امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی کتاب البدایہ والنہایہ ج:8، ص:93 پر لکھتے ہیں کہ

"میں کہتا ہوں سنت یہ ہے کہ معاویہ کو بادشاہ کہو، خلیفہ نہ کہو کیونکہ سفینہ رضی اللہ عنہ صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ میرے بعد خلافت 30 سال ہے پھر کاٹ کھانے والی (ظالم) بادشاہت ہے۔"

(37) سید نور الحسن خان رحمۃ اللہ علیہ ابن نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ

امام اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے سید نور الحسن خاں اپنی کتاب عرف الجادی میں ص:197-198 پر در بیان قتال اہل البغی کے تحت لکھتے ہیں:

"ہر موقعے پر بلاشبہ حق حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی اور بعد میں بیعت توڑ دی۔ پھر ناچار ان سے جنگ لڑنا واجب ہوگیا۔ خارجیوں سے جنگ متواتر حدیث کے مطابق کی کہ خارجی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے۔ اسی طرح جنگ صفین والے کہ ان کا باغی ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ قتل عمار رضی اللہ عنہ والی حدیث اس پر دلیل ہے۔ معاویہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کرنے کا ذرہ برابر حق نہ رکھتے تھے مگر وہ (معاویہ) دنیا کے لالچی، حکومت کے بھوکے اور دنیا کی سرداری کے لئے لڑے اور ان کو پیروکار وہ لوگ ملے جو معروف و منکر کی شناخت سے عاری تھے یعنی شامی اور معاویہ نے ان لوگوں سے چالاکی

کی کہ بظاہر قصاص عثمان رضی اللہ عنہ کا ڈھونگ رچالیا۔ اس طرح معاویہ کا کام چل پڑا اور ان لوگوں نے معاویہ کیلئے جان و مال کی قربانی دی اور ان کی خیر خواہی کی۔ ان لوگوں کو معاویہ نے ایسا رام کرلیا کہ علی علیہ السلام نے اہل عراق سے کہا میں تم جیسے دس دے کر معاویہ کے حامیوں جیسا ایک لے لوں تو بہتر ہے۔
مجھے اہل شام پر ذرہ حیرانی نہیں، مجھے ان بعض صحابہ و فضلائے تابعین پر حیرانی ہے کہ وہ بھی معاویہ سے مل گئے۔ کاش مجھے کوئی سمجھائے کہ ان کو کیا مغالطہ ہوا کہ انہوں نے برے اور جھوٹے لوگوں کا ساتھ دیا اور حق والے کی مدد نہ کی حالانکہ انؓ کے کانوں میں قرآن کی آیت پڑ چکی تھی کہ باغیوں سے لڑو۔ اور متواتر حدیثیں ہیں کہ حاکم وقت اسلام پر چلے تو اس سے بغاوت نہ کرو۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ان کے کانوں میں پڑ چکا تھا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو باغی ٹولہ قتل کرے گا۔
خدا کی قسم! اگر ان کے صحابی ہونے کا لحاظ نہ ہو اور یہ کہ وہ دور خیر القرون میں سے تھا، تو صاف نظر آتا ہے کہ اس امت کا پہلا گروہ بھی دنیا کے مال اور لالچ میں مبتلا ہوگیا تھا۔ قرآن جنگ میں کھڑا کرنا سنت مطہرہ میں نہیں آیا نہ سنت خلفائے راشدین میں، بلکہ اس بدعت کا پہلا کرنے والا معاویہ تھا۔ پھر عمرو بن العاص کی چالاکی کو حدیث و تاریخ کی کتابیں پڑھنے والا جانتا ہی ہے۔"

(38) مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مشہور اہل حدیث عالم تھے۔ وہ سنن ابو داؤد کی شرح عون المعبود ج:4، ص:342 پر لکھتے ہیں:

"بنو امیہ کے حاکم چاہے زبردستی خلیفہ بن گئے لیکن وہ قطعاً اس کے اہل نہ تھے بلکہ وہ ظالم حکمران تھے۔ وہ خلیفہ راشد نہیں بلکہ ظالم حاکم تھے۔"

آگے لکھتے ہیں:

"مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خلافت ختم ہونے کے بعد یعنی 30 سال کے بعد بادشاہت ہوگی کیونکہ خلیفہ کا نام صرف ان کے لیے ہے جو سنت نبوی پر چلتے رہے اور مخالفِ سنت نبوی بادشاہ تھے، خلیفہ نہ تھے۔ ہاں ان بادشاہوں کو خلیفہ کہہ دیتے ہیں کیونکہ ایک کے بعد دوسرا جو آیا۔" (یہ صرف لغت کے مطابق ہے نہ کے دین کے مطابق)

(39) مولانا محمد منظور نعمانی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

وہ اپنی کتاب معارف الحدیث کی ،ج:7 میں سیاست کے عنوان کے تحت ایک حدیث کی شرح میں:

"خلافت میرے بعد 30 سال تک ہے، پھر ملک عضوض ہے، لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ ان خلفاء میں شامل نہیں جو حضور ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرمائے۔"

عہدِ نحوست مہد

دورِ یزید بن معاویہ

امام ابوعبداللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر احکام القرآن میں آیت منع غیبت (سورہ الحجرات: 12/49) کے تحت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مندرجہ ذیل لوگوں کے عیب بیان کرنا چغلی اور غیبت نہیں ہے۔

(1) صاحب بدعت

(2) علانیہ فاسق

(3) ظالم حاکم

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان تینوں کے عیب بیان کرو۔

دورِ یزید کے بارے میں حدیثوں میں پیش گوئی

بخاری کتاب العلم باب حفظ العلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو تھیلے سیکھے یعنی دو طرح کا علم حاصل کیا، ایک کو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا اور دوسرے کو اگر بیان کروں تو میری شاہ رگ کاٹ دی جائے۔" (بخاری ج:1 ص:98-99)

یاد رہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت فوت ہوئے جب امیر معاویہ کی حکومت ختم ہونے میں ابھی دو سال باقی تھے۔

اس حدیث کی شرح میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:1 ص:216) پر لکھتے ہیں:

"دوسری قسم کی احادیث وہ تھیں جو ان پیش گوئیوں پر مشتمل تھیں جن میں ظالم حاکموں کا نام لے کر بیان تھا۔ لہٰذا ابو ہریرہؓ کھل کر ان حاکموں کے نام نہیں لیتے تھے بلکہ پردہ میں بات کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو ظالم حاکموں سے جان کا خطرہ تھا کھل کر بات کرنے کی بجائے دعا مانگتے "اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں 60ھ سے اور چھوکروں (لڑکوں) کی حکومت سے اس سے وہ یزید بن معاویہ کے دور حکومت کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ ابو ہریرہؓ کی دعا قبول ہوئی اور وہ 60ھ سے ایک سال پہلے ہی فوت ہو گئے۔"

شاہ ولی اللہ بھی تراجم بخاری میں باب مذکور میں ایسا ہی لکھتے ہیں۔

امام ابن تیمیہؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"اس میں آئندہ ہونے والے واقعات کی خبریں تھیں۔ مثلاً فتنوں کا بیان تھا جو آگے چل کر مسلمانوں میں برپا ہوئے جیسے جنگ جمل وصفین کا فتنہ، ابن زبیرؓ وحضرت حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان اور اس قسم کے واقعات۔" (منہاج السنۃ، ج:4، ص:178)

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماںؒ لکھتے ہیں:

"ابو ہریرہؓ نے کبھی اشارے کے طور پر ان باتوں کا ذکر بھی کیا ہے جیسے کہا میں 60ھ کے شر سے پناہ مانگتا ہوں اور چھوکروں کی حکومت سے۔ اسی سن میں یزید پلید بادشاہ ہوا۔" (بخاری، ج:1، ص:99)

امام ابن حجرؒ فتح الباری میں ج:13، ص:7 پر لکھتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے مروان کی موجودگی میں حدیث بیان کی کہ میری امت کی بربادی قریش کے چند چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی۔ میں چاہوں تو ان کے نام بیان کردوں۔

ابن حجرؒ فتح الباری ج:13، ص:8 پر لکھتے ہیں:

"تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں پہلا چھوکرا یزید ہے۔"

بخاری کتاب المناقب **باب علامات النبوۃ فی الاسلام** میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا قریش کا یہ قبیلہ لوگوں کو تباہ کرے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا پھر آپ ﷺ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کاش لوگ اس سے الگ رہیں۔ (یعنی ان کے ظلم میں شریک نہ ہوں۔)

اسی باب میں اس سے اگلی حدیث میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے الصادق المصدوق ﷺ سے سنا کہ وہ فرماتے تھے میری امت کی ہلاکت قریش کے چند چھوکروں کے ہاتھ پر ہوگی۔ مروان نے کہا چھوکروں کے ہاتھ پر؟ ابو ہریرہؓ نے کہا اگر تو چاہے تو ان کے نام بھی بیان کردوں فلاں، بن فلاں۔

بخاری کتاب الفتن باب قول النبیؐ هلاك امتی علی یدی اغیلمة سُفَهاءَ میں پہلی ہی روایت ہے:

"جس میں عمرو بن یحییٰ بن سعید بن عمرو بن سعید نے کہا مجھ سے میرے دادا سعید نے بیان کیا کہ میں مدینہ میں مسجد نبوی میں ابو ہریرہؓ کے پاس بیٹھا تھا اور مروان بھی وہیں تھا۔ اتنے میں ابو ہریرہؓ نے کہا میں نے "صادق المصدوقؐ" سے سنا آپ ﷺ نے فرماتے تھے قریش کے چند چھوکروں کے ہاتھوں میری امت تباہ ہوگی۔ مروان نے کہا اللہ ان پر لعنت کرے کیا چھوکروں کے ہاتھ سے؟ ابو ہریرہؓ نے کہا اگر میں چاہوں تو ان کے نام بیان کردوں فلاں کے بیٹے، فلاں کے بیٹے۔ عمرو بن یحییٰ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دادا کے ساتھ مروان کی اولاد کے پاس جایا کرتا تھا جب وہ شام کے ملک میں حاکم بن گئے تھے۔ میرے دادا جب ان کم عمروں کو دیکھتے تو کہتے شاید یہ چھوکرے بھی اس حدیث میں داخل ہوں۔ ہم لوگ کہتے تم جانو!

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی ابو

ہریرہ رضی اللہ عنہ نے) نام بنام ظالم حاکموں کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنے تھے مگر ڈر کی وجہ سے بیان نہیں کر سکتے تھے۔ مروان خود ان چھوکروں میں داخل تھا گویا اس نے اپنے اوپر لعنت کی۔ حدیثوں میں جن کو طبرانی وغیرہ نے نکالا یہ موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مروان کے باپ حکم پر لعنت کی اور اس کی اولاد پر بھی لعنت کی۔ حافظ نے کہا (ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے) ان چھوکروں میں پہلا چھوکرا یزید پلید تھا اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نکالا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ان چھوکروں کی حکومت سے اگر تم ان کا کہنا مانو تو دین کی تباہی ہے، اگر نہ سنو تو وہ تم کو تباہ کر دیں گے۔ دوسری روایت میں ابن ابی شیبہ سے یوں مروی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار میں چلتے چلتے یہ دعا کرتے یا اللہ 60ھ مجھ کو مت دکھلانا چھوکروں کی حکومت میں یزید خلیفہ ہوا۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول ہوئی وہ ایک سال پہلے دنیا سے گزر گئے۔ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا یا آپ علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا یا آپ علیہ السلام کے قتل کو جائز رکھا یا اس سے خوش ہوا وہ بالاتفاق ملعون ہے اور یزید سے یہ باتیں متواتر ثابت ہیں۔ اس پر اور اس کے مددگاروں سب پر لعنت۔ (بخاری، ج:9، ص:131-132)

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"امام بخاری نے ترجمة الباب میں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ مسند احمد اور نسائی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ میں مروی ہے "میری امت کی تباہی قریش کے چند بے وقوف چھوکروں کے ہاتھوں ہوگی۔"

(فتح الباری ج:13، ص:8)

اس کے بعد امام نے ابن ابی شیبہ اور علی ابن الجعد کی روایت کا حوالہ دیا ہے۔ اور لکھا کہ ان لونڈوں میں سب سے پہلا یزید ہے۔ امام لکھتے ہیں کہ

اس حدیث سے اس حدیث کی بھی تخصیص ہو جاتی ہے کہ قریش کا یہ قبیلہ لوگوں کو تباہ کرے گا۔ کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ قریش کا پورا قبیلہ نہیں بلکہ اس کے بعض افراد مراد ہیں۔ (فتح الباری، ج:13، ص:8)

امام ص:9 پر مروان کی طرف سے ان لونڈوں پر لعنت کرنے کا ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی زبان سے اس کی اولاد پر لعنت کرادی تا کہ ان لونڈوں پر سخت حجت قائم ہو جائے۔

حضرت کعب بن عجرہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تجھے امارتِ سفہاء سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔

(مسند احمد، ج:23، ص:399، ترمذی حدیث نمبر 614، موارد الظمئان للھیثمی، نمبر 1569، شرح السنہ بغوی، حدیث نمبر 818، مشکوٰۃ کتاب الامارۃ، نمبر 8700، طبرانی، ج:19، ص:105، 141، کنز العمال، حدیث نمبر 14895)

دعائے نبوی قبول ہوئی اور حضرت کعب بن عجرہ 50ھ میں وفات پا گئے۔ یزید اور اس کے اہم اہل کار نوجوان تھے۔ اس کے عہد نحوست مہد کا نقشہ انوری کے اس شعر کے بالکل مطابق ہے

بر بزرگانِ زمانہ شدہ خرداں سالار
بر کریمان جہاں گشتہ لئیماں مہتر

زمانہ کے بزرگ لوگوں پر لڑکے سربراہ بن گئے اور دنیا کے اعلیٰ ترین لوگوں پر کمینے حاکم ہو گئے۔

یزید رجب 60ھ میں حکمران بنا اور 64ھ نصف ربیع الاوّل میں ملک الموت نے اس کو آدبوچا۔ یہ 25ھ یا 26ھ میں پیدا ہوا تھا اور بوقت حکومت اس کی عمر 35 سال تھی۔ تقریباً 3½ کے دور میں اس نے تین بدترین جرم کیئے وہ یہ ہیں۔

(1) سیدنا حسین علیہ السلام کا قتل

(2) مدینہ کی واقعہ حرہ میں بربادی

(3) خانہ کعبہ پر حملہ

حضرت علی علیہ السلام کے بیٹے محمد بن الحنفیہ کا یزید کے پاس رہنا اور ان سے منسوب یزید کی صفائی والی روایت منقطع ہے۔

(انساب الاشراف، للبلاذری رحمۃ اللہ علیہ، ج:3، ص:141)

خانہ کعبہ پر حملہ

بخاری کتاب العلم باب لیبلغ العلم الشاھد الغائب میں پہلی ہی حدیث ہے:

''ابی شریح رضی اللہ عنہ صحابی نے عمرو بن سعید سے کہا (جو یزید کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا) وہ مکہ پر حملہ کیلئے فوجیں بھیج رہا تھا، اے امیر مجھے اجازت دے میں تجھ کو ایک حدیث سنادوں جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے روز ارشاد فرمائی تھی، میرے دونوں کانوں نے اس کو سنا اور دل نے اسے یاد رکھا، اور میری دونوں آنکھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث بیان فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی حمد وثناء کی اور پھر فرمایا مکہ کو اللہ نے حرام کیا ہے، لوگوں نے حرام نہیں کیا (یعنی اس کا ادب حکم الٰہی ہے) تو جو کوئی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اس کو وہاں خون بہانا درست نہیں اور نہ وہاں کوئی درخت کاٹنا اگر (میرے بعد) کوئی ایسا کرنے کی دلیل لے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں لڑے تو تم یہ کہو کہ اللہ نے تو (فتح مکہ کے دن) اپنے رسول کو (خاص) اجازت دی تھی، تم کو اجازت نہیں دی۔ مجھ کو بھی صرف ایک گھڑی دن کیلئے اجازت دی تھی پھر اس کی حرمت آج ویسی ہی ہوگئی جیسے کل تھی۔ جو شخص یہاں حاضر ہو وہ اس کی خبر اس کو کر دے جو غائب ہے۔ لوگوں نے ابو شریح سے پوچھا عمرو (بن سعید) نے اس کا کیا جواب دیا۔ ابو شریح رضی اللہ عنہ نے کہا عمرو نے یہ جواب دیا کہ میں تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہوں مکہ گنا گار کو پناہ نہیں دیتا اور نہ اس کو جو خون یا چوری

کر کے بھاگے۔''

(بخاری ج:1، ص:88-89، مسلم کتاب الحج تحریم صید مکہ، نسائی کتاب الحج باب تحریم منیہ، باب ماجاء فی حرمت مکہ، ترمذی ابو اب الحج باب مجاء فی حرمۃ مکہ)

یہی روایت بخاری کتاب المناسك باب لایعضد شجر الحرم میں بھی آئی ہے۔ اس عمرو بن سعید اشدق کے بارے میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

''اس کو ہم تابعین باحسان میں سے بھی نہیں شمار کریں گے گو اس نے صحابہ کو دیکھا تھا کیونکہ اس کے اعمال نہایت خراب تھے۔ امام ابن حزم المحلی کتاب الجنایات میں عمرو بن سعید اشدق کی بکواس کا رڈ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''اس لطیم الشیطان، پولیس میں، فاسق کی بھی یہ وقعت ہے کہ وہ صحابی سے زیادہ عالم ہونے کا دعویٰ کرے۔ یہی فاسق اللہ و رسول کا نافرمان تھا اور وہ شخص جس کہنے پر چلا اور دنیا و آخرت میں ذلت اٹھانے والا یہی تھا اور وہ (یزید) جس نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔''

شیخ نور الحق بن شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تیسر القاری شرح بخاری میں عمرو بن سعید اشدق کی اس بکواس کا رد کیا ہے۔ (ج:2، ص:157)

اسی طرح عمدۃ القاری شرح بخاری از علامہ عینی نے رد کیا۔ (ج:2، ص:142)

شیخ الاسلام محمد صدر الصدور دہلوی نے شرح بخاری میں اس فاسق عمرو بن سعید اشدق کی اس بکواس کا رڈ کیا ہے۔ (ج:3، ص:322)

یزید نے مکہ پر حملہ کیلئے ابن زیاد کو کہا تو اس نے جواب دیا اللہ کی قسم میں اس فاسق (یزید) کیلئے دو گناہ جمع نہیں کروں گا کہ نواسہ رسول علیہ السلام کو بھی قتل کروں اور خانہ کعبہ پر بھی حملہ کروں۔ (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:237)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بخاری کتاب التفسیر، سورہ براءت (توبہ)

باب ثانی اثنین اذھما فی الغار میں ابن ابی ملیکہ سے روایت ہوا کہ انہوں نے فرمایا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور بنی امیہ نے حرم کے اندر لڑنا جائز خیال کر لیا اور میں تو خدا کی قسم حرام کو حلال نہیں کروں گا۔

یزیدی لشکر کے حملہ میں کعبہ شریف جل گیا۔

مسلم کتاب الحج باب نقض الکعبہ و بنائھا میں عطاء سے روایت ہے کہ جب یزید بن معاویہ کے دور میں شامی لشکر نے حملہ کیا اور جو حال اس کا ہوا سو ہوا (یعنی جل گیا) اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کو ویسا ہی رہنے دیا یہاں تک کہ موسم حج میں لوگ جمع ہوئے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا ارادہ تھا کہ لوگوں کو کعبہ شریف دکھا کر جراءت دلائیں اہل شام سے لڑنے کیلئے یا انکو دیکھیں کہ ان میں کچھ حمیت دین ہے یا نہیں؟ پھر جب لوگ آ گئے تو انہوں نے کہا اے لوگو! مشورہ دو مجھے خانہ کعبہ کے بارے میں کہ اسے توڑ کر نیا بناؤں یا جو حصہ خراب ہو گیا ہے اسے درست کر دوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا اس کے خراب حصہ کی مرمت کر دو اور خانہ کعبہ کو ویسا ہی رہنے دو جیسا کہ پہلے تھا اور ان ہی پتھروں کو رہنے دو جن پر لوگ مسلمان ہوئے اور جناب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو اس کا دل کبھی نہ چاہے گا جب تک نیا نہ بنائے۔ پھر تمہارے رب کا گھر تو اس سے کہیں افضل ہے۔ اور میں اپنے رب سے تین بار استخارہ کرتا ہوں پھر پکا ارادہ کرتا ہوں اپنے کام کا۔ جب تین بار استخارہ ہو چکا تو ان کی رائے میں آیا کہ کعبہ شریف کو توڑ کر بنائیں چنانچہ...... بعد میں حجاج نے توڑ کر اسے بنائے اوّل پر بنا دیا۔"

ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبہ شریف کو تمنائے نبوی کے مطابق تعمیر کر دیا تھا مگر عبدالملک کے کہنے پر حجاج بن یوسف نے دوبارہ بدل دیا۔

"مدینہ سے فارغ ہونے کے بعد وہی فوج مکہ پر حملہ آور ہوئی اور اس نے خانہ کعبہ پر منجنیقوں سے سنگ باری کی جس سے کعبہ شریف کی ایک دیوار ٹوٹ گئی اگرچہ روایات یہ بھی ہیں کہ انہوں نے کعبہ پر آگ برسائی تھی۔ آگ لگنے کے کچھ اور وجوہ بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ البتہ سنگ باری کا واقعہ متفق علیہ ہے۔"

(طبری ج:4، ص:383، الکامل ابن اثیر ج:3، ص:316، البدایہ والنہایہ ج:8، ص:225، تہذیب التہذیب ج:11، ص:361 امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ)

امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک دفعہ طعنہ دیا گیا کہ آپ جو بنو امیہ کے خلاف خروج کی کسی تحریک میں شامل نہیں ہوتے تو کیا آپ اہل شام سے راضی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "میں اور اہل شام سے راضی ہوں؟ خدا ان کو تباہ کرے، کیا وہی نہیں ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم کو حلال کر لیا اور تین دن تک اس کے باشندوں کا قتل عام کرتے پھرے، اپنے نبطی اور قبطی سپاہیوں کو اس میں سب کچھ کر گزرنے کی چھوٹ دے دی اور وہ شریف دین دار خواتین پر حملے کرتے رہے اور کسی حرمت کی ہتک کرنے سے نہ رکے۔ پھر بیت اللہ پر چڑھ دوڑے، اس پر سنگ باری کی اور اس کو آگ لگائی، ان پر خدا کی لعنت ہو اور وہ برا انجام دیکھیں۔ (الکامل، ابن اثیر ج:4، ص:170)

علامہ آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی ج:13، ص:229 تا 227 پر سورہ محمدؐ: 22/47 کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اہل سنت کی ایک جماعت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ یزید مسلمان رہا نہیں؟ علماء کہتے ہیں اگر کوئی بد بخت ہوش و حواس میں قرآن مجید کو گندگی کے ڈھیر پر پھینک دے (نعوذ باللہ) اور وہ چاہے منہ سے کلمہ کفر نہ بھی کہے، اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ جو کچھ یزید نے کعبہ شریف جلانے کی شکل میں کیا کیا وہ اس سے کم ہے؟

سورۂ حج: 25/22 میں فرمایا:

''اور جو اس میں (حرم۔ مسجد حرام) شرارت سے کجروی اور کفر کرنا چاہے اس کو ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔''

امام ابن جوزی، قاضی ابو یعلیٰ، علامہ تفتازانی کہتے ہیں:

''ہم کو اس کے بارے میں (یزید کے بارے میں) ذرا شک نہیں نہ اس کے بے ایمان ہونے کے بارے میں ہمیں کوئی شبہ ہے۔لعنة الله عليه و لی انصار ،و اعوانه

میں (آلوسی رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہوں کہ میں نے یزید کے جو حالات پڑھے اور میرا یہ یقین ہے اور مجھے اس میں ذرا شک نہیں کہ اس خبیث کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ذرا یقین نہ تھا۔ جو کچھ اس نے مکہ و مدینہ سے کیا اور اہل بیت اطہار سے کیا، وہ قرآن مجید کو گندگی کے ڈھیر پر پھینکنے (نعوذ باللہ) سے بڑی باتیں ہیں۔اس زمانہ کے مسلمانوں سے یزید کے کرتوت کچھ چھپے ہوئے نہ تھے مگر وہ مغلوب و مقہور تھے، سوائے صبر کے ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ قاضی ابن العربی وغیرہ جو یزید کی صفائی دیتے ہیں ان کی گمراہی یزید کی گمراہی سے کم نہیں ہے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء (اردو) ص:261 پر لکھتے ہیں:

''ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ یہ معاملہ (واقعہ حرہ) کیا اور شراب اور دیگر برائیاں پہلے ہی کرتا تھا تو تمام اشخاص اس سے ناراض ہو گئے اور چاروں طرف سے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عمر میں برکت نہیں رکھی تھی، چنانچہ اس نے اپنا لشکر مکہ والوں سے جنگ کیلئے بھیج دیا تاکہ وہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے لڑائی کرے۔ راستے میں لشکر کا سپہ سالار مر گیا تو اس کی بجائے دوسرا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ جب یہ لشکر مکہ معظمہ میں آیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ

نے بھی ان سے مقابلہ کیا۔ چونکہ آپ محاصرہ میں تھے، اس لیے آپ پر منجنیق سے آگ اور پتھر برسائے گئے جن کے شراروں سے کعبہ شریف کا پردہ، اس کی چھت اور اس دنبہ کے سینگ جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کیلئے بھیجا گیا تھا اور اس کے سینگ اب تک خانہ کعبہ کی چھت میں لٹکے ہوئے تھے، سب جل گئے۔اور یہ واقعہ صفر 64ھ میں واقع ہوا۔آخر نصف ربیع الاوّل 64ھ میں ملک الموت نے یزید کو آ دبوچا اور یہ دنیا ہمیشہ کیلئے یزید کے وجود سے پاک ہو گئی۔

یہ خبر عین حالت جنگ میں مکہ معظمہ پہنچی اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا ''اے شام کے لوگو، تمہارا گمراہ کرنے والا مر چکا ہے'' یہ سنتے ہی لشکر بھاگ کھڑا ہوا اور نہایت ذلت اٹھائی لوگوں نے اس کا تعاقب کیا۔''

مدینہ پر حملہ کرنے والے لشکر کا سربراہ مجرم خبیث مسلم بن عقبہ المرّی تھا جو واقعہ حرہ کے تین دن بعد مر گیا جبکہ وہ کعبہ پر حملہ کرنے چلا تھا اور راستے میں تھا۔اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی خبیث نے کمان سنبھالی اور اسی نے کعبہ پر حملہ کر کے اپنے نامۂ اعمال کو مزید سیاہ کر لیا۔

مدینہ پر حملہ۔ واقعہ حرّہ

انصار کی فضیلت

بخاری کتاب المناقب باب حب الانصار من الایمان میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''انصار سے دوستی رکھے گا صرف مومن اور ان سے بغض رکھے گا صرف منافق، پھر جو کوئی انصار رضی اللہ عنہم سے محبت رکھے اللہ اس سے محبت رکھے گا اور جو کوئی انصار رضی اللہ عنہم سے دشمنی رکھے اللہ بھی اس سے دشمنی رکھے گا۔ **نسائی کتاب الایمان و شرائعہ باب علامۃ الایمان** میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار رضی اللہ عنہ سے محبت ایمان کی نشانی ہے اور ان سے دشمنی نفاق کی نشانی ہے۔ **مسلم کتاب الزکاۃ اعطاء المولفۃ و من یخاف علی ایمانہ** میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کئی روایات انصار کی فضیلت میں مروی ہیں۔''

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الانصار میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ! بخش دے انصار کو اور انصار کے بیٹوں کو اور انصار کے پوتوں کو۔ اسی باب میں اگلی حدیث میں انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی انصار کی بخشش کیلئے اور انصار کی اولاد اور غلاموں کیلئے۔''

اسی باب میں انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ انصار کے بچوں اور عورتوں کو شادی سے آتے دیکھ کر نبی علیہ السلام سامنے کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! تم انسانوں میں سے سب سے زیادہ مجھے پیارے ہو، تم انسانوں میں سے سب سے زیادہ مجھے محبوب ہو (یعنی انصار کو فرمایا) اور دو دفعہ فرمایا۔

اسی باب میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ انصار رضی اللہ عنہ میری انتڑیاں اور میری گٹھڑیاں ہیں (یعنی میرے خاص معتمد اور اعتباری لوگ ہیں) اور لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے تو قبول کروان کے نیک اور معاف کروان کے برے کو۔ مسند احمد نمبر 11864 میں بھی یہی حکم دیا۔ مسلم شریف کے اسی باب میں ابو اسید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ انصار کے ہر گھر میں بہتری ہے۔
(مسند احمد حدیث نمبر 11907)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ و رسولؐ پر ایمان رکھنے والا انصار سے بغض نہیں رکھ سکتا۔''

مدینہ حرم ہے

بخاری کتاب الجہاد و السیر باب الخدمۃ فی الغزو میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر میں گیا، آپ کی خدمت کرتا رہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں سے لوٹے اور احد پہاڑ دکھائی دیا تو فرمایا یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ پھر ہاتھ سے مدینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اے اللہ! میں اس کے دونوں پتھریلے کناروں میں جو ہے اس کو اسی طرح حرام کرتا ہوں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرام کیا تھا، یا اللہ! ہمارے صاع اور مد (پیمانے) میں برکت دے۔''

اس مفہوم کی حدیث اگلے باب من غزا بصبی للخدمۃ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مذکور ہے۔ جس میں ام المومنین حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا سے نکاح کا واقعہ بھی مذکور ہے۔

بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ و اتخذاللہ ابراھیم خلیلا میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ کو حرم قرار دیا۔

مسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ دعا النبی علیہ السلام میں عامر بن سعد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ کو حرم قرار دیا گیا۔ اس باب میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے اور حضرت رافع بن خدیج سے، عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت ہے۔

انصار سے نیک سلوک کرنے کے بارے میں نصیحت نبوی

بخاری کتاب الجمعہ من قال فی خطبۃ الجمعۃ بعد الثناء اما بعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"نبی ﷺ مرض الموت میں منبر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ آپ علیہ السلام کا آخری بیٹھنا تھا۔ ایک چادر کندھوں پر ڈالے ہوئے، کالے کپڑے سے سر باندھے ہوئے، آپ علیہ السلام نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی پھر فرمایا لوگو! میرے پاس آؤ۔ وہ سب قریب ہوگئے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا اما بعد، دیکھو یہ انصار کا قبیلہ کم ہو جائے گا اور دوسرے لوگ بڑھ جائیں گے۔ پھر محمد ﷺ کی امت میں کوئی نفع ونقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو (یعنی حکمران ہو) تو اس کو چاہیے کہ انصار کے نیک لوگوں کی نیکی منظور کرے اور ان کے برے کی برائی سے درگزر کرے۔"

بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی ﷺ میں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی نصیحت عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ بخاری کتاب التفسیر، سورہ حشر باب والذین تبوءوا الدار والایمان میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ نصیحت مروی ہے۔

انصار کی حق تلفی ہوگی۔ نبوی پیش گوئی

بخاری کتاب المناقب باب قول النبی ﷺ للانصار رضی اللہ عنہ میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

"ایک انصاری نے حضور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ مجھ کو ملازمت نہیں دیتے جیسے فلاں شخص کو ملازمت دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم میرے بعد حق تلفی دیکھو گے تو حوض کوثر پر مجھے ملنے تک صبر کرنا۔"

اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دو حدیثیں اسی مفہوم کی مروی ہیں۔ ان کے علاوہ **بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف میں عبداللہ بن زید بن عاصم سے، کتاب الجہاد والسیر باب ماقطع النبی** ﷺ من البحرین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، **کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی السلام** میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے، کتاب الفتن باب قول النبی ﷺ **سترون بعدی امورا تنکرونھا** کے آخر میں اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے **ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی الاثرۃ** میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے، **نسائی کتاب آداب القضاۃ باب ترک استعمال من یحرص علی القضاۃ** میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے **مسلم کتاب الامارت باب وجوب الوفاء بیعۃ الخلیفۃ الاوّل فالاوّل،** میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے، **مسلم کتاب الامارت باب الامر بالصبر عنہ ظلم الولاۃ واستیشارھم** میں حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے اسی مفہوم

کی احادیث مروی ہیں۔ مسلم کتاب الزکاۃ باب اعطاء المولفة و من یخاف علی ایمانه میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے بھی ایسی ہی احادیث مروی ہیں۔

مسلمانوں پر ہتھیار اٹھانا منع ہے

بخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من حمل علینا السلاح فلیس منا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم پر ہتھیار اٹھائے، وہ ہم میں سے نہیں۔

بخاری کی ایک حدیث میں فرمایا گیا:

"میں تمہارے گھروں میں فتنوں کے اترنے کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش کے مقامات نظر آتے ہیں۔ (باب اطام المدینہ) اس کی شرح میں ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ بالخصوص واقعہ حرہ تو اس کا صریح مصداق ہے۔"

اہل مدینہ کے ساتھ برائی کرنے والے کا انجام

مسلم کتاب الحج باب فضل المدینة و دعاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیها بالبرکة و بیان تحریمها میں عامر بن سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ جب کوئی اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح گھلا دیتا ہے جیسے سیسہ گل جاتا ہے آگ میں یا نمک گھل جاتا ہے پانی میں۔

اس باب میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کو حرم ٹھہرایا اور جو کوئی اس میں نئی بات نکالے یعنی گناہ کی تو اس پر لعنت ہے اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی اور لوگوں کی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کا نہ فرض قبول کرے گا نہ نفل، یا کسی نے ایسے بدعتی کو

جگہ دی (تو اس کا بھی انجام ہوگا)۔ اس باب میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔ اس باب میں عاصم نے انس بن رضی اللہ عنہ مالک سے روایت کیا کہ مدینہ حرم ہے اور وہاں کے درخت نہ توڑے جائیں اور جو ایسا کرے اس پر اللہ، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے۔"

اسی باب میں حضرت علی علیہ السلام سے بھی ایسی ہی روایت ہے۔

"اسی باب میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے طویل روایت ہے جس میں یہ بھی فرمایا کہ میں نے مدینہ کو حرم ٹھہرایا دو پہاڑوں کے بیچ کہ نہ اس میں خون بہایا جائے اور نہ لڑائی کیلئے ہتھیار اٹھایا جائے نہ اس میں کسی درخت کے پتے جھاڑے جائیں مگر صرف چارے کیلئے۔"

مسلم کتاب الحج تحریم ارادة اہل المدینہ بسُوء میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو اس شہر والوں یعنی اہل مدینہ سے برائی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسا گھلا دے گا جیسے نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔

اسی باب میں یہی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ دونوں سے مروی ہے۔ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے محدث قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مسلم بن عقبہ اور یزید بن معاویہ کے ساتھ یہی کچھ ہوا۔

(مسلم بمع شرح امام نووی ج:1 ص:441)

اسی طرح کی دوسری روایات ابن حجر نے فتح الباری ج:8، ص:81 پر لکھی ہیں۔ ابن کثیر نے دارقطنی کے حوالہ سے روایت درج ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حرہ کے دن کہا برباد ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈرایا۔ ہم نے کہا کوئی ان کو کیسے ڈرا سکتا ہے؟ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے آپ علیہ السلام کو فرماتے سنا ہے جس نے قبیلہ انصار کو ڈرایا اس نے میرے دل کو ڈرایا۔ (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:223)

واقعہ حرّہ

یزید کے دور کا دوسرا المناک واقعہ جنگ حرّہ کا تھا۔ جو 62ھ میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی مختصر روداد یہ ہے۔ کہ اہل مدینہ نے یزید کو فاسق و فاجر قرار دے کر اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ اہل مدینہ کے بیعت توڑنے کا سبب یہ ہوا کہ یزید گناہوں میں بہت زیادہ پھنس گیا تھا۔ واقدی نے عبداللہ بن حنظلہ ؓ غسیل الملائکہ سے روایت کی ہے کہ واللہ! ہم نے یزید پر تب تک بغاوت نہیں کی جب تک ہمیں یہ یقین نہیں ہوا کہ آسمان سے ہم پر پتھر برس جائیں گے کیونکہ فسق و فجور کا یہ عالم تھا کہ لوگ ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کریں اور کھلم کھلا شراب پئیں اور نماز چھوڑ دیں۔

(تاریخ الخلفاء امام سیوطی ص:261 اردو)

اہل مدینہ نے اس کے عامل کو شہر سے نکال دیا اور عبداللہ بن حنظلہ ؓ (غسیل ملائکہ) کو اپنا سربراہ بنالیا۔ یزید کو اطلاع ملی تو اس نے مسلم بن عقبہ المرّی جسے سلف صالحین مسرف بن عقبہ کہتے ہیں، کو بارہ ہزار فوج دے کر مدینہ پر چڑھائی کیلئے بھیج دیا اور اسے حکم دیا کہ تین دن تک اہل شہر کو اطاعت کی دعوت دیتے رہنا، پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا اور جب فتح پالو تو تین دن کیلئے مدینہ کو فوج پر مباح کر دینا۔ اس ہدایت پر یہ فوج گئی، جنگ ہوئی اور مدینہ فتح ہوا۔ اور اس کے بعد یزید کے حکم کے مطابق تین دن کیلئے فوج کو اجازت دے دی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کرے۔ ان تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی، شہر کے باشندوں کا قتل عام کیا گیا جس میں امام زہری ؒ کی روایت کے مطابق سات سو معززین اور دس ہزار کے قریب عوام قتل ہوئے اور غضب یہ ہے کہ دمشقی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی۔

حافظ ابن کثیر ؒ کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار خواتین زنا سے حاملہ ہو گئیں۔

(طبری ج:4، ص:372 تا ص:379، الکامل ابن اثیر ج:3، ص:310 تا 313، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: ج:8، ص:219 تا 221)

یزیدی لشکر کا سپہ سالار مسلم بن عقبہ (بقول ابن حزم مسرف یا مجرم بن عقبہ) واقعہ کے تین دن بعد ہلاک ہو گیا۔ اور یزید اس واقعہ کے 2 سے 3 ماہ کے اندر مر ہو گیا۔ وہ 15 ربیع الاوّل 64ھ کو مرا۔ اس کا دور تین سال آٹھ ماہ اور کچھ دن تک رہا اور بوقت موت اس کی عمر 30 سال کے قریب تھی۔

(ابن حزم ۔ اسماء الخلفاء والولاۃ و ذکر مددھم ملحقه جو امع سیرۃ، ص:357-358)

آنحضرت ﷺ کے جو ارشادات اہل مدینہ کے ساتھ برائی اور خوف زدہ کرنے کے بارے میں بخاری، مسلم، نسائی اور مسند احمد میں متعدد صحابہ سے منقول ہوئے ہیں، ان کے پیش نظر ابن کثیر ؒ کہتے ہیں کہ علماء کے ایک گروہ نے یزید پر لعنت کرنے کو جائز رکھا ہے جن میں سے ایک قول امام احمد بن حنبل ؒ کا بھی ہے۔

اس واقعہ کے بارے میں جو احادیث آئی ہیں وہ ذیل میں بیان کی جاتی ہیں۔

(1) **مسلم کتاب الحج باب فضل المدینہ میں ابو سعید المھری سے** روایت ہے کہ وہ حرّہ کی راتوں میں حضرت ابو سعید خدری ؓ کے پاس آئے اور مشورہ کیا کہ مدینہ سے کہیں اور چلے جائیں اور شکایت کی ان سے وہاں کی مہنگائی کی اور کثرت عیال کی اور کہا کہ مجھ کو صبر نہیں آ سکتا مدینہ کی محنت اور بھوک پر تو ابو سعید خدری ؓ نے فرمایا خرابی ہو تیری میں تجھے تھوڑی یہاں رہنے کا کہتا ہوں بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو کوئی مدینہ کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے اور یہیں فوت ہو جاتا ہے تو میں قیامت کے دن اس کا شفیع یا گواہ ہوں گا اگر وہ مسلمان ہوا تو!

اس سے اگلے **باب الترغیب فی سکنی المدینہ و فضل الصبر علی الاو آئھا و شد تھا** میں اسی طرح کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے مروی ہے جس میں واقعہ حرّہ کو فتنہ کہا گیا۔

بخاری **کتاب الھبة باب الھبة المقبوضة وغیر المقبوضة** میں حضرت جابر

بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ اونٹ بیچا۔ جب ہم مدینہ پہنچے تو مجھے فرمایا مسجد میں دو رکعت پڑھ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ کی قیمت تول کر دی۔ اس میں کچھ (بطور تبرک کے) ہمیشہ میرے ساتھ رہتی لیکن حرہ کے دن شام والوں نے وہ مجھ سے چھین لی یہی روایت مسلم کتاب البیوع باب البیع یکون فیه الشرط فیصح البیع و الشرط میں بھی آئی ہے۔ یہی روایت مسلم کتاب المساقات والمزارعت باب بیع البعیر واستثناء رکوبہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے آئی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ یہ لڑائی 62ھ میں ہوئی۔ یزید پلید کے لشکر نے اہل مدینہ پر حملہ کیا اور مدینہ منورہ کو لوٹا اور ویران کیا۔ حرہ مدینہ منورہ کا میدان ہے وہاں جنگ ہوئی۔ کئی روز تک حرم محترم میں نماز نہیں ہوئی اور مردود یزید کے لشکر والوں نے مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے لعنة الله علیه وعلی اتباعه و انصاره

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی شرح فتح الباری میں ج:3، ص:177 پر لکھتے ہیں کہ واقعہ حرہ میں اتنے لوگ مارے گئے کہ ان کی گنتی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ عمرو بن سعید، یزید کے گورنر مدینہ نے اتنے ظلم کئے کہ اسلام کی آنکھیں آج تک رو رہی ہیں۔

(البدایہ والنہایہ ج:8، ص:161-162)

یزید نے مسلم بن عقبہ کو مدینہ روانہ کیا۔ واقعہ حرہ کے بعد اس نے بچ جانے والوں سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم یزید کے زر خرید غلام ہیں۔

(فتح الباری ج:3، ص:177)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ یزید پکا ناصبی تھا اور اللہ اہل مدینہ سے راضی ہو۔

(سیر اعلام النبلاء ج:4، ص:318 بحوالہ روض الباسم ج:2، ص:36)

واقعہ حرہ میں تین دن تک مسجد نبوی میں جماعت نہ ہو سکی۔ صرف سعید بن مسیّب، سید التابعین، مسجد نبوی میں رہے۔

(جوامع السیره از ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ملحقه رساله اسماء الخلفاء والولاة ص:357-358)

مسلم بن عقبہ (مسرف بن عقبہ) نے بچ جانے والے مدینہ کے لوگوں سے یزید کی غلامی پر بیعت لی۔ قریش کے دو افراد یزید اور محمد بن ابی الجہم کو اس بات پر قتل کر دیا کہ انہوں نے کہا تھا ہم اللہ اور سنت رسولؐ پر تجھ سے بیعت کرتے ہیں۔ یزید بن وہب نے کہا میں سنت عمر رضی اللہ عنہ پر بیعت کرتا ہوں تو اس کو بھی قتل کر دیا۔

(امام ابن کثیر، البدایہ والنہایہ ج:8، ص: 240، ابن حجر، فتح الباری، ج:13، حدیث: 6760)

بخاری کتاب المغازی باب شہود الملائکہ بدراً میں روایت ہے جس میں سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا کہ واقعہ حرہ میں صلح حدیبیہ میں شریک صحابہ میں سے کوئی باقی نہ بچا۔

بخاری کتاب المغازی باب غزوة الحدیبیة میں عباد بن تمیم سے روایت ہے کہ جب حرہ کا دن ہوا اور لوگ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے لگے تو عبداللہ بن زید مازنی انصاری رضی اللہ عنہ نے پوچھا عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کس اقرار پر لوگوں سے بیعت لیتے ہیں، لوگوں نے کہا موت پر، عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا اس شرط پر تو میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اور کسی سے بیعت نہیں کرنے کا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں موجود تھے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''یہ 62ھ کا واقعہ ہے۔ مدینہ والوں نے یزید کے برے حالات دیکھ کر اس کی بیعت توڑ ڈالی اور عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر حاکم بنا لیا۔ ان کے والد وہی تھے جن کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں۔ یزید نے حال سن کر مدینہ والوں پر ایک فوج بھیجی جس کا سردار مسلم بن عقبہ تھا۔ اس مردود نے مدینہ والوں کا قتل عام کیا، شہر لوٹ لیا۔ سات سو تو صرف عالموں کو شہید کیا جن

میں تین سو صحابی رضی اللہ عنہ تھے۔ مسجد نبوی میں گھوڑے بندھوائے جو روضہ شریف کی طرف لید پیشاب کرتے تھے۔ معاذ اللہ کوئی دقیقہ پیغمبر صاحبؐ کی بے حرمتی کا نہ چھوڑا۔ اوپر سے طرّہ سنیئے جب یہ مسلم بن عقبہ مرنے لگا تو مرتے وقت یوں دعا کی ''یا اللہ! میں نے توحید کی شہادت کے بعد کوئی نیکی اس سے بڑھ کر نہیں کی کہ مدینہ والوں کو قتل کیا۔ یہی نیکی ایسی ہے جس کے ثواب کی مجھ کو امید ہے، ارے خبیث بندگان خدا پر ظلم کرتا ہے اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتا ہے پھر ثواب کی امید رکھتا ہے اس کو یہ غرّہ تھا کہ میں نے یزید خلیفہ وقت کی اطاعت کی اور مردود نہ سمجھا کہ اللہ و رسولؐ کی اطاعت سب پر مقدم ہے اگر گرو، یا مرشد، یا مجتہد، یا پیر کی اطاعت پر کوئی غرّہ ہو کہ اللہ اور رسولؐ کے خلاف کرے وہ بھی یزیدی ہے لعنۃ اللہ و غضب علیہ (بخاری ج:5، ص:393-394 تیسرا لباری)

اس واقعہ حرہ کا ذکر مسلم **کتاب الامارت باب وجوب ملازمۃ جماعت المسلمین عند ظہور الفتن وفی کل حال** میں نافع سے مروی ہے جس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مطیع کو یزید کی بیعت نہ توڑنے کا کہا (یاد رہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت نہ کی تھی مگر یزید کی بیعت کی بڑی پابندی کی)

واقعہ حرہ میں جنگ سے پہلے مسلم بن عقبہ نے مدینہ کے لوگوں سے کہا اگر تم اطاعت کر لو تو ہم مکہ جا کر ملحد (ابن زبیر رضی اللہ عنہ) کا خاتمہ کریں گے۔

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:237-238)

اہل حدیثوں کے امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ظاہری لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور اہل حرہ کا لڑنا اس بات کا ثبوت ہے کہ کلمہ گو حکمران کے خلاف بغاوت جائز ہے۔ (المحلیٰ ج:9، ص:362)

امام محمد بن ابراہیم الوزیر یمانی رحمۃ اللہ علیہ نے سنت کے دفاع میں بے مثال کتاب **العواصم والقواصم فی الذب عن سنۃ ابی القاسمؐ** لکھی ہے۔ (اس کی ج:8، ص:76 پر امام ابن حزم کا قول نقل کرتے ہیں:

ایک شخص ابن مجاہد متکلم بصری طائی نے ایک کتاب لکھی ہے جس میں اس بات پر اجماع ذکر کیا کہ کلمہ گو ظالم حاکم جو چاہے کریں ان کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

''یہ مسئلہ دیکھ کر کانپ گیا کہ جو اجماع کے خلاف کرے گا وہ تو کافر ہوگا۔ کیا اس متکلم کو خبر نہیں کہ حرہ کے دن پورا مدینہ جس میں سارے صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین یزید کے خلاف اٹھے تھے یا نہیں؟ اگر اس مسئلہ پر اجماع تھا تو پھر وہ سارے نعوذ باللہ کافر ہو گئے۔ کیا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی یزید کے خلاف نہیں اٹھے اور علاقے چھین کر خلیفہ نہیں بنے؟ کیا حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام اور ان کے ساتھ نیک مسلمان نہیں اٹھے۔ پھر امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ جو کٹر اہل حدیث اور بنو امیہ کی نسل سے ہیں دعا کرتے ہیں کہ جو یزید کے خلاف اٹھے تھے اللہ ان سے راضی ہو اور جنہوں نے ان کو قتل کیا ان پر اللہ کی لعنت ہو۔''

پھر امام رحمۃ اللہ علیہ نے سوال کیا کہ چار ہزار عالم حجاج بن یوسف کے خلاف سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں میدان میں نہیں آئے؟ اے ابن مجاہد طائی بتا کیا وہ سارے کافر ہو گئے؟ اللہ کی قسم! جو ان کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔

امام ابن حجر فتح الباری ج:12، ص:285-286 پر لکھتے ہیں:

''دو قسم کے لوگ حکومت کے خلاف بغاوت کرتے ہیں ایک وہ جو دین سے نکل جاتے ہیں جیسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور میں مرتد اُٹھ کھڑے ہوئے

ایک گروہ وہ ہوتا ہے جو نیا عقیدہ لے کر نہیں بلکہ حکومت حاصل کرنیکی کے لئے اٹھتے ہیں۔ یہ لوگ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو دین کی عزت کیلئے اس لیے نکلے کہ وقت کے حکمران ظالم ہوگئے اور سنت نبوی پر عمل حکمرانوں نے چھوڑ دیا، تو یہ لوگ اہل حق ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں حضرت حسین ابن علی علیہ السلام، مدینہ کے اہل حرہ اور حجاج کے خلاف اٹھنے والے 4,000 عالم ہیں۔

(بس ان دو سطروں میں سارا واقعہ کربلا آ گیا)

اگر مسلمان حکمران غلط کار ہو جائے تو اس کے خلاف بغاوت کر سکتے ہیں، باغی وہ ہو گا جس نے حق کا راستہ چھوڑ دیا، چاہے حکمران ہو، چاہے رعایا، مثلاً

(1) خارجی باغی تھے، معاویہ باغی تھے اور حضرت علی علیہ السلام حق پر تھے۔

(2) امام حسین علیہ السلام اور اہل حرہ اور 4,000 قرّا حق پر تھے اور یزید و حجاج بن یوسف و عبدالملک بن مروان باغی تھے۔ امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر انتہائی غلط کام کیا (کہ مدینہ پر حملہ کرے اور فوج کیلئے مباح کرے) ان تین دنوں میں مدینہ میں ایسے گناہ ہوئے جن کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ ان کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔"

(البدایہ والنہایہ ج:8، ص:225)

سلفاً و خلفاً یزید
کے بارے میں علماء اسلام کی رائے

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا

شہِدَ شاهد من اهلها

لاہور کے اہل حدیث عالم حافظ صلاح الدین یوسف ان لوگوں میں سے ہیں جو امام حسین علیہ السلام کو باغی، یزید کو خلیفہ برحق اور رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اور جو لوگ یزید کو پلید لکھتے ہیں ان پر گرفت کرتے ہیں۔ حافظ مذکور اپنی کتاب رسومات محرم الحرام اور واقعہ کربلا ص:48 پر لکھتے ہیں:

"ہمیں معلوم ہے کہ بعض اکابر علماء نے بھی یزید کیلئے لفظ پلید استعمال کیا ہے، لیکن انہوں نے عدم تحقیق کی بنا پر روا روی میں ایسا کیا ہے اور اس معاملے کی گہرائی میں وہ نہیں گئے اور بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض مسائل میں جس طرح عام رائے ہوتی ہے، بڑے بڑے محقق بھی اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ لیکن جب کوئی دیدہ ور اس کی تہ میں اتر کر نقاب کشائی کرتا ہے تو صورت معاملہ بالکل مختلف نکلتی ہے، اس لیے اس دور میں جب یزید کا کردار نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھا گیا اور اس پر عام بحث ہوئی تو بہت سے مخفی گوشے بے نقاب ہو گئے۔"

ان سطروں میں حافظ مذکور نے اپنے خلاف یہ ڈگری تو دے دی کہ ہمارے بڑے بڑے علماء یزید کو پلید ہی کہتے آئے ہیں۔

میں اس سلسلہ میں یہ بات عرض کروں گا کہ جب بھی کوئی کہے کہ یہ گوشے پوشیدہ رہے اور وہ اس دور میں آ کر نمایاں ہوئے ہیں، تو بطور کلیہ یہ سمجھ لیں کہ وہ شخص گمراہ ہے۔ کبھی نہیں ہوسکتا کہ امت کے اتنے بڑے بڑے لوگ احمق گزرے ہوں۔ واقعہ کربلا آج نہیں ہوا۔ جو کچھ اس بارے میں لکھا گیا وہ سب نے پڑھا۔ ہمارے امام اور محدثین یہ جانتے تھے کہ شیعہ کیا کہتے ہیں اور سنی کیا کہتے ہیں، اس کے باوجود اگر وہ اس بات کو دھراتے رہے کہ سیدنا امام حسین علیہ السلام شہید ہیں اور یزید پلید اور ملعون ہے تو کیا وہ احمق تھے؟ وہ لوگ محقق تھے اور کوئی نیا گوشہ سامنے نہیں آیا، صرف بددیانتی سامنے آئی کہ ناصبیوں نے صرف **لاتقر بو الصلاۃ** کہا اور اگلا ٹکڑا چھپا لیا۔

ان لوگوں کے گرو محمود احمد عباسی کی کتاب خلاف معاویہ و یزید سے لے کر ان لوگوں کی سب کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ کسی نے بعد میں کوئی نئی بات نہیں لکھی، بس اسی کو نئے نام سے چھاپتے رہتے ہیں۔

خدا گواہ ہے اگر ناصبیوں کی کتابوں میں کوئی سچائی ہوتی، ان کے دیئے ہوئے حوالے درست ہوتے، بددیانتی نہ ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ چلو کچھ لوگ اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کی بددیانتی کے ثبوت کیلئے صرف ایک واقعہ عرض کروں گا کہ ندوۃ العلماء لکھنو کے شیخ التفسیر مولانا محمد اویس ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب خلافت معاویہ و یزید دیکھی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے یونہی ایک جگہ سے کتاب کھولی۔ اس صفحہ پر تین حوالے تھے۔ وہ تینوں حوالے میں نے اصل کتابوں سے چیک کئے۔ تینوں میں خیانت تھی۔ عباسی نے ادھر اُدھر سے کاٹ کر اپنی مطلوبہ بات بنالی تھی۔

اگر صرف یہ ہوتا کہ اس کتاب سے کچھ گوشے نمایاں ہوئے ہوتے تو ہم صبر کرتے۔ ہمارے اکابر احمق نہیں، محقق تھے۔ انہوں نے شیعوں کے ردّ میں جو لکھا، وہ یہ ناصبی سوچ بھی

نہیں سکتے۔ ان لوگوں نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر کیا لکھنا ہے؟ وہ جانتے تھے کہ شیعہ کیا کہتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ ان لوگوں کی طرح اہل بیت سے دشمنی نہیں رکھتے تھے۔ ان میں اعتدال اور توازن تھا۔ وہ جانتے تھے کہ شیعہ اپنی جگہ جو چاہے کہیں، مگر اہل بیت صرف ان کے نہیں ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھرانہ سارے مسلمانوں کا مشترکہ مرکز محبت ہے۔ ان کا احترام اہل ایمان پر لازم ہے۔ ہمارے اکابر بددیانت نہیں تھے۔ انہوں نے اس بارے میں جو لکھا، وہ میں پیش کرتا ہوں، جن کو حافظ صلاح الدین محدثین مانتے ہیں اور جن کے حوالے انہوں نے اپنی کتاب میں دیئے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ جب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن دنیا میں موجود ہیں تو حسین علیہ السلام کے دشمنوں کی موجودگی کا کیا گلہ؟ مگر حسین علیہ السلام زندہ رہے گا دشمن اپنی موت آپ مرتے رہیں گے۔

(1) شیخ الاسلام فی الحدیث حافظ امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

ان کی کتاب تہذیب التہذیب ج:11، ص:360-361 سے راوی نمبر 699 کا حوالہ پیش خدمت ہے۔

> ”اس میں یزید بن معاویہ بن ابوسفیان کے بارے میں یزید کے خاندان یعنی بنوامیہ میں سے مروان بن حکم کے پوتے حضرت عمر بن عبدالعزیز، جو کہ خلیفہ راشد شمار کئے گئے، کا فیصلہ لکھا ہے۔ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ یحییٰ بن عبدالملک بن ابی غنیۃ ثقہ نے نوفل بن ابی عقرب ثقہ سے بیان کیا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز کے پاس تھا کہ ایک آدمی نے یزید کی بات کرتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین یزید نے ایسا کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز نے کہا تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟ پھر آپ نے حکم دیا کہ اس آدمی کو 20 کوڑے لگائے جائیں۔
>
> (مزید حوالے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لسان المیزان ج:6، ص:293-294،

ذہبی سیر اعلام النبلاء ج:4،ص:319،امام ابن حجر نے فتح الباری ج:12،
ص:285-286 پر لکھا یزید باغی تھا اور مخالف حق پر تھے۔''
امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ج:3 کتاب الجنائز میں لکھا:
''یزید کے حکم سے مدینہ میں تین دن قتل و غارت ہوتی رہی اور مقتولوں کی
تعداد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔
امام تقریب التہذیب، ص:562 پر لکھتے ہیں کہ یزید سے حدیث روایت نہ
کی جائے۔ فتح الباری، ج:11،ص:65 پر لکھتے ہیں کہ یزید تو یزید ہی تھا۔''

(2) شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کتاب **حجۃ اللہ البالغہ** معرکۃ آراء کتاب ہے۔ اس کی دوسری جلد
کے آخری صفحہ پر شاہ صاحب لکھتے ہیں:

''حدیث میں آیا ہے کہ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے، پھر اس کے بعد والا
اور پھر اس کے بعد والا۔ تو اس سے کچھ لوگوں نے سمجھ لیا ہے، بہتر زمانہ کا ہر
آدمی بعد والے زمانہ کے ہر آدمی سے بہتر ہے۔ شاہ صاحب نے لکھا کہ یہ
تشریح بالکل غلط ہے۔ بعد والوں میں کئی لوگ ایسے ہیں جو پہلوں سے
آگے نکل جائیں گے۔ (اور یہی رائے امام ابن عبدالبر صاحب التمہید کی
ہے)۔ یہ صرف زمانہ سے زمانہ کا مقابلہ ہے یعنی مجموعی طور پر پہلا دور
دوسرے سے بہتر ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ پہلے زمانہ کا ہر آدمی بعد والے
زمانہ کے ہر آدمی سے بہتر ہو۔ (یہ کوئی کلیہ نہیں ہے) ایسا ہو بھی کیسے سکتا
ہے جبکہ بہتر زمانہ میں سے کچھ ایسے تھے جو بالاتفاق منافق تھے یا فاسق تھے
مثلاً حجاج بن یوسف، یزید بن معاویہ، مختار بن عبید ثقفی اور قریش کے وہ
چھوکرے جو ملک برباد کر دیں گے، اور ایسے ہی وہ لوگ جن کے برے حال
کی خبر حضور ﷺ نے دی تھی۔ حق بات یہ ہے کہ پہلے زمانہ کی اکثریت

دوسرے زمانہ کی اکثریت سے بہتر ہے۔
دیکھئے! شاہ صاحب نے یزید بن معاویہ کو بالاتفاق منافق یا فاسق لوگوں
میں شمار کیا ہے۔ گمراہی کی دعوت دینے والا شام میں یزید اور عراق میں مختار
تھا۔''

(مبحث فتن و مناقب، حجۃ اللہ البالغہ، ج:2،ص:213)

(3) شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کتاب صراطِ مستقیم ہے۔ یہ شاہ صاحب کی اپنی کتاب نہیں
بلکہ ان کے مرشد سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات ہیں۔ اس کتاب کے دو باب مولانا
عبدالحئی اور دو باب حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا:

لہٰذا یہ حوالہ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو حافظ صلاح الدین یوسف
نے اپنی کتاب مذکور میں دیا اور جو فقرے یزید کے خلاف تھے، وہاں نقطے
لگا دیئے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سید احمد بریلوی یزید کو کیا سمجھتے تھے؟ ان کے
خطوط کا مجموعہ مکاتیب سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مکتبہ رشیدیہ لاہور سے
شائع ہو چکا ہے۔ مجموعہ مکاتیب سید احمد شہید کے ص:149 تا 151 پر میر
حاجی علی خاں کے نام خط لکھا ہے کہ جہاد میں ہمارا ساتھ دو۔ سید صاحب
لکھتے ہیں ''میرا ساتھ دینا دراصل میرا ساتھ دینا نہیں بلکہ یہ لوگ اللہ رب
العالمین کے دین کا ساتھ دے رہے ہیں اور میرے جد محترم سید
المرسلین ﷺ، کا ساتھ دے رہے ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ ملعون منافق
مخلص مسلمانوں سے الگ ہو جائیں۔ میرا ساتھی حسین ابن علی علیہ السلام کی
فوج کا فرد ہے اور میرے مخالف کا ساتھی یزید شقی کے گروہ کے لوگ ہیں۔
میرے مخالفوں کی نوکری اور تعلق کو برقرار رکھنے کیلئے ان کا ساتھ دینا اپنے
دین اور ایمان کو برباد کرنا ہے اور یزید پلید کے لشکر میں خود کو شمار کرنا ہے۔
بلاشبہ ہمارا شریک یا غازی ہے یا شہید اور ہمارا مقابل ابوجہل ہے یا یزید۔''

(4) علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی تفسیر روح المعانی میں سورہ محمدؐ: 47/22-23 کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''میں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ یزید میں ایمان کی رائی بھی نہیں تھی۔ اگر یہ پہلے مومن تھا تو بعد میں کافر ہو گیا۔ اب اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔ وہ لکھتے ہیں اگر کوئی بد بخت قرآن مجید کو باہوش وحواس (نعوذ باللہ) گندگی کے ڈھیر پر پھینک دے اور وہ منہ سے چاہے کلمہ کفر نہ بھی کہے تو وہ کافر ہے۔ اس کا توہین قرآن کا عمل ہی بتاتا ہے کہ وہ اب کافر ہو چکا ہے۔ علامہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ توہین قرآن سے بڑھ کر نہیں کہ کعبہ شریف جلا دیا، حرم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی مدینہ شریف میں تین دن ہزاروں صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم قتل کیے، مدینہ لوٹا، اور اہل بیت نبوت کو قتل کیا۔ علامہ لکھتے ہیں کہ جو کہتے ہیں کہ یزید پر لعنت نہ کرو، ان پر لعنت ہے۔ یزید کے مددگاروں پر بے شمار لعنت ہو۔''

(5) مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ رضویہ ج: 6، (پرانی) ص: 107-108 پر لکھتے ہیں:

''یزید پلید علیہ ما یستحقہ من العزیز المجید (اللہ اس سے وہ سلوک کرے جس کا وہ مستحق ہے) قطعاً یقیناً باجماع اہل سنت فاسق وفاجر و جری علی الکبائر تھا (اب اس کے بعد انہوں نے کیا لکھنا تھا) اس قدر پر آئمہ اہل سنت کا اتحاد و اتفاق ہے، صرف اس کی تکفیر و لعن میں اختلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے ہیں اور نام لے کر اس پر لعنت کرتے ہیں اور سورہ محمدؐ: 47/22-23 سے اس پر سند لاتے ہیں۔

آگے چل کر مولانا نے یزید کے ظلم گنوائے ہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر ملک میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین، خود مکہ معظّمہ و روضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبوی بے اذان و نماز رہی، مکہ و مدینہ و حجاز میں ہزاروں صحابہ و تابعین بے گناہ شہید کئے، کعبہ معظّمہ پر پتھر پھینکے، غلاف شریف پھاڑ ڈالا اور جلایا، مدینہ طیبہ کی پاک دامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب و دانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا۔

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود کے پالے ہوئے تنِ نازنیں پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارک چور چور ہو گئے۔ سر انور کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا، کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا۔ حرم محترم مخدّرات قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے۔ اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہو گا؟

ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق و فجور نہ جانے۔ قرآن عظیم میں اس پر صراحۃً **لعنھم اللہ** فرمایا لہٰذا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے موافقین اس پر لعنت فرماتے ہیں۔ اور ہمارے امام اعظم لعن و تکفیر سے احتیاطاً سکوت فرماتے ہیں کہ اس سے فسق و فجور متواتر ہے، کفر متواتر نہیں۔ اس کے فسق و فجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہل سنت کے خلاف ہے اور ضلالت و بد مذہبی صاف ہے بلکہ انصافاً یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شمّہ ہو۔

(6) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے بیٹے صالح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کچھ لوگ یزید سے محبت کرتے ہیں۔امام نے فرمایا بیٹا! جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید سے محبت کر سکتا ہے؟ پھر صالح نے پوچھا آپ یزید پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ تو فرمایا تو نے اپنے باپ کو کسی پر بھی لعنت کرتے دیکھا ہے؟ مھنّا کہتا ہے میں نے امام سے یزید کے متعلق پوچھا۔ امام نے فرمایا کہ یہ یزید وہی ہے جس نے مدینہ والوں سے کیا جو کیا۔اس نے پوچھا کیا کیا؟ امام نے فرمایا اس نے اصحاب رسول کو قتل کیا اور اس کے علاوہ اور بھی کیا۔میں نے پوچھا اور کیا کیا؟ فرمایا اس نے فوج کو حکم دیا کہ لوگوں کے گھر لوٹ لو۔پھر میں نے پوچھا کیا اس سے روایت کی جائے؟ امام نے فرمایا بالکل نہیں! اور یہی حافظ ابویعلیٰ اور دوسروں نے کہا۔

> ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قاضی ابویعلیٰ نے اپنی کتاب المعتمد فی الاصــول میں صالح بن احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں نے اپنے والد سے ذکر کیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم یزید سے محبت کرتے ہیں۔آپ نے فرمایا بیٹا! بھلا جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہو، وہ یزید سے محبت کیسے رکھ سکتا ہے اور ایسے شخص پر کیوں نہ لعنت کی جائے جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔میں نے کہا ابا جان! اللہ نے اپنی کتاب میں یزید پر کہاں لعنت فرمائی ہے۔؟ فرمایا جہاں ارشاد ہے کہ ”پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو ملک میں فساد ڈالو اور قرابتیں قطع کردو، ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی، پھر کر دیا ان کو بہرا اور آنکھیں اندھی کردیں۔
>
> (سورۂ محمد: 47/22-23 بحوالہ تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ج:8،ص:434)

(7) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

یزید سے محبت نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ محبت خاص تو انبیاء، صدیقین وشہداو

صالحین سے رکھی جاتی ہے اور یزید کا شمار ان میں سے کسی زمرہ میں بھی نہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کا حشر ان ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے محبت ہوتی ہے اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند ہی نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں تھے۔ (فتاویٰ ج:4،ص:484)

فتاویٰ ابن تیمیہ ج:4،ص:487-488 پر امام لکھتے ہیں

> جب تاتاریوں نے دمشق پر قبضہ کرلیا ان کے مغل سردار بولائی نے مجھے اور دیگر علماء کو بلایا، میرے اور اس کے درمیان بات چیت ہوئی۔اس نے مجھ سے جو باتیں پوچھیں ان میں سے یہ بھی تھی کہ تم یزید کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا ہم نہ اس سے محبت کرتے ہیں نہ اس کو گالی دیتے ہیں۔کیونکہ نہ تو وہ نیک آدمی تھا کہ اس سے محبت کریں اور مسلمان کو ہم نام لے کر گالی بھی نہیں دیتے۔بولائی نے کہا تم اس پر لعنت کیوں نہیں کرتے؟ کیا وہ ظالم نہیں تھا؟ کیا اس نے امام حسین علیہ السلام کو قتل نہیں کیا؟ امام نے کہا جب ہم ظالموں کا ذکر کرتے ہیں تو حجاج اور اس جیسے سارے لوگوں پر مشترکہ لعنت کردیتے ہیں جیسا کہ قرآن نے کہا ظالموں پر اللہ کی لعنت اور نام لے کر ہم لعنت نہیں کرتے ہمارے علماء میں سے کئی نام لے کر بھی اس پر لعنت کرتے ہیں اور ان دونوں باتوں کی گنجائش ہے کہ نام لے کر لعنت کریں یا مشترکہ لعنت کریں۔رہے وہ لوگ جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا یا ان کے قتل میں مدد کی یا ان کے قتل پر راضی ہوئے ان پر اللہ، فرشتوں، اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ایسے لوگوں کا نہ اللہ فرض قبول کرے گا نہ نفل!

بولائی نے پوچھا تم اہل بیت سے محبت کیوں نہیں کرتے؟ میں نے جواب دیا کہ اہل

بیت کی محبت فرض اور واجب ہے اس پر اجر ملتا ہے کیونکہ صحیح مسلم میں زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے ثابت شدہ حدیث ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب حج سے لوٹے تو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک تالاب غدیر خم پر خطبہ دیا اور فرمایا لوگو! میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ایک قرآن اور دوسرا میرا خاندان ہے۔ پھر تین دفعہ فرمایا کہ میں اپنے اہل بیتؑ کے بارے میں تم کو اللہ کا خوف یاد دلاتا ہوں۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آلؑ کے بارے میں وصیت فرما گئے۔

''پھر میں نے بولائی سے کہا ہم اہل بیت سے محبت کیوں نہ کریں جبکہ ہم اپنی روزانہ کی نمازوں میں ان پر درود شریف پڑھتے ہیں۔ بولائی نے پوچھا، پھر جوان سے بغض رکھے اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا اس پر اللہ فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔ اللہ ان لوگوں کا نہ فرض قبول کرے گا نہ نفل۔''

امام لکھتے ہیں:

''میں نے وزیر سے پوچھا کہ یہ تاتاری اتنی کھود کرید کیوں کر رہا ہے؟ وزیر نے کہا بولائی کو بتایا گیا ہے کہ دمشق کے رہنے والے ناصبی ہیں۔ پھر میں نے اونچی آواز سے کہا جو یہ کہتا ہے کہ دمشق کے لوگ ناصبی ہیں۔ وہ جھوٹ بولتا ہے، جو یہ بات کہے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اللہ کی قسم! ہم اہل دمشق ناصبی نہیں ہیں، میں نے ان میں کوئی ناصبی نہیں دیکھا۔ یہاں اگر کوئی حضرت علی علیہ السلام کو برا کہے تو لوگ اس کو قتل کر دیں گے، ہاں! ایک وقت تھا جب ان علاقوں پر بنی امیہ حاکم تھے۔ وہ حضرت علی علیہ السلام کو برا کہتے تھے۔ آج ان میں سے کوئی نہیں رہا۔ اب یہاں سارے اہل بیت کے محب ہیں۔ یہ سارے یزید کو فاسق اور امام حسین علیہ السلام کو مظلوم مانتے ہیں۔''

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ ج:4،ص:511 پر لکھتے ہیں شہادت حسین علیہ السلام بڑی عظیم مصیبت ہے۔ امام منہاج السنہ ج:2،ص:288 پر لکھتے ہیں کہ

یزید کا حکم ماننا آئمہ مسلمین میں سے کسی کا عقیدہ نہیں۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ منہاج السنہ ج:4،ص:179 پر لکھتے ہیں کہ ناصبی جاہلوں کی ایک جماعت اس یزید کو صحابی خیال کرتی ہے اور بعض غالی ناصبی اس کو نبی بھی مانتے ہیں۔

(8) مولانا فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ اہل حدیث عالم

اب ایک اہل حدیث عالم کا نایاب حوالہ پیش خدمت ہے۔ ہندوستان کے برطانوی دور میں یمن سے ایک شافعی عالم آیا، جس نے امیر معاویہ کے خلاف ایک کتاب لکھی۔ تو اس کا جواب ایک اہل حدیث عالم مولانا فقیر اللہ نے لکھا۔ اس کتاب کا نام تھا **مُفسّق معاویه من الفرقة الغاویه**، (جس نے معاویہ کو فاسق کہا وہ گمراہ ٹولے میں سے ہے)۔ وہ کتاب امیر معاویہ کے دفاع میں لکھی گئی۔ اس کے ص:34 پر مولانا لکھتے ہیں کہ لوگ امیر معاویہ کے خلاف کیوں ہیں؟ ایک تو حضرت علی علیہ السلام سے جنگ لڑنے کی بنا پر جو صفین میں لڑی گئی۔ دوسری وجہ وہ قیامت اور بڑا سانحہ ہے جو امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہے۔ امام حسین کی شہادت کا سبب امیر معاویہ کا بیٹا تھا جو نیک نہیں تھا، جو راہ راست پر نہیں تھا، اس میں اہل بیت کی دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ زمین میں فساد برپا کرنے والا احمق یزید تھا۔ یہ وہی یزید ہے جس نے لوگوں کو گھبراہٹ میں ڈال دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے دل میں اس کی نفرت بیٹھ گئی اور قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو اس نے دکھ دیا۔ مسلمانوں کے دل محبت لے کر پیدا ہوئے ہیں، ان دلوں کو اس نے زخمی کر دیا۔ اور ساری کائنات کے سردارؐ کے جگر کا ٹکڑا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چومتے تھے اور خطبہ دیتے ہوئے منبر سے اتر کر حسن و حسین علیہما السلام کو اٹھا لیتے تھے اور فرماتے یہ دونوں میرے باغ کے پھول ہیں تو اس حسین علیہ السلام کو اس نے شہید کر کے مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کیا۔ وہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار تھے، ان کی شان بڑی اونچی تھی۔ اللہ نے ان کو شہادت کا مزہ چکھا کر شہیدوں کے مقام جنت میں پہنچا دیا اور یہ اللہ کی طرف سے طے شدہ بات تھی۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ اگر حسین علیہ السلام اللہ کے پیارے تھے تو اللہ نے ان کی مدد کیوں نہ

کی۔ اللہ چاہتا تھا کہ وہ ان کو جنت میں شہیدوں کا درجہ دے ورنہ وہ ہر طرح سے اللہ کی حفاظت میں تھے۔ جب انہوں نے مہندی سے داڑھی رنگی ہوئی تھی (یعنی بوڑھے تھے) تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف بلالیا اور مٹی میں ان کا جسم روندا گیا۔ یہ سب ان کے ساتھ اسی طرح پیش آیا جیسا کہ ان کے والد محترم ابوتراب علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ بھی ان کی طرح خدا کی بارگاہ میں سرخرو پہنچے۔

ان شریروں، پلیدوں اور ظالموں کیلئے تباہی اور ہلاکت ہو، جبکہ انہوں نے مومنوں کے محبوب کے ساتھ وہ کیا جو کافر بھی نہیں کرتے۔ اللہ ان کو رسوا کرے اور رسوا کرنے والا عذاب دے۔ ان وجوہات کی بناپر لوگ رنج میں آ گئے کہ امیر معاویہ یہ ولی عہدی والا کام نہ کرتے تو نوبت یہاں تک کیوں پہنچتی۔

آگے پھر مولانا امیر معاویہ کی صفائی پیش کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کافر تھا، حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے پہلا قتل کیا، کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اس طرح لکھ کر امیر معاویہ کی جان چھڑانے کی کوشش کی کہ ان کا کوئی قصور نہیں، بیٹے کا قصور ہے۔

یاد رکھیں! بیٹے کی صفائی کسی نے نہیں دی۔ یہ تھے ہمارے اہل حدیث علماء!

(9) مولانا عزیز الرحمٰن مفتی دار العلوم دیوبند کا فتویٰ

عزیز الفتاویٰ مجموعہ فتاویٰ (دار العلوم دیوبند) کی ج:1، ص:8 پر حکم لعنت بر یزید کے تحت لکھا ہے کہ ہمارے اہل سنت والجماعت کے نزدیک راجح یہی ہے کہ نہ اس کو کافر کہا جائے نہ اس پر لعنت کی جائے اگرچہ اسکے ظلم وجور و فسق و تعدّی میں کلام نہیں ہے۔

(10) علامہ صالح بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ مقبلی یمانی سلفی کو کیانی نزیل مکہ

وہ بہت بڑے مجتہد اور سلفی عالم تھے وہ اپنی کتاب العلم الشامخ میں ص:239 پر لکھتے ہیں:

''امام غزالی نے کچھ حیلے بہانے بنائے اور یزید کے بارے میں نرم رویہ

اختیار کیا۔ آگے لکھتے ہیں کہ یزید کی ان کرتوتوں کو جو معمولی ثابت کرنے کی کوشش کرے گا۔ وہ اللہ کے دربار سے دھتکارا ہوا ہوگا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہادت نصیب ہوگی۔ وہ یزید کے گناہوں میں شریک ہوگا جو اس نامراد نے ہلاکت والے کئے تھے۔''

پھر علامہ لکھتے ہیں۔

''ڈرجا، نہ زیادتی کر نہ کمی کر، مگر افراط وتفریط سے اس دور میں بچنا ایسے ہی ہے جیسے ہاتھ میں انگارہ پکڑنا کیونکہ ہمارے زمانہ میں جہالت بہت ہوگئی ہے۔''

غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ان کا حال حاطب للیل (رات کے اندھیرے میں ایندھن اکٹھا کرنے والا) کا سا ہے جس کو پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ میں لکڑی آ گئی ہے یا سانپ ہاتھ میں پکڑ لیا ہے۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **البدر الطالع** میں علامہ صالح بن مہدی مقبلی رحمۃ اللہ علیہ کے مجتہد ہونے کی تصریح کی ہے۔ علامہ مقبلی رحمۃ اللہ علیہ علم الشامخ ص:328 پر لکھتے ہیں:

''اور اس سے بھی عجیب شخص وہ ہے جو یزید مرتد کو اچھا بنا کر پیش کرتا ہے۔ (یہ یزید ہی تو ہے) جس نے بزرگان امت کے ساتھ ناگفتہ بہ معاملہ کیا۔ مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت کو خاک میں ملایا۔ سبط نبی علیہ السلام حضرت حسین علیہ السلام اور ان کے اہل بیتؑ کو شہید کیا اور ان کی بے عزتی کی اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ اگر دشمنان اسلام میں عیسائیوں کا بھی ان پر قابو چلتا تو شاید ان کا برتاؤ بھی ان حضرات کے ساتھ اس سے نرم ہوتا۔''

آگے لکھتے ہیں: ''یزید کی حرکت کو وہی معمولی سمجھے گا جو توفیق الٰہی سے محروم ہو اور جس کو شقاوت نے گھیر لیا ہو۔ اس طرح وہ بھی اس کے مہلک کرتوتوں میں اس کا شریک بن گیا۔ لہٰذا تمہیں افراط وتفریط سے بچنا چاہیے۔ لیکن اس

سلسلہ میں صبر سے کام لینا ایسا ہی ہے جیسے انگارے کو مٹھی میں پکڑنا خصوصاً جبکہ جہالت اُمڈی چلی آتی ہو جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامتی کے خواہاں میں۔آمین

اور فقہ کا نزالا مسئلہ جس کو ابن حجر ہیثمی نے اپنی کتاب الصوائق المحرقه میں بیان کیا ہے: کہ

''یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں اگر چہ بالا جماع ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جو شرابی ہو، قطع رحمی کا مرتکب ہو اور مدینہ کی حرمت پامال کرے اور جو حضرت حسین علیہ السلام کا قاتل ہو یا ان کے قتل کا حکم دے یا ان کے قتل سے راضی ہو لیکن خود یزید پر لعنت نہیں کر سکتے اگر چہ اس نے ان تمام امور کا ارتکاب کیا تھا اور وہ قطعاً فاسق تھا۔اور جیسا اس کہ ان کا قول ہے ایسا ہی ہم ان کی فقہ میں پاتے ہیں کہ کسی متعین شخص پر لعنت کرنا روا نہیں۔یہ ان کا کلیہ ہے۔تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ تمہاری فقہ میں تو قیاس الدلدلۃ کی بنا پر یوں ہونا چاہیے تھا کہ نہ کسی معین شرابی پر حد لگائی جاتی، نہ کسی معین زانی پر، اور اسی طرح تمام احکام شریعت میں بھی یہی ہونا چاہیے تھا کہ کیونکہ طریقہ تو ایک ہی ہے اور اس صورت میں تمہاری منطق بھی ہوا میں اڑ گئی کیونکہ تم تو منطق کی شکل اوّل کی بھی جو بدیہی لانتاج ہے، مخالفت کر رہے ہو۔لہٰذا اب اس کے بعد اور کون سی دلیل تمہارے سامنے ٹھہر سکتی ہے۔کیونکہ قیاس کی شکل اوّل کی صورت یہ ہے کہ

(1) یہ یزید ہے جس نے شراب پی

(2) شراب پینے والا ملعون ہے

(3) لہٰذا یزید ملعون ہے۔

ہاں اگر یہ حضرات یوں کہتے کہ لعنت کرنے سے اس لئے بچنا چاہیے کہ

ارشاد نبوی ہے ''مومن لعنت کا ڈھیر نہیں لگایا کرتا۔'' تو بے شک اس صورت میں اہل تقویٰ کیلئے اس سے بچنے کی گنجائش ہوتی۔''

(11) حافظ محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہ

اہل حدیث عالم مولانا معین الدین لکھوی رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا مشہور اہل حدیث عالم حافظ محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے سات جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر پنجابی زبان میں تفسیر محمدی کے نام سے لکھی ہے، ان کی دوسری کتاب زینت الاسلام ہے۔جس کے دو حصے میں، پہلا شرک کے ردّ میں اور دوسرا بدعت کے ردّ میں ہے۔حافظ صاحب ''زینت الاسلام'' کے دوسرے حصہ میں ص:61 پر موسیقی کے ردّ میں لکھتے ہیں۔

جے سند یزید پلیدوں پکڑو اُس قوّال ہزاراں
یاں اس جیہاں ہور خلیفیاں کولوں، رل سوسنگ شراراں

یعنی اگر تم یزید پلید کو بطور سند پیش کرو کہ اس کے پاس ہزاروں گویّے تھے۔یا اس جیسے اور حکمرانوں کا نام بطور مثال پیش کرو تو تم برے لوگوں کے ساتھ رہو گے۔

(12) امام ابو عبد اللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

''بنو امیہ کے بادشاہوں سے جو کچھ صادر ہوا از قسم فساد، اہل بیتؑ سے جنگ، مہاجر و انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدینہ کے واقعہ حرّہ میں قتل کرنا اور مکہ میں قتل کرنا، وہ کوئی چھپا ہوا فعل نہیں ہے۔اور جو کچھ حجاج، عبد الملک اور اس کی اولاد نے حجاز و عراق میں لوگوں کے خون بہائے اور مال تباہ کئے وہ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ بنو امیہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کا خیال رکھنے کی وصیت کی مکمل مخالفت کی اور ان کی مکمل نافرمانی کی۔اہل بیت کا خون بہایا اور ان کے مال لوٹ لیے، عورتیں اور بچے قید کر لیے، ان کے مکان گرا دیئے، ان کی شان کے منکر ہو گئے، ان پر لعنت کرنا اور گالیاں دینا دین بنا لیا اور وصیت نبوی کے بالکل الٹ کیا اور جو امید رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھی اس کے خلاف کیا۔جب بنو امیہ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کھڑے ہوں گے، تو ان کی شرمندگی کا اندازہ

کون کر سکتا ہے؟ یہ حضور ﷺ سے کہہ رہے ہوں گے کہ ہماری سفارش فرمائیں مگر لیکن منہ سے کہیں گے؟ اس عظیم دن ان کی رسوائی و ذلت کا کیا حال ہوگا! **حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

امام لکھتے ہیں کہ حدیث میں بتائے گئے چھوکروں سے مراد یزید اور ابن زیاد ہیں۔

(مختصر تذکرہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ، از امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ ص: 119)

(13) علامہ محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ (صاحب روح المعانی)

ان کی یزید کے بارے میں رائے خانہ کعبہ پر حملہ کے ذیل میں پچھلے صفحات پر ملاحظہ ہو۔

(14) امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی تفسیر مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) میں سورہ کوثر کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''کوثر (بہت کثرت) کا ایک معنیٰ نسل کی کثرت بھی ہے۔ یہ بات اس لیے بھی مناسب ہے کہ عاص بن وائل نے حضور ﷺ کے لختِ جگر قاسم علیہ السلام کی وفات پر یہ طعنہ دیا تھا کہ آپ ﷺ اس دنیا سے ابتر جائیں گے (نعوذ باللہ) اس کافر کے طعنے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ ﷺ کو بے اندازہ اولا دیں گے جو زمانے گزرنے پر بھی ختم نہ ہوگی۔ دیکھ کتنے ہی سید قتل کر دیئے گئے، پھر دیکھ کہ دنیا اب بھی سیدوں سے بھری پڑی ہے۔ جبکہ بنی امیہ میں سے ایک بھی ایسا نہ رہا جس کی لوگ عزت کرتے ہوں۔ پھر دیکھ اولادِ رسول ﷺ میں کتنے عالم ہوئے ہیں، باقرؓ جیسے، صادقؓ، کاظمؓ اور رضاؓ جیسے اور نفسِ زکیہؓ اور ان کی مثل دوسرے۔

(القول الثالث، ج:32،ص:124)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:256 پر لکھتے ہیں:

''یزید کے 15 بیٹے اور 5 بیٹیاں تھیں۔ ان کے نام لکھ کر امام کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کی اولاد بھی دنیا میں نہیں رہی۔ اس کو خدا نے ابتر کر دیا۔''

(15) امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ

کاش امیر معاویہ یزید کو ولی عہد نہ بناتے (سیر اعلام النبلاء ج:4،ص:79)

آپ فرماتے ہیں:

''یزید عادل نہیں تھا۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس کے روایت لی جائے۔''

(میزان الاعتدال ج:4،ص: 440 نمبر 975)

یزید پکا ناصبی تھا۔ سنگدل، بدزبان، غلیظ، جفاکار، مے نوش، بدکار جس نے اپنی حکومت کا افتتاح حسین علیہ السلام کے قتل سے کیا اور اختتام واقعہ حرہ پر، اسی لیے اس پر لوگوں نے اس پر لعنت بھیجی اور اس کی عمر میں برکت نہ ہوسکی۔ حضرت حسین علیہ السلام کے بعد بہت سے حضرت نے اس کی خلاف خروج کیا جیسے اہل مدینہ نے یزید نے مسلم بن عقبہ کو کہہ کر کہ وہ تین دن تک مدینہ نبوی میں قتل و غارت گری جاری رکھے بڑی خطاء فاحش کی۔ یہ بڑی سخت اور فاش غلطی اور اس کے ساتھ صحابی اور صحابی زادوں کا قتل عام بھی شامل ہوگیا۔ اور پہلے گزر چکا کہ حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب ابن زیاد کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے۔ مدینہ نبوی میں ان تین دنوں میں وہ مفاسد عظیم واقع ہوئے جو حد و حساب سے باہر ہیں اور بیان نہیں کئے جاسکتے۔ بس اللہ عزوجل ہی کو ان کا علم ہے۔ یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر چاہا تھا کہ اس کی سلطنت و اقتدار کی جڑیں مضبوط ہوں اور اس کے ایام حکمرانی کو بلانزاع دوام حاصل ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف مراد اس کی سزا دی اور اس کے اور اس کی خواہش کے درمیان حائل ہوگیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جو سب ظالموں کی کمر توڑ دیتا ہے اس کی کمر بھی توڑ کر رکھ دی اور اسے اسی طرح پکڑا جس طرح وہ عزیز و

مقتدر کو پکڑا کرتا ہے۔ اللہ اہل مدینہ سے راضی ہو۔

(سیر اعلام النبلاء ج:4، ص:318 بحوالہ روض الباسم ج:2، ص:36 بحوالہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ)

(16) امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ

جو لوگ یزید جیسے فاسق اور شرابی کو امیر المومنین اور امام حسین علیہ السلام کو باغی کہتے ہیں، ان پر اللہ کی لعنت ہو۔ (نیل الاوطار ج:7، ص:186)

(17) امام سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے حوالہ سے لکھتے ہیں

"یزید پر اللہ کی لعنت ہو، وہ امام حسین علیہ السلام کے قتل پر خوش ہوا اور مکہ و مدینہ کو تاراج کیا"

(ارشاد الساری شرح بخاری کتاب الجهاد والسیر ج:5، ص:104-105)

"یزید اور اس کے ساتھیوں پر لعنت ہو۔" (شرح عقائد نسفیہ، ص: 174)

(18) امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے البدایہ والنہایہ ج:8، ص:223 میں جہاں واقعہ حرہ کا ذکر آیا، ان حدیثوں کا ذکر کیا جن میں یہ مضمون آتا ہے:

"ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اہل مدینہ کو ظلماً خوف میں مبتلا کریں۔"

وہاں ان کو بیان کر کے لکھتے ہیں:

"اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے ان حضرات نے استدلال کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یزید بن معاویہ پر لعنت کرنے کی اجازت ہے۔ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے اور اسی کو حلال، ابو بکر عبد العزیز، قاضی ابو یعلیٰ اور ان کے صاحب زادے قاضی ابو الحسین نے اختیار کیا ہے اور حافظ ابو الفرج ابن

جوزی نے ایک مستقل تصنیف اس بارے میں لکھ کر اسی روایت کی تائید کی ہے اور یزید پر لعنت کرنے کو جائز بتایا ہے۔"

آپ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث نبوی لکھ کر کہ 60ھ میں ایسے ناخلف ہوں گے جو نمازیں چھوڑیں گے اور خواہشات کی پیروی کریں گے۔ (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:249)

اور عنقریب غیّ جہنم (دوزخ کی بدترین وادی) میں داخل ہوں گے میں (ابن کثیر) کہتا ہوں یزید پر سب سے زیادہ شراب نوشی اور بعض فواحش کا الزام لگایا گیا ہے۔

سورۂ ھود: 102/11 میں فرمایا گیا کہ تمہارا رب جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے، بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور سخت ہے۔

(19) امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

"اللہ تعالیٰ قاتل حسین علیہ السلام پر لعنت کرے اور اس کے ساتھ ابن زیاد اور یزید پر بھی لعنت کرے۔" (تاریخ الخلفاء ص:257)

"یزید امام حسین علیہ السلام کا سر دیکھ کر اوّل تو بہت خوش ہوا پھر مسلمانوں کے اس فعل کو برا سمجھنے کے بعد اظہار ندامت کیا۔" (تاریخ الخلفاء ص: 260 اردو)

(20) امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ ظاہری

صحابہ و تابعین میں سے جن حضرات نے یزید، ولید، سلیمان کی بیعت سے انکار کیا وہ صرف اس بنا پر تھا کہ یہ ناپسندیدہ لوگ تھے۔

(الفصل ج:4، ص:169)

امام حسین علیہ السلام کی رائے میں یزید کی بیعت، بیعت ضلالت تھی۔

(الفصل ج:4، ص:105)

امام نے کتاب جمہرہ انساب العرب ص:112 اور اسماء الخلفاء والولاۃ و ذکر مدد ھم ص:357-358 ملحقہ جوامع السیرۃ میں یزید کے جرائم گنائے ہیں۔

(21) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

یزید بدنصیب فاسقوں کے گروہ میں شامل تھا۔

(مکتوب نمبر 251، دفتر اوّل حصہ چہارم، ص:60)

یزید پر لعنت کرنے سے توقف کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مستحق لعنت نہ تھا۔ ارشاد باری ہے۔ ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا و آخرت میں لعنت کی۔

(22) علامہ بحر العلوم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

یزید فاسقوں میں خبیث ترین شخص تھا اور منصب خلافت سے کوسوں دور تھا بلکہ اس کے تو ایمان میں بھی شک ہے اللہ اس کا بھلا نہ کرے اور جو طرح طرح کی خبیث حرکتیں اس نے کیں، جانی پہچانی ہیں۔

(فواتح الرحموت، ج:2، ص:223)

(24) علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی کتاب هدية المهدى علیہ السلام میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کی یزید پر لعنت ہو۔ آگے لکھتے ہیں جو حضرت امام علیہ السلام کو باغی کہتا ہے وہ خطائے فاحش کرتا ہے۔

بخاری کتاب النکاح باب ذب الرجل عن ابنته فی الغیرة و الانصاف کی ایک حدیث جس میں حضرت علی علیہ السلام کا ابوجہل کی مسلمان ہونے والا بیٹی سے نکاح کا معاملہ بیان ہوا ہے اور یہ کہ فاطمہ علیہا السلام میرے دل کا ٹکڑا ہے اور جو اس کو دکھ دیتا ہے وہ مجھے دکھ دیتا ہے کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں:

''حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب حضرت فاطمہ علیہا السلام کو ایذا دینا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینا ٹھہرا تو اب خیال کر لینا چاہیے کہ جن لوگوں نے امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا اور

امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا یا ان کی شہادت کا باعث ہوئے، ان کا گناہ کیسا سخت ہوگا۔ دنیا میں ان کو سزا ملی اور آخرت میں بڑا سخت عذاب ہونے والا ہے۔ میں کہتا ہوں اس حدیث صحیحہ سے یزید پلید اور اس کے اعوان و انصار کا موذی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا ثابت ہے۔ کیونکہ امام حسن اور حسین علیہ السلام کے قتل سے زیادہ اور کوئی ایذا حضرت فاطمہ علیہا السلام کی نہیں ہو سکتی اور اس آیت ''**ان الذین یوذون اللہ ورسوله لعنهم الله فی الدنیا ولآخره اعدلهم عذابا مهینا**'' سے اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کو ایذا دینے والوں پر لعنت کرنا جائز نکلتا ہے۔ لہٰذا یزید پلید اور ابن زیاد بدنہاد اور عمر بن سعد شقی اور شمر لعین اور سنان بن انس نخعی اور خولی وغیرہ قاتلین حسین علیہ السلام کے ملعون ہونے میں کیا شک ہے اور تعجب ہے ان علماء سے جنہوں نے ایسے ظالموں بدکاروں پر لعنت کو ناجائز قرار دے دیا۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ سے تو بہت تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے احیاء العلوم میں یزید پلید کے باعثِ قتل امام حسین علیہ السلام ہونے کا انکار کیا حالانکہ متواتر نقلوں سے ثابت ہے کہ یزید ہی نے ابن زیاد کو حکم دیا تھا کہ یا امام حسین علیہ السلام سے بیعت لو یا ان کو قید کر کے میرے سامنے لاؤ یا قتل کر دو اور جب سر مبارک امام حسین علیہ السلام کا اس کے سامنے لایا گیا تو مردود نے خوشی کی اور آپ کے منہ پر چھڑی ماری اہل بیت رسالت کی بے حرمتی کی **لعنة الله علیه وعلىٰ اعوانه و انصاره الی یوم القیامة و اعدله عذابا عظیما۔**''

(بخاری مترجم ج:7، ص:145)

بخاری ج:5، ص:257 پر ایک حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ سر امام حسین علیہ السلام دیکھ کر کہا یہ بدر کے مقتولوں کا بدلہ ہے۔

(25) مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی

آپ شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ یزید فاسق تھا اور اس نے ڈھٹائی کے ساتھ گناہ کے کام کیئے۔

(فتح الملہم، ج:3، ص:503)

(26) مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بے مثل مناظر اور مشہور اہل حدیث عالم حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام کا خروج بالکل جائز تھا۔ کیونکہ انہوں نے فاسق مجاہر (اعلانیہ بدکار) یزید کے خلاف خروج کیا تھا۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج:2،ص:622)

(27) امام صدر الاسلام ابو الیسر بزدوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ لکھتے ہیں: ''رہا یزید بن معاویہ وہ ظالم تھا لیکن آیا کافر بھی تھا یا نہیں، اس بارے میں علماء میں گفتگو ہے۔ بعض اس کو کافر بتاتے ہیں کیونکہ اس کے بارے میں وہ باتیں کہی جاتی ہیں جو کفر کا سبب بن سکتی ہیں اور بعض اس کی تکفیر نہیں کرتے کہ یہ باتیں صحیح نہیں اور کسی کو اس کا حال معلوم کرنے کی ضرورت بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے مستغنی فرما دیا۔

(اصول الدین، ص:198)

(28) ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

آپ لکھتے ہیں کہ اس کو (یزید کو) مسلمان کہنے کے باوجود (یہ حقیقت ہے کہ) وہ فاسق تھا، شریر تھا، نشہ کا متوالا تھا، ظالم تھا۔ (الصواعق المحرقہ، ص:132)

(29) خواجہ محمد پارسا محدث نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

فصل الخطاب میں آپ فرماتے ہیں:

''حق تعالیٰ نے یزید اور اس کی نسل سے ایک شخص کو بھی تو باقی نہ چھوڑا کہ جو گھر آباد رکھے اور اس میں دیا جلا سکے (نہ کوئی نام لیوا رہا نہ کوئی پانی دیوا) اور اللہ تعالیٰ سب سے سچا ہے کہ جس نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود فرمایا تھا کہ بے شک تیرا دشمن ہی ابتر ہو گا۔''

(بحوالہ الفرع النامی من الاصل السامی نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ ص:57)

(30) علامہ عبد الحئی بن عماد حنبلی رحمۃ اللہ علیہ

آپ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے مخالفین سے قتال کرنے میں حق پر تھے کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے۔ نیز اس پر بھی اتفاق منقول ہے کہ حضرت حسین علیہ السلام کا خروج یزید کے خلاف، ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور اہل حرمین کا بنی امیہ کے خلاف، اور ابن لاشعث اور ان کے ساتھ کبار تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور بزرگان مسلمین رحمۃ اللہ علیہ کا خروج حجاج کے خلاف مستحسن تھا۔ پھر جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ یزید اور حجاج جیسے (ظالم و فاسق) حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا جائز ہے اور بعض حضرات کا مذہب تو یہ ہے کہ ہر ظالم کے خلاف خروج کیا جا سکتا ہے۔

(شذرات الذہب ج:1،ص:68)

(31) نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ

اہل حدیث حضرات کے امام حضرت نواب سید صدیق حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ نے عقائد نسفیہ کی شرح بغیۃ الرائد شرح العقائد کے نام سے لکھی ہے۔ اہل حدیث حضرات کو یزید کے بارے میں کیا عقیدہ رکھنا چاہیے، اس کو نواب صاحب نے یوں بیان کیا

''بعض لوگ یزید کے بارے میں غلو و افراط کا راستہ اختیار کر کے کہتے ہیں کہ اس کو تو مسلمانوں نے بالاتفاق امیر بنایا تھا لہٰذا اس کی اطاعت حضرت حسین علیہ السلام پر واجب تھی۔ اس بات کے زبان سے نکالنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے اللہ کی پناہ کہ وہ (یزید) امام حسین علیہ السلام کے ہوتے ہوئے امام اور امیر ہو اور مسلمانوں کا اتفاق کیسا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اور انکی اولاد جو اس پلید کے زمانہ میں تھی، ان سب نے انکار کیا، اور اس کی اطاعت سے باہر ہو گئے۔ اور اہل مدینہ کے بعض حضرات کو جب اس کے حال کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کی بیعت توڑ ڈالی، وہ تارک صلوٰۃ، شراب خور، زانی،

فاسق اور محرمات کا حلال کرنے والا تھا۔ اور بعض علماء جیسے کہ امام احمد اور ان جیسے دوسرے بزرگ ہیں اس پر لعنت کو روا رکھتے ہیں۔ حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے سلف سے اس پر لعنت کرنے کو نقل کیا ہے۔ کیونکہ جس وقت اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا، وہ کافر ہو گیا اور جس نے حضرت ممدوح کو قتل کیا یا آپ کے قتل کا حکم دیا اس پر لعنت کے جواز پر اتفاق ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ قتل حسین علیہ السلام پر یزید کی رضا مندی اور اس پر اس کا خوش ہونا اور اہل بیت نبوی علیہ السلام کی توہین کرنا، یہ متواتر المعنیٰ ہے گو اس کی تفصیلات کا ثبوت اخبار احاد سے ہو۔ لہٰذا ہم اس کے بارے میں تو کیا اس کے ایمان کے بارے میں بھی توقف سے کام نہیں لیتے۔ اللہ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس کے مددگاروں پر بھی۔

بہر حال، وہ اکثر لوگوں کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ قابل نفرت ہے اور جو برے کام اس منحوس نے اس امت کے اندر کئے ہیں وہ ہرگز کسی کے ہاتھوں نہیں ہو سکتے۔

امام حسین علیہ السلام کے قتل کے بعد اس نے مدینہ منورہ اجاڑنے کیلئے لشکر بھیجا اور جو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہ وہاں باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر حرم مکہ کی عزت پامال کرنے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے کے درپے ہو گیا۔ اور اسی ناپسندیدہ حالت میں دنیا سے چل بسا۔ اب اس کے توبہ کرنے اور باز آنے کا احتمال ہی کہاں رہا۔''

(بغیة الرائد فی شرح العقائد ص:63، طبع مطبع علوی لکھنو)

(32) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ تکمیل الایمان میں لکھتے ہیں:

''مختصر یہ کہ وہ ہمارے نزدیک تمام انسانوں میں مبغوض ترین ہے۔ جو کام

کہ اس بدبخت منحوس نے اس امت میں کئے ہیں کسی نے نہیں کئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے اور اہل بیت کی توہین کرنے کے بعد اس نے مدینہ پاک کو تباہ و برباد کرنے اور اہل مدینہ کو قتل کرنے کے لئے لشکر بھیجا اور جو صحابہ و تابعین وہاں باقی رہ گئے تھے، ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور مدینہ کو برباد کرنے کے بعد مکہ معظمہ کو منہدم کرنے اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا۔ پھر اس دوران جبکہ مکہ محاصرہ کی حالت میں تھا، دنیا سے جہنم چلا گیا۔ باقی رہا یہ احتمال کہ شاید اس نے توبہ و رجوع کر لیا ہو، یہ خدا جانے حق تعالیٰ ہمارے اور سب مسلمانوں کے دلوں کو اس کی اور اسکے ساتھیوں کی محبت اور دوستی بلکہ ہر اس شخص کی محبت اور دوستی سے جس کا برتاؤ اہل بیت نبوی سے بُرا رہا یا جس نے بھی ان کے حق میں برا سوچا، ان کے حق کو پامال کیا اور جس کو بھی ان کے ساتھ صدق عقیدت نہیں ہے یا نہیں تھی، ان سب کی محبت اور دوستی سے محفوظ رکھے اور ہمارا اور ہم سے محبت رکھنے والوں کا ان حضرات کے محبین میں حشر فرمائے اور دنیا و آخرت میں ان ہی حضراتؑ کے دین و مذہب پر رکھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی اولاد امجاد کے طفیل اپنے فضل و کرم سے ہماری یہ دعا قبول فرمائے بیشک اللہ تعالیٰ قریب ہے اور دعائیں قبول کرنے والا ہے۔ آمین۔'' (ص:70-71)

(33) یزید اور ابن عباس رضی اللہ عنہ

یزید نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے ملحد ابن زبیر رضی اللہ عنہ (محبان صحابہ ان الفاظ پر غور فرمائیں) نے آپ کو اپنی بیعت کیلئے کہا تھا اور آپ ہماری وفاداری پر مستقیم رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ جیسے رشتہ دار کو بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے جو وہ ان حضرات کو عطا کرتا ہے جو صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں۔ سو اب میں اور کچھ بھولوں تو

بھولوں، لیکن آپ کے احسان کو نہیں بھولوں گا اور نہ آپ کی خدمت میں ایسے صلے کی روانگی کو جو آپ کے شایان شان ہو۔ اب آپ زرا اتنا خیال اور رکھیں کہ جو بھی بیرونی آدمی آپ کی خدمت میں آئے جسے ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے چرب زبانی سے متاثر کر لیا ہو تو آپ اسے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے حال سے آگاہ فرمائیں۔ اس حرم کعبہ کی حرمت حلال کرنے والے کی نسبت لوگ آپ کی بات زیادہ سنتے اور مانتے ہیں۔ (الکامل ابن اثیر ج:4،ص:50)

اس خط میں یزید نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو ملحد اور حرم کی حرمت کو حلال کرنے والا کہا اور رشوت کی پیش کش کی جو اس کا خاندانی پیشہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواباً یزید کو سرزنش نامہ تحریر کیا وہ یہ ہے۔

”تمہارا خط ملا۔ میں نے جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ میں تم سے حسن سلوک اور تعریف نہیں چاہتا۔ بلکہ جس نیت سے میں نے کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور تمہیں جو یہ زعم ہے کہ میرے حسن سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو اے انسان اپنے حسن سلوک کو اپنے پاس رکھ، کیونکہ میں حسن سلوک کو تم سے اٹھا رکھوں گا۔ اور تم نے یہ جو مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری محبت پیدا کروں اور ابن زبیر سے نفرت دلاؤں اور بے یار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ کروں، تو ایسا بالکل نہیں ہو سکتا، نہ تمہاری خوشی ہمیں منظور ہے اور نہ تمہارا اعزاز، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے حالانکہ تم نے حسین علیہ السلام کو اور ان جوانانؑ عبدالمطلبؑ کو قتل کیا جو ہدایت کے چراغ اور ناموروں میں ستارے تھے۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو خون میں لت پت ایک کھلے میدان میں اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے بدن پر جو کچھ تھا، وہ چھینا جا چکا تھا۔ پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا اور بغیر کفن کے بے سہارا پڑا رہنے دیا گیا۔ ہوائیں ان پر خاک ڈالتی

رہیں اور بھوکے، بجو باری باری ان کی لاشوں پر آتے جاتے رہے، پھر حق تعالیٰ نے ان کیلئے ایسے لوگوں کو بھیجا جن کے ہاتھ ان کے خون سے رنگین نہ تھے۔ ان لوگوں نے آ کر ان کو کفن دیا اور دفن کیا۔ حالانکہ بخدا ان ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی ہے اور اس جگہ بیٹھنا نصیب ہوا جہاں تو اب بیٹھا ہوا ہے۔ میں چاہے سب باتیں بھول جاؤں مگر اس بات کو نہیں بھول سکتا کہ تو نے ہی مجبور کر کے حسین علیہ السلام کو مدینہ سے مکہ پہنچایا۔ اور پھر تو اپنے سواروں کو مسلسل ان کے پاس بھیجتا رہا اور لگاتار بھیجتا رہا حتی کہ ان کو عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا۔ چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس حال میں نکلے کہ ان کو دھڑکا لگا ہوا تھا اور پھر تیرے سواروں نے ان کو جا لیا یہ سب کچھ تو نے خدا، رسول اور اہل بیت کی دشمنی میں کیا کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے نجاست دور کر کے ان کو خوب پاک صاف کر دیا تھا۔ حسین علیہ السلام نے تمہارے سامنے صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ وہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کو ختم کیا جا سکتا ہے، موقع کو غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف باہم تعاون کر کے (پئے قتلم بہم گردیدے بے دینے بہ بے دینے) ان پر اس طرح ٹوٹ پڑے کہ گویا تم مشرکوں یا کافروں کے خاندان کو قتل کر رہے ہو۔ لہٰذا میرے نزدیک اب اس سے زیادہ اور کیا تعجب کی بات ہوگی کہ تو میری دوستی کا طالب ہے، حالانکہ تو میرے دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا۔ اب تو تو میرے انتقام کا ہدف ہے اور اس خیال میں نہ رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پا لی ہے، ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے۔ والسلام

(الکامل ابن اثیر ج:4،ص:50-51)

(34) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور شمس الاسلام امام ابو الحسن علی بن محمد عماد الدین کیاّ ہراسی (شافعی) رحمۃ اللہ علیہ

آپ امام غزالی کے استاد بھائی تھے۔ ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں ج:1، ص:327 پر ان کا فتویٰ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

"یزید صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں پیدا ہوا۔ رہا سلف کا قول اس پر لعنت کے بارے میں تو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک میں اس کے ملعون ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے میں تصریح ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس کے بارے میں دو قول ہیں، ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ ہے اور دوسرے میں تصریح ہے۔ اور ہمارا تو بس ایک ہی قول ہے جس میں اس پر لعنت کی تصریح ہے، اشارہ کنایہ کی بات نہیں۔"

(35) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ صاحب کے شاگرد مولانا سلامت اللہ کشفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تحریر الشہادتین ص:96-97 پر اپنا اور اپنے استاد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف لکھتے ہیں کہ

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یزید پلید ہی حضرت حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دینے والا اور اس پر راضی و خوش تھا اور یہی جمہور اہل سنت و جماعت کا پسندیدہ مذہب ہے۔ چنانچہ معتمد علیہ کتابوں میں کہ جیسے مرزا محمد بدخشی کی مفتاح النجاۃ اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین دولت آبادی کی مناقب السادات اور ملا سعد الدین تفتازانی کی شرح عقائد نسفیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تکمیل الایمان اور ان کے علاوہ دوسری معتبر کتابوں میں مع دلائل و شواہد مذکور و مرقوم ہے اور اس لیے اس ملعون پر لعنت کے روا ہونے کو قطعی دلائل اور روشن براہین سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور ہمارے اساتذہ

صوری و معنوی نے جس مسلک کو اختیار کیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ یزید ہی قتل حسین علیہ السلام کا حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش تھا۔ اور وہ لعنت ابدی و نکال سرمدی کا مستحق ہے۔ اور اگر سوچا جائے تو اس ملعون کے حق میں صرف لعنت پر ہی اکتفا کرنا بھی ایسی کوتاہی ہے کہ اس پر بس نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ استاد البریہ صاحب تحفہ اثناء عشریہ نے رسالہ حسن العقیدہ کے حاشیہ میں جملہ "علیہ مایستحقہ" پر جو نوٹ لکھا ہے اس میں افادہ فرماتے ہیں کہ علیہ مایستحقہ، لعنت سے کنایہ ہے اور یہ بات کہ کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے، عربیت کا مشہور قاعدہ ہے۔ اسی کے ساتھ مایستحقہ یعنی جس کا وہ مستحق ہے کے ابہام میں اس پر تشنیع اور اسکی حد درجہ خرابی جو پنہاں ہے وہ صراحتاً لعنت کے لفظ کے استعمال سے فوت ہو جاتی ہے چنانچہ آیت فغشیھم من الیم مَا غشیھم کی تفسیر میں اس کا بیان آتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ یزید کے حق میں محض لعنت پر اکتفا کرنا کوتاہی ہے، اس لیے کہ اس قدر تو مطلق مومن کے قتل کی سزا مقرر کر چکے ہیں ارشاد باری تعالیٰ "اور جو کوئی قتل کرے مسلمان کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ پڑا رہے گا، اور اللہ کا اس پر غضب ہے اور اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار ہے۔" (سورۂ نساء:4/93)

اور یزید نے تو اس عمل کے ارتکاب میں وہ زیادتی کی ہے جو دوسرے کو میسر ہی نہیں ہو سکی اس لیے اس زیادتی کو بجز اس کے استحقاق کے اور کسی امر پر حوالہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ انسان کا علم اس کے خصوصی استحقاق کی معرفت سے عاجز ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم انتھیٰ) یہاں حضرت شاہ صاحب کا ارشاد ختم ہوا

حضرت شاہ صاحب تحفہ اثناء عشریہ ص:55 پر لکھتے ہیں:

’’اور بعض انبیاء اور انبیاء زادوں تک کو قتل کر دیتے ہیں جیسے کہ یزید اور اس کے معنوی بھائی ہوئے ہیں۔ آپ ص:11 پر لکھتے ہیں کہ اشقیائے شام و عراق نے موافق کہنے یزید پلید اور تحریص رئیس اہل بغض و فساد ابن زیاد کے امام ہمام کو کربلا میں شہید کیا۔‘‘

(36) مولانا غلام ربانی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی کتاب ازالۃ الخطاء فی ردّ کشف الغطاء ص:45-46 پر لکھتے ہیں:

’’اور ظاہر ہے کہ لعن طعن کرنے سے اس کے وبال میں کمی آتی ہے جس کے بارے میں لعن طعن کیا جاتا ہے لہٰذا زبان کو لعنت سے آلودہ نہیں کرتے اور تخفیف عذاب کے سبب یزید پلید کی روح کو شاد نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ وہ اسی طرح گناہ کا بھاری بوجھ لادے لادے ہی کمر شکستہ رہے۔‘‘

(37) امام ابوبکر جصّاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ نے اپنی تفسیر احکام القرآن ج:3، ص:47 پر یزید کو لعین لکھا ہے۔ آپ کا شمار مجتہدین فقہاء حنفیہ میں ہے۔

(38) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

یزید پر لعنت کے سلسلہ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی جو رائے ہے وہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو کتاب مطالب المومنین میں منقول ہے۔

(زجر الشبان و الشیبه عن ارتکاب الغیبه، ص:20 مولانا عبدالحئی فرنگی محلی)

اسی طرح گناہ کبیرہ کے مرتکب کو لعنت کی بددعا دینے یا بربادی و ہلاکت کی دعا کرنے والا بھی گنا گار نہیں ہوگا۔ (کتاب العالم و لمتعلم ص:17) از امام ابوحنیفہ

(39) امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری رحمۃ اللہ علیہ حنفی

آپ بخارا کے اکابر علمائے حنفیہ میں سے تھے، 542ھ میں وفات پائی آپ اپنی

کتاب خلاصۃ الفتاویٰ ج:4، ص:390 پر لکھتے ہیں:

’’میں نے شیخ امام زاہد قوام الدین صفاری رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے، وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے۔ فرماتے تھے کہ یزید پر لعنت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔‘‘

امام صفاری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف علامہ کفوی نے ان لفظوں میں کرایا ہے۔

’’شیخ الاسلام امام الآئمہ اپنے زمانہ میں اصول و فروع سے متعلق دینی علوم میں یکتا اور مجتہد عصر تھے۔ ان کے والد ماجد رکن الاسلام ابراہیم بن اسماعیل زاہد صفار رحمۃ اللہ علیہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں۔ ان کے بارے میں میں حافظ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الانساب میں نسبت صفار کے تحت لکھا ہے ’’کان اماماً ورعاً زاھداً‘‘ فقہ میں امامت کے ساتھ ساتھ بڑے پایہ کے محدث بھی تھے۔ قاضی خاں رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں۔ نسلاً انصاری وائلی ہیں۔ ان کا پورا خاندان اہل علم و فضل کا خاندان ہے۔‘‘

(الفوائد البهیه فی طبقات الحنفیه مولانا عبدالحئی لکھنوی فرنگی محلی)

(40) امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب الدین المعروف بابن البزاز کردی حنفی متوفیٰ 827ھ

آپ فتاویٰ بزازیہ حاشیہ فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری) میں لکھتے ہیں:

’’حق یہ ہے کہ یزید پر اس کے کفر کی شہرت نیز اس کی گھناؤنی شرارت کی متواتر خبروں کی بنا پر جس کی تفصیلات معلوم ہیں، لعنت ہی کی جائے گی۔‘‘

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید کا صالح و متقی ہونا تو کجا اس کی جو حیثیت علماء کی نظر میں ہے وہ اس سے زیادہ نہیں کہ ان میں باہم اس امر پر اختلاف ہے کہ اس کی موت اسلام پر ہوئی یا کفر پر اور آیا اس پر لعنت کی جا سکتی ہے یا نہیں، بس اتنی سی بات ہی یزید کی شخصیت کا اندازہ لگانے کیلئے کافی ہے۔

(41) معاویہ بن یزید بن معاویہ۔ سب سے اہم گواہ

یزید کا یہ سعادت مند بیٹا جب باپ کے مرنے کے بعد حکمران بنا تو اس نے برسرِ منبر اپنے باپ کے بارے میں یہ اظہار خیال کیا۔

''میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے سے جنگ کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہوگئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں کا بوجھ لے کر دفن ہوگیا۔ یہ کہہ معاویہ بن یزید رونے لگے۔ پھر کہنے لگے جو بات ہم پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہی کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت ہمیں معلوم ہے۔ (اور کیوں نہ ہو جبکہ اس نے واقعی عترت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا، شراب کو مباح کیا، بیت اللہ کو برباد کیا، اور میں نے خلافت کی حلاوت چکھی ہی نہیں تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟ اس لیے اب تم جانو اور تمہارا کام خدا کی قسم! اگر دنیا خیر ہے تو ہم اس کا بڑا حصہ حاصل کر چکے اور اگر شر ہے تو جو کچھ ابوسفیان کی اولاد نے دنیا سے کمالیا وہ کافی ہے۔ میں اس حکومت کے کام میں کمزور ہوں۔ نہ تو تم میں مجھے عمر رضی اللہ عنہ جیسا نظر آیا کہ اسے اپنا جانشین بنادوں، نہ اس کی شوریٰ کے ممبران جیسے لوگ میسر ہیں۔ تم اپنے اس معاملہ کو بہتر سمجھتے ہو جس کو تم پسند کرتے ہو، چن لو۔'' (صوائق المحرقه ص:134، البدایہ والنہایہ ج:8، ص:257)

معاویہ اس کے 40 دن بعد فوت ہوگئے۔

(42) عبید اللہ بن زیاد بدنہاد کی گواہی

یزید کے خاص الخاص شریک کار، اس کے برادرِ عمزاد (بشرطیکہ استلحاق زیاد صحیح ہو) ابن زیاد کا یزید پر تبصرہ ملاحظہ ہو۔

''یزید نے ابن مرجانہ (ابن زیاد) کو لکھا کہ جا کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کرو۔ تو ابن زیاد نے کہا میں اس فاسق (یزید) کی خاطر دو برائیاں اپنے

نامہ اعمال میں کبھی جمع نہیں کرسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کو قتل کرچکا اور اب خانہ کعبہ پر بھی چڑھائی کروں۔''

(ابن جریر طبری، تاریخ ج:5، ص:483-484 البدایہ والنہایہ جلد 8 ص 237)

ذرا اُس ملعون ابن زیاد بدنہاد کا زہد و اتقا ملاحظہ ہو ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا!

(43) محدث ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ

آپ فرماتے ہیں کہ اہل بیت کی فضیلت اور ان سے جنگ کرنے والوں کی مذمت علماء اہل سنت اور اکابر آئمہ امت کے نزدیک متفق علیہ ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوۃ ج:11، ص:387)

(44) مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہ شاگرد مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی کتاب بہار شریعت ج:1، ص:76 پر یزید کے بارے میں عقیدہ لکھتے ہیں

''یزید پلید، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر تھا۔ معاذ اللہ اس سے اور ریحانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدنا امام حسین سے کیا نسبت؟ آج کل جو بعض گمراہ کہتے ہیں کہ ہمیں ان کے معاملے میں کیا دخل ہے، ہمارے وہ بھی شہزادے، وہ بھی شہزدے، ایسا بکنے والا مردود خارجی ناصبی مستحق جہنم ہے۔ ہاں یزید کو کافر کہنے اور اس پر لعنت کرنے میں علمائے اہل سنت کے تین قول ہیں۔ اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مسلک سکوت ہے یعنی ہم اسے فاسق و فاجر کہنے کے سوا نہ کافر کہیں نہ مسلمان۔''

(45) قاضی مظہر حسین دیوبندی

یہ مولانا کرم دین جہلمی کے بیٹے ہیں ان کے والد مشہور مناظر تھے۔ آپ نے مولانا خلیل احمد سہارن پوری کی کتاب **مطرقة الكرامه** کا مفصل مقدمہ تقدیم الکتاب کے نام سے لکھا ہے۔ اس مقدمہ کے ص:44 اور ص:54 پر آپ لکھتے ہیں:

''مولوی عظیم الدین صاحب ہی بتائیں کہ جو خلیفہ دو غیر محرم مرد و عورت کو

خلوت خانہ میں داخل کر کے ساری رات ان کی عشق بازی کے مشاہدہ میں گزار دیتا ہے۔ اگر اکابر اسلام (متاخرین میں سے) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر اکابر دیوبند شیخ الاسلام حضرت مدنی تک یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں تو ان کا اس میں کیا قصور ہے۔ کیا خلیفہ راشد کا گھناؤنا، فاسقانہ کردار ہوا کرتا ہے اور کیا پاکستان میں یہ خارجی گروہ پاکستان کے سربراہوں سے اپنے خود ساختہ خلیفہ راشد یزید کے اس قسم کے کردار کی پیروی کرانا چاہتا ہے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

آپ اپنی کتاب خارجی فتنہ ص:605 پر لکھتے ہیں:

"جو لوگ اکابر دیوبند کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے وہ دیوبندی کہلوا کر بھی ان حضرات پر جرح کرتے ہیں۔"

(46) مولانا عبدالحق حقانی دیوبندی

حضرت حسن علیہ السلام کے بعد امیر معاویہ حکومت کرتے رہے، بعد ان کے ان کا بیٹا یزید بد بخت جانشین ہوا۔ اس نالائق دنیادار نے اس خوف سے مباداً حضرت حسن علیہ السلام خلافت کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لخت جگر ہیں۔ ان کے روبرو مجھے کون پوچھے گا، حضرت حسن علیہ السلام کو زہر دلوا کر شہید کرا دیا اور چند سال بعد حضرت حسین علیہ السلام کو کربلا میں شہید کرا دیا۔ اس کم بخت کے بے دین ہونے میں کیا شک ہے۔"

حاشیے میں فرماتے ہیں:

"معاویہ، علی علیہ السلام کو تسلیم نہ کر کے آپ خلیفہ ہونا چاہتے تھے۔"

(عقائد الاسلام طبع نہم ص:232)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ عقائد الاسلام کے آغاز میں مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا سید انور شاہ، مولانا عزیز

الرحمٰن دیوبند، اور مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی تقاریظ موجود ہیں۔

(47) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا تبلیغی جماعت والے

آپ نے موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی شرح اوجز المسالک کے نام سے لکھی ہے۔ موطا کتب الفرائض باب العمل فیمن جهل، آمره بالقتل وغير ذلك، میں ان لوگوں کی میراث کے بیان میں جن کی موت کا وقت معلوم نہ ہو، واقعہ حرہ کی شرح بیان فرمائی ہے۔ (موطا مترجم، ص:572) ان کی طویل شرح کا خلاصہ یہ ہے۔

"یزید کا لشکر جو مدینے پر حملہ آور ہوا تھا، اس میں ستائیں ہزار سوار اور پندرہ ہزار پیادے تھے۔ تین دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ دو ہزار خواتین کی آبرو ریزی ہوئی۔ قریش و انصار کے سات سو نمایاں افراد شہید ہوئے اور موالی، عورتوں، بچوں کے مقتولین کی تعداد دس دہزار تھی۔ پھر ابن عقبہ نے لوگوں کو اس طرح بیعت پر مجبور کیا کہ وہ اس کے غلام ہیں، وہ چاہے تو ان کی جان بخش دے، چاہے تو قتل کر دے۔ حضرت سعید بن میسب کا بیان ہے کہ اصحاب حدیبیہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی نہ بچا۔ اہل مدینہ اول روز سے امارت یزید سے نفرت رکھتے تھے۔ انہیں اس کے فسق و فجور، شراب نوشی، ارتکاب کبائر اور ہتک حرمات کی معلومات ملیں تو انہوں نے امارت ماننے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ فرماتے تھے کہ خدا کی قسم ہم یزید کے خلاف اس وقت اٹھے، جب ہم ڈرنے لگے کہ ہم پر پتھروں کی بارش نہ ہو، یہ شخص امہات اولاد سے نکاح کرتا تھا، شراب پیتا تھا اور نماز کو ترک کر دیتا تھا۔ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ حادثہ حرہ کے بعد کوئی بدری صحابی زندہ نہ رہا۔ ابن عقبہ نے یزید کو لکھا کہ ہم نے دشمنوں کو تہہ تیغ کر دیا، جو سامنے آیا اُسے قتل کیا، جو بھاگا اس کو جا لیا، اور جو زخمی ہوا اس کا کام بھی تمام کیا۔"

(اوجز المسالک ج:5، کتاب الفرائض)

(48) مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی ،لکھنوی حنفی

آپ ایک سوال کے جواب پر ان لوگوں کی تردید کرتے جو کہتے ہیں کہ یزید بالاتفاق تمام مسلمانوں کا امیر بن گیا تھا اور اس کی اطاعت امام حسین علیہ السلام پر واجب تھی، پھر اہل مدینہ کے یزید پر الزمات از قسم شراب نوشی، ترک صلوٰۃ، زنا، محارم سے حرام کاری نقل کرتے ہیں، پھر یزید کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل پر خوش ہونا نقل کرتے ہیں اور آخر میں فرماتے ہیں ''بعض کہتے ہیں کہ قتل حسین علیہ السلام گناہ کبیرہ ہے نہ کہ کفر، اور لعنت کفار کیلئے مخصوص ہے۔ ان لوگوں کی فطانت و ذہانت کے کیا کہنے! ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ کفر تو ایک طرف فقط ایذائے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیا نتائج ہوں گے؟

بعض نے کہا کہ یزید کے خاتمے کا حال معلوم نہیں شاید کفر و معصیت کے ارتکاب کے بعد اس نے توبہ کر لی ہو اور اس پر اس کا خاتمہ ہوا ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان احیاء العلوم میں اسی طرف ہے مگر مخفی نہ رہے کہ یہ توبہ اور معاصی سے رجوع ایک احتمال ہے ورنہ اس بدبخت نے اس امت میں جو کچھ کیا، کسی نہ کیا۔ امام حسینؑ و اہل بیت کی توہین اور قتل کے بعد اس نے اپنے لشکر کو مدینہ مطہرہ کی تخریب اور اہل مدینہ کے قتل کیلئے بھیجا۔ واقعہ حرہ میں تین روز تک مسجد نبوی بے اذان و نماز رہی۔ اس کے بعد مکہ معظمہ کی طرف لشکر روانہ ہوا۔ جس کے نتیجے میں آخر کار حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ عین حرم مکہ میں شہید ہوئے۔ یزید انہی مشاغل میں منہمک تھا کہ مر گیا اور جہان کو اپنے وجود سے پاک کر گیا۔

(فتاویٰ عبدالحئی کامل مبوب ص:79-80)

(49) مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند

آپ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:

''تاہم اہل سنت کے اصول پر کوئی دشواری باقی نہیں رہی ہے کیونکہ یزید اس صورت میں یا کھلم کھلا فاسق تھا، نماز کا ترک کرنے والا وغیرہ یا بدعت کا

مرتکب تھا، کیونکہ وہ نواصب کے سرداروں میں سے تھا، ان سب پہلوؤں کے پیش نظر اس کی عام خلافت کا منعقد ہونا مسلم نہیں۔ (مکتوبات فارسی ص:52)

آپ اجوبہ اربعین ج:1، ص:73 پر لکھتے ہیں:

''اوروں کی بیعت سے یزید کی بیعت ان کے ذمہ لازم نہ ہوئی۔ جو کوئی عقل کا پورا، جس کو دھتورے کے پینے کی حاجت نہیں، بوجہ بیعت اہل شام جو یزید پلید کے ہاتھ پر کر چکے تھے۔ حضرت امام ہمام علیہ السلام پر اعتراض کرے، یا مذہب اہل سنت پر آوازہ پھینکے۔''

ہدیۃ الشیعہ میں ص:173 پر لکھتے ہیں:

''چنانچہ حضرت امام حسین علیہ السلام سید الشہدا کی جان نازنیں پر جو کچھ گزرا وہ سب جانتے ہیں، باعث فقط اس کا حق گوئی تھا ورنہ یزید کا کلمہ کہہ دیتے تو جان کی جان بچتی اور الٹی مال و دولت اور اعزاز و اکرام تھا۔

اسی میں ص:281 پر لکھتے ہیں ''حضرت امام حسین علیہ السلام یزید پلید سے خلافت مغضوبہ کے طالب ہوئے، یہاں تک کہ نوبت شہادت کو پہنچی۔''

(50) مولانا رشید گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ھدایۃ الشیعہ میں ص:95 پر لکھتے ہیں:

''یزید کی امامت اجماعی نہ تھی، خواص نے رد کیا عوام کا اعتبار نہیں۔ مگر جیسا اجماع پانچ پہلوں پر ہوا تھا، یزید پر کون سا اجماع اہل حق ہوا تھا؟ وہ تو متغلب بزور ہو گیا تھا اور اجماع عوام کچھ معتبر نہیں۔ اس کو اس پر قیاس کرنا کمال بلادت ہے۔ اُس اجماع کو حضرت امیر نے جائز رکھا۔ اس کو حضرت حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے رد کیا۔ کجا زمین کجا آسمان، ہوش درکار ہے۔''

اسی صفحہ پر لکھتے ہیں کہ ''اب حقیقت خلفاء خمسہ کی (حضرات ابوبکر رضی اللہ عنہ،

عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ و حسن رضی اللہ عنہ) کی اور تغلب یزید پلید مثل آفتاب روشن ہو گیا۔ اگر کور باطن نہ سمجھے تو کسی کا کیا قصور؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مولانا گنگوہی اپنے ایک خط میں رفیع اللہ شاہ جہاں پوری کو جواب لکھتے ہیں کہ

''بعض آئمہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو یزید کی نسبت کفر سے کف لسان کیا ہے وہ احتیاط ہے، کیونکہ قتل حسین علیہ السلام کو حلال جاننا کفر ہے۔ مگر یہ امر کہ یزید قتل کو حلال جانتا تھا محقق نہیں ہے لہٰذا کافر کہنے سے احتیاط رکھے، مگر فاسق بے شک تھا، علی ہٰذا دیگر قتلۂ حسین علیہ السلام کا حال ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص:49)

(51) مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا ایک مفصل فتویٰ اور امداد الفتاویٰ ج:4، ص463:465 میں (مسائل شتّٰی) میں موجود ہے جس میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔ دوسرے صحابہ نے جائز سمجھا، حضرت امام علیہ السلام نے ناجائز سمجھا اور گو اکراہ میں انقیاد جائز تھا مگر واجب نہ تھا اور متمسک باطق ہونے کے سبب یہ مظلوم تھے اور مقتول مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ پس ہم اسی بنائے مظلومیت کی بنا پر ان کو شہید مانیں گے، باقی یزید کو اس قتال میں اس لیے مظلوم نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا۔ خصوص جبکہ امام آخر میں فرمانے لگے تھے کہ میں کچھ نہیں کہتا، اس کو تو عداوت ہی تھی۔ چنانچہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے قتل کی بنا یہی تھی۔''

(52) مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے مجموعہ فتاویٰ کفایت المفتی ج:1، ص:228 میں ایک

سوال کے جواب میں مرقوم ہے کہ امیر معاویہ نے یزید کیلئے بیعت لینے میں غلطی کی کیونکہ یزید سے بہتر اور اولیٰ وافضل موجود تھے۔

(53) خاتم المحدثین سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ فرماتے ہیں ''عمرو بن سعید کے قول سے احتجاج (دلیل) درست نہیں کیونکہ یہ شخص یزید کا عامل تھا اور یزید بلاشبہ فاسق تھا۔ اور شرح فقہ اکبر حفہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ میں ہے ''امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ یزید کافر ہے۔''

(عرف الشذی علی جامع الترمذی باب ماجاء فی حرمة مكه ص:332)

(54) مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ مکتوبات ج:1، ص:268-269 پر یوں رقمطراز ہیں:

''پھر باوجود اس کے خلع کا مسئلہ تو آج بھی متفق علیہ ہے۔ یعنی اگر خلیفہ نے ارتکاب فسق کیا تو اصحاب قدرت پر اس کو معزول کر دینا اور کسی عادل متقی کو خلیفہ کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے عزل و خلع سے مفاسد مصالح سے زائد نہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع کی رائے میں مفاسد زیادہ نظر آئے، وہ اپنی بیعت پر قائم رہے، اور اہل مدینہ نے عموماً بعد از بیعت اور واپسی وفد از شام ایسا محسوس نہیں کیا اور سبھوں نے (تمام اہل مدینہ) نے خلع کیا جس کی بنا پر وہ قیامت خیز واقعہ حرہ نمودار ہوا، جس سے مدینہ منورہ اور مسجد نبوی اور حرم محترم کی انتہائی بے حرمتی اور تذلیل ہوئی۔ کیا مقتولین حرہ کو شہید نہیں کہا جائے گا؟''

(55) سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

لالہ موسیٰ میں کی گئی تقریر پر قائم مقدمہ میں، جولدھارام سرکاری رپورٹر نے رپورٹ کی، لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے ایک سوال کے جواب میں شاہ صاحب نے فرمایا:

”آپ کے سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو یزید اور انگریزوں کو حسینؑ کہا، ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا نہ ہی میں برداشت کرسکتا ہوں کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید کہے۔“ (مقدمات امیر شریعت ص:257 مرتبہ ابن امیر شریعت سید عطاء المنعم بخاری)

امیر شریعت اپنی ایک فارسی نظم میں کہتے ہیں۔

ہر کہ بدگفت خواجہ مارا
ہست او بے گماں یزید پلید

(شاہ جی کے علمی وتقریری جواہر پارے ص:148 در مدح خواجہ غلام علی)

(56) مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی کتاب شہید کربلا (ص:94-95) میں تحریر فرماتے ہیں:

”یزید کی یہ زود پشیمانی اور بقیہ اہل بیت کے ساتھ بظاہر اکرام کا معاملہ محض اپنی بدنامی کا داغ مٹانے کیلئے تھا یا حقیقت میں کچھ خدا کا خوف اور آخرت کا خیال آگیا، یہ تو علیم وخبیر ہی جانتا ہے مگر یزید کے اعمال اور کارنامے اس کے بعد بھی سیاہ کاریوں ہی سے لبریز ہیں، مرتے مرتے بھی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کیلئے لشکر بھیج دیا۔ اس حال میں مرا ہے، **عامله الله بما هو اهله**

اسی کتاب میں ہلاکت یزید کے عنوان کے تحت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

”شہادت حسین علیہ السلام کے بعد یزید کو کسی ایک دن چین نصیب نہ ہوا، تمام اسلامی ممالک میں خون شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہوگئیں۔ اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت کے مطابق تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی۔ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہوا۔ (ص:103)

قاتلان حسین علیہ السلام کا عبرت ناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت

زبان پر آتی ہے ”عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے کاش وہ سمجھ لیتے۔“ (القلم) ص:105)

آپ ص:106 پر لکھتے ہیں ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو شاید اس فتنہ کا علم ہوگیا تھا وہ آخر عمر میں یہ دعا فرماتے تھے کہ یا اللہ میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں 60ھ سے اور نوعمروں کی امارت سے، ہجرت کے ساٹھویں سال میں یزید جیسے نوعمروں کی خلافت کا قضیہ چلا اور یہ فتنہ پیش آیا۔

انا لله و انا اليه راجعون۔

(57) مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم دار العلوم دیوبند)

آپ نے محمود احمد عباسی کی کتاب خلافت معاویہ ویزید کے ردّ میں ایک کتاب شہید کربلا اور یزید کے نام سے لکھی۔ اس میں آپ یہ تحریر فرماتے ہیں۔

”غرض یہ اصول ہے عقلی بھی، شرعی بھی اور طبعی بھی، کوئی جذباتی بات نہیں اسی میں یزید گرفتار ہوا۔ اس کے ایک فسق (قتل حسین علیہ السلام) نے اس کی ساری خوبیوں کو خاک میں ملا دیا اور کوئی بھی اس جرم کے بعد اس کی کسی بھی بات سننے کا بھی روادار نہ رہا۔“ (ص:148)

پھر آپ لکھتے ہیں۔

”بہر حال یزید کے فسق و فجور پر جبکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب ہی متفق ہیں خواہ مبائعین ہوں یا مخالفین، پھر آئمہ مجتہدین بھی متفق ہیں اور ان کے بعد علمائے راسخین، محدثین، فقہاء مثلاً علامہ قسطلانی، علامہ بدرالدین عینی، علامہ ہیثمی، علامہ ابن جوزی، علامہ سعد الدین تفتازانی، محقق ابن ہمام، حافظ ابن کثیر، علامہ الکیا ہراسی جیسے محققین یزید کے فسق پر علماء کا اتفاق نقل کر رہے ہیں اور خود بھی اس کے قائل ہیں پھر بعض ان میں سے اس فسق کے قدر مشترک کو متواتر المعنیٰ بھی کہہ رہے ہیں، جس سے اسکا قطعی ہونا بھی

واضح ہے پھراوپر سے آئمہ اجتہاد میں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک الکیاؔ ہراسی نقل کررہے ہیں اور وہ خود شافعی ہیں اور فتویٰ دے رہے ہیں تو ان کی نقل ہی سے یہ مسلک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور فقہ شافعی کا بھی ثابت ہوتا ہے تو اس سے زیادہ یزید کے فسق کے متفق علیہ ہونے کی شہادت اور کیا ہوسکتی ہے؟ (ص:153)

(58) مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنی شہرآفاق تصنیف معارف السنن شرح ترمذی میں عمرو بن سعید اشدق بن العاص ابوامیہ قرشی اموی ملقب بہ لطیم الشیطان، یزیدی گورنر مدینہ کے بارے میں لکھتے ہوئے اس کے اور یزید کے مشترکہ جرائم کی تفصیل بیان فرماتے ہیں مثلاً واقعہ حرہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے قتال وغیرہ، پھر یہ لکھ کر کہ اس میں کوئی شک نہیں یزید فاسق تھا، علماء سلف کے اختلاف کا ذکر کرتے ہیں کہ یزید پر لعنت کی جائے یا نہیں، آپ یوں رقمطراز ہیں۔

''مجموعی طور پر حضرت حسین علیہ السلام کے قتل اور انکے قتال پر ابھارنے والوں سے متعلق جو کچھ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ یہ زندقہ (چھپا ہوا کفر) اور دراصل اس سے مذہب نبوت کی توہین معلوم ہوتی ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہوسکتی ہے۔ پھر تفتازانی کی بات جو انہوں نے شرح نسفیہ میں نقل کی ہے کہ جواز لعنت یزید پر اتفاق ہے اور یزید کی حضرت امامؑ کے قتل پر رضامندی اور اس پر اظہار مسرت اور اہل بیت رسول علیہ السلام کی توہین کی اگرچہ خبر معناً متواتر ہے مگر واقع کی تفصیلات خبر احاد کے درجہ میں ہیں۔ پھر ابن عساکر سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے ایک قصیدہ یزید کی طرف منسوب کیا ہے جس میں یہ اشعار بھی شامل ہیں۔

لیت اشیاخی ببدر شھدوا
جزع الخزرج من وقع الاسل

لعبت ہاشم بالملک فلا
ملک جاء ولا وحی نزل

کاش بدر کے معرکے میں قتل ہونے والے میرے بزرگ نیزوں کی مار پڑنے سے خزرج کی چیخ وپکار کو دیکھتے۔ (بنی) ہاشم نے ملک کے لیے کھیل رچایا۔ نہ ان کے پاس کوئی فرشتہ آیا اور نہ ہی کوئی وحی آئی۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان اشعار کی نسبت یزید کی طرف درست ہے تو وہ بلاشبہ کافر ہے اور اسی موقعہ پر کچھ تفصیل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یافعی کا قول ہے۔ ''انہوں نے فرمایا کہ جس نے حضرت حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا یا اس سے نے قتل کیا اور اس کو جائز اور حلال جانا تو وہ کافر ہے اور اگر حلال جان کر ایسا نہ کیا تو وہ فاسق و فاجر ہے۔ واللہ اعلم۔''

حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں فرماتے ہیں: ''اگر یہ اشعار یزید بن معاویہ ہی کے ہیں تو اس پر اللہ اور لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو اور اگر کسی نے اس کی طرف خود گھڑ کر منسوب کر دیئے، ہیں تو اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو۔''

(59) مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں: ''اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون سے جس ناپاک اور خبیث وجود کا ہاتھ رنگین ہے اسی نے حضرت حسن علیہ السلام کو زہر دلوایا تھا۔

اسی مضمون میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو جس نے یزید کو امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا تھا، بیس کوڑے لگانے کا حکم دیا تھا۔

(رسالہ النجم لکھنو۔ جمادی الاولی۔ جمادی الاخری 1349ھ، ص:39)

یزیداور جنگ قسطنطنیه

اس جنگ کے بارے میں حدیث بخاری کو بہانہ بنا کر ناصبی یزید کو مغفور بیان کرتے ہیں جس میں یہ فرمایا گیا

''میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہوگا۔اس کی مغفرت کردی گئی۔''

(بخاری کتاب الجہادو السیر باب ما قیل فی قتال الرّوم ج4،ص: 125)

اس حدیث کی بجائے اگر محبان وشیعانِ یزید ایک دوسری روایت کو پیش کرتے تو ان کو زیادہ تکلف بھی نہ کرنا پڑتا اوران کا ممدوح سیدھا جنت میں پہنچ جاتا وہ یہ کہ

''بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ کو حرام کردیا جس نے اللہ کی رضا جوئی کیلئے لا الہ الا اللہ کہا۔''

تعجب ہے کہ یزید کی منقبت میں اس حدیث کو کیوں نہیں پیش کیا جاتا۔اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ علماء ومحدثین نے اس کے ساتھ ہی وضاحت فرمادی ہے کہ جو صدقِ دل سے لا الہ الا اللہ کہے اور اس کے تقاضے بھی پورے کرے، اس کیلئے یہ بشارت ہے ورنہ نہیں۔لہٰذا ناصبی جو تاویل اس حدیث کی کریں گے،وہی تاویل پہلی پر بھی لاگو ہوگی۔امام ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الفوائد ص:17 پر لکھتے ہیں:

کہ بشارتیں نیک اعمال کے ساتھ مشروط ہیں۔یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یزید بشارتوں والی دو روایات سن کر زمرۂ مرجبہ میں شامل ہوگیا اوردل کھول کر گناہ

کیے جیسا کہ امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج:8،ص:59 پر لکھا ہے۔
شیعانِ بنی امیہ کا بھی یہی مذہب تھا کہ امام اور خلیفہ کے حسنات مقبول اور گناہ سب معاف،اسکی اطاعت،طاعت ومعصیت دونوں میں واجب ہے۔''

حدیث اول میں غور کرنے کی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کیلئے نیت بہت ضروری ہے یعنی جہاد صرف اللہ کی رضا کیلئے کیا جائے اوردلی خوشی سے کیا جائے۔ایسا نہ ہو کہ یزید کی طرح والد کے دباؤ اور ڈانٹ ڈپٹ کا نتیجہ ہو جیسے ابن اثیر نے الکامل ج:3،ص:181-182 پر لکھا کہ مسلمانوں کا لشکر 49ھ میں جب غذقدونہ (روم) کے کیمپ میں بخار اور چیچک کا شکار ہوا،تو یزید نے جو بہانے بنا کر ساتھ نہ گیا تھا،شعر کہے جس میں کہا

''مجھے کچھ پرواہ نہیں کہ غذقدونہ میں مسلمانوں کے لشکر کو بخار اور چیچک کا سامنا ہے جبکہ میں دیر مرّان میں گدوں پر اونچے اونچے تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوں اور میرے سامنے ام کلثوم ہے۔''

پھر جب معاویہ کو ان اشعار کی اطلاع ہوئی تو یزید کو قسم دے کر بہ اصرار روانہ کیا۔یزید جہاد سے اتنا جی چراتا تھا کہ حکمران بنتے ہی موسم سرما کی بحری مہمیں ختم کردیں۔ (ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8،ص:143)

اور جزیرہ روڈس اور ارواد سے فوج واپس بلائی تو نصاریٰ نے ان جزیروں پر بغیر لڑے قبضہ کرلیا۔

(البدایہ والنہایہ ابن کثیر بسلسلہ واقعات وحوادث 53ھ،تاریخ طبری بضمن واقعات 54ھ)

مغفرت کی بشارت پر شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ یہ ہے:

''یہ اس شرط کے ساتھ مخصوص ہوگی کہ پھر بعد کی زندگی میں ایسے افعال سرزد نہ ہوتے ہوں جن سے مغفرت کی بجائے الٹا لعنت خداوندی میں گرفتار ہوجائے۔کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات کا کام یہ ہے کہ وہ

سابقہ گناہوں کے اثر کو زائل کر دیتے ہیں، بعد میں ہونے والے گناہوں کے اثر کو زائل نہیں کرتے۔ یزید بعد میں جن جن برائیوں کا مرتکب ہوا ہے یعنی قتل حسین علیہ السلام، مدینہ کو برباد کرنا، شراب نوشی پر اصرار وغیرہ، سب گناہوں کا معاملہ اللہ کی مرضی پر موقوف ہے۔" (شرح تراجم بخاری ص:31-32)

یزید کے جرائم کی فہرست امام ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہرہ انساب العرب ص:112 اور رسالہ **اسماء الخلفاء و الولاۃ وذکر مددھم ملحقہ جوامع السیرۃ** میں ص:357-358 پر مختصراً پیش کی ہے۔

علماء نے اسی حدیث سے مسئلہ ضرور نکالا ہے کہ جہاد فاسق کی سرکردگی میں بھی ہوسکتا ہے مثلاً جیسا کہ امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ج:11، ص:65 اور امام ابوبکر جصاص حنفی نے احکام القرآن ج:3، ص:47 پر تحریر فرمایا۔"

یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ حدیث میں اول جیش من امتی (میری امت کا پہلا لشکر) کے الفاظ آتے ہیں اور یزید کی زیر کمان جو لشکر قسطنطنیہ پر روانہ ہوا تھا، وہ وہاں حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر قطعاً نہ تھا۔ بلکہ اس سے پہلے بہت سے اسلام کے لشکر وہاں جا کر جہاد کر چکے تھے۔ یزید کس سن میں حملہ آور ہوا، اس کے بارے میں اگرچہ مورخین کے بیانات مختلف میں لیکن 49ھ سے پہلے کوئی مورخ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتا حتیٰ کہ ناصبیوں کے امام التاریخ محمود عباسی کا بھی خلافت معاویہ ویزید ص 73 پر یہی بیان ہے، اگرچہ اس نے بھی ص:79 پر 52ھ لکھا ہے۔

اور کتب احادیث کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ 49ھ سے بہت پہلے مسلمان قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ چنانچہ سنن ابوداؤد کتاب الجہاد (ج:2، ص:305)

باب فی قولہ عزوجل ولا تلقو با ایدیکم الیٰ التھلکہ میں مذکور ہے کہ حدثنا احمد بن عمرو بن السرح نا ابن وہب من حیوۃ بن شریح ابن لہیعہ لمن اسلم ابی عمران کہ ہم مدینہ نبوی سے جہاد کیلئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ

ہوئے، اس وقت لشکر کے امیر عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید تھے۔ رومی فوج شہر پناہ سے پشت لگائے مسلمانوں سے جنگ کیلئے تیار تھی۔ اس اثنا میں مسلمانوں کی صف سے نکل کر ایک شخص نے دشمن کی فوج پر حملہ کر دیا۔ لوگ کہتے رہے رکو رکو، لا الہ اللہ الہ، یہ شخص تو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے میں اتری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کی مدد فرمائی اور اسلام کو غلبہ عطا فرما دیا تو ہم نے کہا تھا اب ہم کو مدینہ میں رہ کر اپنے اموال کی خبرگیری اور اصلاح کی طرف توجہ دینا چاہیے۔ اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔ لہٰذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تو جہاد کو چھوڑ کر ہمارا اپنے اموال کی خبرگیری اور اس کی اصلاح کے خیال سے اپنے گھر میں بیٹھ رہنا تھا۔ ابوعمران کہتے میں کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ راہ خدا میں مسلسل جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ آپ قسطنطنیہ ہی میں دفن ہوئے۔

یہ اس غزوہ کا وہ واقعہ ہے جس کو امام ابوداؤد ہی نے کتاب الجہاد ج:2، ص:374-375 کے باب فی قتل الاسیر بالنبل میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ جس سے عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کا امیر لشکر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حدثنا سعید بن منصور ثنا عبداللہ بن وہب **قال اخبرنی عمرو بن الحارث عن بکیر بن الاشیج لمن ابن تعلی** کہ ہم عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کے ساتھ جہاد میں شریک تھے۔ ان کے سامنے دشمن کے چار ہٹے کٹے شخص پیش کئے گئے جن کے قتل کرنے کا حکم انہوں نے دیا کہ ان کو باندھ کر قتل کر دو۔ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ ہم سے ہمارے استاد سعید بن منصور کے علاوہ ایک دوسرے صاحب نے ابن وہب سے اس حدیث میں یوں نقل کیا ہے

کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا ہدف بنایا گیا تھا۔ جب اس امر کی خبر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ملی تو آپ نے فرمایا میں نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ علیہ السلام اس طرح باندھ کر قتل کرنے سے منع فرماتے تھے۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو اس طرح باندھ کر نشانہ نہ لوں۔ پھر آپ کے فرمانے کی اطلاع جب عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو پہنچی تو انہوں نے اس کے کفارہ میں چار غلام آزاد کیے۔ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو 46ھ میں حمص میں زہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے **الاصابہ فی تمییز الصحابہ** میں انکا مفصل حال بیان کیا اور یہ تصریح بھی کردی کہ حافظ ابن عسا کر نے بہت سی سندوں سے نقل کیا ہے کہ معاویہ کے دور حکومت میں ان کو رومیوں سے جنگوں میں امیر لشکر بنایا جاتا تھا۔

اس ساری بحث سے یہ نتیجہ نکلا کہ یزید کی 49ھ میں لشکر کشی سے پہلے کئی سال پہلے مسلمان قسطنطنیہ پر 46ھ سے پہلے حملہ آور ہو چکے تھے۔

ابو داؤد کے سوا مندرجہ ذیل کتابوں میں بھی صحیح سند کے ساتھ اس حملہ آور فوج کا قائد عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید ہی مذکور ہے۔

(1) جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری) ج:2، ص:118-119

(2) تفسیر ابن ابی حاتم الرازی ج:1، ص:330-331

(3) احکام القرآن للجصاص:1، ص:326-327

(4) مستدرک حاکم ج:2، ص:84-85 اسے حاکم وذہبی دونوں نے شرط شیخین (بخاری مسلم) پر صحیح کہا۔

(5) الفتح الربانی شرح مسند احمد ج:14، ص:107 اور سلسلۃ احادیث صحیحہ ج:1، ص:18-19 حدیث نمبر 13 کے تحت بھی امیر لشکر کی بحث علامہ البانی نے کی ہے۔

سنن ترمذی کی روایت میں "وعلی الجماعۃ" فضالہ بن عبید کے جو الفاظ آ گئے ہیں ان کا وہم ہونا کئی وجوہ سے ثابت ہے۔ حیوۃ بن شریح کے تمام شاگرد "وعلی اہل الشام" فضالہ بن عبید کے الفاظ درست کر رہے ہیں۔ یہ الفاظ سند کے ساتھ ترمذی کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں نہیں ہیں۔ اور محققین نے بھی ترمذی کی روایت کے وہم کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مثلاً تفسیر نسائی ج:1، ص:239 (حاشیہ) لہٰذا ہزار کتابوں میں بھی ترمذی کے حوالہ سے آئے تو کچھ فائدہ نہیں۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی بذل المجہود شرح ابو داؤد ج:11، ص:435 پر لکھتے ہیں کہ ان روایات سے ظاہر ہوا کہ عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید پورے لشکر کے امیر تھے۔ ابو داؤد کی پہلی روایت بالکل صحیح اور محفوظ روایت ہے کیونکہ اسلم ابو عمران، ابو داؤد، ترمذی، نسائی کے ثقہ راوی میں (تقریب التہذیب ص:135) یزید ابن ابی حبیب بھی ثقہ (تہذیب التہذیب ص:1073) حیوہ بن شریح بخاری کے ثقہ راوی (تہذیب ص:272) عبداللہ بن وہب کتب ستہ کے بنیادی راوی اور ثقہ حافظ عابد تھے (تقریب ص:556) ابن وہب پر ابن سعد کا الزام تدلیس ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے **النکت علی ابن الصلاح** ج:2، ص:637 پر رڈ کر دیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ بخاری کی حدیث مدینہ قیصر میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ ان تمام حملوں میں یزید شریک تھا، یا پہلے حملہ میں وہ شریک تھا۔

سب سے پہلے جس نے یہ شوشہ چھوڑا کہ حدیث بخاری سے یزید کی منقبت نکلتی ہے۔ وہ شارح بخاری مہلب المتوفی 433ھ تھا۔ وہ اندلس میں مالقہ کا قاضی تھا اور اندلس میں اس زمانے میں خلفاء بنی امیہ کا آخری تاجدار ہشام بن محمد المعتمد علی اللہ فرمانروا تھا۔ لہٰذا مہلب موصوف کی ساری کارگزاری بنی امیہ کی حمیت میں تھی۔ (محدث قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ، شرح بخاری، ج:5، ص:105)

یہ بات بھی بہت اہم ہے کہ اس لشکر کے بارے میں جو روایت ہے اگرچہ بخاری اور مصنف عبدالرزاق میں ہے مگر اس کے سارے راوی شامی لوگ ہیں۔ ان راویوں میں سے ایک ثور بن یزید ناصبی (حضرت علی علیہ السلام کا دشمن) ہے۔ روایت کا شروع بھی شان رسالت کے قطعاً خلاف ہے۔ کسی اور مسلمان کو نہ مکہ میں اس کی خبر ہوئی نہ مدینہ میں کہ حضور علیہ السلام نے یہ اطلاع دی تھی۔ اس کو بنوامیہ کے دارالحکومت شام کے لوگ ہی بیان کرتے ہیں اور شامی بھی کیسا؟ ثور بن یزید الکلاعی! جو مدینہ آیا تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے علماء نے کہا کہ کوئی نہ اس کے پاس بیٹھے نہ اس سے روایت لے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی خالد بن عبداللہ القسری کی طرح ناصبی تھا اور کہتا تھا کہ میں حضرت علی علیہ السلام کو کیسے پسند کرسکتا ہوں جس نے میرے دادا کو قتل کیا تھا۔ حدیث کے بارے میں یہ اصول ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی خاص گروہ کے حق میں روایت کرے اور اس کا تعلق بھی اس گروہ سے ہو، اور اس کے علاوہ کوئی اس کی تائید نہ کرے، تو ایسی روایت قبول نہ کی جائے گی۔ مثلاً کوئی شیعہ اہل بیت کی شان میں ایسی روایت بیان کرے جو اس کے علاوہ کوئی اور مسلمان روایت نہ کرے، تو چاہے وہ سچا ہو، مگر ہم اس کی روایت قبول نہ کریں گے کیونکہ شبہ ہے کہ اس نے عقیدے اور مسلک کی حمایت میں نہ گھڑ لی ہو۔

کربلا بدر کا بدلہ ہے

علامہ وحیدالزماں مترجم و شارح کتب حدیث بخاری المغازی باب فضل من شهد بدراً کی ایک روایت جو حضرت براء بن عازب سے ہے اور جس میں ابوسفیان کا قول نقل ہے کہ یوم احد اور اس نے کہا آج بدر کا بدلہ لے لیا، کی شرح میں لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کا سرِ مبارک یزید پلید کے پاس آیا تو وہ مردود بھی یوں کہنے لگا کہ بدر کا بدلہ میں نے بنی ہاشم سے لے لیا، اگر یہ روایت صحیح ہو تو یزید کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ (ج:5،ص:257)

قریش کا یہ خاندان (بنوامیہ) لوگوں کو ہلاک کرے گا۔

مسلم کتاب الفتن و اشراط الساعة باب ابن صیاد سے پہلے، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کا یہ خاندان (یعنی بنوامیہ) لوگوں کو ہلاک کرے گا۔ صحابہ نے پوچھا پھر ہمارے لیے کیا حکم ہے، فرمایا اگر لوگ ان سے الگ رہیں تو بہتر ہے۔ (ج:6،ص:442)
اس کی شرح میں علامہ وحیدالزماں لکھتے ہیں کہ ایسا نہ ہوا اور لوگ بنی امیہ کے ساتھ شریک ہوئے اور انہوں نے وہ ظلم کئے کہ خدا کی پناہ، امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا، مدینہ منورہ کو تباہ کیا، سینکڑوں صحابی لشکر یزید کے ہاتھ سے مدینہ میں شہید ہوئے۔ معاذ اللہ

امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم یزید نے خود دیا تھا

ابوحنیفہ دینوری کی الاخبار الطوال میں ہے کہ یزید نے خود امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا تھا۔

یزید کی اولاد

اس کے 15 میں سے تین بیٹے نیک تھے۔ ان تینوں کو تہذیب التہذیب میں صالح القوم اور خیار القوم کہا گیا ہے، وہ یہ تھے۔ عبدالرحمٰن بن یزید، خالد بن یزید، معاویہ بن یزید۔ یہ معاویہ بن یزید بن معاویہ، یزید کے مرنے کے بعد 40 دن کیلئے حکمران بھی بنا تھا۔ اس کا دور بہت اچھا تھا۔ بعض نے ان چالیس دنوں کو بھی خلافت راشدہ کا دور کہا ہے۔ خالد بن یزید کو علم کیمیا میں بڑی مہارت تھی اور وہ بڑا عالم ہوا ہے۔ خالد کی روایت ابوداؤد میں ہے جہاں مصری کرتے پہننے کا ذکر ہے۔

مقام یزید احادیث کی روشنی میں

حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے مستدرک حاکم ج:3،ص:148-149 پر ایک حدیث نقل کی ہے جس

کے بارے میں لکھا کہ مسلم کی شرط پر سند ٹھیک ہے اور مام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت کی کہ یہ واقعی صحیح مسلم کے معیار کی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان خشوع و خضوع سے عبادت کرے، نمازیں پڑھے، اور روزے رکھے، اگر وہ خدا کے سامنے اس حالت میں پیش ہوا کہ وہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بغض رکھتا تھا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

ایسی حدیث اور کسی کے حق میں نہیں آئی۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ **سلسلة الاحاديث الصحيحه** ج:5، ص:643 حدیث نمبر 2488 باب تحریم بغض اہل بیت کے تحت یہ حدیث لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

> ''اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ہمارے اہل بیت سے اگر کوئی بغض کرے گا تو اللہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا، یہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حاکم اور ابن حبان نے روایت کی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عجیب کردار

> ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت تو نہ کی مگر یزید کی بیعت پر نہ صرف خود مستقیم رہے بلکہ اہل خانہ کو بھی اس کی بیعت پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کی جیسا کہ بخاری **کتاب الفتن باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافه** میں کہا کہ سب سے بڑی دغابازی یزید کی بیعت توڑنا ہے اور جو یزید کی بیعت توڑے گا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

اسی طرح **کتاب الاحکام باب کیف یبایع الامام الناس** عبداللہ بن دینار سے دو دفعہ روایت ہے کہ عبدالملک بن مروان جیسے ظالم کو بن کہے خط لکھ کر اپنے اور اپنے بیٹوں کی طرف سے بیعت کا یقین دلایا۔ یہی روایت کتاب الاعتصام کے پہلے باب کے آخر میں بھی ہے۔ حالانکہ انہی ابن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جب معاویہ نے کہا کہ اگر اس نے یزید کی بیعت نہ کی تو میں اسے قتل کر دوں گا تو سن کر رونے لگے۔

کیا حضرت علی علیہ السلام یزید اور عبدالملک جیسے ظالموں سے بھی گئے گزرے تھے کہ ان کی بیعت کرنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو پسند نہ ہوا؟ واقعہ حرہ کے دنوں میں ابن عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف خود یزید کی بیعت پر کاربند رہے بلکہ خاندان کے علاوہ لوگوں کے پاس جا جا کر ان کو یزید کی بیعت توڑنے سے منع کیا۔

مسلم کتاب الامارت باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن وفی کل حال میں نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مطیع کے پاس جا کر یزید کی بیعت نہ توڑنے کو کہا۔

یزید پر لعنت کا مسئلہ

آپ پچھلے صفحات پر سلف صالحین کی رائے اس بارے میں پڑھ چکے کہ وہ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ اس مسئلہ کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ جب اس مسئلہ پر غور کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث میں کسی جگہ تو پر آیا ہے کہ مردوں کو برا نہ کہو، کسی جگہ آتا ہے کہ مردوں کی اچھائیاں بیان کرو مگر کسی حدیث میں یہ آتا ہے کہ فلاں نے شراب پی تھی، فلاں نے زناء کیا تھا وغیرہ اور عام طور پر بھی کتابوں میں گزرے ہوئے لوگوں کے حالات میں ان کی اچھی بری ساری باتیں لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔

اس سلسلہ میں صحیح موقف امام بخاری اور المحلی میں امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کا ہے وہ یہ کہ اگر تو مرنے والے نے کوئی ذاتی برائی کی جس کا اثر اسی تک تھا مثلاً شراب پی تو ایسی باتیں بعد میں دھرانی نہیں چاہئیں۔ اگر مرنے والے نے کوئی ایسا کام کیا جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑا مثلاً اس نے کوئی بدعت ایجاد کی، کوئی برا عقیدہ ایجاد کیا یا لوگوں پر ظلم کیا تو ایسے لوگوں کی برائیاں بعد میں بیان کر سکتے ہیں۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایسا کیا گیا۔ ایک جنازہ جا رہا تھا تو لوگوں نے مرنے والے کی بہت تعریف کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی یعنی جنت، ایک اور جنازہ جا رہا تھا تو لوگوں نے اس مرنے والے کو برا کہا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا واجب ہوگئی یعنی دوزخ، لیکن صحابہ کو روکا نہیں۔ لہٰذا جن لوگوں نے

امت اور نظام دین کو برباد کیا، ان کی برائیاں برسر منبر بیان کرنا چاہئیں۔ امام ابن حزم ؒ نے المحلیٰ میں اور امام بخاری نے اس سلسلہ میں دو باب باندھے ہیں۔

امام تفتازانی ؒ تو صاف صاف یہ کہتے ہیں کہ ہم کو یزید اور اس کے ساتھیوں کے ایمان میں بھی شک ہے، بجائے اس کے کہ اس کی صفائیاں دیتے رہیں، وہ کہتے ہیں کہ لعنت ہو اس پر اور اس کے ساتھیوں پر۔

بعض چالاک مولوی یہ کہتے ہیں کہ لعنت تو صرف کافر پر کرنی چاہیے۔ حالانکہ قرآن میں جھوٹوں پر بھی لعنت کی گئی اگرچہ وہ کافر نہیں لعنت کرنا دین کا حصہ ہے صرف یہ دیکھو کہ جس پر لعنت کی جارہی ہے وہ اس قابل ہے کہ نہیں۔ جو بروں کو اچھا کہتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ کے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نیکوں پر صلاۃ بھیجتے ہیں اور بروں پر لعنت کرتے ہیں۔ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ شیطان کو بھی برا نہ کہو۔ اس پر مسلمان علماء نے لکھا کہ تم خدا کے دشمن ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس پر یوم الدین تک لعنت فرماتا ہے اور تم اس سے منع کرتے ہو۔

ہم کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم مانیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ان پر لعنت کرو، جن پر اللہ تعالیٰ نے درود وسلام بھیجا ان پر تم بھی درود وصلوٰۃ بھیجو۔

بعض یہ بہانہ بناتے ہیں کہ ہم کو کیا پتہ کہ جس پر لعنت کر رہے ہیں وہ دوزخ ہی میں جائے گا یا جنت میں جائے گا۔ تو اس کے جواب میں علامہ شامی ؒ حنفی کہتے ہیں کہ جب ہم بد دعا کرتے ہیں تو ہم کوئی حکم نہیں جاری کرتے کہ ایسا ہو جائے بلکہ ہم برے آدمی سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں، بخشا جائے یا نہ بخشا جائے، وہ اللہ کی مرضی پر ہے۔ ہم کو صرف یہ حکم ہے کہ جب کوئی برا کام کرے تو بغض فی اللہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو برا کہیں یہ دین کے دو شعبے ہیں کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ۔ اگر کوئی غیر جانبدار رہتا ہے تو وہ خوشبو اور بدبو میں فرق کرنے سے عاری ہو چکا ہے۔

یزید اگر فرشتہ بھی ہوتا مگر وہ مسلمان امت کی رائے کے بغیر زبردستی حکومت سنبھالتا تو

وہ سب سے بڑا مجرم ہوتا۔ اس میں کردار کی بات نہیں بلکہ اسلامی آئین کی بربادی کا تذکرہ ہے۔ امیر معاویہ اور یزید کی اس رسم کا نتیجہ یہ نکلا کہ امت کی رائے دریافت کرنا بالکل بند ہو گیا اور جس کا جی چاہے حکومت سنبھال لیتا ہے۔ بعد میں یہ نوبت بھی آئی کہ پانچ چھ دن کا بچہ حکومت پر بٹھا دیا گیا اور ان کے لیے نگران مقرر رہا۔ امت کی رائے کی قطعاً کوئی اہمیت نہ رہی۔ آج تک یہی طریقہ چلا آرہا ہے کہ جو زبردستی یا فراڈ سے حکومت پر آگیا، بس آگیا۔ امت کا شوریٰ کا نظام بالکل ختم ہو گیا۔ اصل جرم یہ ہے۔

اب صفائی دینے والے یہ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ کا نام اس میں آتا ہے لہٰذا چپ رہو۔ ان بزرگوں کو خدا معاف کرے مگر وہ امت کا بیڑا غرق کر گئے کہ انہوں نے خلافت ختم کر کے بادشاہت شروع کر دی۔ کسی کی نیکی اس کے ظلم پر پردہ نہیں ڈال سکتی۔

رئیس اہلِ بغض وفساد ابن زیاد بدنہاد

امیر معاویہ کا مشیر اعلیٰ سرجون عیسائی تھا اور محکمہ تعلیم یوحنا عیسائی کے سپرد تھا یزید سرجون عیسائی کا باپ کی طرح ادب کرتا تھا۔ اسی سرجون کے مشورہ پر یزید نے خبیث ابن زیاد کو نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ صحابی کی جگہ گورنر کوفہ مقرر کیا تھا۔ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ اس سے پہلے امیر معاویہ نے زیاد کی موت کے بعد صحابہ کے ہوتے ہوئے ابن زیاد کو گورنر مقرر کیا تھا۔ (فتح الباری ج:13 ص:127-128)

امام ابن حجر ؒ ''تقریب التہذیب'' میں لکھتے ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد فاسق تھا اور بعض آئمہ نے اس کو کافر بھی کہا ہے۔ (ص:170، مع حاشیہ تقعیب التهذیب از مولانا سید امیر علی شاگرد سید نذیر حسین محدث دهلوی ؒ)

لعین ابن زیاد بدنہاد تھا

ابن زیاد کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب نہیں تھا بلکہ بہ اقرار خود ولد الزنا تھا جیسا کہ استلحاق زیاد کے تحت گزر چکا۔ وہ جس کے یہاں پیدا ہوا اس کی بجائے ابوسفیان کو اپنا باپ بتاتا تھا۔

بہت سے صحابہ وتابعین نے اس کے اس فعل پر نکیر بھی کی جن میں خود زیاد کے ماں شریک بھائی حضرت ابو بکرہ ؓ بھی شامل تھے۔ ابن زیاد کے اس خاندانی پس منظر سے یزید کی مردم شناسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ظالم اپنے مظالم کیلئے کیسے کیسے بدسرشت لوگوں کا انتخاب کیا کرتا تھا۔ یزید کو تجربہ ہو چکا تھا کہ اس کا خاص چچازاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مروان کے ترغیب دلانے کے باوجود قتل حسین علیہ السلام پر آمادہ نہ ہوسکا۔ اسی لیے اس نے اس کام کو سرانجام دینے کیلئے اس شقی ازلی ابن زیاد بدنہاد کا انتخاب کیا اور آخر اس نے ایسا کر کے دکھا بھی دیا۔ علامہ بدرالدین عینی نے ابن زیاد کی ان ہی حرکات کے سبب **عمدۃ القاری شرح بخاری** میں اس کو لعین کہا ہے۔ (ج:7،ص:656)

ابن زیاد کا کوفہ میں آنا

امام ابن کثیر ؒ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:281 تا 283 پر لکھتے ہیں:

''ابن زیاد بھیس بدل کر رات کے وقت دھوکہ سے کوفہ شہر میں داخل ہوا۔ لوگ اس کو امام حسین علیہ السلام سمجھ کر تعظیم دیتے رہے۔ وہ اسی طرح قصر امارت میں داخل ہوا اور شہر میں کرفیو نافذ کر کے کوتوال حصین بن نمیر نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔ بعض کو قتل کیا اور بعض کو قید کر دیا۔ مسلم بن عقیل ؒ کو قسم کھا کر امان دی اور پاس بلا کر عروہ بن ہانی ؒ سمیت محل کی چھت پر لیجا کر سر قلم کر دیئے۔ لاشیں نیچے پھینک دیں۔ لاشوں کو رسے سے باندھ کر بازاروں میں گھسیٹا گیا۔ سر یزید کو روانہ کر دیئے۔ اگر یزید اس کاروائی سے ناراض ہوتا تو اسی وقت ابن زیاد کو منع کر دیتا۔ مگر اس نے منع نہ کیا کیونکہ یزید جانتا تھا ابن زبیر ؓ اور امام حسین علیہ السلام میری بیعت سے انکار کر چکے ہیں۔''

ابن زیاد کی صحابہ رضی اللہ عنہم سے بدتمیزی

امام بخاری نے میں **کتاب الاحکام باب من استرعی رعیة فلم ینصح** (حدیث نمبر 7151-7150 ج:9،ص:201-202) میں حضرت حسن بصری ؒ سے دو روایات نقل کی ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ عبیداللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار ؓ کے مرض الموت میں ان کی عیادت کیلئے آیا تو حضرت معقل ؓ نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے جس کو حق تعالیٰ کسی رعیت کی نگرانی سپرد فرمائے اور پھر وہ پوری طرح ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔

دوسری حدیث میں حسن بصری ؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار ؓ کی عیادت کیلئے ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ اتنے میں عبیداللہ بن زیاد بھی آ گیا۔ حضرت معقل نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا جو حکمران بھی مسلمانوں کی کسی رعیت کا حاکم ہو اور اس حال میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دغا بازی کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دے گا۔

صحیح مسلم میں حضرت معقل ؓ کی اس روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ اگر میں سمجھتا کہ میری زندگی ابھی باقی ہے تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان ہی نہ کرتا۔''

اور دوسری روایت جو کہ **مسلم کتاب الامارہ باب فضیلة الامام العادل وعقوبة الجائر** (ج:5،ص:121-122) میں ہے کہ ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں موت کے منہ میں ہوں تو یہ حدیث تم سے بیان بھی نہ کرتا۔''

صحیح مسلم میں یہ حدیث **کتاب الایمان باب استحقاق الوالی**

الغاش لرعیة النار (ج:1،ص:235)اور **کتاب الامارہ** میں ہے۔

اس روایت کے آخر میں یہ بھی ہے کہ یہ حدیث سن کرابن زیاد نے معقلؓ سے کہا یہ حدیث آپ نے مجھ سے پہلے کیوں نہ بیان کی۔فرمایا بس میں نے تم سے بیان نہ کی۔

امام نووی ؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث معقلؓ نے ابن زیاد سے مرتے وقت بیان کی کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ عبیداللہ بن زیاد کو یہ حدیث فائدہ نہ دے گی۔ پھر انہوں نے خیال کیا کہ حدیث کا چھپانا بہتر نہیں۔اور نیک بات کو بتادینا ضرور ہے اگر چہ وہ مانے یا نہ مانے،اس وجہ سے انہوں نے اپنی زندگی میں بیان نہ کی کہ کہیں ایسا نہ ہو اس حدیث سے ایک فساد پھیلے لوگ ابن زیاد کو برا جان کر اطاعت سے پھر جاویں یا ابن زیاد معقلؓ کو ایذا پہنچائے کیونکہ وہ مردود ظالم اور جابر تھا اور اس نے اہل بیت نبوی علیہ السلام کی حرمت نہیں کی تو اور کسی کو اس سے کیا توقع تھی۔

(ج:1،ص:236 مسلم)

امام ابن حجر ؒ نے فتح الباری میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ واقعہ یزید کے عہد حکومت کا ہے۔امام نے حدیث پہلے بیان نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ''وہ ابن زیاد کی سختی سے ڈرتے تھے۔جب موت کا وقت آ گیا تو چاہا کہ اس طرح ہی مسلمانوں پر سے اس کے شر کو کچھ رفع کیا جائے۔(فتح الباری،ج:13،ص:128)

یاد رہے کہ حضرت معقلؓ بن یسار اور جن صحابہؓ کا ذکر آ گے آ رہا ہے یعنی عبداللہ بن مغفل مزنیؓ اور حضرت عائذ بن عمروؓ،تینوں بیت رضوان میں شامل تھے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنیؓ کے ساتھ بھی ابن زیاد نے بدتمیزی کی۔

امام طبرانی کی المعجم الکبیر میں ایک دوسری سند سے امام حسن بصری ؒ کی روایت امام ابن حجر ؒ نے (**بخاری کتاب الاحکام باب من**

شاق شق الله علیه کے تحت) فتح الباری ج:13،ص:128 پر لکھی کہ حسن بصری ؒ بیان کرتے ہیں کہ جب ابن زیاد امیر معاویہ کے زمانہ میں حاکم بن کر آیا تو وہ ایک بے وقوف چھوکرا تھا اور نہایت بے دردی سے لوگوں کا خون بہایا کرتا تھا۔اس زمانہ میں عبداللہ بن مغفل مزنیؓ زندہ تھے۔وہ ایک روز اس کے پاس تشریف لے گئے۔اور اس سے فرمانے لگے کہ''جو کچھ میں تجھے کرتے دیکھ رہا ہوں اس سے باز آ جاؤ۔''(اب ذرا صحابی کا احترام ملاحظہ ہو)اس نے کہا تم ان باتوں میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو؟ وہ صحابی یہ بات کر کے مسجد میں چلے گئے تو ہم نے ان سے عرض کی کہ آپ بر سر عام اس بے وقوف کے منہ کیوں لگتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا میرے پاس علم تھا، میں پسند نے کیا کہ جب تک اس کا بر سر عام بیان نہ کر دوں۔موت کے منہ میں نہ جاؤں، پھر تھوڑے دنوں کے بعد وہ بیمار ہو گئے اور اسی میں انتقال کر گئے۔اسی بیماری میں ابن زیاد ان کی عیادت کو آیا تو پھر آپ نے اسی مضمون کی حدیث اس کو بیان کی۔

اس طرح کا ایک واقعہ **مسلم کتاب الامارہ باب فضیلة الامام العادل وعقوبة الجائر** میں ہے کہ حضرت عائذ بن عمروؓ نے نہایت نرمی سے ابن زیاد کو سمجھانا شروع کیا تو اس بدنہاد نے بجائے نصیحت کا اثر لینے کے الٹا ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔واقعہ یہ ہے کہ

''حضرت عائذ بن عمرو نے جو صحابی تھے،ابن زیاد کے پاس آ کر فرمایا بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ سے،سنا ہے کہ آپؐ فرماتے تھے کہ حکمرانوں میں سب سے براوہ ہے جو لوگوں کو پیس کر رکھ دے۔تو تم اپنے آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے رہو۔یہ سن کر وہ کہنے لگا (بڑے میاں) بیٹھ جاؤ۔تم اصحاب محمد ﷺ کا پھوگ (بھوسی) ہو۔یہ سن کر حضرت عائذؓ نے

فرمایا کیا صحابہ میں بھی پھوگ تھا؟ پھوگ تو بعد میں آنے والوں میں ہے اور ان میں جو صحابی نہیں ہیں۔ (مسلم ج:5،ص:122)

اسی قسم کا ایک واقعہ ابوداؤد میں منقول ہے۔ **ابو داؤد کتاب السنة باب فی الحوض** میں منقول ہے جس میں حضرت ابو برزہ ؓ اسلمی صحابی کا قصہ ہے مسلم بن ابراہیم ابو طالوت بن ابی حازم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں اس وقت موجود تھا جب ابو برزہ ؓ اسلمی ؓ عبید اللہ ابن زیاد کے پاس تشریف لائے۔ جیسے ہی عبید اللہ کی نظر حضرت پر پڑی تو کہنے لگا (لو یہ) تمہارا محمدی ٹھگنا موٹا (آ گیا)۔ آپ اس کی بات کو سمجھ گئے تو فرمایا ''میں نہیں سمجھتا تھا کہ میں ایسے لوگوں میں رہ جاؤں گا جو مجھے صحابی رسول ہونے کا طعنہ دیں گے۔ اب ابن زیاد نے بات بدل کر ان سے کہا صحبت محمد ﷺ تو آپ کیلئے زینت ہے، عیب نہیں۔ پھر کہنے لگا میں نے آپ کی طرف اس لیے آدمی بھیجا تھا کہ آپ نے حوض کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو کچھ فرماتے سنا ہو۔ حضرت ابو برزہ ؓ نے فرمایا ہاں ایک دو دفعہ نہیں (کئی بار) سنا۔ جو مومن (کوثر) کا انکار کرے، اللہ تعالیٰ اس کو حوض سے کچھ نہ پلائے۔ اس کے بعد آپ غصہ کی حالت میں اس کے پاس سے چلے آئے۔'' (ج:3،ص:556)

مولانا خلیل احمد سہارنپوری ؒ **بذل المجهود فی حل ابی داؤد** ج:5، ص:226 پر فرماتے ہیں:

''عبید اللہ ابن زیاد فساق میں سے تھا۔ اس لیے آپ (ابو برزہ) کو بطور تمسخر دحداح یعنی ٹھگنا موٹا کہا تھا مگر آپ نے اپنے بارے میں تو التفات نہ فرمایا۔ البتہ اس نے محمدی کہہ کر جو آپ کا مذاق اڑایا۔ اس پر آپ کو غصہ آ گیا کیونکہ اس سے خود رسول ﷺ کی ذات عالی کی توہین نکلتی ہے۔''

یہ تھا ابن زیاد کا طرز عمل صحابہ کرام سے اور عترت پیغمبر ﷺ پر اس نے جو ظلم وستم ڈھایا، وہ ہر خاص وعام کو معلوم ہے۔

اس خبیث ابن زیاد کے بارے میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ؒ تحفہ اثنا عشریہ ص:45 باب اول در حدوث مذہب شیعہ میں لکھتے ہیں۔

''جب یہ خبر (خروج مختار و ابراہیم بن مالک اشتر ؒ) عبد الملک بن مروان کو پہنچی۔ عبید اللہ بن زیاد کو مع ایک لاکھ سوار کے رخصت کیا۔ پس ابراہیم بن مالک اشتر ؒ بارہ ہزار سوار سے اس کی لڑائی کو گئے۔ سخت مقابلہ پیش آیا۔ آخر، بہ برکت نام حضرت امام حسین علیہ السلام کے، غالب ہوئے۔ ابن زیاد ملعون مارا گیا۔ اس سبب سے قدر مختار کی شیعوں کے ذہن میں بہت بڑھ گئی، بڑی ثناء وستائش کرتے تھے اور شیعہ مخلصین اہل سنت و جماعت بھی مروانیوں اور قتل ابن زیاد پر شکر الٰہی بجا لائے'' (تحفہ کے ص:11 پر شاہ صاحب یزیدی گروہ کو اشقیائے شام اور ابن زیاد کو رئیس اہل بغض و فساد لکھتے ہیں۔ تحفہ اثناء عشریہ کے ص:12 پر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مختار نے ابن زیاد کو بہت لڑائیوں میں شکست دے کر آخر جہنم میں پہنچایا۔

صحابہ کے ساتھ ملعون ابن زیاد کی بدتمیزی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اب دیکھیں کہ بعد از قتل امام حسین علیہ السلام بھی اس خبیث نے تمام شہدا کربلا کے کٹے ہوئے سروں کی برسر عام نمائش کی اور جامع مسجد کوفہ کے منبر پر کھڑے ہو کر یہ بکواس بھی کی کہ ''اللہ کی حمد ہے، جس نے حق کو اور اہل حق کو غلبہ دیا اور امیر المومنین یزید اور ان کے گروہ کو اور کذاب ابن کذاب حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا۔''

پھر یہ سارے سر یزید کے پاس دمشق بھیجے گئے اور اس نے بھرے دربار میں ان کی نمائش کی۔

(اس پوری داستان کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو طبری ج:4، ص:309تا 356، الکامل ابن اثیر ج:3، ص:282تا 299، البدایہ والنھایہ ابن کثیر ج:8، ص:170تا204)

زیاد تو تھا ہی بدنہاد، اس کا کیا گلہ اگر یزید میں انسانی شرافت کی بھی کوئی رمق ہوتی تو وہ سوچتا کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے پورے خاندان پر کیا احسان کیا تھا اور اس ملعون کی حکومت نے ان کے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا!

یہ واقعہ کربلا کا پس منظر ہے اور یہ کوئی وقتی اشتعال نہیں تھا۔ یہاں تک واقعہ کربلا کا پس منظر تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر جوان صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمائیں واقعہ کربلا پیش آیا اور نواسۂ رسول علیہ السلام نے بغیر کسی فوجی تیاری کے محض چند ساتھیوں کے ساتھ جان دیکر ایسا احتجاجی نوٹ ریکارڈ کرادیا کہ قیامت تک کے ظالم حکمران سندِ جواز سے محروم ہو گئے۔

تا قیامت قطع استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد

سیدنا امام حسین علیہ السلام اور واقعہ کربلا

گزرے ہیں اس جہان میں ایسے بھی کچھ شہید
مقتول تا ابد رہا قاتل نہیں رہا

تاریخ کا مسافر ایسے ویرانے میں پہنچ کر حیران کھڑا ہے، جہان ہر سو انسانوں کے کٹے ہوئے لاشے اور خون بکھرا پڑا ہے۔ لاشے نوجوانوں کے بھی ہیں اور معصوم بچوں کے بھی، بلکہ ایک طرف تو شیر خوار بچے کے حلق میں تیر اٹکا ہوا ہے۔ بھلا اس نے کیا جرم کیا ہوگا؟ دوسری طرف ایک سر ہے جو نیزے پر لٹکا کر فضا میں لہرا دیا گیا ہے۔ قریب چند خیمے ہیں، جنہیں آگ لگائی جا چکی ہے۔ اب ان خیموں سے آہوں اور سسکیوں کے سوا کچھ سنائی نہیں دیتا۔ ان خیموں میں وہ پاک باز عورتیں ہیں جن کے چہروں کو کبھی آسمان نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ وطن سے دور صحرا میں ان عورتوں کا واحد سہارا ایک فرد ہے اور وہ بھی بیمار جس کے کمزور ناتواں کندھوں پر ان عورتوں کی نگرانی اور کفالت کا بوجھ ہے، وہاں اس کی وراثت فقط بے گور و کفن لاشے ہیں جنہیں دفن کرنے کے لئے کوئی اس کا ساتھ دینے والا بھی نہیں۔ ذرا غور کیجئے! یہ خانہ ویرانی کس کی ہوئی؟ نیزے پر لہراتا ہوا سر کس کا ہے؟ خاک میں اٹے ہوئے یہ ہونٹ کس کے ہیں؟ ہاں! یہ وہی ہونٹ ہیں جنہیں وہ ہونٹ چومتے تھے جن سے وحی کے مقدس پھول جھڑتے تھے۔ یہ سر وہی ہے جسے جنتی جوانوں کی سرداری کا تاج پہنائے جانے کا وعدہ خود سردار دو جہاں نے دیا تھا۔ اب وہ سر تاج پوشی کیلئے تیار ہے۔ کٹنے والا یہ خاندان وہی تھا، جس کی رگوں میں اس نبی کا مقدس خون بہتا تھا جس نے زندگی بھر کسی کو ذرا تکلیف نہ دی تھی بلکہ پتھر مارنے والے کو جھولی پھیلا کر دعائیں دی تھیں۔

(مولانا محمد سلیم جباری، اہل حدیث عالم)

قبائے لا اِلہ خونیں قبائے است
کہ بر بالائے نامرداں حرام است

لا اِلہ کا لباس خون آلود لباس ہے جو نامردوں کے جسم پر حرام ہے

محرم کے مہینہ کو شہر اللہ المحرم یعنی اللہ تعالیٰ کا محترم مہینہ کہا جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے مروی ہے۔ مہینے سارے اللہ ہی کے ہیں مگر اس مہینہ کی شان بڑھانے کیلئے اسے اللہ کا مہینہ فرما دیا گیا اور گھر سارے اللہ ہی کے ہیں مگر کعبہ شریف کو بیت اللہ فرما دیا گیا۔

ساری دنیا کے نئے سال خوشی سے شروع ہوتے ہیں مگر مسلمانوں کا سال سیدنا امام حسین علیہ السلام کی قربانی سے شروع ہوتا ہے اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پر ختم ہوتا ہے۔ آل رسول علیہ السلام سے بغض رکھنے والے ذکر حسین علیہ السلام سے منع کرتے ہیں کہ یہ بھی کوئی دینی مسئلہ ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ سیدنا حسینؑ صرف کربلا میں ہی شہید نہیں ہوئے بلکہ ان پر تیروں کی بارش اب بھی ہو رہی ہے۔ مسلمانوں کا سال قربانی سے شروع ہو کر قربانی پر ختم ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو پتہ چلے کہ ان کے قدم جس راستے پر ہیں وہ تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ دین کیلئے جان دے دینا ہی سارے دین کا خلاصہ ہے۔

نہ می بینی کہ آں شاہ نکو نام
بدست سر بریدہ می دہد جام

تم دیکھتے نہیں کہ اللہ اپنی محبت کا جام ان کو پلاتا ہے جن کے سر کٹے ہوئے ہیں۔

اسلام کا اس طرح آغاز و انجام قربانیاں دینے اور پہلی قربانیوں کو یاد رکھنے کیلئے ہے۔

ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں تھا۔ اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں بلکہ اسلام کی اصلی حقیقت سے ہے۔ یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا اور بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں پہنچ کر گم ہو گئی تھی، اس کو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی سر

فروشی سے مکمل کر دیا۔

اس بات کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستان حرم
نہایت اس کی حسینؑ ابتداء ہے اسماعیلؑ

اسلام پر چلنا چاہتے ہو تو حجروں میں بیٹھ کر تسبیح گھما کر اسلام پر نہیں چلا جا سکتا۔ یہ دین جان مانگتا ہے جان بھی اس کی چاہتا ہے جو بے عیب ہو، جیسے ہم لوگ قربانی کیلئے بے عیب جانور تلاش کرتے ہیں۔ ہمارے انتخاب میں تو غلطی ہو سکتی ہے مگر اللہ کا انتخاب بے عیب ہوتا ہے۔

در مسلخِ عشق جُز نکو را نہ کشند
لاغر صفتاں وزشت خو را نہ کشند

عشق کی قربان گاہ میں سوائے اچھے اور نیک لوگوں کے کوئی ذبح نہیں ہوتا، یہاں بری صفات والے اور بد خو قربان نہیں کئے جاتے۔ برے لوگوں کو اس راہ کی توفیق ہی نہیں دی جاتی۔ کچھ دانش فروش ہوتے ہیں جو حکومت وقت کی کاسہ لیسی سے مال کماتے ہیں مگر کچھ جان فروش ہوتے ہیں، وہ سیدنا حسین علیہ السلام کی طرح حق کیلئے اپنی جان قربان کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں صرف انبیاء علیہم السلام اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم کی قربانی پسند فرماتا ہے۔ لہٰذا جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر وہ نیک ہوتے تو کیوں مارے جاتے، تو یہ الٹ نتیجہ نکالنا ہے۔ نیک لوگوں کے خدا کی راہ میں قتل ہونے پر ہی تو قرآن مجید میں دو جگہ فرمایا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کو مردہ مت کہو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی اور مقام گرانے والے جب علمی دلائل سے زچ ہو جاتے ہیں تو پھر کہنے لگتے ہیں کہ چھوڑو جی! ہم نے اس واقعہ سے کیا لینا دینا ہے۔ جبکہ خود محرم میں جھوٹی کہانیوں سے بھرپور رسالے چھاپتے رہتے ہیں۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام کا واقعہ اسلامی تاریخ میں روشنی کا مینار ہے جس کو حکومتیں لوگوں

کے دل سے گرانا چاہتی ہیں، حکمران اگرچہ بظاہر اس کے حق میں اخباروں میں رسمی بیان دے دیتے ہیں۔ ظالم حاکموں کیلئے امام حسین علیہ السلام ایٹم بم کی حیثیت رکھتے ہیں اگر وہ روح مسلمانوں میں پیدا ہوجائے کہ برے کے سامنے سر نہیں جھکانا تو یہ ظالموں کی موت ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے تخت پر زبردستی بیٹھنے والا اگر فرشتہ بھی ہو تو شیطان ہے۔ زبردستی بیعت لینا بذات خود سب سے بڑا جرم ہے اگرچہ وہ شراب نہ پئے، بدکاری نہ کرے، نمازی ہو، حاجی ہو، تب بھی انتہاء درجہ کا بدمعاش ہے۔

قرآن کی تفسیر سمجھ ہی حسین علیہ السلام سے آتی ہے۔ جب امام حسین علیہ السلام کو سمجھا تو پتہ چلا کہ مسلمان طاغوتوں اور ظالموں کے سامنے سر جھکانے کیلئے پیدا نہیں ہوا۔ جب سے اہل سنت اور اہل حدیث نے یہ نظریہ اپنا لیا کہ متسلط اور متغلب بھی تخت پر بیٹھ جائے تو نظریہ ضرورت کے تحت اس کو تسلیم کرو، دین کی بربادی تب سے ہو رہی ہے۔ جس چیز سے یہ ڈرتے تھے کہ مقابلہ کیا تو خون ریزی ہوگی اس سے زیادہ خون ریزی ان ڈکٹیٹروں نے کی۔ ایک سے بڑھ کر ایک ظالم تخت پر بیٹھا اور امت آج تک بھگت رہی ہے۔ حکومت امت اور جمہور کی ملکیت ہے۔ اسلامی حکومت کو چلانے کیلئے جو لوگ آئیں گے وہ صرف اور صرف مشورہ سے آئیں گے، جس کی آج کل صورت ووٹ ہے۔ موروثی حکومت کی سنت شنیع (برا طریقہ) بنوامیہ کی ایجاد ہے۔

سوچئے! ان ظالموں کے خلاف امام حسین علیہ السلام کیوں نہ نکلتے؟ امام علیہ السلام نے سوچا کہ آج نہ رسول کریمؐ موجود ہیں، نہ حضرت علی علیہ السلام نہ حسن علیہ السلام ہیں، صرف میں جانشین رسولؐ موجود ہوں اور یہ بات سب لوگ سمجھتے ہیں کہ میرے علاوہ ساری دنیا بھی کسی کی بیعت کرے تو اس کو وہ قانونی حیثیت نہیں ملے گی، جو میرے بیعت کرنے کے بعد حاصل ہوگی۔ اگر میں یہ اعلان کردوں کہ یہ خلیفہ برحق ہے جو نماز نہیں پڑھتا، شراب پیتا ہے، تو میں نے دین رسول بیچ دیا۔ میں جان دے سکتا ہوں، میرے بچے مارے جاسکتے ہیں، میری بچیاں قیدی بن کر شہر شہر دھکے کھاسکتی ہیں مگر میں دین کو دفن نہیں کرسکتا۔

کانپ اٹھے ارض و سما دشت و جبل تھرّا اٹھے
خاک پر جس وقت تڑپا، فاطمہؑ کا لاڈلا

آج کے لوگوں کے لئے تو حسین علیہ السلام ایک نام ہے، مگر اس صدی کے لوگ تو جانتے تھے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا لگتا ہے اور ان کی بیعت کی کیا اہمیت ہے۔

امام حسن علیہ السلام، حسین علیہ السلام دونوں بھائیوں کیلئے متعلق ان دونوں کا قاتل یزید ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو فرمایا کہ وہ دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں مگر ان کو آج کل کے ناصبی، نعوذ باللہ، احمق، مغرور اور نسلی غرور میں مبتلا ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ اگر وہ ایسے ہی تھے تو جنت کے جوانوں کے سردار کس لئے تھے؟

وہ دونوں دورِ نبویؐ میں تو بچے تھے۔ انہوں نے اس وقت کون سا کارنامہ سرانجام دیا تھا جو ان کو اتنے بڑے مرتبہ کی نوید سنائی گئی، اگر امام حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کے بعد والے کارناموں کو غلط ٹھہرائیں تو ان کو کیوں جنت کے جوانوں کے سردار فرمایا گیا؟ اگر کسی بد نصیب اور احمق کے دل میں یہ خیال آئے کہ نانا نے محض نواسے ہونے کی وجہ سے تعریف کردی تو وہ کافر ہوجائے گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اقرباء پروری کا الزام لگاتا ہے۔ اس پورے خاندان کے فضائل صحیح احادیث سے مناسب مقام پر مذکور ہوں گے۔

ذہن میں یہ خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ باقی صحابہ نے اس وقت بغاوت کیوں نہیں کی؟ ہم اہل سنت کی کتابوں سے ان کا عذر بیان کرچکے ہیں کہ جب سر پر تلوار لٹک رہی ہو تو جان بچانے کی دین نے اجازت دی ہے۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ یزید کے فسق میں تو کوئی شبہ نہیں۔ صحابہ کے دو گروہ بن گئے تھے۔ ایک نے کہا کہ یہ خدا کی طرف سے عذاب ہے لہٰذا صبر کرو اور اللہ سے دُعا کرو لیکن امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا عزیمت کی راہ یہی ہے کہ میدان میں آؤ۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے جو اشعار کہے وہی ان کا مشن تھا۔

وَاِنْ کَانَتِ الابدانُ لِلْموْتِ اُنْشَئَتْ
فَقَتْلُ امرئی فی اللہ اَولیٰ و اَفْضَلُ

جب یہ بدن بنے ہی موت کیلئے ہیں تو پھر اللہ کی راہ میں موت بہتر اور افضل ہے

سیدنا حسین علیہ السلام سادہ لوح نہیں تھے جو لوگوں کے کہنے میں آ گئے۔ وہ بہت دانا تھے۔ وہ کوفہ میں رہ چکے تھے۔ وہ ایک ایک آدمی کو جانتے تھے۔ وہ لوگ ان کے والد کے ساتھی تھے۔ ان کے بارے میں امام علیہ السلام کو کوئی شبہ نہ تھا اور نہ ان لوگوں نے کوئی دھوکہ کیا۔ اس وقت ملوکیت کی شکل میں سب سے بڑی قیامت آ چکی تھی۔ جب یہ قیامت آ رہی تھی تو امت کی زبانیں گنگ کر دی گئی تھیں اور ان کے ہاتھ باندھ دیئے گئے تو اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وارث امام حسین علیہ السلام ہی میدان میں آیا۔ اگر اسلام میں سے حسین علیہ السلام نکال دیا جائے تو اسلام کسی شے کا نام نہیں ہے۔ انہوں نے اپنا احتجاج نوٹ کرا دیا کہ جو ہو رہا ہے، غلط ہو رہا ہے۔

یہ درست ہے کہ ہوتا پھر بھی وہی رہا اور اس طوفان کا راستہ روکا نہ جا سکا، اور بہتر (72) ساتھیوں سے روکا جا بھی نہیں سکتا تھا۔ امام جانتے تھے کہ میرے باپ کو بھی ان لوگوں نے اپنی چالاکیوں سے بے بس کر دیا تھا، میرے بھائی حسن علیہ السلام کو حکومت چھوڑنا پڑی، اب کون میری مدد کیلئے آئے گا؟ نہ کوئی مدد کو آنے والا تھا نہ وہ اس امید پر نکلے تھے ناانصافی پر مبنی اکثریتی فیصلہ کو اکیلا جج بدل نہیں سکتا لیکن اختلافی نوٹ دے کر وہ تاریخ میں زندہ ہو جاتا ہے۔ ملوکیت کو کالعدم قرار دینے کیلئے یہ ان کا آخری قدم تھا۔

جب خدا اور رسولؐ کے دشمن دنیا میں موجود ہیں تو حسین علیہ السلام کے دشمنوں کا کیا گلہ، دشمن اپنی موت مرتے رہیں گے، وہ زندہ ہے۔

علی علیہ السلام و حسین علیہ السلام، امت کے پیشوا

دین کا ایک باب حضرت علی علیہ السلام نے مکمل کیا۔ وہ یہ کہ جب خلیفہ برحق ہو اور مسلمان گروہ بغاوت کر دے تو باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ یہ صرف حضرت علی علیہ السلام کے طرز عمل سے پتہ چلتا ہے کہ ایسی صورت میں خلیفہ برحق کو کیا کرنا چاہیے۔ مسلمان باغیوں سے کیا سلوک کیا جائے، ان کے قیدیوں سے کیا سلوک ہو، ان کے مُردوں سے کیا سلوک

ہو، ان کے اموال کے ساتھ کیا کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سب امام کہتے ہیں کہ اگر علی علیہ السلام نہ ہوتے تو یہ باب نامکمل رہ جاتا اور اس بارے میں وہی امت کے پیشوا ہیں۔ یہ ہدایہ میں ہے، سورہ حجرات کی تفسیر میں، فقہ میں کتاب البغاۃ اور احادیث میں ہے۔ اگر حسین علیہ السلام نہ ہوتے تو مسلمانوں کو یہ پتہ نہ چلتا کہ اگر مسلمانوں کی حکومت بگڑ جائے تو اس کا کیا علاج کیا جائے اور بگڑے حکمران کا کیا حال ہے؟ اس بارے میں امت کے امام حسین علیہ السلام ہیں۔ صاف بات یہ ہے کہ امیر معاویہ نے دین کا ستیاناس کر دیا۔ خود ارشاد نبوی ہے کہ خلافت تیس سال تک ہے اور پھر ملک عضوض ہے۔ اس ملک عضوض (کاٹ کھانے والی بادشاہت) کے مقابلہ میں ایک جوانمرد اٹھا جس کا نام حسین علیہ السلام ہے۔

شدیم خاک و لیکن زبوئے تربتِ ما
تواں شناخت کزیں خاک مرد می خیزد

ہم خاک ہو گئے لیکن ہماری قبر کی خوشبو سے معلوم ہو گا کہ قیامت والے دن اس قبر سے کوئی جواں مرد اٹھے گا۔

امام حسین علیہ السلام کے برحق ہونے کی واقعاتی دلیل

آپ علیہ السلام برحق کے ہونے کی ایک واقعاتی دلیل یہ بھی ہے کہ جب آخری رات آپ علیہ السلام نے چراغ بجھا دیا اور ساتھیوں سے فرمایا کہ تم چلے جاؤ، تمہیں کوئی نہیں روکے گا، ان کی دشمنی صرف میرے ساتھ ہے۔ مگر ان میں سے ایک بھی نہیں گیا۔ اگر وہ سمجھتے کہ امام علیہ السلام حق پر نہیں ہیں اور خواہ مخواہ ضد کر رہے ہیں تو ساتھی کیوں موت کا انتخاب کرتے، آپ علیہ السلام کے ساتھ تو بہتر (72) اس لفظ کو بہتر بھی پڑھیں تو بجا ہے یعنی وہ 72 بہتر بھی تھے، ساتھی تھے مگر رات کے پردے میں 100 کے قریب آدمی یزیدی لشکر سے آ کر امام علیہ السلام کے ساتھ مل گئے۔ انہوں نے بھی امام علیہ السلام کے ساتھ موت (دراصل دائمی زندگی) کا انتخاب بلا جبر و اکراہ بخوشی کیا۔ حتیٰ کہ ان کا کمانڈر حر رحمۃ اللہ علیہ بن یزید ریاحی، جو قافلہ امام علیہ السلام کو گھیر کر لایا تھا، وہ بھی صبح کے وقت گھوڑے کو ایڑ لگا کر آپ علیہ السلام کے پاس آ گیا

اور کہا امام! مجھے معاف کر دیں، میں ہی قصوروار ہوں، اگر میں سمجھتا کہ یہ ظالم اس حد تک چلے جائیں گے، میں کبھی آپ کو گھیر کر نہ لاتا، اس نے معافی مانگ لی اور امام علیہ السلام کی طرف سے شہید ہوا۔ اس نے 1,000 سپاہیوں کی کمان چھوڑی اور موت قبول کی۔ آپ علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے ایک بھی ادھر نہیں گیا، ادھر سے اتنے لوگ آ گئے، یہی برحق ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے۔

جب ابن زیاد نے آپ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ خود کو اس کے حوالے کر دیں تو آپ علیہ السلام نے فرمایا عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

بزرگ فلسفۂ قتلِ شاہ دین ایں است
کہ مرگ سرخ بہ از زندگی ننگیں است
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت
سطر عنوان نجات ما نوشت

دینی یا اقتدار کی جنگ؟

واقعہ کربلا کے بارے میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ دینی جنگ نہیں بلکہ اقتدار کی جنگ تھی۔ یہ الفاظ ہی کہنے والے کے ذہن کی تنگی اور دین سے بے خبری کی دلیل ہیں۔ صدیوں کے پراپیگنڈے نے لوگوں کو اس طرح مسحور کر دیا کہ اپنی متاع مسروقہ کی پہچان تک بھول گئے۔ اقتدار تو وہ شے ہے جس کے بغیر اللہ کا دین قائم ہی نہیں ہوتا۔ قیام دین کیلئے اقتدار کوئی طعنہ نہیں ہے۔ ظالم خود فرعون کی طرح اقتدار سے چمٹے رہتے ہیں، مگر جب کوئی اللہ کا بندہ اپنے لیے نہیں بلکہ اللہ کے دین کے لئے اقتدار چاہتا ہے تا کہ اللہ کا دین نافذ ہو تو یہ لوگ وہی بات کہتے ہیں جو فرعون نے کہی تھی کہ موسیٰ و ہارون تو یہ چاہتے ہیں کہ مصر کی بادشاہی انہیں مل جائے۔

(سورۂ اعراف:110/7، طہٰ:57/20، الشعراء:35/26)

فرعون نے یہ بات دراصل اپنے درباریوں کو بے وقوف بنانے کے لئے کہی تھی۔

طلب اقتدار کا طعنہ دینے والوں سے کوئی نہیں پوچھتا اگر اقتدار اتنا ہی شجر ممنوعہ اور گندی چیز ہے تو آپ مہربانی کر کے اس کو چھوڑ دیں۔

اس بارے میں پہلے تو آپ اپنا ذہن صاف کریں کہ **الاسلام و السلطان اَخوان توأمانِ** یعنی اسلام اور طاقت دونوں جڑے ہوئے پیدا ہونیوالے بھائی ہیں۔ دونوں میں سے ایک نہ ہو تو دوسرا خراب یا ختم ہو جائے گا۔

اقتدار کی جنگ کا طعنہ دینے والوں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اقتدار کی جنگ تو شروع سے ہی انبیاء کرام علیہم السلام لڑ رہے ہیں تا کہ اقتدار کفار اور بدمعاش لوگوں کے پاس نہ رہے، اگر سیاست دین سے الگ ہو جائے تو سوائے ظلم کے اور کچھ بھی نہیں اسلام کی مثال عمارت کی بنیاد کی ہے۔ اگر بنیاد نہ ہو تو عمارت گر جائے گی۔ حکمران کی مثال عمارت کے محافظ کی ہے، اگر وہ نہ ہو تو عمارت ضائع ہو جائے گی۔ اسلام میں ایسا حکمران درکار ہے جو وقت کا سب سے بڑا ولی، مرشد اور طاقتور حکمران ہو۔ قیامت کے دن سب سے بڑا انعام بھی امام عادل کو ہی ملے گا اور سب سے بڑی سزا ظالم حکمران کو ملے گی۔ جو سات گروہ اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے ان میں پہلا امام عادل ہے۔

اسلام اور عمل مسلمین الگ الگ ہیں

امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کیوں ناکام ہوئے اور امیر معاویہ کیوں کامیاب ہوئے؟ صرف اس لئے کہ امیر معاویہ نے بیت المال کے دروازے اپنے حواریوں پر کھول دیئے۔ یہ حکمران کے پاس عوام کی امانت تھی جو لٹانا شروع کر دی۔ حتیٰ کہ حضرت علی علیہ السلام کے بھتیجے اور داماد، جو حضرت زینب علیہا السلام کے شوہر تھے یعنی عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو بھی ایک لاکھ درہم دے کر ساتھ ملا لیا۔ بعد میں یزید نے ان کو دو لاکھ سالانہ دینا شروع کر دیئے۔ امام حسین علیہ السلام نے یہ سب کچھ دیکھ کر ہی اتنا بڑا اقدام کیا

کہ اب کوئی اور صورت باقی نہیں رہ گئی سوائے اس کے کہ اپنا احتجاج نوٹ کرا دیا جائے۔ چونکہ لوگ بک چکے ہیں لہٰذا جان دے کر بتا دیا جائے کہ سب کچھ غیر آئینی ہو رہا ہے اور یہ کہ اسلام حکمرانوں کے اعمال کا ذمہ دار نہیں ہے۔ انہوں نے لکیر کھینچ دی کہ اسلام اور ہے اور مسلمان جو کچھ کرتے ہیں وہ اور ہے۔ اسلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا نام ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اسی لیے لکھا کہ تاریخ مسلمین اور تاریخ اسلام الگ الگ ہو گئے۔

تمام انقلابی تحریکوں کے لئے نمونہ حسین علیہ السلام ہیں۔

تاریخ میں جہاں کہیں کسی بھی انقلابی تاریخ کا ذکر آئے گا، وہاں سیدنا امام حسین علیہ السلام کا حوالہ ساتھ ہی ملے گا۔ لوگ اٹھے ہی اس لیے اور جانیں دیں کہ ایک طرف مصلحت ہے، دوسری طرف عشق ہے جو کہتا ہے کہ جان دے دو تا کہ اعلیٰ اقدار اور اصول تباہ نہ ہونے پائیں۔ آپ نے بے سروسامانی اور کسی فوج کے بغیر اس وقت کی سب سے بڑی سلطنت سے ٹکر لی اور بقول معصب بن زبیر رضی اللہ عنہ کسی حلال زادے کیلئے کوئی بہانہ نہ چھوڑا۔ جو لوگ سود و زیاں کا حساب لگاتے ہیں وہ اس راہ پر نہیں چل سکتے مگر جو اس سے بے نیاز ہوں، وہی تاریخ میں جگہ پاتے ہیں۔ جبکہ مصلحت بین کیڑوں کی طرح مرنے کے بعد بے نشان ہو جاتے ہیں۔

جس دھج سے کوئی مقتل کو گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جاں کی تو کوئی بات نہیں

دیوانگان عشق اس لئے اقدار کی حفاظت کرتے ہیں کہ ان کی نظر میں طاقت نہیں بلکہ حق طاقت ہے۔

اکثریت پر نہیں حق اور صداقت کا مدار
دے کے سر سمجھا گئے ہم کو حسینؑ ابن علیؑ

واقعہ کربلا کی اہمیت

اسلام کے عالمی مبلغ و داعی سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب المرتضیٰ میں لکھتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں اولادِ رسول علیہ السلام سے ہونے والے برے سلوک سے تمام مسلمانوں پر ذلت چھا گئی ہے۔ اس واقعہ کا وسیع پس منظر ہے، یہ کوئی وقتی اشتعال نہیں تھا، بات بہت پہلے سے شروع ہوتی ہے۔ مگر بدقسمتی سے لوگوں نے اسے دین کا حصہ نہ سمجھا۔ حالانکہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں حدیثوں میں پیش گوئی اور بعد از شہادت روح پاک نبوی پر ہونے اثر کے متعلق صحیح احادیث کو مدنظر رکھا جاتا تو معلوم ہوتا کہ یہ کوئی سیاسی نہیں بلکہ دینی جنگ تھی۔ کچھ لوگوں نے اس واقعہ کو کمائی کا ذریعہ بنا لیا اور کچھ نے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی کہ اس میں بڑے بڑے لوگوں کا نام آتا ہے بات کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کسی نے نہ کی۔ صاف بات یہ ہے کہ جس نے حسین علیہ السلام کا واقعہ نہیں سمجھا، اس کو اسلام کی سمجھ نہیں آ سکتی۔ یہ صرف ایک شخصیت کا واقعہ نہیں بلکہ عین اسلام ہے۔ خدا کے سارے نبی علیہم السلام جس بات کو لے کر دنیا میں آئے وہ خلافت اسلامیہ کا قیام ہے۔ وہ صرف پوجا پاٹ کرانے کیلئے تشریف نہیں لائے۔ ان کے مشن کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورۂ حدید :25/57 میں فرمایا: ''ہم نے کتاب بھی اتاری اور لوہا یعنی طاقت بھی'' کیونکہ اسلام حکومت کے بغیر بالکل یتیم ہے۔ اسلام حکومت کے بغیر وعظ و نصیحت ہو سکتا ہے، جس کی مرضی مانے، جس کی مرضی نہ مانے۔ خلیفۃ المسلمین صرف ایک حکمران نہیں بلکہ نائب رسولؐ ہے۔ اس نے وہ سارے فرائض ادا کرنے ہوتے ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی مبارک زندگی میں ادا فرماتے تھے۔ وہ دین کا سب سے اعلیٰ نمونہ اور سیرت رسولؐ کے سب سے قریب ہوتا ہے، اسی لیے خلیفہ کو امام کہا گیا ہے۔ امام عربی میں اس دھاگے کو کہتے ہیں جو معمار لوگ دیوار کو سیدھا رکھنے کے لئے، تعمیر کے وقت دونوں سروں پر باندھ دیتے ہیں۔ اگر اس میں ٹیڑھ آ جائے تو ساری عمارت ٹیڑھی ہو جائے گی۔

جب یہ امت غلط موڑ مڑ رہی تھی تو بدقسمتی سے لوگوں نے فرزند رسول علیہ السلام کا ساتھ

نہیں دیا۔ اگر ساتھ دیتے تو خرابی وہیں ختم ہو جاتی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم پر ایک سے بڑھ کر ایک بدمعاش حکمران بنا۔ واقعہ کربلا ایک کہانی نہیں بلکہ نظام شریعت کو سمجھنے کیلئے، نظام شریعت کا قیام، غلبہ اسلام اور پوری دنیا میں دین کو قائم کرنے کے لئے، جو مسلمانوں کا اصل فریضہ ہے، بہت ضروری سبق ہے جب تک مشرق سے مغرب تک اسلام حکمران نہ بن جائے، مسلمانوں کو آرام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

حدیث میں ارشاد رسولؐ ہے کہ ساری زمین میرے لیے مسجد بنادی گئی ہے۔ جب تک اس مسجد کا کوئی حصہ کفار کے قبضہ میں ہے مسلمانوں پر آرام حرام ہے۔

الحذر اے گردشِ نہ آسمان
مسجد مومن بدست دیگراں؟

زمانے کے اس نئے انقلاب سے پناہ! کہ مومن کی مسجد (زمین) کفار کے قبضہ میں ہے؟

دین صرف غلبہ کا نام ہے، غلام کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ اس لیے مسلمانوں کو قرآن مجید میں حکم دیا گیا، جو کفار کے علاقہ میں رہتے تھے، کہ یا تو وہاں سے ہجرت کر و یا وہاں اسلام کے غلبہ کی کوشش کر و ورنہ منافقوں میں شمار ہو گے۔

(سورۂ نساء: 97/4) میں مکہ میں رہنے والے مسلمانوں، جنہوں نے ہجرت نہ کی تھی، بوقت حالت نزع فرشتوں کا مکالمہ نقل ہوا ہے جو سب مسلمانوں کیلئے نصیحت آموز ہے۔ ان لوگوں کو جو کفار کی ماتحتی میں رہ رہے تھے اگر چہ دورِ نبوی کے مسلمان تھے، دوزخ کی سزا سنائی گئی ہے۔ اسلامی حکومت کو سمجھنے کی کوشش کریں، یہ شرک اور توحید کا مسئلہ ہے اور یہ شرک سے کم نہیں کہ خدا کی زمین پر بندے حکومت کریں اور اپنی من مرضی سے حکومت کریں۔ اسلامی حکومت میں خلیفہ من مرضی نہیں بلکہ خدا کی مرضی کے مطابق حکومت چلاتا ہے اور خود کو خدا کے سامنے جوابدہ سمجھ کر حکومت کرتا ہے۔ اسی لیے وہ عوام سے زیادہ قانون کا پابند ہوتا ہے۔

جب حکومت خدا کے قانون سے آزاد ہو جاتی ہے تو طاغوت بن جاتی ہے اور جو اس کی فرماں برداری کرتے ہیں وہ بت پرستی کرتے ہیں۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے اپنے خون سے لکھ دیا کہ اگر کلمہ گو بھی حکومت کرے مگر خدا کے قانون کے مطابق نہ کرے تو وہ بت ہے اور مشرک ہے۔ یہ تو سیکولرازم ہے کہ دین عبادت خانوں میں رہے اور حکومت کو اپنی مرضی کرنے دو۔ یہ بہت بڑا فتنہ اور شرک ہے۔ قرآن مجید میں منافقین کا شرک یہی تحاکم الی الطاغوت بیان ہوا ہے۔ جب کوئی حکمران یا عدالت خدا کی کتاب کو چھوڑ کر فیصلے دیتی ہے تو وہ طاغوت اور بت ہے اور جو ایسے حکمران یا ایسی عدالت سے فیصلے کراتا ہے وہ مشرک ہے۔ کربلا دین کی بنیاد اور لا الہ الا اللہ کی تشریح ہے کہ حکمران کو دین سے الگ نہیں ہونا چاہیے۔ جب یہ فتنہ آیا اسلام تباہ ہوا۔ اس عظیم واقعہ کی حقیقت شیعہ سنی کش مکش میں چھپ کر رہ گئی۔ نواسۂ رسول علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ یہ نہ سوچا کہ ایسا کیوں ہوا؟ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ دین کو برباد کیا برے بادشاہوں نے، برے درویشوں نے اور برے علماء نے

واقعہ کربلا دو شخصیتوں کا نہیں بلکہ اسلامی حکومت کے دفاع کیلئے جان دینے والوں اور ظالم کے مسلمانوں کا سربراہ بن جانے کی دو علامتیں ہیں۔ حدیث کی کتابوں میں جہاں نماز روزے کے احکام میں وہیں حکومت کرنے کے احکام بھی ہیں اور اس کی فرماں برداری کی حدود بھی بیان ہیں کہ کب تک حکومت کی تابعداری کی جائے گی۔

توحید یہ ہے کہ کسی بندے کو خود پر حکومت نہ کرنے دو بلکہ خدا کا قانون حکومت کرے۔ یہ بات مسلمانوں کے ذہنوں سے بڑی محنت سے نکالی گئی ہے اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جو آجائے اسے سلام کرو۔ ظالموں سے تعاون کرنے میں حسین علیہ السلام کے نام لیوا سب سے آگے ہیں اور وہ وقت کے ہر یزید کا ساتھ دیتے ہیں۔

آساں نہیں ہے معرفتِ راز کربلا
دل حق شناس دیدۂ بیدار چاہیے

امام حسین علیہ السلام کے قاتل کون تھے؟

حضرت علی علیہ السلام سے لڑنے والوں اور امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنے والوں کا شجرہ نسب دیکھو کہ وہ کن کی اولاد ہیں۔ ان کے بڑے کس کس جنگ میں علی علیہ السلام کی تلوار سے قتل ہوئے؟ تو یہ بالکل واضح ہو کر سامنے آجائے گا کہ یہ بعد کی بات نہیں یا حکومت کی رٹ قائم کرنے کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ دیرینہ دشمنی تھی۔ دونوں فریق سات پشتوں سے مدمقابل تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ اس کے ساتھ ساتھ واقعہ حرہ جو آپ پڑھ چکے ہیں، کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوگا کہ انصار رضی اللہ عنہ سے پرانے بدلے لیے جا رہے ہیں۔ یزید پاگل نہیں تھا بلکہ اس نے بدر میں اپنے بڑوں کے قتل کا بدلہ لیا۔ ادھر سیدنا حسین علیہ السلام کا اقدام بھی کڑھی کا وقتی ابال نہیں تھا بلکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ لوگ اسلام کو لگاتار نقصان پہنچاتے چلے آرہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم تھا کہ کفار کی اولاد گو کلمہ پڑھ چکی ہے مگر پرانی دشمنی اور قتل ان کو بھولے نہیں۔ ان کے بڑے علی علیہ السلام و انصار کی تلواروں سے قتل ہوئے تھے، وہ یہ کیسے بھول سکتے تھے۔ جنگ بدر کے مقتولین ہی دیکھ لیں! ستر میں سے چوبیس کافر حضرت علی علیہ السلام نے قتل کیے۔ علی علیہ السلام کی تلوار کفار کیلئے مصیبت بن گئی۔ جن لوگوں کے نانا اور بھائی ان کی تلوار سے قتل ہوئے، انہوں نے بدلہ تو لینا ہی تھا۔ امیر معاویہ کا بھائی حنظلہ، امیر معاویہ کا نانا عتبہ اور ہند کا باپ، علی علیہ السلام کی تلوار سے بدر میں قتل ہوئے۔ عقبہ بن ابی معیط، جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اوجھڑی ڈالی تھی، وہ بھی بدر میں علی علیہ السلام کی تلوار سے قتل ہوا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کا فاسق بیٹا ولید بن عقبہ گورنر بن گیا تو علی علیہ السلام کی شامت تو آنی ہی تھی۔

جب بات حسین علیہ السلام سے شروع کی جاتی ہے تو سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ ادھوری ہے۔ بات بہت پہلے سے شروع ہوئی ہے۔ صرف پردہ ڈالنے کے لئے بات حسین علیہ السلام و یزید سے شروع کی جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آئندہ ہونے والے واقعات کی پیشگی خبر دے دی تھی

اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما گئے تھے کہ علی علیہ السلام و انصار رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں سے اللہ محبت رکھے اور ان سے بغض رکھنے والوں سے اللہ بغض رکھے اور یہ کہ ان سے محبت ایمان اور بغض نفاق کی نشانی ہے جیسا کہ اپنے اپنے مقام پر گذر چکا۔

جس بات کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے بعد اندیشہ تھا، وہی انصار کے ذہن میں بھی تھا۔ اسی لیے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ قریشی و انصاری باری باری خلیفہ بننا چاہیے تاکہ ہر حکمران محتاط ہو کر کام کرے۔ اگر ان لوگوں کی اولاد کبھی حکمران بن گئی جن سے ہم نے جنگیں لڑی ہیں تو ہمارا بہت نقصان ہوگا۔ ان کا یہ خدشہ واقعہ حرہ میں حقیقت بن کر سامنے آ گیا اور انصار نے بھگتا۔

امام ابن حجر فتح الباری ج: 12، ص: 153 پر لکھتے ہیں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو دوران گفتگو، حضرت حباب ابن منذر بدری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ باری باری ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک ہم میں سے ہوا کرے گا۔ اس خلافت کے معاملہ میں ہم آپ سے حسد نہیں کرتے بلکہ ہم کو ڈر ہے کہ وہ لوگ حاکم بن جائیں گے، جن کے باپ اور بھائی ہم نے جنگوں میں قتل کیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر ایسا ہو گیا تو پھر مر جانا بہتر ہے۔ مگر ایسا ہو کر رہا۔

امام حسین علیہ السلام کا اصل مشن

امیر معاویہ کی وفات کی اطلاع ملنے پر کوفہ سے سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا کہ "شکر ہے آپ کے مخالف کی خدا نے کمر توڑ دی ہے اور وہ دنیا سے چلا گیا۔ وہ ڈکٹیٹر، دین کا مخالف، جس نے امت پر تلوار کے زور سے قبضہ کیا، امت سے سب کچھ چھین کر خود مالک بن گیا، امت کا خزانہ غصب کر لیا، امت خوش نہیں تھی مگر سر پر سوار

ہوگیا، امت کے نیک آدمیوں کو قتل کیا، بدترین لوگوں کو ترجیح دی، اللہ کا مال، بیت المال، اپنے ساتھیوں اور بدمعاشوں میں بانٹا۔ جیسے قوم ثمود دنیا سے دفع ہوئی، اسی طرح وہ بھی دنیا سے دور ہوا۔ (طبری، ج:4،ص:261-262)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الامم والملوک ج:4،ص:262 پر لکھتے ہیں کہ

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب میں لکھا "تم پر سلام ہو، میرا ارادہ پختہ ہو چکا ہے، میں آ رہا ہوں۔ اللہ کی قسم مسلمانوں کا سربراہ صرف وہ ہوسکتا ہے جو اللہ کی کتاب پر عمل کرے، انصاف کو اپنا طریقہ بنائے، حق پر قائم رہے اور خود کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر باندھ کر رکھے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخلوق میں سے چنا، ان کو نبوت کا تاج پہنایا، نبی ہونے کیلئے منتخب کیا، پھر ان کو اپنی طرف واپس بلالیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانوں کی خیر خواہی کر گئے اور تمام دین پہنچا گئے۔ ہم خاندان رسالت تھے، ہمارے حق میں تاکید فرمائی۔ ہم آپ علیہ السلام کے خلیفہ بننے کے سب سے زیادہ حق دار تھے، مگر ہماری قوم نے ہم پر دوسروں کو ترجیح دی، ہم راضی ہوگئے۔ امت میں اختلاف کو ہم نے پسند نہ کیا بلکہ خیر خواہی اور صلح کو پسند کیا حلانکہ ہم جانتے تھے کہ جو حکومت پر بیٹھ گئے ہم ان سے زیادہ حق دار ہیں اور زیادہ اچھے طریقہ سے حکومت چلا سکتے ہیں، مگر جو حکومت پر بیٹھے انہوں نے بہت اچھے کام کئے۔ مسلمانوں کی بہتری کی اور حق پر چلتے رہے۔ اللہ ان سب پر رحمت کرے، ان کو اور ہم کو بخشے۔ میں اپنے قاصد کو خط دے کر بھیج رہا ہوں اور میری اس تحریک کا مقصد آپ کو کتاب اللہ اور سنت رسول علیہ السلام کی طرف بلانا ہے کہ ان کو قائم کرو۔ سنت مٹا دی گئی اور بدعت زندہ کر دی گئی۔ اگر تم میری بات سنو گے اور مانو گے تو تحریک کامیاب ہوگی۔ میں تم کو راہ راست پر چلاؤں گا۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ"

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:188-189 پر لکھتے ہیں کہ امام نے ان خطوط کی بنا پر کوفہ جانے کا ارادہ کرلیا۔ ابن کثیر ج:8،ص:182 پر لکھتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق پہلے عبداللہ بن یقطر اور دوسری بار قیس بن مسہر خط لے کر گئے۔

امام حسین علیہ السلام سید الشہداء ہیں

امام ناصرالدین البانی **سلسلة الاحاديث الصحيحه** ج:1، حدیث نمبر 374 پر حدیث لائے ہیں کہ حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سید الشہداء تھے اور وہ بھی سید الشہداء ہوگا جو ظالم حکمران کو ظلم سے روکے اور ظالم اسے قتل کر دے۔

نسائی کتاب البیعت باب فضل من قال بالحق عند امام جائر میں طارق بن شہاب سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا اور آپ علیہ السلام رکاب میں پاؤں رکھ چکے تھے، کہ کون سا جہاد افضل ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا جابر سلطان کے سامنے حق بات کہنا۔

کوفہ بلانے والے کون تھے؟

کوفہ میں بلانے والے حضرت سلیمان بن صرد صحابی رضی اللہ عنہ تھے جن کے بارے میں امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8،ص:255 میں لکھتے ہیں کہ **صحابياً جليلاً نبيلاً عابداً زاهداً**۔ انہوں نے اپنے گھر میں چار آدمیوں کو بلایا (ان کا ذکر جنگ توابون میں آئے گا) اور کہا کہ ایک طاغوت سے اللہ نے ہماری جان چھڑائی اور دوسرا ہم پر مسلط ہوگیا۔ امام حسین علیہ السلام کو دعوت دو اور ان کا ساتھ دو تا کہ ان ظالموں سے جان چھڑائی جاسکے۔ انہی پانچ آدمیوں نے امام حسین علیہ السلام کو پہلا خط لکھا۔ اس عظیم صحابی کو لوگ بدنام کرتے ہیں کہ انہوں نے امام سے دھوکہ کیا۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:281-283 پر لکھتے ہیں ان

لوگوں نے بعد میں اپنے وعدہ کو نبھایا۔ انہی لوگوں نے بعد میں توابون کی تحریک چلائی اور عین الوردہ کے مقام پر شہید ہوئے۔ حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت 93 سال تھی، وہ پہلے مدد اس لیے نہ کر سکے کہ ابن زیاد نے کرفیو لگا کر امام کے ساتھیوں پر قابو پالیا۔ حصین بن نمیر کوتوال نے ناکہ بندی کر دی کہ کوئی امام کی مدد کو نہ جا سکے۔ سلیمان رضی اللہ عنہ بن صرد اور ان کے ساتھی بہت پچھتائے کہ وہ امام کی مدد نہ کر سکے۔

کوفی مجبور تھے، بے وفا نہیں تھے۔ کیونکہ مختار ثقفی نے جب امام کے قتل کا انتقام لیا تو اس کے ساتھ بھی زیادہ تر کوفی ہی تھے جیسا کہ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج:8، ص:284 تا 294 پر لکھا ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں (ج:1، ص:413) **کتاب الاذان باب الکلام فی الاذان** میں لکھا کہ سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے اذان میں بات کی، پھر کتاب ج:5، ص:351 **کتاب المغازی** میں **باب غزوہ الخندق وھی الاحزاب** میں ان سے حدیث روایت کی ہے کہ جب کافر جنگ خندق کے بعد واپس لوٹ گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اب ہم کفار پر حملہ کریں گے، وہ ہم پر حملہ نہیں کریں گے۔ امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے **کتاب الصلوٰۃ، ابو اب السفر باب انزل القرآن علی سبعہ احرف** میں ج:1، ص:596 پر ان سے روایت نقل کی ہے۔

واقعہ کربلا اور صحابہ رضی اللہ عنہم

سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ، امام حسین علیہ السلام کو کوفہ بلانے والے بھی صحابی تھے اور یہ بھی امر واقعہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ میں کوئی صحابی کربلا میں نہ آیا بلکہ حضرت انس بن الحارث صحابی رضی اللہ عنہ امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دیتے ہوئے کربلا میں شہید ہوئے۔

عوام اور اکابر رضی اللہ عنہم کی نظر میں مقامِ حسین علیہ السلام

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ ولنہایہ ج:8، ص:104 پر لکھتے ہیں:

"عام لوگ دل سے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو یزیدی لشکر، عمرو بن زبیر کی سرکردگی میں گرفتار کرنے آیا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے فتح دی۔ یزیدی فوج شکست کھا کر واپس ہوگئی۔ ابن زبیر نے یزیدی لشکر میں سے جتنے چاہے ہلاک کر دیئے۔ اپنے بھائی عمرو بن زبیر کو پہلے خوب مارا، قید کر دیا، پوری طرح بدلہ لیا، توہین کی۔ اس طرح حجاز کے علاقہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو کامیابی ہوئی۔ ان کی شہرت ہر طرف پھیل گئی۔ ان تمام کامیابیوں کے باوجود لوگوں کی نظروں میں ان کی اتنی عزت نہیں تھی جتنی امام حسین علیہ السلام کی تھی سارے لوگوں کا رجحان یقیناً امام حسین علیہ السلام کی طرف تھا کیونکہ وہ سید کبیر (بلند پایہ سردار) تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کے بیٹے تھے۔ پوری زمین پر ایک آدمی بھی ان کے برابر کا نہ تھا اور نہ ہم سر تھا مگر پوری یزیدی حکومت ان کی دشمن ہوگئی تھی۔"

جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عبدالملک کے خلاف خروج کیا تو حالات کو ناموافق دیکھ کر ان کی بیوی حضرت سکینہ علیہا السلام بنت الحسین علیہ السلام نے ان کو جنگ پر جانے سے منع کیا۔ تب مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا تیرے باپ (حسین بن علی علیہ السلام) نے کسی حلال زادے کیلئے کوئی بہانہ نہیں چھوڑا۔ (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:338)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ جب حسین علیہ السلام قتل کر دیئے گئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ان کے قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا۔ یہ بھی فرمایا کہ گو اللہ نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر رہے گا، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر

ترجیح دی۔ اللہ تعالیٰ حسین علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رسوا کرے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ خدا کی قسم انہوں نے حسین علیہ السلام کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے تھے اور دن کو کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو (یزیدکو) ملا ہے وہ اس کے ان (یزیدیوں) سے زیادہ حقدار اور دین اور فضیلت کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے۔ بخداوہ تلاوت قرآن کی بجائے گانے بجانے اور خوف الٰہی سے رونے کی بجائے نغمہ وسرود کا شغل نہیں رکھتے تھے، نہ روزوں کی بجائے شراب نوشی میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکر الٰہی کو چھوڑ کر شکار کی تلاش میں گھوڑے کو ایڑ لگایا کرتے تھے، سو یہ لوگ عنقریب آخر میں خرابی دیکھیں گے۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان کی باتیں یزید پر تعریض (طنز) تھیں۔

(تاریخ، ج:5، ص:474-475)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی رائے میں بیعت یزید، بیعت ضلالت تھی۔ (الفصل، ج:4، ص:105)

سلسلة الاحاديث الصحيحه نمبر 564، بخاری کتاب المناقب باب مناقب الحسن علیہ السلام والحسین علیہ السلام میں روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر احرام والا آدمی مکھی کو مار ڈالے تو اس کا کیا کفارہ ہے؟ عبداللہ نے کہا عراق والے مکھی مارنے کے بارے میں پوچھتے ہیں جبکہ انہوں نے نواسہ رسولؐ کو قتل کر ڈالا حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کی نسبت فرمایا تھا کہ یہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا اس وقت روئے زمین پر امام حسین علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں ہے۔ (مجمع الزوائد ج:9، ص:189)

کہو نہ حاجتِ ذکرِ شہہِ ہدیٰ کیا ہے؟
حسینؑ ہی نے تو ثابت کیا خدا کیا ہے
غمِ حسینؑ دلوں کا نفاق دھوتا ہے
بس اب نہ پوچھ کہ رونے کا فائدہ کیا ہے؟
رضائے حق کی ہر اک راہ میں ہے نقشِ حسینؑ
میں کربلا سے نہ جاؤں تو راستہ کیا ہے؟
اگر حسینؑ کی سیرت پہ ہو سکا نہ عمل
تو پھر یہ مجلس ماتم کا فائدہ کیا ہے؟
حسینیت سے جو ٹوٹا یزیدیت کا بھرم
تو پھر کھلا کہ اثرِ ارضِ کربلا کیا ہے؟
پلٹ نہ آئے جو دریا سے تشنہ لب عباس
تو کون جانتا اس دہر میں وفا کیا ہے؟
بقائے دیں کی ضمانت ہے فاطمہؑ کا پسرؑ
نہیں حسینؑ تو اسلام میں دھرا کیا ہے؟
یہ کربلا کے شہیدوں نے حل کیا ورنہ
کسے خبر تھی فنا کیا ہے اور بقا کیا ہے؟

(سید وحید الحسن ہاشمی)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نے دوپہر کو سوتے ہوئے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ آپ علیہ السلام کھڑے تھے، بال مبارک بکھرے ہوئے تھے، بدن مبارک گرد آلود تھا دست مبارک میں ایک شیشی تھی جس میں خون بھرا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ حسین علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے جو میں صبح سے اکٹھا

کررہا ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے وہ وقت اور دن یاد رکھا۔ جب لٹا پٹا قافلہ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ واقعی وہی دن اور وقت تھا جب عالم ارواح میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے چین تھے۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کو روایت کیا احمد، طبرانی نے، احمد کے رجال صحیح اور قوی ہیں۔"

(الفتح الربانی ج:23، ص:170 حدیث نمبر 378 الفصل الثالث)

ان کے ہاتھوں سے لٹی باغ رسالت کی بہار
جو نمازوں میں سدا پڑھتے رہے صل علیٰ

مشکوٰۃ کی اس روایت کو حافظ یوسف صلاح الدین اہل حدیث نے اپنی کتاب **تنقیح الرواۃ شرح مشکوٰۃ** ج:4، ص:246-247) میں صحیح قرار دیا ہے۔ مگر جب لوگ رسالے لکھتے ہیں تو ان کا کبھی ذکر نہیں کرتے۔ جب شرح لکھتے ہیں تو اس میں صحیح قرار دیتے ہیں۔

شہادت حسین علیہ السلام کی بارگاہ خداوندی میں وہ اہمیت ہے کہ کسی اور کی شہادت کی خبر دینے کیلئے کبھی فرشتہ نازل نہیں ہوا۔ سوائے آپ کی شہادت کے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام فضل رضی اللہ عنہا، انس رضی اللہ عنہ، علی علیہ السلام، عائشہ رضی اللہ عنہا، زینب رضی اللہ عنہا، ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے صحیح طریق پر مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت حسین علیہ السلام کا پیشگی اعلان فرما دیا تھا۔ بعد میں بیشمار تابعین نے یہ روایت بیان کی۔ امام عبدالرحمٰن البناء مصری رحمۃ اللہ علیہ نے مسند احمد کی تبویب و شرح الفتح الربانی ج: 23، الباب الثانی ص:374 تا 376 پر دور یزید کے سب سے زیادہ برے اور دکھ دینے والے حادثہ قتل حسین علیہ السلام کے ذیل میں وہ تمام احادیث جمع کردی ہیں جن میں اس حادثہ کی پیش گوئی کا بیان ہے۔ ان میں سے ایک حدیث پاک میں جو ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرمایا اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا میرے

گھر میں اس وقت ایک فرشتہ داخل ہوا ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں آیا۔ اس نے مجھے حسین علیہ السلام کے ساتھ کھیلتے دیکھ کر پوچھا کیا آپ علیہ السلام اس بچے سے پیار کرتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، اس نے کہا آپ کی امت اس کو قتل کردے گی۔ اگر آپ چاہتے ہیں، تو میں اس جگہ کی مٹی آپ علیہ السلام کو دکھادوں؟ پھر اس نے سرخ رنگ کی مٹی مجھے لا کردی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے مجھے آکر خبر دی کہ میرا یہ بچہ (حسین علیہ السلام) قتل ہوگا۔ یہ کہا! پھر وہاں سے سرخ رنگ کی مٹی لا کردی۔ (سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:2، ص:464 حديث نمبر 821 بحواله مستدرك حاكم، ج:3، ص:176-177- بيهقى فى الدلائل ج:6، ص:187) اس قتل کے بارے میں **سلسلة الاحاديث الصحيحه** میں حدیث نمبر 822 بھی درج ہے۔ امام ہیثمی کی مجمع الزوائد ج:9، ص:187 پر امام نے لکھا کہ اسے احمد نے روایت کیا اس کے رجال صحیح ہیں۔ ابوالطفیل والی روایت کے بارے میں البانی لکھتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔

سیدنا علی علیہ السلام جب صفین کو جارہے تھے تو کربلا پہنچ کر سیدنا حسین علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا ابوعبداللہ ثابت قدم رہنا، ابوعبداللہ ثابت قدم رہنا! لوگوں نے پوچھا حضرت یہ کیا بات ہے؟ فرمایا میں ایک دِن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو بہت رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا کسی نے آپ علیہ السلام کو ناراض کیا ہے؟ فرمایا نہیں ابھی ایک فرشتہ آیا تھا جس نے بتایا کہ حسین علیہ السلام فرات کے کنارے قتل کیے جائیں گے اس لیے مجھے آنکھوں پر قابو نہیں رہا۔

(الفتح الربانی، ج:23، ص:175)

البانی کہتے ہیں کہ اس کی اسناد حسن ہیں۔

(صحیحہ حدیث نمبر 1171، البزار، الجر، البحر، نمبر 884، ابویعلیٰ نمبر 363، طبرانی، نمبر 2811)

اب یہ حالت ہے کہ

قافلہ حجاز میں ایک حسین علیہ السلام بھی نہیں
گرچہ ہیں تا بدار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے **سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ** ج:2،حدیث نمبر 821-822،ص:484 تا486 میں فرشتہ کا شہادت حسین علیہ السلام کی خبر دینا۔مٹی لا کر دکھانا، پہلی بار زمین پر آنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند کے احمد کے حوالہ سے لکھ کر کہا کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

امام ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی مجمع الزوائد ج:9،ص:187 پر امام نے لکھا کہ اسے احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح ہیں۔البانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ ابوالطفیل والی روایت کی سند حسن ہے۔اس شہادت کی خبر بذریعہ وحی ملنے کے سب علماء قائل ہیں۔مشہور اہل حدیث عالم حافظ محمد لکھوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا اپنی کتاب زینت الاسلام پہلے حصہ میں ص:18، پر تقدیر کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے خبر کا ذکر کرتے ہیں۔

بھئی سخت بیماری، دیکھ مشقت حضرت لا سدھائے
پھر دو ہترے پاک نبیؐ دے پیارے سختی دے منہ آئے
اونہاں قتل شہادت خبر نبیؐ نوں وحی ہویا درگاہوں
فاطمہؑ علیؑ نوں دسیا حضرت، ہویا حکم الہیوں
اونہاں دی طرفوں غم دل گیری سبھناں دے دل آہی
پر دم مارن دی کسے نہ طاقت اگے حکم الٰہی

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ ج:8،ص:199-200 پر لکھتے ہیں

”حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد اسانید سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کیا ہے کہ جب آپ صفین کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلا میں حنظل (اندرائن) کے درختوں کے پاس سے گزرے۔آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتایا گیا کربلا ہے۔فرمایا کرب وبلا ہے۔پھر سواری سے اتر کر

آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی اور فرمایا کہ یہاں وہ شہداء قتل کئے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہداء ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے اور یہ فرماتے ہوئے آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا۔لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی چنانچہ حضرت حسین علیہ السلام اس جگہ پر قتل ہوئے۔

امیر معاویہ اور امام حسین علیہ السلام میں خط و کتابت

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امیر معاویہ کا خط نقل کیا ہے جو انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو لکھا معاویہ کو لوگ اطلاع دیتے تھے کہ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھی حضرت حسین علیہ السلام کے پاس آتے ہیں۔مروان نے مدینہ سے معاویہ کو خط لکھا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ حسین علیہ السلام بغاوت کریں گے اور مقابلہ بہت بڑا ہوگا۔اس پر معاویہ نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تم کسی سے معاہدہ کرو تو پورا کرو۔مجھے اطلاع ملی ہے کہ کوفہ کے لوگ تمہارے پاس آتے ہیں اور تجھے دعوت دیتے ہیں کہ تو ہمارے خلاف اٹھے۔عراقیوں کو تم جانتے ہو کہ تمہارے باپ اور بڑے بھائی سے انہوں نے کیا سلوک کیا۔حسینؑ اللہ سے ڈر اور معاہدہ پر قائم رہ! پھر دھمکی دیتے ہوئے لکھا کہ اگر تم میرے خلاف کوئی چال چلو گے تو میں بھی چال چلوں گا۔

سیدنا حسین علیہ السلام نے جواب دیتے ہوئے لکھا کہ تیرا خط ملا ہے۔جو باتیں تم نے لکھی ہیں میں ان میں سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا، میں بھائی کے معاہدہ پر قائم ہوں اور نیکی کا راستہ اللہ بجھاتا ہے۔فی الحال تیرے ساتھ نہ میرا جنگ کا کوئی ارادہ ہے نہ خلاف اٹھنے کا مگر تیرے خلاف جہاد نہ کرنے کا کوئی عذر مجھے بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کیلئے سمجھ میں نہیں آتا۔اور یہ جو تم

نے لکھا ہے کہ میں کسی فتنے میں نہ پڑ جاؤں تو میرے علم کے مطابق اس سے بڑا فتنہ اور کوئی نہیں ہے کہ تیرے جیسا آدمی اس امت کا سربراہ بن گیا ہے۔
(سیر اعلام النبلاء ج:4،ص:150 ،البدایہ والنہایہ ج:8،ص:175)

باغی کون؟

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ المحلیٰ ج:9،ص:362 پر لکھتے ہیں کہ باغی وہ ہوگا جو دین کو چھوڑے، چاہے وہ حکمران ہو یا عوام ہوں۔ اگر حکمران غلط ہے تو باغی عادل ہوں گے۔ جب بھی اس حکمران سے زیادہ عادل خروج کرے تو اس کا ساتھ دو۔ خروج نہ کرنے کے بارے میں اجماع کے دعویٰ کا ردّ کرتے ہوئے انہوں نے کہا اصحاب حرّہ، حسین علیہ السلام اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور حجاج کے خلاف اٹھنے والے 4,000 علماء سے بڑا فقیہ کون ہے جو اجماع کا دعویٰ کرے۔ اگر اجماع تھا تو یہ سارے نعوذ باللہ کافر ہو گئے؟

یہ حکمرانوں کی ڈکشنری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو باغی کہتے ہیں۔

بالکل یہی رائے امام ابو بکر جصّاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی احکام القرآن ج:4، ص:1409 پر امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی فتح الباری ج:12،ص:285-286 پر امام محمد بن ابراہیم الوزیر یمانی رحمۃ اللہ علیہ کی العواصم والقواصم، ج:8،ص:76 پر اور محمد خیر ہیکل کی الجہاد والقتال میں ج:1،ص:167 تا 202 پر ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا تھا کہ منصور عباسی کے خلاف خروج میں ابراہیم بن عبداللہ نفس رضیہ کا ساتھ دینا 50 یا 70 نفلی حج کرنے سے زیادہ ثواب کا کام ہے۔

(احکام القرآن للجصّاص ج:1،ص:81،مناقب الامام الاعظم از ابن البزاز الکردری ج:2،ص:71 مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ از الموفق بن احمد المکیّ ج:2،ص:83)

مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج وقتال حرام ہونے پر اجماع کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ فقہائے اسلام کا ایک بڑا گروہ جس میں اکابر اہل علم شامل ہیں، خروج کرنے والوں کو صرف اس صورت میں باغی قرار دیتا ہے جبکہ وہ امام عادل کے خلاف خروج کریں، ظالم و فاسق کے خلاف صلحاء کے خروج کو وہ قرآن مجید کی اصطلاح کے مطابق بغاوت کا مصداق نہیں ٹھہراتے اور نہ ان کے خلاف جنگ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ظالم حاکموں کے خلاف جہاد کو نہ صرف جائز بلکہ سازگار حالات میں واجب سمجھتے تھے۔ (احکام القرآن للجصاص ج:1،ص:81،ج:2،ص:39)

بنی امیہ کے خلاف زید بن علی علیہ السلام کے خروج میں انہوں نے نہ صرف خود مالی مدد دی بلکہ دوسروں کو بھی تلقین کی۔ (احکام القرآن للجصّاص ج:1،ص:81)

امام سرخسی المبسوط۔ باب الخوارج اگرچہ خروج سے منع کرتے ہیں

مگر فقہائے حنفیہ کا یہ متفقہ مسلک نہیں ہے۔ امام ابن ہمام حنفی ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ باغی وہ ہے جو امام حق کی اطاعت سے نکل جائے۔ حنابلہ میں سے ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ امام غیر عادل کے خلاف خروج کو جائز ٹھہراتے ہیں اور اس پر امام حسین علیہ السلام کے خروج سے استدلال کرتے ہیں۔ (الانصاف ج:10، باب قتال اہل البغی)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الام میں اس شخص کو باغی قرار دیتے ہیں جو امام عادل کے خلاف جنگ کرے۔ (ج:4،ص:135)

المدوّنہ میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مسلک نقل کیا گیا ہے کہ خروج کرنے والے اگر امام عادل کے خلاف جنگ کرنے کے لئے نکلیں تو ان کے خلاف مقابلہ کیا جائے گا۔ (ج:1،ص:407)

قاضی ابو بکر ابن العربی احکام القرآن میں ان کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ جب کوئی

شخص عمر بن عبدالعزیز جیسے امام عادل کے خلاف خروج کرے تو اس کو دفع کرنا واجب ہے، رہا کسی دوسری قسم کا امام تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اللہ کسی دوسرے ظالم کے ذریعہ اس کو سزا دے گا اور پھر کسی تیسرے ظالم کے ذریعہ سے ان دونوں کو سزا دے گا۔ ایک اور قول امام مالک کا انہوں نے یہ نقل کیا ہے کہ جب ایک امام سے بیعت کی جا چکی ہو اور پھر اس کے بھائی اس کے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں گے تو ان سے جنگ کی جائے گی اگر وہ امام عادل ہو رہے یہ ہمارے زمانے کے حکمران تو ان کیلئے کوئی بیعت نہیں کیونکہ ان کی بیعت زبردستی کی گئی ہے۔ پھر مالکی علماء کا جو مسلک سحنون کے حوالہ سے قاضی ابوبکر نے بیان کیا وہ یہ ہے کہ جنگ تو صرف امام عادل کے ساتھ مل کر کی جائے گی خواہ پہلا امام عادل ہو یا خروج کرنیوالا، لیکن دونوں عادل نہ ہوں تو دونوں سے الگ رہو، البتہ اگر تمہاری جان پر حملہ کیا جائے یا مسلمان ظلم کا شکار ہو رہے ہوں تو مدافعت کرو، یہ مسالک نقل کرنے کے بعد قاضی ابوبکر لکھتے ہیں ''ہم جنگ نہیں کریں گے مگر اس امام عادل کے ساتھ جسے اہل حق نے اپنی امامت کیلئے آگے بڑھایا ہو۔''

اگر خروج کرنے والے قلیل تعداد میں ہوں، نہ وہ زیادہ جنگی سامان رکھتے ہوں تو ان پر قانون بغاوت کا اطلاق نہ ہوگا بلکہ عام قانون تعزیرات کے مطابق برتاؤ کیا جائے گا۔ خروج کرنے والے اگر صرف باغیانہ خیالات کے اظہار تک محدود رہیں تو ان کو قتل یا قید نہیں کیا جا سکتا۔ ان کے خلاف جنگ صرف اس وقت کی جائے گی جب وہ عملاً مسلح بغاوت کر دیں اور جنگ سے پہلے ان کو بغاوت چھوڑنے کی دعوت دی جائے گی۔

(المبسوط باب الخوارج۔ فتح القدیر، باب البغاۃ۔ احکام القرآن للجصّاص)

باغیوں سے لڑائی میں جن ضوابط کو ملحوظ رکھا جائے گا وہ نبی ﷺ کے اس ارشاد پر مبنی ہیں جسے عبداللہ بن عمرؓ کے حوالہ سے حاکم، البزّار اور الجصّاص نے نقل کیا ہے ''حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا اے ابن ام عبد جانتے ہو اس امت کے باغیوں کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے عرض کی اللہ اور اس کے

رسول کو زیادہ علم ہے۔ فرمایا ان کے زخمیوں پر ہاتھ نہیں ڈالا جائے گا، ان کے قیدی کو قتل نہیں کیا جائے گا، ان کے بھاگنے والے کا پیچھا نہیں کیا جائے گا اور ان کا مال، غنیمت کے طور پر تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ یہ روایت صحیح نہیں۔

اس ضابطہ کا دوسرا ماخذ جس پر تمام فقہائے اسلام نے اعتماد کیا ہے، حضرت علی علیہ السلام کا قول اور عمل ہے آپ نے جنگِ جمل کی فتح کے بعد اعلان کیا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کرو، زخمی پر حملہ نہ کرو گرفتار ہو جانے والوں کو قتل نہ کرو جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان دو، لوگوں کے گھروں میں نہ گھسو اور عورتوں پر دست درازی نہ کرو خواہ وہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دیں، آپ کی فوج کے بعض لوگوں نے مطالبہ کیا کہ مخالفین کو ان کے بال بچوں کو غلام بنا کر تقسیم کر دیا جائے، اس پر غضب ناک ہو کر آپ نے فرمایا، تم میں سے کون ام المومنین عائشہؓ کو اپنے حصہ میں لینا چاہتا ہے۔ اسی طرح گرفتار شدہ لوگوں کو یہ عہد لے کر کہ وہ پھر بغاوت نہیں کریں گے، رہا کر دیا جائے گا۔ (المبسوط، سرخسی رحمۃ اللہ علیہ)

ذکر حسین علیہ السلام

حکومتوں کی یہ پوری کوشش رہی ہے کہ ذکر حسین علیہ السلام کو مٹا دیا جائے اور اس کیلئے علماء سے فتوے لکھوائے مثلاً امام غزالی کا فتویٰ بیان کیا جاتا ہے کہ عالم کے لئے امام حسین علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنا حرام ہے۔ یاد رکھو! حسین علیہ السلام اور یزید دو آدمی نہیں، دو نظریے ہیں۔ ان دونوں کو سمجھے بغیر اسلام سمجھ میں نہیں آئے گا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ کا مجموعہ امداد الفتاویٰ کے نام سے چھپا ہے۔ اس کی ج:5، ص:265-266 پر کسی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں کہ ''فی الحقیقت واقعہ جانکاہ جناب سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ واحبائہ وسخط علی قاتلیہ و اعداء (اللہ حسین علیہ السلام اور ان سے محبت کرنے والوں سے راضی

ہواوران کے قاتلوں اور دشمنوں سے ناراض ہو۔) اس قابل ہے کہ اگر تمام زمین وآسمان وحور وملک وجن وانس وجمادات ونباتات وحیوانات قیامت تک یہ کہہ کہہ کر رودیں گے کہ اگر یہ مصیبتیں، جو ہم پر پڑیں دنوں پر پڑتیں تو دن کالے ہوجاتے تو بھی تھوڑا ہے۔ مگر خیال کرنے کی بات ہے کہ جن کی محبت میں روویں پیٹیں گے تو جو حرکات ان کے خلاف طبع ہوں ان کا ارتکاب ان حضرات کے ساتھ سخت عداوت ہے۔

دوستی بے خرد چوں دشمنی ست

بے وقوف کی دوستی بھی دشمنی جیسی ہوتی ہے۔

مولانا ص:266 پر فرماتے ہیں کہ ہاں البتہ اگر گاہے گاہے بہ نیت برکت بطور ذکر بزرگاں بلا تعین یوم و بلا انتظام اجتماع مجمع، بروایات صحیحہ معتبرہ، بلا شرکت روافض وبدوں افعال و اقوال نامشروع پڑھے اور غمگین ہو تو باعث برکت ہے۔"

پھر شعر لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ مجھے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کا واقعہ سنا کیونکہ ان کا تذکرہ کستوری ہے جس کو جتنا رگڑو گے، خوشبو زیادہ پھیلے گی۔

شان اہل بیت علیہم السلام (یہ نہ ہوتے زمانے میں اندھیرا ہوتا)

اگر گوئی کہ عالی خاندانم

نظر بر خاندانِ مصطفیٰ کن

(اگر تو کہتا ہے کہ میرا خاندان اعلیٰ ہے تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کو دیکھ) اہل بیت کی شان حدیث کی ہر کتاب میں بیان ہوئی ہے۔ چند احادیث مندرجہ ذیل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسن و حسین علیہما السلام جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، اُنکی ماں فاطمہ علیہا السلام جنت کی عورتوں کی سردار ہے،

اوران کا باپ (علی علیہ السلام) ان سے بھی بڑھ کر ہے۔ (سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:2، ص:428، حدیث:796) از ابن مسعود رضی اللہ عنہ بحوالہ مستدرک حاکم ج:3، ص:167، حاکم نے صحیح کہا اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت کی۔

رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پا ست

پاسِ فرمانِ جناب مصطفیٰ ست

ورنہ گرد تربتش گردیدمے

سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

جنت میں ایک مقام

سیدنا علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، ہمارے ہاں رات گزاری، حسن و حسین علیہما السلام سو رہے تھے۔ رات کو حسن علیہ السلام نے پانی مانگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشکیزے کی طرف گئے، اس سے پیالہ میں پانی نکالا، پھر اسے پلانے کیلئے آئے۔ حسن علیہ السلام کی بجائے پیالہ حسین علیہ السلام نے پکڑنا چاہا لیکن آپ علیہ السلام نے نہ پینے دیا۔ پھر حسن علیہ السلام سے ابتداء فرمائی، سیدہ فاطمہ علیہا السلام نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! ایسے لگتا ہے کہ حسن علیہ السلام آپ علیہ السلام کو زیادہ پیارا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ بات نہیں (دراصل) حسن علیہ السلام نے پانی پہلے مانگا تھا۔ پھر فرمایا، میں، یہ دونوں اور یہ سونے والا (علی علیہ السلام) روز قیامت ایک مقام میں ہوں گے۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحة، حديث نمبر 3319، ابو داؤد طيالسی نمبر 190، طبرانی فی الكبير نمبر 2622، البزار (الكشف نمبر 2616)، ابو يعلىٰ نمبر 510 من طريق آخر و احمد ج:1، ص:101)

مادراں را اُسوۂ کامل بتول

مزرعِ تسلیم را حاصل بتول

سیدنا علی علیہ السلام بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علی علیہ السلام! تجھ

سے محبت کرے گا صرف مومن اور بغض رکھے گا صرف منافق
(صحیحہ حدیث نمبر 1720، مسلم نمبر 78، نسائی نمبر 5021، ترمذی نمبر 3786، ابن ماجہ نمبر 114)

سلسلة الاحاديث الصحيحه ج:3، ص:1293 پر حدیث ہے کہ جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جو مجھ سے محبت کرتا ہے وہ اللہ عزوجل سے محبت کرتا ہے اور جو علی سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے اور جو مجھ سے بغض رکھتا ہے وہ اللہ عزوجل سے بغض رکھتا ہے۔

ترمذی ابواب المناقب حسن بن علی علیہ السلام وحسین ابن علی علیہ السلام میں یعلیٰ بن مُرّہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حسین علیہ السلام مجھ سے ہے اور میں حسین علیہ السلام سے ہوں۔ جو حسین سے محبت رکھتا ہے اللہ اس سے محبت رکھتا ہے۔ حسین علیہ السلام نواسا ہے نواسوں میں سے۔

حب حسینؑ حب رسالت کی ہے دلیل
گویا نبی کے پیار کی میزان بھی حسینؑ

جامع ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی ج:4، ص:341 پر اس حدیث کی شرح میں اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں حسین علیہ السلام مجھ سے ہے اور میں حسین علیہ السلام سے ہوں کا معنی یہ ہے کہ جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ حسین علیہ السلام سے محبت رکھے، جس طرح میرے ساتھ جنگ اور دشمنی حرام ہے، اسی طرح حسین علیہ السلام سے جنگ اور دشمنی حرام ہے۔ حسین علیہ السلام کو اور مجھے ایک سمجھنا۔ پھر اس بات کو مزید مستحکم یہ فرما کر دیا کہ حسین علیہ السلام سے محبت کرنے والے سے اللہ بھی محبت کرتا ہے۔"

بخاری كتاب المناقب باب قرابة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت مسور بن مخزمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "فاطمہ علیہا السلام میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

مسلم كتاب الفضائل باب من فضائل فاطمہ علیہا السلام میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی ابواب المناقب باب ماجاءَ فی فضل فاطمہ علیہا السلام میں مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا اور آپ علیہ السلام منبر پر فرماتے تھے کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت چاہی کہ ہم اپنی لڑکی علی علیہ السلام ابن ابی طالب کو بیاہ دیں مگر میں اجازت نہیں دیتا، اجازت نہیں دیتا، اجازت نہیں دیتا۔ اگر علی ابن ابی طالب کا ارادہ ابو جہل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ہو تو میری بیٹی کو طلاق دے دے اور اس کی بیٹی سے نکاح کرے۔ اس لیے کہ وہ (فاطمہ علیہا السلام) میرے دل کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے تکلیف دیتی ہے، وہ مجھے بھی تکلیف دیتی ہے۔

اس سے آگے اسی باب میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کا ذکر کیا پھر یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی پہنچی تو فرمایا فاطمہ علیہا السلام میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جو چیز اسے دُکھ دیتی ہے وہ مجھے دکھ دیتی ہے۔

اس حدیث کی شرح میں مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ تحفۃ الاحوذی: ج:4، ص:361 پر لکھتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ دینا حرام ہے، تھوڑا ہو یا زیادہ، بالاتفاق حرام ہے، تو اس صحیح حدیث کے مطابق جس چیز سے بھی کبھی فاطمہ علیہ السلام کو دکھ پہنچا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ پہنچا۔ فاطمہ علیہا السلام کو اس امت نے اس سے بڑا دکھ اور کیا دینا تھا کہ ان کے بیٹے کو قتل کر دیا، مطالعہ کرنے سے یہ بات بھی پتہ چلی کہ جس نے اس کام میں حصہ لیا، اسے دنیا میں ہی سخت سزا ملی اور آخرت کا عذاب بہت سخت ہے۔

اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے والوں پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے۔ (سورۂ احزاب:57/33)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جس میں حضرت فاطمہ علیہا السلام کے کان میں دو دفعہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرگوشی کرنا مذکور ہے۔ اس کے آخر میں

فرمان نبوی ہے کہ فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ تو مومن عورتوں کی یا اس امت کی عورتوں کی سردار ہے؟ یہ سلسلۃ الاحادیث حدیث نمبر 2948، بخاری حدیث نمبر 6286، مسلم میں حدیث نمبر 98 اور 2450، نسائی فی الکبری حدیث نمبر 18368 اور ابن ماجہ میں حدیث نمبر 1621 میں مذکور ہے۔

مستدرک حاکم ص 3 ج: 148-149 پر حدیث ہے جس کو حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے موافقت کی۔ جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حجر اسود اور مقام ابراہیم علیہ السلام کے درمیان خشوع و خضوع سے عبادت کرے، نمازیں پڑھے اور روزے رکھے، اگر وہ خدا کے سامنے اس حالت میں پیش ہوا کہ وہ آل رسول علیہ السلام سے بغض رکھتا تھا تو وہ جہنم میں جائے گا۔

ایسی حدیث کسی اور کے حق میں نہیں آئی۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ **سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ** ج:5، ص:643، حدیث نمبر 2488 باب تحریم بغض اہل بیت کے تحت یہ حدیث لاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر کوئی ہمارے اہل بیت سے بغض رکھے گا تو اللہ اسے دوزخ میں داخل کرے گا۔ یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حاکم اور ابن حبان نے روایت کی۔

علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ کی سلسلۃ الاحادیث ج:7، جز نمبر 3، ص: 1732 تا 1734 حدیث نمبر 4003 میں فرمایا گیا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ دنیا میں ہی جنتی آدمی دیکھ لے، وہ حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام کو دیکھ لے۔

(بحوالہ مسند عن ابو یعلیٰ حدیث نمبر 1874، و عند ابن حبان حدیث نمبر 6966)

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الحسن و الحسین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے اور ترمذی ابواب المناقب، باب مناقب اہل بیت النبی میں عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما، جو ربیب تھے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، سے روایت ہے کہ جب یہ آیت تطہیر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر بلایا فاطمہ علیہا السلام اور حسن و حسین علیہما السلام کو اور ان پر ایک چادر ڈال دی، اور علی علیہ السلام ان کے پیچھے تھے، ان سب پر چادر ڈال دی، پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں، سو ان سے رِجس دور کر دے، اور ان کو پاک کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میں بھی ان کے ساتھ ہوں یا رسول اللہ! فرمایا تم اپنی جگہ بیٹھی رہو، تم خیر پر ہو۔ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حدیث کساء اہل بیت کی فضیلت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔ (کشاف ج:1، ص:375)

من کسیتم کہ با تو دم دوستی زنم
زچندیں سگان کوئے تو یک کم تریں سگم
نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بہ کوءت رسیدہ است

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ **اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ** ج:2، ص:20 پر واثلہ بن الاسقع صحابی سے امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت درج کرتے ہیں جو اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے شدّاد بن عبداللہ سے روایت کی

"شدّاد نے بیان کیا میں نے واثلہ رضی اللہ عنہ بن الاسقع کو یہ کہتے سنا کہ میرے سامنے حضرت حسین علیہ السلام کا سر یزید کے پاس لایا گیا۔ اس وقت یزید تخت پر بیٹھا تھا اور شامی درباریوں میں سے ایک نے اٹھ کر حضرت علی علیہ السلام اور حضرت حسین علیہ السلام پر لعنت کی (خدا ان پر لعنت کرنے والوں پر لعنت

کرے) حضرت واثلہؓ اٹھے اور کہا میں علیؑ، حسنؑ و حسینؑ اور فاطمہؑ کی محبت سے باز نہ آوں گا کیونکہ میں نے اپنے کانوں سے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں ایک دن حضور ﷺ کی خدمت میں تھا اور آپ اس وقت ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حسنؑ تشریف لائے تو آپ علیہ السلام نے ان کو دائیں ران پر بٹھا لیا اور ان کو چوما، پھر حسین علیہ السلام آئے تو ان کو بائیں ران پر بٹھا لیا اور ان کو بھی چوما، پھر فاطمہ علیہا السلام تشریف لائیں تو ان کو سامنے بٹھا لیا، پھر حضرت علی علیہ السلام کو بلایا اور پھر آیۂ تطہیر تلاوت فرمائی۔

شدّاد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے واثلہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رجس کیا ہے؟ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اس سے مراد روحانی پلیدی یعنی خدا کے بارے میں شک ہے۔ ان کے دلوں میں خدا کے بارے میں شک نہیں آئے گا اور ایمان سے ان کے دل پُر ہو جائیں گے۔"

ابو احمد عسکری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے سوا اہل بیت کی شان میں کبھی حدیث بیان نہیں کی اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اہل بیت کے بارے میں ایک کے سوا کبھی حدیث نہیں سنائی۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ یہ لکھتے ہیں کہ یہ دونوں بنو امیہ سے ڈرتے تھے۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ جو خانہ کعبہ پر بنو امیہ کی سنگ باری کے دوران پتھر لگنے سے شہید ہوئے، سے روایت ہے کہ حضرت حسن علیہ السلام کے بیٹے حسن مثنیٰ علیہ السلام نے میری بیٹی سے نکاح کرنے کیلئے مجھے پیغام بھیجا۔ میں نے قاصد سے کہا، ان سے کہنا مجھے شام کو ملیں، حسن مثنیٰ علیہ السلام نے ان سے ملاقات کی مسور رضی اللہ عنہ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد کہا اللہ کی قسم مجھے کوئی نسبی، ازدواجی تعلق و قرابت تمہارے نسب و قرابت سے بڑھ کر پیارا نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "فاطمہ میرے بدن کا ٹکرا ہے، جو چیز اسے

پریشان کرتی ہے وہ مجھے پریشان کرتی ہے، جو چیز اسے خوش کرتی ہے، وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے اور قیامت والے دن سب نسب و قرابت کے رشتے ختم ہو جائیں گے سوائے میرے نسب، سسرا اور دامادی کے رشتوں کے" (اس حدیث کے بعد غور کر کہ) تیرے گھر سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی بیٹی ہے۔ اگر میں نے اپنی بیٹی کی شادی تیرے ساتھ کر دی تو وہ تنگ دل ہوگی (یہ بات حضرت فاطمہ علیہا السلام کو دکھ دے گی تو میرا اور میری بیٹی کا کیا بنے گا؟) حسن علیہ السلام بن حسن علیہ السلام نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا عذر قبول کیا اور چلے گئے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر مفاتیح الغیب میں سورہ کوثر کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "کوثر (بہت کثرت) کا ایک معنی نسل کی کثرت بھی ہے، یہ بات اس لیے مناسب ہے کہ عاص بن وائل نے حضور ﷺ کے لختِ جگر قاسم علیہ السلام کی وفات پر طعنہ دیا تھا کہ آپ ﷺ اس دنیا سے ابتر (بے نام و نشان) جائیں گے (نعوذ باللہ) اس کافر کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم آپ کو بے اندازہ اولاد دیں گے کہ زمانہ گذرنے پر بھی وہ ختم نہ ہوگی۔ دیکھ کتنے ہی سید قتل کر دیئے گئے، پھر دیکھ کہ دنیا اب بھی ان سے بھری پڑی ہے جبکہ بنی امیہ میں سے ایک بھی ایسا نہ رہا جس کی لوگ عزت کرتے ہوں۔ پھر دیکھو اولاد رسول علیہ السلام میں سے کتنے چوٹی کے عالم ہوئے ہیں باقرؑ، صادقؑ، کاظمؑ اور رضاؑ جیسے اور نفسِ زکیہ اور ان کی مثال دوسرے۔"
>
> (القول الثالث: ج:32، ص:124)

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں:

> "یزید کے 15 بیٹے اور 5 بیٹیاں تھیں۔ ان کے نام لکھ کر امام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک کی اولاد بھی اب دنیا میں نہیں رہی اور اس کو خدا نے ابتر کر دیا۔" (ج:8، ص:256)

وفد نجران سے مباہلہ کے لیے بھی حضور ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام و

حسینؑ کو بلایا تھا کیونکہ عیسائیوں کا رات کو یہ مشورہ ہوا تھا کہ اگر سچا نبی ہے تو اپنے دل کے ٹکڑے مباہلہ میں لائے گا۔ اگر ان کو لائے تو پھر مقابلہ نہیں کرنا، اگر دوستوں کو لائے تو پھر مباہلہ کر لینا کیونکہ اس صورت میں سچا نبی نہ ہوگا۔

امام ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری ج:8، ص:724 پر لکھتے ہیں:

''اگر وفد نجران مباہلہ کر لیتا تو وہ سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔'

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باقی بیٹیاں بھی بلند مرتبہ تھیں مثلاً جیسا کہ عروہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، زینب میری بیٹی افضل ہے، اسے میری وجہ سے تکلیف پہنچی۔

(سلسلہ الاحادیث الصحیحہ حدیث نمبر 3071، طبرانی فی الکبیر ج:22، ص:431، مستدرک حاکم ج:4، ص:43-44، مسند بزار حدیث نمبر 2666)

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل فاطمہ علیہا السلام میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت بذریعہ علیؑ ابن الحسینؑ مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے (خود) ابو جہل کی بیٹی سے شادی کا پیغام بھیجا اور اس وقت ان کے نکاح میں حضرت فاطمہ علیہا السلام بنت النبی علیہ السلام تھیں۔ جب فاطمہ علیہا السلام نے یہ خبر سنی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ آپ علیہ السلام برادری کے لوگ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام اپنی بیٹیوں کے لیئے غصہ نہیں ہوتے اور یہ علی علیہ السلام ہیں جو ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنے والے ہیں۔ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا میں نے اپنی لڑکی کا نکاح (زینب علیہا السلام) ابو العاص بن ربیع سے کیا۔ اس نے جو بات مجھ سے کہی سچ کہی، اور فاطمہ علیہا السلام محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹی میرے بدن کا ٹکڑا ہے اور مجھے برا لگتا ہے کہ لوگ اس کو آزمائش میں ڈالیں۔ اللہ کی قسم! اللہ کے رسول کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک مرد کے پاس بھی جمع نہ ہوں گی۔

یہ سن کر علی علیہ السلام نے پیام چھوڑ دیا (یعنی ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔)

یہ روایت **بخاری کتاب المناقب باب ذکر اصھار النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **منھم ابو العاص بن الربیع** میں بھی ہے اور **بخاری کتاب النکاح باب ذب الرجل عن ابنتہ فی الغیرۃ والانصاف** اور **کتاب الطلاق باب الشقاق** میں بھی آئی ہے۔

بخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالیٰ۔ **واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا** کی آخری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام پر ان کلمات سے دم کرتے تھے اور فرماتے تھے تمہارے دادا ابراہیم علیہ السلام بھی ان ہی کلمات سے حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پر دم کرتے تھے۔ وہ کلمات یہ ہیں **اعوذ بکلمات اللہ التامات من کل شیطان وھامۃ ومن کل عین لامۃ**

یہی روایت ترمذی ابواب الطب باب ماجاء فی الرقیۃ من العین میں بھی آئی ہے۔

اہل بیت کیلئے علیہ السلام کا لقب

اہل بیت کرام علیہم السلام کیلئے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کرنے پر بعض حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے مخصوص ہیں۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ بخاری کتاب المناقب باب مناقب علی علیہ السلام ابن ابی طالب میں فاطمہ علیہا السلام کتاب المغازی باب شہود الملائکہ بدراً میں زہری سے مروی حدیث میں حسین علیہ السلام ابن علی علیہما السلام، فاطمہ علیہا السلام، باب تسمیہ من سمی من اہل بدر فی الجامع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایت میں فاطمہ علیہا السلام (قصہ فدک میں)، **باب ما اصاب النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **من الجراح یوم احد** میں فاطمہ علیہا السلام، باب مرض النبی علیہ السلام کی آخری حدیث میں فاطمہ علیہا السلام (دفن نبی علیہ السلام) **کتاب النکاح باب، تیزوج اکثر من اربع میں علی ابن الحسین** علیہ السلام (امام ابن العابدین علیہ السلام) کتاب التفسیر، تفسیر سورۂ ذاریات میں علی علیہ السلام کے الفاظ بخاری کے متن میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس آخری حوالہ کی شرح میں علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ''اس کو فریابی نے وصل کیا، صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں یہاں یوں ہے قال علی علیہ السلام،

قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اس کا معنی تو صحیح ہے مگر صحابہ میں مساوات کرنا چاہئے، کیونکہ یہ تعظیم کا کلمہ ہے تو شیخین رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اور سلام مثل صلوٰۃ کے ہے۔ بالا انفراد پیغمبروںؑ کے اور کسی کے لئے اس کا استعمال نہ کیا جائے۔ مترجم (علامہ وحید الزماں) کہتا ہے کہ اس کلام پر کیا دلیل ہے، یہ صرف ایک اصطلاح ہے باندھی ہوئی بات ہے کہ پیغمبروں کو علیہ السلام اور صحابہ کو رضی اللہ عنہم کہتے ہیں تو امام بخاری نے حضرت علی کو علیہ السلام کہہ کر اس اصطلاح کا ردّ کیا ہے۔ اب قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کہنا کہ شیخین رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کلمے کے زیادہ مستحق ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہ میں مساوات لازم ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے علیہ السلام کہنے سے امام بخاری نے کہاں منع کیا ہے۔ پھر یہ اعتراض فضول ہے۔ اور جب صحابہ میں مساوات لازم ہے تو قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ تفضیل شیخین رضی اللہ عنہ کے کیوں قائل ہیں؟ میں کہتا ہوں علی رضی اللہ عنہ میں بہ نسبت دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ کے ایک اور خصوصیت ہے۔ وہ یہ کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچاز زاد بھائی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرورش یافتہ اور قدیم الاسلام اور خاص داماد تھے اور آپ کا شمار اہل بیت میں ہے اور اہل بیت علیہ السلام کے لئے بہت سے خاص کام کئے گئے ہیں اسی طرح یہ بھی ہے کہ اہل بیت کے اسماء کے ساتھ علیہ السلام کہا جاتا ہے، جیسے کہتے، امام حسین علیہ السلام، و امام جعفر صادق علیہ السلام و علیٰ آبائہٖ السلام اور اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔"

سجدہ لمبا کرنا

نسائی کتاب الافتتاح باب هل يجوز ان تكون سجده اطول من سجــــده (کیا ایک سجدہ دوسرے سجدہ سے لمبا ہوسکتا ہے) میں حضرت شداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دن عشاء کی نماز پڑھانے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسن علیہ السلام یا حسین علیہ السلام کو اٹھائے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھے اور ان کو زمین پر بٹھا دیا، پھر نماز کی تکبیر کہی اور نماز شروع کی، نماز کے دوران آپ علیہ السلام نے ایک سجدے میں دیر کی تو میں نے سر اٹھایا دیکھا تو بچہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیٹھ پر سوار ہے اور آپ علیہ السلام سجدے میں تھے۔ میں پھر سجدے میں چلا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ چکے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے نماز کے دوران ایک سجدے میں دیر کی حتیٰ کہ ہم سمجھے کہ یقیناً کوئی واقعہ ہو گیا ہے یا وحی آنے لگی ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا ایسی کوئی بات نہ تھی، میرا بیٹا مجھ پر سوار ہو گیا تھا تو مجھے برا لگا کہ جلدی اٹھ کھڑا ہوں اور ابھی اس کا جی نہ بھرا ہو۔

خطبہ جمعہ موقوف کر دینا

نسائی كتاب الجمعه باب نزول الام عن المنبر قبل فراغة من الجمعه و قطعه كلامة و رجوعهٖ اليه يوم الجمة میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اتنے میں حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام تشریف لے آئے، دونوں سرخ رنگ کے کرتے پہنے ہوئے تھے اور (چونکہ چھوٹے تھے گرتے پڑتے چلے آتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ چھوڑ کر منبر سے نیچے اتر آئے، ان دونوں کو گود میں اٹھا لیا، پھر منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا، اللہ تعالیٰ سچ فرماتا ہے کہ تمہارے مال اور اولاد آزمائش ہیں۔ میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ اپنے کرتے میں گرتے چلے آ رہے ہیں تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا یہاں تک کہ میں نے خطبہ موقوف کیا اور ان کو اٹھا لیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ان کے ساتھ حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی تھے، دونوں کندھوں پر ایک ایک سوار تھا۔ کبھی حضور علیہ السلام ایک کا بوسہ لیتے اور کبھی دوسرے کا حتیٰ کہ ہمارے پاس پہنچ گئے، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ ان سے محبت کرتے ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا جس نے ان سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض کیا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحه حديث نمبر 2895، مسند احمد ج:2، 440 وفی الفضائل حديث نمبر 1386، مستدرك حاكم ج:3، ص:166، البزار (الكشف روايت نمبر 2627)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو آدمی اہل بیت علیہ السلام سے بغض رکھے گا، اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کرے گا۔

(سلسلة الاحاديث الصحيحه حديث نمبر 2488، مستدرك حاكم جلد نمبر 3، 150 ، ابن حبان حديث نمبر 12978 البزار (الكشف نمبر 3348 من طريق آخر عنه)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لوگوں نے مشہور کر دیا کہ وہ شیعہ ہیں تو انہوں نے کہا کہ حج کے زمانہ میں منیٰ میں یہ اعلان کر دو کہ اگر اہل بیت کی محبت شیعت ہے تو جن وانس گواہ رہو کہ میں رافضی ہوں۔ انکا شعر مندرجہ ذیل ہے۔

اِنْ کَانَ رَفْضاً حُبُّ آل محمدٍ
فَلْیشھَدِ الثَّقَلَانِ اَنّی رَافِضُ

امام نسائی، امام حاکم، ابو نعیم، ابن مندہ اور بہت سے محدثین اہل سنت کے بارے میں لوگوں کو یہی شک تھا کہ وہ رافضی ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں اب کوئی توحید کا بیان کرتا ہے تو اس کو وہابی مشہور کر دیتے ہیں۔ بھئی اگر توحید ماننے سے کوئی وہابی ہوتا ہے تو کہتے رہو! ایسا تو ہر مسلمان کو ہونا چاہیے، امام شافعی کے شعر کی طرز پر مولانا ثناء اللہ امرتسری نے بھی شعر کہا تھا جو اس صورتحال کی نشاندہی کرتا ہے۔

اِنْ کَانَ تَوحِیدُ الْاِلٰہِ تُوَھُّبًا
فَلْیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اَنّی وَاھِبی

اگر اللہ کو ایک ماننے سے آدمی وہابی ہو جاتا ہے تو جن وانسان گواہ رہو کہ میں وہابی ہوں۔

حسنین علیہما السلام کے نام بھی بے مثال ہیں

سیدنا حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام کے خصوصی امتیازات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ نام ان سے پہلے کسی کے نہیں رکھے گئے۔ ایک سعودی عالم نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام

معجم اہل البیت النبویؐ ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام پوشیدہ رکھے، کسی کے ذہن میں یہ نام رکھنے کا خیال نہیں آیا حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بچوں کے یہ نام رکھے، اس کی مثال قرآن مجید میں بھی ملتی ہے کہ جب سیدنا یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کی خوش خبری دی گئی تو ساتھ ہی فرما دیا گیا کہ اس سے پہلے یحییٰ کسی کا نام نہیں رکھا گیا۔

اس عالم نے مزید لکھا ہے کہ حَسَن اور حُسین نام حاتم طائی کے قبیلہ بنی طے میں دو آدمیوں کے تھے مگر حَسَن اور حُسَین کسی کے نام نہیں رکھے گئے۔ لفظ حسن کا معنیٰ ہے "ایسا خوبصورت جس کے حسن میں کبھی کمی نہ آئے، اور حسین چھوٹے حسن کو کہتے ہیں، یہ حسن سے اسم تصغیر ہے۔

یہی بات امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالے سے بھی بیان کی گئی ہے۔ اس روایت کو مفضل نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں نام پوشیدہ رکھے اور کسی کے ذہن میں یہ بات نہیں آنے دی کہ وہ اپنے بچوں کے یہ نام رکھے حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بچوں کے رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں بھائیوں کو اپنے بیٹے فرماتے تھے مگر ناصبی نہیں مانتے۔ یہ جس کے بیٹوں کو ماننا چاہتے ہیں مانیں، مگر حضور علیہ السلام کے منبر پر بیٹھ کر ان کی اولاد کے خلاف بات کرتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے دشمنوں کا کوئی منبر ہے تو وہاں چلے جائیں مگر منبر نبوی پر بیٹھ کر ان کی اولاد کے خلاف اور ان کے دشمنوں کی تعریف میں تقریریں نہ کریں۔

اہل بیت علیہم السلام سے نیک سلوک کرنے کی وصیت نبویؐ

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل علی علیہ السلام بن ابی طالب میں یزید بن حیان سے روایت ہے کہ میں اور حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، جب ہم ان کے پاس بیٹھے تو حصین نے کہا اے زید! تم نے تو خیر کثیر حاصل کی، تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حدیث سنی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے پیچھے نماز پڑھی، تم نے بہت ثواب کمایا، ہمیں کوئی حدیث بیان کرو جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو۔ زید رضی اللہ عنہ نے کہا اے میرے بھتیجے! میری عمر زیادہ ہوگئی اور مدت گزر گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض باتیں جو میں یاد رکھتا تھا، بھول گئیں، تو جو میں بیان کروں اس کو قبول کرو اور جو نہ بیان کروں اس کے لئے مجھے تکلیف نہ دو پھر زید رضی اللہ عنہ نے کہا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مقام پر جہاں پانی تھا، جس کو (غدیر) خم کہتے تھے، اور وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے، خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے اللہ کی حمد وثنا کی اور وعظ ونصیحت کی پھر اس کے بعد فرمایا اے لوگو! یقیناً میں بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا بھیجا ہوا (موت کا فرشتہ) آئے اور میں (موت) قبول کروں۔ میں تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑے جاتا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب (قرآن) ہے، اس میں ہدایت اور نور ہے تو اللہ کی کتاب کو تھامے رہو اور مضبوطی سے اس پر کاربند رہو، غرض آپ نے ترغیب دلائی کتاب اللہ کی طرف، پھر فرمایا دوسری چیز میرے اہل بیت رضی اللہ عنہ ہیں، اپنے اہل بیت علیہ السلام کے بارے میں تم کو خدا کا خوف یاد دلاتا ہوں، (یہ دو دفعہ فرمایا۔ حصین نے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہ السلام کون ہیں، کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں اہل بیت نہیں ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویاں بھی اہل بیت میں شامل ہیں۔ لیکن اہل بیت وہ ہیں جن کو بعد میں صدقہ (ٹرسٹ) سے محروم کر دیا گیا، حصین نے پوچھا وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا وہ علی علیہ السلام، عقیل رضی اللہ عنہ، جعفر رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں، پوچھا کیا یہ لوگ ہیں صدقہ سے محروم کر دیئے گئے کہا ہاں'' اہل بیت سے حضور علیہ السلام نے نیک سلوک کرنے کی جتنی تاکید فرمائی اتنا ہی لوگوں نے اس کے الٹ عمل کیا۔

صدقہ سے مراد ٹرسٹ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جائیداد واقع مدینہ، فدک اور خیبر پر مشتمل قائم فرمایا تھا اور خود ہی اس ٹرسٹ کے نگران تھے ان کے علاوہ سات باغ مدینہ میں اور تھے جن کی نگرانی حیات نبوی میں ہی حضرت فاطمہ علیہا السلام کے سپرد تھی اور بعد میں بھی وہ انہی کے زیر انتظام رہے ان سات باغوں کے نام یہ ہیں **الدلال، العفاف، الحسنیٰ، الصافیہ، مالام ابراهیم، المبیت، البرقه (فروع کافی کتاب الوصایا باب صدقات النبی علیه السلام و فاطمه علیہا السلام و آئمه علیہم السلام ووصایاهم)**۔ ان باغوں کے علاوہ باقی جائیداد جو وقف تھی کے انتظام کو بھی فاطمہ علیہا السلام نے اپنے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا تھا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا۔ جو جواب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کو دیا تھا بعینہٖ وہی جواب حضرت فاطمہ علیہا السلام نے بعد میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مطالبہ پر ان کو دیا تھا اور حضرت علی علیہ السلام نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کی تائید میں گواہی دی تھی۔ تفصیل کے لئے **مراۃ العقول شرح الکافی** از علامہ باقر مجلسی مندرجہ بالا باب فروع کافی میں ملاحظہ فرمائیں۔

کربلا کی کہانی امام باقر علیہ السلام کی زبانی۔ ایک افسانہ

لاہور کے مشہور اہل حدیث عالم عطاء اللہ حنیف نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''کربلا کی کہانی ابو جعفر امام باقر علیہ السلام کی زبانی'' اس افسانے کی تہمت امام حسین علیہ السلام کے پوتے پر لگائی گئی ہے کہ یہ قصہ انہوں نے سنایا۔ جب اس قصہ کو پڑھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کو لوگوں نے بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ راستے میں جب ان کو مسلم بن عقیل کے قتل کی اطلاع ملی تو انہوں نے لوٹنے کا ارادہ کیا مگر چچازاد بھائیوں نے ضد کی کہ ہم تو بدلہ لیں گے۔ اس پر امام علیہ السلام مجبور ہو گئے اور کہا تمہارے بغیر تو

زندگی کا کوئی مزہ نہیں، ان کی ضد کی وجہ سے آگے چلنا پڑا۔ جب آگے فوج
نظر آئی تو تین شرطیں پیش کر دیں کہ

1۔ مجھے یزید کے پاس لے جاؤ تاکہ میں اس کی بیعت کرلوں۔
2۔ یا مجھے مدینہ واپس جانے دو۔
3۔ یا اسلامی سرحد کی طرف جانے دو تاکہ میں کفار سے جہاد کروں۔

عام آدمی تو کیا اچھا بھلا پڑھا لکھا شخص بھی جب یہ باتیں پڑھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اس جہاد کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ (معاذ اللہ) نادانی کی وجہ سے مار کھا گئے ورنہ اس رویے کا نہ جہاد سے تعلق ہے نہ یہ شہادت ہے۔ امام علیہ السلام تو جان بچانا چاہتے تھے۔ تاریخ امام علیہ السلام پر زیادہ سے زیادہ یہ مہربانی کرتی ہے کہ کوفہ کے چند دھوکہ باز لوگوں نے امام کو خطوط لکھے اور امام علیہ السلام ان کے ورغلانے میں آ گئے۔ بعد میں جب کوفہ والوں کی مکاری کا راز کھلا تھا پھر آپ پچھتاتے رہے مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا۔

حافظ صلاح الدین یوسف نے اپنی کتاب ''رسومات محرم اور سانحہ کربلاء میں یہی نتیجہ نکالا کہ امام علیہ السلام اپنے ناجائز غرور اور گھمنڈ کی وجہ سے قتل ہوئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ میں تو لوالۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں لہٰذا دوسروں سے بہتر ہوں۔ یہ نسلی غرور ان کو لے ڈوبا۔ یہ کتاب ہر اہل حدیث کے پاس ہے اور طوطے کی طرح اس کو رٹتے رہتے ہیں۔ کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہ تحقیق کر لے کہ یہ باتیں صحیح ہیں یا غلط!

اس کتاب میں دوسرا نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ امام علیہ السلام کے (معاذ اللہ) نسلی غرور کے ساتھ ساتھ بے وقوفی ابن زیاد نے کی۔ اس نے ضد کی کہ پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کریں پھر یزید کے پاس بھیجا جائے گا۔ امام علیہ السلام نے انکار کیا تو ابن زیاد نے کہا چونکہ میں آئینی گورنر ہوں لہٰذا پہلے میرے ہاتھ پر بیعت کرو۔ امام نے انکار کیا اور ناجائز بات کہی کہ میں تیرے ہاتھ پر بیعت نہیں کروں گا۔

اس طرح ان لوگوں نے حضرت امام سید الشہداء کو معاذ اللہ ایک احمق، ضدی اور مغرور آدمی ثابت کیا ہے جو خواہ مخواہ اپنی جان گنوا بیٹھا۔ اس کتاب میں مزید گوہر افشانیہ

بھی کی گئی ہے کہ یزید کو بیعت کا مطالبہ کرنے کا حق کیوں نہیں تھا؟ جب دو آدمیوں کے سوا یعنی ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور امام حسین علیہ السلام کے سوا ساری سلطنت نے بیعت کر لی تھی تو یزید کیوں بیعت کا مطالبہ نہ کرتا؟ اس طرح امام علیہ السلام کو معاذ اللہ جھوٹا بھی ثابت کرنے کی کوشش کی۔

اصل حقیقت!

کربلا کی کہانی، ابو جعفر محمد باقر علیہ السلام کی زبانی نامی قصہ بالکل بے بنیاد اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ اس کے راویوں میں سے زکریا بن یحیٰ مجھول راوی ہے جیسا کہ یحیٰ بن معین کہتے ہیں۔ امام ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں، تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری جلد نمبر 4، ص 257 سے نقل کیا ہے، اس کی پوری سند طبری میں ہے۔

یہ کہانی خالد بن عبداللہ القسری نامی گورنر مکہ نے گھڑی ہے۔ وہ بنو امیہ کی طرف سے حجاج بن یوسف کا مقرر کردہ گورنر تھا، اور ہر جمعہ کے روز منبر پر حضرت علی علیہ السلام پر لعنت کیا کرتا تھا۔ (تہذیب التہذیب ج:3، ص:102) یہ بہت گندہ اور برا آدمی تھا۔

> مکہ کے گورنروں کے حالات پر ایک کتاب غایۃ المرام لکھی گئی ہے، اس میں اس کے حالات پڑھیں۔ امام ذھبی کہتے ہیں کہ خالد بن عبداللہ القسری ناصبی تھا۔ (میزان الاعتدال ج:1، ص:633 نمبر 2436)

اس خالد بن عبداللہ القسری کے علاوہ دنیا میں کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ امام یزید کی بیعت پر تیار ہو گئے تھے۔

اس خالد کو بعد میں بنو امیہ نے ہی برطرف کر دیا، کوڑے لگائے۔ یہ بہت برے حالات میں مرا اور اُس کا انجام بہت برا ہوا۔

> امام حسین علیہ السلام پر ان تین شرطوں کی پیش کش کا الزام، اس جھوٹ کے گھڑنے والوں کے گلے پڑ گیا، اہل بیت علیہم السلام کے مخالفین کا اس دور میں امام، محمد الخضری بک تھا، اس نے اس دور میں ناصبیت پھیلائی، اس نے تاریخ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام محاضرات الامم الاسلامیہ ہے، اس نے

جب یہ بات لکھی کہ امام نے یزید کے پاس جانے کی پیش کش کی تھی تو پھر لے جانا چاہئے تھا تا کہ جھگڑا ختم ہو جاتا، یہی بات مولانا محمد منظور نعمانی کے بیٹے عتیق الرحمٰن سنبھلی نے لکھی، انہوں نے لکھا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب یہ پیش کش امام علیہ السلام حسین علیہ السلام نے کر دی تھی ابن زیاد کیوں نہیں مانا، انہوں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا تھا۔ مگر محمد الخضری بک نے دیکھا کہ تقدیر کا بہانہ بنا کر ابن زیاد کی جان نہیں چھوٹتی لہٰذا اس نے لکھ دیا کہ یہ کہانی ہی بالکل جھوٹی ہے، حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایسی کوئی پیش کش نہیں کی تھی، اس طرح ناصبیوں کا امام ہی مکر گیا کیونکہ یہ بہانہ بنانے سے مقدمہ خراب ہو جاتا ہے۔

محمد الخضری بک اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

''یہ بات صحیح نہیں ہے کہ آپ نے یزیدی لشکر کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ بیعت کے لئے یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لئے تیار ہیں، مگر ان لوگوں نے آپ کی پیش کش قبول نہ کی اور آپ کے سامنے یہ بات رکھی کہ ابن زیاد کے فیصلہ پر سر تسلیم خم کریں۔'' (محاضرات لامم الاسلامیہ ج:2، ص128)

عقبہ بن سمعان حضرت حسین علیہ السلام کی زوجہ محترمہ رباب کے غلام تھے اور عمر بن سعد نے ان کو غلام ہونے کے باعث زندہ چھوڑ دیا تھا۔ ان کی صاف تصریح کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ جو حافظ عز الدین ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل میں لکھ دی ہے۔

وہ لکھتے ہیں۔

''اور بلا شبہ عقبہ بن سمعان سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا میں حضرت حسین علیہ السلام کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے عراق تک ساتھ رہا اور ان کی شہادت تک ان سے کہیں جدا نہ ہوا۔ میں نے یوم شہادت تک ان کی تمام گفتگوئیں سنی ہیں جو آپ نے لوگوں سے فرمائی ہیں۔ سو اللہ کی قسم! یہ بات

آپ نے لوگوں کے سامنے کبھی رکھی ہی نہیں جس کا لوگ ذکر کرتے ہیں کہ وہ یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں گے اور اس سے بیعت کر لیں گے۔

(الکامل ابن ایثر جلد نمبر 4، ص 22، 33)

لہٰذا یہ دعویٰ نہ روایت کے اعتبار سے نہ درایت کے اعتبار سے صحیح کہ حضرت حسین علیہ السلام آخر وقت میں یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدینہ سے مکہ روانگی

امیر معاویہ کی وفات کے بعد گورنر مدینہ کو یزید نے جو پہلا خط لکھا وہ یہ تھا کہ حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر میری بیعت لو اور ذرا نرمی نہ کرنا۔ ان دونوں کو ولید گورنر مدینہ نے بلایا، وہ دونوں وہاں گئے اور بیعت یزید کے مطالبہ پر بڑی حکمت سے جان چھڑا کر گورنر ہاؤس سے نکل آئے وہ راتوں رات مکہ روانہ ہو گئے۔ مروان لعنتی پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ولید کو کہا ان دونوں سے بیعت لے لو یا ابھی قتل کر دو، ان کو باہر مت جانے دو، یہ تیرے ہاتھ پھر کبھی نہ آئیں گے۔ ولید شریف آدمی نکلا اس نے کہا کیا میں ان کو صرف اس بات پر قتل کر دوں کہ یہ بیعت نہیں کرتے؟

امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ج:8 ص:159 پر لکھتے ہیں کہ یزید نے گورنر کو لکھا کہ ہر حال میں حسین علیہ السلام سے بیعت لو، مگر امام راتوں رات مدینہ سے مکہ تشریف لے گئے۔

مروان نے اسی وقت یزید کو اطلاع بھجوا دی کہ ولید بن عقبہ گورنر مدینہ نے نرمی دکھائی اور شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ یزید نے ولید بن عقبہ کو جو اس کا چچا زاد بھائی تھا، فوراً معزول کر دیا، اور اس کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کو مدینہ کا گورنر بنا دیا۔ اشدق اتنا بڑا ظالم تھا کہ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس کے مظالم سے اب تک اسلام کی آنکھیں رو رہی ہیں۔

(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:161-162)

امام حسین علیہ السلام مکہ تشریف لے گئے، وہاں بھی یزید نے انتظام کیا کہ

حضرت حسین علیہ السلام کو دوران طواف قتل کر دیا جائے۔ یہی طریقہ بعد میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے حجاج بن یوسف نے اختیار کیا تھا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ طواف کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے دوران طواف زہر آلود نیزہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر مار کر زخمی کر دیا اسی زہر کے اثر سے بعد میں ابن عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے دوران بیماری حجاج ان کی عیادت کو آیا اور پوچھا آپ کو نیزہ کس نے مارا، انہوں نے جواب دیا اس نے، جس نے حرم میں ہتھیار داخل کئے۔ کبھی حرم میں بھی ہتھیار آئے تھے؟ ظالم مجھے نیزہ مروا کے اب پوچھ رہا ہے؟

(بخاری کتاب العید ین یاب مایکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم ج:2،ص:57)

جفا کردی و خود کشتی بہ تیغ ظلم عاشق را
بہانہ ہیں برائے پرسش بیمار می آئی

مکہ سے کربلا کو روانگی

مدعائے سلطنت بودے اگر
خود نہ کردے با چنیں سامان سفر

امام حسین علیہ السلام اپنے قتل کے منصوبہ کی اطلاع پا کر 8 ذوالحجہ کو اچانک احرام کھول کر مکہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام کا کہنا تھا کہ حدودِ حرم سے باہر ایک قدم نکل کر مرنا اس سے بہتر ہے کہ میں حرم کی بے حرمتی کا باعث بنوں۔ (مجمع الزوائد امام ہیثمی ج:9،ص:195)

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرزدق کے پوچھنے پر بتایا کہ اگر میں مکہ سے نہ نکلتا تو قتل کر دیا جاتا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:181)

اسی لئے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بار بار اصرار پر بھی ان کی بات نہ مانی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو انہی دنوں یمن آنے کی دعوت بھی ملی تھی۔

حضرت طرماح بن عدی رضی اللہ عنہ بن حاتم طائی نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو کہا

آپ یمن تشریف لے آئیں وہاں قبیلہ بنی طے کے دس ہزار جاں نثار ہر وقت اپنی جانیں آپ پر نچھاور کرنے کے لئے تیار رہیں گے۔ وہاں پہاڑوں کے درمیان ایسی غاریں ہیں جہاں شامی لشکر قیامت تک آپ کے قریب نہیں آ سکیں گے۔ امام حسین علیہ السلام نے جواب دیا ابن عدی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ تمہیں خیر خواہی کا بہترین اجر دے، میں نے جس راستے کا انتخاب کر لیا ہے، وہی تقدیر میں لکھا ہے۔

امام علیہ السلام نے اپنی روانگی کی اطلاع دینے کے لئے قیس ابن مسہر رحمۃ اللہ علیہ کو کوفہ بھیجا۔ کوتوال شہر حصین بن نمیر نے قیس کو گرفتار کر لیا اور محل کی چھت پر لے جا کر کہا کہ وہ حضرت علی علیہ السلام و حسین علیہ السلام پر لعنت کرے۔ قیس نے جمع ہونے والے لوگوں سے کہا لوگو! امام حسین علیہ السلام کا ساتھ دو، وہ اس وقت زمین پر سب سے افضل ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت علی علیہ السلام و حسین علیہ السلام پر سلام بھیجا اور ابن زیاد پر لعنت کی۔ ابن زیاد کے حکم پر حضرت قیسؓ کا سر کاٹ کر زمین پر پھینک دیا گیا اور لاش کو روندا گیا، حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان کی شہادت کی اطلاع راستے میں ہی مل گئی، آپ علیہ السلام نے انا للہ پڑھا اور یہ آیت پڑھی کہ کچھ لوگ اپنا وعدہ پورا کر گئے اور کچھ انتظار میں ہیں۔

(البدایہ، ج:8،ص188)

یزید نے مکہ میں حضرت امام رضی اللہ عنہ کے خفیہ قتل کا منصوبہ اس خیال سے بنایا تھا کہ حسن رضی اللہ عنہ زہر سے فوت ہو چکے تو کیا بنا؟ اب حسین رضی اللہ عنہ کو خاموشی سے قتل کرا دو۔ سیدنا حسین علیہ السلام نے فیصلہ کر لیا کہ پہلے بھائی کی گمنام موت کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا، لہٰذا اب برسر میدان مردوں کی طرح جان دوں گا۔ سیدنا امام علیہ السلام نے اس اقدام کے بارے میں یہ فیصلے کئے۔

1۔ باطل کی حمایت کسی صورت نہیں کرنا اور حق کا ڈنکا بجانا ہے۔

2۔ چاہے جتنا بھی مشتعل کیا جائے، خوں ریزی میں پہل نہ کرنا۔ (اس طرح یزیدیوں پر حجت تمام کردی)۔

3۔ جب لڑائی شروع ہو جائے تو شیروں کی طرح مقابلہ کرنا ہے۔

راستے میں جب امام علیہ السلام کو عرب کا مشہور شاعر فرزدق ملا جو اپنی ماں کے ساتھ حج کو آ رہا تھا۔ اس نے مسائل حج پوچھے۔ امام علیہ السلام نے اس سے کوفہ کا حال پوچھا تو اس نے کہا ان کے دل آپ کے ساتھ اور تلواریں یزید کے ساتھ ہیں۔ (ابن کثیر ج:8، ص:181، طبری، ج:4، ص:290)

راستے میں امام علیہ السلام کو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اور ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی اطلاع ملی۔ آپ علیہ السلام نے ساتھیوں سے کہا جو واپس جانا چاہتا ہے، چلا جائے۔ مگر انہوں نے کہا ہمارا جینا مرنا آپ علیہ السلام کے ساتھ ہے۔

(البدایہ ج:8، ص:182، 183)

جو لوگ راستے میں ساتھ شامل ہو جاتے ان کو بھی واپس کر دیتے کہ ہمارا سفر موت کا سفر ہے، تم واپس چلے جاؤ۔ (البدایہ، ج:8، ص:183)

مقام عذیب پر ذرا اونگھ آ گئی، خواب دیکھا اور بعد میں بار بار انا للہ پڑھا۔ بیٹے نے پوچھا تو بتایا کہ خواب میں دیکھا ایک کہنے والا کہہ رہا تھا کہ یہ قافلہ موت کی طرف سفر کر رہا ہے۔ (البدایہ ج:8، 189)

ادھر سے حر رضی اللہ عنہ بن یزید ریاحی ایک ہزار کا لشکر لے کر امام کے قافلہ کے پاس پہنچ گیا اور اس کو ابن زیاد نے خط لکھا کہ امام علیہ السلام کو چٹیل میدان میں اتار دو جہاں پانی نہ ہو۔ (طبری ج:4، ص311)

امام نے حر سے کہا اگر آدمی بہادری کے ساتھ مار جائے اور وہ حق پر ہو تو موت کوئی طعنہ کی بات نہیں۔ (البدایہ ج:8، ص187)

امام حسین علیہ السلام نے حر بن یزید ریاحی اور اس کے لشکر سے مقام بیضہ پر

خطاب فرمایا جس کو امام ابن جریر طبری نے تاریخ، ج:4، ص303 پر نقل کیا ہے۔ اس خطاب کو مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے رسائل رضویہ ج: نمبر 2، ص:208، 209 پر لکھا ہے، مولانا لکھتے ہیں کہ جب حر بن یزید ریاحی اوّل ہزار سواروں کے ساتھ مزاحم ہوئے تو امام نے خطبہ فرمایا:

''اے لوگو میں تمہارا بلایا آیا ہوں، تمہارے ایلچی اور خطوط آئے کہ تشریف لائے، ہم بے امام ہیں، تو میں آیا ہوں، اب اگر تم اپنے عہد پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر میں جلوہ فرما ہوں اور اگر تم عہد پر نہ ہو یا میرا تشریف لانا تمہیں ناپسند ہو، تو میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔ وہ خاموش رہے، پھر بعد نماز عصر خطبہ فرمایا اور اس کے آخر میں بھی وہی ارشاد کیا کہ اگر تم ہمیں ناپسند رکھتے ہو تو واپس جاتا ہوں، حُر نے کہا ہمیں تو یہ حکم ہے کہ آپ سے جدا نہ ہوں جب تک ابن زیاد کے پاس آپ کو کوفہ نہ پہنچا دیں۔ جب نینوا پہنچے تو حُر کے نام ابن زیاد خبیث کا خط آیا کہ حسین کو پڑپٹ میدان میں اترنے پر مجبور کر دو جہاں پانی نہ ہو اور یہ میرا ایلچی تمہارے ساتھ رہے گا کہ تم میرا حکم بجالاتے ہو یا نہیں، حسر نے حضرت امام کو ناپاک خط کا مضمون سنایا اور ایسی جگہ اترنے پر مجبور کیا۔ زہیر بن القین رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کی اے ابن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آگے جو لشکر آنے والے ہیں وہ ان سے بہت زائد ہیں۔ اذن دیجئے کہ ان سے لڑیں۔ فرمایا میں قتال میں پہل نہیں کروں گا۔ جب خبیث ابن طیب یعنی عمر بن سعد اپنا لشکر لے کر پہنچا، حضرت امام سے دریافت کیا کیسے آئے ہو؟ فرمایا تمہارے شہر والوں نے بلایا تھا، اب کہ میں انہیں ناگوار ہوں تو واپس چلا جاتا ہوں۔ ابن سعد نے یہ ارشاد ابن زیاد کو لکھا۔ اس خبیث نے نہ مانا، اللہ اس پر لعنت کرے۔ شب کو ابن سعد سے خلوت میں گفتگو ہوئی۔ اس میں بھی حضرت امام نے فرمایا

مجھے چھوڑ دو کہ میں مدینہ طیبہ واپس چلا جاؤں۔ ابن سعد نے ابن زیاد کو لکھا اس بار وہ راضی ہوا تھا کہ شمر مردود خبیث نے باز رکھا۔ عین معرکہ میں قتال سے پہلے فرمایا اے لوگو! جب کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے تو چھوڑ دو کہ اپنی امن کی جگہ چلا جاؤں۔ اشقیاء نے نہ مانا۔ غرض جب سے برابر قصد امن تھا مگر ممکن نہ ہوا کہ منظور رب یونہی تھا۔ جنت آراستہ ہو چکی تھی، اپنے دولہا کا انتظار کر رہی تھی، وصال محبوب حقیقی کی گھڑی آ گئی تھی۔ تو ہرگز لڑائی میں امام کی طرف سے پہل نہ تھی ان خبیثوں ہی نے مجبور کیا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں، یا بخوفِ جاں اس پلید کی وہ بیعت قبول کی جاتی کہ یزید کا حکم ماننا ہوگا اگرچہ خلاف قرآن وسنت ہو، یہ رخصت تھی، ثواب کچھ نہ تھا یا جان دے دی جاتی اور وہ ناپاک بیعت نہ کی جاتی، یہ عزیمت تھی اور اس پر ثواب عظیم اور یہی ان کی شانِ رفیع کے شایاں تھا اسی کو اختیار فرمایا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو ظالم ہو، اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھتا ہو، جو اللہ کے عہد کو توڑتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل پیرا ہو، جو رعایا کے ساتھ ظلم وجور سے پیش آتا ہو، اگر ان افعال کو دیکھنے والا شخص قولاً یا فعلاً اسے نہیں روکتا، تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بھی اس ظالم کے اعمال میں شریک کرے گا۔ سنو ان حاکموں نے شیطان کی اطاعت قبول کر لی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت ترک کر دی ہے۔ فساد کو فروغ، حدود شرع کو معطل، غنیمت کو ذاتی مال، اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر رکھا ہے۔ ان پر اعتراض کرنے کا سب سے زیادہ حق مجھے ہے۔ تم لوگوں نے مجھے خط لکھے، تمہارے ایلچی میرے پاس تمہاری طرف سے اس بات کی بیعت کرنے آتے کہ تم میرا ساتھ نہ چھوڑو گے مجھے دشمن کے حوالے نہ کرو گے، اگر تم اپنی بیعت کو پورا کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا۔ میں حسین علیہ السلام ہوں، علی علیہ السلام کا بیٹا ہوں فاطمہ علیہا السلام بنت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہوں، میری جان تمہاری جان کے ساتھ ہے، میرے اہل وعیال تمہارے اہل وعیال کے ساتھ ہیں، میں تمہارا پیشوا ہوں، اگر تم ایسا نہیں کرو گے اور اپنا عہد توڑو گے تو تمہاری طرف سے یہ کوئی نئی بات نہیں، یہی سلوک تم نے میرے باپ اور بھائی کے ساتھ بھی کیا ہے۔ اللہ مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔

ابن زیاد بدنہاد کا مطالبہ

امام ابن کثیر نے البدایہ میں ج:8 ص201 پر ابن زیاد کے حالات لکھتے ہیں، اس میں لکھتے ہیں کہ اس کی سرکشی یہ بھی ہے کہ اس نے حکم دیا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کو میرے روبرو پیش کرو، چاہے قتل کر کے پیش کرو۔ میں امام کے امان کا کوئی وعدہ نہیں کرتا، وہ آ کر غیر مشروط طور پر میرے پاس پیش ہوں، یہ میں بعد میں دیکھوں گا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی واپس جانے کی پیش کش ماننا فرض تھی، مگر شمر بن ذی الجوشن کے مشورہ پر انکار کر دیا اور جو شمر کہہ رہا تھا مان لیا۔ امام نے انکار کر دیا۔ ابن زیاد مردود اور نامراد ہو کر دنیا سے چلا گیا۔ ابن رسولؐ کے یہ شایاں نہیں تھا کہ وہ ابن مرجانہ خبیث کے سامنے پیش ہوتے۔

امام نے ابن سعد کے قاصد کثیر بن عبداللہ الشعبی، جو تمیمی اور حبیب ابن مظاہر رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کا بھانجا تھا، کو کہا اگر میرا آنا ناگوار ہے تو میں واپس چلا جاتا ہوں اس پر عمر بن سعد نے ابن زیاد کو خط لکھا۔ (طبری، ج:4، ص311)

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ آگے لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے خط کے جواب میں لکھا کہ حسین علیہ السلام یا تو یزید کی بیعت کریں یا خود کو میرے رحم وکرم پر چھوڑیں۔ (ابن زیاد نے پھر خط لکھا کہ امام علیہ السلام کا پانی بند کر دو۔ (طبری ج:4 ص311)

امام نے عباس رحمۃ اللہ علیہ اور زہیر بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ ابن سعد سے پوچھا کہ میری تجویز کا کیا جواب آیا ہے؟ اس نے کہا میرے حکم کے سامنے سر جھکا دو

ورنہ لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (طبری، ج:4، ص:315)

امام نے ایک رات کی مہلت طلب کی (طبری، ج:4، ص:316) امام علیہ السلام کو ایک رات کی زندگی سے کیا فائدہ تھا؟ دراصل امام مہلت لے نہیں رہے تھے بلکہ مہلت دے رہے تھے کہ خوب سوچ لو، دوزخ جانا ہے یا جنت جانا ہے۔ اسی رات بہت سے خوش نصیب مخالف فوج سے نکل کر آپ کے ساتھ شامل ہو گئے۔

نماز عشاء کے بعد امام نے ساتھیوں سے خطاب فرمایا اور کہا تم واپس چلے جاؤ، یہ لوگ صرف میری جان لینا چاہتے ہیں۔

(طبری ج:4، ص317، البدایہ ج:191، 192)

اس پر مسلم بن عوسجہ اسدی سمیت تمام ساتھیوں نے باری باری وفاداری کا یقین دلایا اور کہا یہ تو ایک بار مرنا ہے، اگر بار بار بھی مرنا ہوتا تو بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ امام نے ان کو دعا دی۔ (طبری، ج:4، ص:318)

خبیث ابن طیب، عمر ابن سعد

دو محرم 61ھ کو امام کا قافلہ کربلا میں پہنچا۔ اسی کے دوسرے دن عمر بن سعد چار ہزار سپاہ کے ساتھ کوفہ سے وہاں وارد ہوا۔ یہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابی کا بیٹا تھا۔ وہ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ عمر بن سعد کے شر سے اس کے باپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی پناہ مانگی تھی۔

مسلم کتاب الزہد کے شروع میں بارھویں روایت (ج:6، ص:482، 483) میں عامر بن سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں میں تھے۔ اتنے میں ان کا بیٹا عمر آیا۔ جب سعد رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھا کہا میں اس سوار کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر وہ اترا اور بولا: ''تم اپنے اونٹوں اور بکریوں میں اترے ہو اور لوگوں کو چھوڑ دیا، وہ

سلطنت کیلئے جھگڑ رہے ہیں۔'' سعد رضی اللہ عنہ نے اس کے سینہ پر مارا اور کہا چپ رہ! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے اللہ اس بندے سے محبت رکھتا ہے جو پرہیز گار ہو، مال دار ہو اور فتنہ کے وقت ایک کونے میں چھپا بیٹھا ہو۔

یہ عمر بن سعد رَے کی گورنری کا امیدوار تھا۔ ابن زیاد نے اسے دیلم پر لشکر کشی کا حکم دیا تھا۔ یہ فوج کے ساتھ کوفہ سے باہر مقیم تھا کہ انہی دنوں امام حسین علیہ السلام کا معاملہ پیش آ گیا۔ ابن زیاد نے سعد کو بلایا اور کہا پہلے یہ معاملہ نپٹاؤ، اسی شرط پر تمہیں رَے کی گورنری ملے گی اور یہی تمہاری وفاداری کا امتحان ہے۔

عمر بن سعد نے ایک رات کی مہلت طلب کی اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ مشورہ کیا۔ تمام لوگوں نے اسے اس حرکت سے منع کیا۔ اس کے بھانجے حمزہ بن مغیرہ بن شعبہ نے بھی کہا خدا کے واسطے امام حسین علیہ السلام کے مقابلہ سے باز رہو۔ اس میں اللہ کی معصیت بھی ہے اور قطع رحمی بھی، اس دنیا کے تمام مال و دولت سے محروم ہونا اور حکومت چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ اللہ کے سامنے حسین علیہ السلام کے قتل میں ملوث ہو کر جاؤ۔

(طبری ج:4، ص:309، 310)

رات اسی کش مکش میں گزار کر صبح ابن زیاد کے پاس گیا کہ میری جگہ کسی اور کو بھیج دو کوفہ میں اتنے بہادر ہیں۔ ابن زیاد نے کہا میں نے تم سے مشورہ نہیں مانگا، اگر تم نہیں جانا چاہتے تو سیدھی طرح بتاؤ۔ پھر یہ لشکر لے کر کوفہ سے کربلا پہنچ گیا۔

امام زین العابدین علی بن حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نو محرم کی شام میری پھوپھی زینب علیہا السلام میری تیمارداری کر رہی تھیں اور ابا جان اس مضمون کے

شعر بار بار پڑھ رہے تھے۔ ”اے دہر نا پائیدار تجھ پر افسوس۔ کیا برا دوست ہے تو کہ صبح وشام کسی دوست یا دشمن کو مار دیتا ہے۔ ایک کے عوض دوسرے کو قبول نہیں کرتا۔ یہ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ جو زندہ ہے اسے اسی راستے سے واپس جانا ہے۔ (طبری، ج:4،ص:318، البدایہ، ج:8،ص:192)

جب سیدہ زینب علیہا السلام نے یہ شعر سن کر بے قراری ظاہر کی تو فرمایا بہن! دیکھنا کہیں شیطان تیرے حلم کو ضائع نہ کر دے۔ صبر کرو، زمین پر سب مرنے والے ہیں۔ اللہ کے سوا سب چیزیں مٹ جانے والی ہیں۔ میرے باپ اور بھائی مجھ سے بہتر تھے، میری ماں تجھ سے بہتر تھیں۔ مجھے اور سب مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے حال سے سکون حاصل کرنا چاہئے۔ میرے بعد میرے مشن کو تم نے مکمل کرنا ہے۔ کل کے بعد تم پر اس سے سخت مصائب آنے والے ہیں۔ ان بچوں کا اللہ کے بعد تم ہی واحد سہارا ہو۔

(طبری ج:4،ص:319، البدایہ ج:8،ص:192، 193)

اس کے بعد سیدہ زینب علیہا السلام نے صبر واستقلال کا بے مثال مظاہرہ کیا اور کسی نے ان کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھے۔

اس رات حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے تمام ساتھی رات بھر عبادت کرتے رہے۔ آپ کا ایک ساتھی روایت کرتا ہے کہ میں خیمے کے پاس سے گزرا تو آپ علیہ السلام سورہ آل عمران: 179/3 تلاوت فرما رہے تھے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

”اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو مہلت اُنہیں دے رہے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے، نہیں بلکہ ہم ان کو مہلت اس لئے دے رہے ہیں کہ اور گناہ کر لیں، آخر کار ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔ جب تک کہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے، اللہ مومنوں کو اس حال میں نہ رہنے دے گا۔“ (البدایہ ج:8،ص:193)

دس محرم، سانحۂ کربلا

سیدنا امام حسین علیہ السلام کے جھنڈے پر یہ شعر درج تھا۔

وَاِنْ کَانَتِ الْاَبْدَانُ لِلْمَوْتِ اُنْشِئَتْ

فَقَتْلُ امْرِیءٍ فِی اللّٰہِ اَوْلٰی وَاَفْضَلُ

جب یہ جسم بنے ہی موت کے لئے ہیں تو پھر اللہ کی راہ میں موت بہتر اور افضل ہے۔ فارسی کا یہ شعر سیدنا امام حسین علیہ السلام پر بالکل صادق آتا ہے۔

شدیم خاک و لیکن زبوئے تربت ما

تواں شناخت کہ ازیں خاک مرد می خیزد

”ہم خاک ہو گئے لیکن ہماری قبر کی خوشبو سے تو پہچان لے گا کہ اس قبر سے قیامت کے دن کوئی مرد اٹھے گا۔“

10 محرم 61ھ کو سیدنا حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد اپنی فوج کی صفیں درست کیں۔ آپ نے دائیں ہاتھ پر (میمنہ) زہیر بن قیس، بائیں ہاتھ (میسرہ) پر حبیب ابن مظاہر کو مقرر فرمایا، علم اپنے بھائی عباس بن علی علیہ السلام کو دیا۔ آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے حنوط لگالیا، وہ خوشبو جو میت کو لگاتے ہیں۔ سیدنا امام علیہ السلام نے اپنے خیموں کی پشت پر آگ جلا دی تا کہ دشمن عقب سے حملہ آور نہ ہو سکے۔ شمر ادھر سے گزرا تو کہنے لگا حسین علیہ السلام تم نے قیامت سے پہلے ہی آگ میں جانے کی جلدی کی۔ آپ علیہ السلام نے جواب دیا او بکریاں چرانے والی کے بیٹے! آگ میں تُو جلے گا۔ حضرت مسلم بن عوسجہ نے عرض کی اے ابن رسولؐ! میں آپ پر فدا، کہیں تو میں اس کو تیر ماروں، یہ میری زد میں ہے۔ آپ نے کہا نہیں میں خونریزی کی ابتدا نہیں کروں گا۔

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج:8،ص:193)

شمر کی پھوپھی ام البنین بنت حرام حضرت علی کے نکاح میں تھیں۔ان کے بطن سے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے۔شمر نے ابن زیاد سے ان کے لئے امان حاصل کر لی تھی۔ اس نے فوجوں کے درمیان آ کر ان چاروں کو بلایا اور کہا کہ تم لوگوں کے لئے امان ہے۔انہوں نے کہا تجھ پر بھی لعنت اور تیری امان پر بھی لعنت ، تو ہم کو امن دیتا ہے اور ابن رسول علیہ السلام کی جان کے درپے ہے۔ (طبری ج:4،314)

امام حسین علیہ السلام فوجوں کے درمیان سوار ہو کر آئے اور بلند آواز میں فرمایا سنو! میرے ساتھ جنگ میں جلدی نہ کرو اور تم لوگوں کے پاس آنے کا عذر بیان کرنے دوں۔اگر میری بات کو صحیح سمجھو گے تو نیکی حاصلکر و گے، میرے ساتھ انصاف کرو، یہ تمہارے لئے فلاح کا راستہ ہے۔پھر آپ نے سورہ یونس: 71/10 اور سورہ اعراف: 96/7 تلاوت فرمائی۔سورۂ یونس کی آیت کا ترجمہ یہ ہے ”اور ان کو نوح علیہ السلام کا قصہ پڑھ کر سنا دو۔جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے قوم! اگر تم کو میرا تم میں رہنا اور خدا کی آیات سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں خدا پر بھروسا کرتا ہوں۔تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر جو کام میرے بارے میں کرنا چاہو مقرر کر لو اور وہ تمہاری جماعت کو معلوم ہو جائے اور کسی سے پوشیدہ نہ رہے۔پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔“

سورۂ اعراف کی آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

”اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔مگر انہوں نے تو تکذیب کی۔سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔“

ا[illegible] کے بعد حمد و ثناء کی، درود پڑھا اور فرمایا کہ میرے خاندان کا خیال کرو

میں کون ہوں؟ پھر اپنے دل سے پوچھو کیا یہ قتل کرنا اور میری توہین کرنا تم لوگوں کے لئے جائز ہے؟ کیا میں تمہارے نبی علیہ السلام کا نواسہ نہیں ہوں؟ کیا میں ان کے وصی اور ابن عم کا فرزند نہیں ہوں؟ جو کہ سب سے پہلے اپنے رب پر ایمان لائے اور نبی علیہ السلام کی تصدیق کی۔کیا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ میرے باپ کے چچا نہیں؟ کیا جعفر طیار رضی اللہ عنہ میرے چچا نہیں؟ کیا تم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں سنا کہ ہم دونوں جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔میں نے تم سے جو بھی کہا وہی حق بات ہے۔اگر تم میری تصدیق کرو گے تو سن لو جب سے مجھے یہ علم ہوا ہے کہ اللہ جھوٹ بولنے والوں سے بے زار ہے، میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔اگر تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو تو تم میں ایسے موجود ہیں جو میری بات کی تصدیق کریں گے۔تم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ساعدی، زید بن ارقم اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔وہ میری اس بات کی تصدیق کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں یہی فرمایا ہے۔کیا یہ امر بھی میرا خون بہانے سے تم لوگوں کو مانع نہیں؟

پھر آپ نے کہا اگر میری اس بات میں شک ہے تو اس بات میں تو شک نہیں کہ میں تمہارے نبی علیہ السلام کا نواسہ ہوں۔اللہ کی قسم! مشرق و مغرب میں اور کوئی بھی شخص اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔تم لوگ کیوں میری جان لینا چاہتے ہو...... کیا میں نے کسی کو قتل کیا ہے یا کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخمی کیا ہے، جس کا قصاص تم مجھ سے لینا چاہتے ہو؟

پھر آپ نے ان لوگوں کا نام لے لے کر پکارا جنہوں نے آپ کو خط لکھے تھے اور فرمایا کیا تم نے نہیں لکھا تھا کہ میوے پک گئے، باغ سرسبز ہو گئے

ہیں، تالاب چھلک رہے ہیں، آپ کی مدد کیلئے لشکر یہاں تیار ہیں، آپ آیئے۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! تم لوگوں نے ہی خط لکھے تھے لوگو! اگر میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں کسی گوشہ امن کی طرف نکل جاتا ہوں۔

(طبری ج:4،ص:322-323،البدایہ والنہایہ،ج:8،ص:193)

یزیدی فوج میں سے قیس ابن اشعث نے کہا تم اپنے قرابت داروں کے آگے سر کیوں نہیں جھکا دیتے؟ آپ نے جواب دیا کہ آخر تو محمد ابن اشعث کا بھائی ہے۔ اب تو یہ چاہتا ہے کہ مسلم ابن عقیل رضی اللہ عنہ کے خون سے بڑھ کر بنی ہاشم کو تجھ سے مطالبہ ہو؟ اللہ کی قسم، میں نہ تو ذلت سے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دوں گا اور نہ ہی غلاموں کی طرح اقرار کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

''موسیٰ نے کہا میں ہر متکبر سے جو حساب کے دن یعنی قیامت پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں۔''

(سورہ مومن: 40، آیت: 27) (البدایہ والنہایہ ابن کثیر، ج:8،ص:195)

راوی کہتا ہے کہ میں نے ایسی فصیح و بلیغ تقریر (پھر ایسے نازک حالات میں) اس سے پہلے سنی نہ اس کے بعد سنی۔''

جب ابن سعد حملے کے لئے آگے بڑھا تو حر رضی اللہ عنہ نے پوچھا اللہ تیرا بھلا کرے، کیا تو ان سے لڑے گا؟ کیا تم اس کی بات نہ مانو گے؟ عمر بن سعد نے کہا اللہ کی قسم اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں ایسا ہی کرتا لیکن تیرا امیر (ابن زیاد) نہیں مانتا۔

(طبری ج:4،ص:325،البدایہ والنہایہ،ج:8،ص:195)

یہ سن کر حُر نے امام حسین علیہ السلام کے لشکر کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اس کی برادری کا ایک آدمی مہاجر ابن اوس اسے دیکھ رہا تھا۔ ابن اوس نے کہا میں

نے تمہاری یہ حالت کبھی نہیں دیکھی۔ اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ کوفہ کا سب سے بہادر آدمی کونسا ہے تو میں تیرا ہی نام لوں گا۔ حر نے جواب دیا اپنے دل سے پوچھ رہا ہوں کہ دوزخ جانا چاہتا ہے یا جنت میں، یہ کہہ کر حر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور امام حسین علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا۔

اس نے عرض کی اے ابن رسولؐ! میری جان آپ پر فدا، میں ہی وہ شخص ہوں جس نے آپ کو اس جگہ ٹھہرنے پر مجبور کیا۔ اللہ وحدہ لاشریک کی قسم! میں نہیں سمجھتا تھا کہ حالات اس نہج پر پہنچ جائیں گے۔ اگر مجھے اس بات کا اندازہ ہوتا کہ یہ لوگ آپ کی بات نہیں مانیں گے تو میں کبھی یہ کام نہ کرتا۔ مجھ سے جو قصور ہوا، میں اپنے رب سے معافی مانگنے اور اپنی جان آپ پر قربان کرنے آیا ہوں۔ یہ فرمایئے میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے؟ امام نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ تیری توبہ قبول کر کے تجھے بخش دے گا۔ امام نے پوچھا، تیری ماں نے تیرا نام کیا رکھا تھا؟ اس نے کہا حر! فرمایا جا تو دوزخ کی آگ سے آزاد ہو گیا، اب گھوڑے سے اتر آ۔ حر نے عرض کی اب مجھے اجازت عطا فرمائیں، اب گھوڑے پر رہنا اترنے سے بہتر ہے۔ میں ان لوگوں سے لڑوں گا اور موت کے بعد ہی گھوڑے سے اتروں گا۔ آپ نے فرمایا اچھا اللہ تم پر رحم کرے۔ (طبری، ج:4،ص:325)

اس کے بعد حر اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا اور کہنے لگا۔

''لوگو! حسین علیہ السلام نے جو باتیں تمہیں پیش کیں وہ تم نہیں مانتے، خدا تم کو ان سے جنگ میں مبتلا ہونے سے بچائے۔ اللہ تمہیں ہلاک کرے، تم نے انہیں بلایا۔ جب وہ چلے آئے تو انہیں دشمن کے حوالے کر دیا۔ تم کہتے تھے کہ ہم ان پر جاں نثار کر دیں گے۔ اب انہی کی جان لینے پر تلے ہوئے ہو؟ انہیں اللہ کی بنائی وسیع زمین میں کسی طرف جانے نہیں دیا تا کہ وہ اپنے اہل

بیت کے ساتھ امن سے رہیں۔تم نے ان کے اہل خانہ، بچوں اور ساتھیوں کو فرات کا پانی پینے سے روکا، جسے یہودی، مجوسی اور عیسائی پیتے ہیں۔ پیاس کی شدت سے بچے بلک رہے ہیں۔اگر تم اپنے ارادے سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی محشر میں سیراب نہ کرے۔

(البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:196)

حُر وہاں سے پلٹ کر امام حسین علیہ السلام کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

عروس دھر سنا ہے کہ چند دیوانے
لہو کے عطر سے گیسو ترے سنوار آئے

اس سے پہلے عمر بن سعد جنگ میں ٹال مٹول کر چکا تھا۔پھر شمر لعین ابن زیاد کا سخت پیغام لیکر آیا اور ارادہ پوچھا۔عمر بن سعد نے پیغام سن کر کہا لشکر تجھے نہیں ملے گا، یہ کام میں خود کروں گا۔ (طبری، ج:4،ص:314،315)

لشکر کو دیکھ کر حضرت زینب علیہا السلام امام کے پاس تشریف لائیں تو اس وقت امام تلوار کے دستے پر سر کی ٹیک لگائے ہوئے تھے۔حضرت زینب علیہا السلام نے لشکر کی طرف توجہ دلائی تو امام علیہ السلام نے اپنا خواب سنایا کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، حسین علیہ السلام اب ہمارے پاس آ جاؤ۔

(طبری ج:4،ص:315،البدایہ والنہایہ ج:8،ص:197)

حر بن یزید ریاحی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان میں تیر جوڑا اور لشکر سے کہنے لگا کہ تم سب ابن زیاد کے سامنے میری گواہی دینا کہ سب سے پہلا تیر میں نے مارا ہے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:197)

جنگ سے پہلے امام کے ساتھیوں اور اہل بیت علیہ السلام میں اس بات پر بحث ہوئی کہ پہلے ہم جانیں دیں گے۔ جنگ شروع ہوئی تو امام کے ساتھیوں نے بہادری کے بے مثال مظاہرے کئے۔امام حسین علیہ السلام کی طرف سے سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ شہید ہوئے۔

جب وہ زخمی ہو کر گرے تو امام کی طرف ہاتھ اٹھا کر ساتھیوں سے کہا میں تمہیں امام کی مدد کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔حبیب بن مظاہر رضی اللہ عنہ نے کہا واللہ ہم ایسا ہی کریں گے۔

(طبری، ج:4،ص:331)

سیدنا امام حسین علیہ السلام کے موذن حضرت ابو ثمامہ عمرو بن عبداللہ الصائدی رضی اللہ عنہ تھے۔ (طبری ج:4،ص:334)

جب ظہر کی نماز کا اوّل وقت شروع ہوا تو ابو ثمامہ نے عرض کی ''ابو عبداللہ میری جان آپ پر فدا، نماز کا وقت ہو گیا ہے۔اس نماز کے بعد میں حق تعالیٰ سے ملاقات کروں گا۔آپ نے سر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اللہ تجھے سچے نمازیوں اور اہل ذکر میں شمار کرے کہ تم نے نماز یاد دلائی۔ ہاں یہ نماز کا اوّل وقت ہے۔ان لوگوں سے پوچھ ہمیں اتنی مہلت دیں تا کہ ہم نماز پڑھ لیں۔مگر وہ لوگ جنگ سے باز نہ آئے۔ابو ثمامہ رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔اس کے بعد امام حسین علیہ السلام نے صلوٰۃ الخوف ادا فرمائی۔ چند ساتھی آپ کے سامنے پہرہ دے رہے تھے۔دشمن آپ علیہ السلام کے بہت قریب پہنچ گئے۔یہ دیکھ کر سعید بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور آپ کو بچاتے ہوئے بے شمار تیروں کا نشانہ بن کر گر گئے، اور شہید ہو گئے۔

(طبری، ج:4۔ص:336)

امام نے ایسے حالات میں بھی نماز نہ چھوڑی۔اہل بیت میں سے سب سے اوّل علی اکبر علیہ السلام بن امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے۔انہیں مُرّہ نے برچھی مار کر گرا دیا۔دشمنوں نے آپ کو گرنے کے بعد تلواریں مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔اسی طرح حضرت امام کے بھائی بھتیجے، بھانجے شہید ہوتے رہے اور امام ان کی لاشیں اٹھاتے رہے۔

امام حسین علیہ السلام پر جو بھی حملہ آور ہوتا وہ قریب پہنچ کر واپس چلا جاتا۔ہر شخص آپ کو قتل کرنے اور اس گناہ کو سر لینے سے گریز کرتا تھا۔آخر مالک بن نسیر کندی نے آپ کے

سر پر تلوار ماری۔ خون سے آپ علیہ السلام کی ٹوپی لبریز ہوگئی۔ آپ تھکن اور زخموں کی شدت سے نڈھال ہو کر اپنے خیمے کے سامنے گر گئے۔ کسی نے بچہ لا کر آپ کی گود میں بٹھا دیا۔ یہ بچہ عبداللہ بن حسین علیہ السلام تھا جس کو عام طور پر علی اصغر علیہ السلام کہتے ہیں۔ بچے کی عمر اس وقت 6 ماہ تھی۔ حرملہ نے تیر مارا جو بچے کے حلق پر لگا۔ خون کا فوارہ چھوٹا۔ امام نے دونوں ہاتھوں میں خون بھر کر اُچھالا اور کہا اے اللہ! اگر تو اس بات پر راضی ہے کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچوں کو قتل ہوتے ہوئے دیکھے تو میں تیری رضا پر راضی ہوں۔ آپ زخموں سے نڈھال ہو چکے تھے۔ پیاس کی شدت نے آپ کا برا حال کر دیا تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی آپ علیہ السلام میدان میں ڈٹے ہوئے تھے۔ (اختصار از طبری، ج:4، ص:337-345)

ہاں وہ حسینؑ جس کا صبر آزما ثبات
کہتا ہے گاہ گاہ حکیموں سے بھی یہ بات
یعنی درون پردۂ صد رنگِ کائنات
اک کار ساز ذہن ہے اک ذی شعور ذات
سجدوں سے کھینچتا ہے جو مسجود کی طرف
تنہا جو اک اشارہ ہے معبود کی طرف

(جوش ملیح آبادی)

سیدنا امام حسین علیہ السلام کو یزیدی فوج کے ایک سپاہی عبداللہ نے یوں خراج تحسین پیش کیا۔ ''واللہ میں نے کسی بے کس اور بے بس کو، جس کی اولاد و انصار قتل ہو چکے ہوں، اتنے ہوش و حواس سے انتہائی استقامت، جراءت اور دلیری سے لڑتے نہیں دیکھا۔ میں نے ان کی مثل نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں، ان کے دائیں بائیں سے حملہ آور اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے شیر سے ڈر کر بکریاں بھاگتی ہیں۔'' (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:204)

ہر شخص امام حسین علیہ السلام کے قتل سے بچنا چاہتا تھا۔ آخر شمر لعین نے للکارا، تمہاری مائیں تمہیں روئیں، اب کس بات کا انتظار ہے، انہیں قتل کر دو۔ پھر ہر طرف سے حملہ شروع

ہوا۔ پہلے تیر مارے۔ پھر زرعہ بن شریک نے امام علیہ السلام کے بائیں کندھے پر تلوار ماری۔ سنان نے نیزہ مارا، آپ علیہ السلام گر پڑے۔ سنان بن انس نخعی لعنۃ اللہ علیہ نے آپ علیہ السلام کو ذبح کر کے سر کاٹ لیا۔ (طبری، ج:4، ص:346)

یہ اس شخص سے سلوک تھا جس کے بارے میں عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا تھا اس وقت روئے زمین پر حسین علیہ السلام سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہیں۔ (مجمع الزوائد ج:9، ص:179)

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ **اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ**، ج:2، ص:21 پر لکھتے ہیں کہ جب حسین علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا تو عمر بن سعد نے ایک گروہ کو حکم دیا کہ امام کے بدن کو گھوڑوں پر سوار ہو کر روند دو۔ چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور امام کے بدن پاک کو روندا۔

گرچہ ہر مرگ است برمومن شکر
مرگِ پور مرتضیٰ چیزے دگر

ابن اثیر **اسد الغابہ فی معرفتۃ صحابہ** ج:2، ص:205 پر لکھتے ہیں کہ جب حسین علیہ السلام کو قتل کر دیا گیا تو عمر بن سعد نے ایک گروہ کو حکم دیا کہ امام کے بدن کو گھوڑوں پر سوار ہو کر روند دو چنانچہ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور امام کے بدن پاک کو روندا

البدیہ والنہایہ ج:8، ص:205 پر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ دس سواروں نے آپ کی لاش کو پامال کیا۔ یہی طبری ج:4، ص:347 پر اور شہادت حسین ص:62 پر ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

آپ کی شہادت کے بعد قاتلوں نے آپ کا لباس اتار لیا، خیموں کو لوٹ لیا۔ عورتوں کے سروں سے چادریں تک اتار لیں۔ آپ کے ساتھ آپ کے چھ بھائی، دو بیٹے اور تین بھتیجے شہید ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:205-204، طبری، ج:4، ص:347)

ظلم سہے جو کہے نئیں جا سکدے
اے پر صبر دے بنے دکھا دتے

کربل وچ حسینؑ نے خون دے کے
ذرّے ریت دے تارے بنا دتے

امام کے بدن مبارک کو پامال کرنے کے بعد عورتوں اور بچوں کو قید کر کے شہداء کی لاشوں کے پاس سے گزارا گیا۔ اس وقت سیدہ زینب علیہا السلام نے مدینہ کی طرف رخ کر کے کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھیں! گرم ریت پر کس طرح آپ علیہ السلام کا بیٹا بے لباس پڑا ہوا ہے۔ وہ اوران کے ساتھی بے سر و بدن کے پڑے ہیں۔ ہوا کے ساتھ ریت اڑ کر ان کے بدن پر پڑ رہی ہے اور وہ ہی ان کا کفن ہے۔

اس وقت دشمن کی فوج میں کوئی ایک شخص بھی نہ رہا جو نہ رویا ہو۔

چھ ماہ کا معصوم پیاسا مقتول علی اصغر علیہ وعلیٰ آبائہِ السلام جس کا ننھا جسم گرم ریت پر بے کفن پڑا ہوا ہے اور بے بس قیدی ماں پاس سے اونٹ پر بندھی ہوئی گزر رہی ہے۔

اے اسلام کے دعویدارو!

پوتا علیؑ کا تم سے طلب گار آب ہے
دے دو کہ اس میں ناموری ہے ، ثواب ہے
(میرانیس)

جے کر من دے بیت رسولی تے پانی بند کیوں کردے ہو
جے کر لحاظ سرورؑ دا کردے تے خیمے تنبو کیوں سٹر دے ہو
پانی پین فرات دا سور کتے
کھڑیاں بیبیاں رہن ترہائیاں نیں

یزیدی فوج نے اپنے سب مقتول خبیثوں کا جنازہ پڑھا اور دفن کیا۔ مگر اہل بیت کرام اوران کے ساتھی شہیدوں کی لاشیں وہیں پڑی رہنے دیں۔ نہ جنازہ پڑھا نہ دفن کیا۔ عراق کے سابقہ وزیر، ہبۃ الدین الحسینی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح لکھا کہ امام اوران کے ساتھیوں کو اس بات کی حاجت ہی نہیں تھی کہ یزیدی ملعون ان کا جنازہ پڑھتے ۔ان پر تو اللہ کے فرشتے درود و سلام پڑھ رہے تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ سکینہ بنت حسین علیہ السلام تھیں۔ جب مصعب ، عبدالملک کے خلاف جنگ کے لیے جانے لگے تو ناموافق حالات کے پیش نظر سکینہ علیہا السلام نے انہیں روکا۔ مصعب نے کہا سکینہ ! تیرے باپ حسین علیہ السلام نے کسی حلال زادے کے لیے کوئی بہانہ نہیں چھوڑا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:338)

اکثریت پر نہیں حق اور صداقت کا مدار
دے کے سر سمجھا گئے ہم کو حسین ابن علیؑ

عمر بن سعد محدثین کی نظر میں

کیا کوئی مسلمان ایسا ہوسکتا ہے جو عمر بن سعد کو برا نہ جانے؟ میزان الاعتدال میں امام ذہبی لکھتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام سے جنگ عمر بن سعد نے اس لیے کی تا کہ سرداری مل سکے اور بہت سے ایسے کرتوت کئے جو نہ کرنے والے تھے۔ شعبہ نے ابی اسحٰق سے اور اس نے عیزار بن حریث سے اور روایت کیا کہ ایک دن عیزار بن حریث نے کہا عمر بن سعد یہ روایت کرتا ہے تو اسی وقت ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا اے عیزار! تجھے خدا کا خوف نہیں کہ تو عمر بن سعد سے روایت کرتا ہے؟ عیزار بن حریث رو پڑے اور کہا آج کے بعد اس سے روایت نہیں کروں گا۔

احمد بن زہیر بیان کرتے ہیں کہ امام یحییٰ ابن معین رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا کہ عمر بن سعد ہے تو ثقہ امام نے فرمایا حسین علیہ السلام کو قتل کرنے والا ثقہ کیسے ہوسکتا ہے۔

مولانا امیر علی لکھتے ہیں کہ یہ جو اِجلی تابعی نے کہا کہ عمر بن سعد ثقہ ہے تو اس بات سے میرے رونگھٹے کھڑے ہو گئے۔ رب کی قسم! اِجلی تابعی کی بات کی طرف کان تک نہ دھریں گے نہ اسے قبول کریں گے۔ صرف ایک عذر کی وجہ سے احجری کو معافی دے سکتے ہیں کہ روایت کرتے وقت عمر بن سعد کا جھوٹ اس کے سامنے نہ آیا ہو۔ یہ تاویل ہوسکتا ہے اِجلی تابعی کے ذہن میں ہو اور یہ جو تاویل ہے، یہ صرف ظن ہے۔ اندازہ، جبکہ دوسری طرف عمر بن سعد کا عظیم فسق علانیہ ظاہر ہے

تو اس کے مقابلے میں ظن ہے، اندازہ ہے، جبکہ دوسری طرف عمر بن سعد کا عظیم فسق علانیہ ظاہر ہے تو اس کے مقابلے میں ظن اور اندازہ کہاں باقی رہ گیا؟ اگر کوئی کہے کہ اس نے حاکم کی بات مانی تو یہ تاویل باطل ہے کیونکہ **لا طـــاعة المخلوق فی معصية الخالق**، اور گناہ بھی کیسا؟ قتل حسین علیہ السلام!

مولانا امیر علی ملیح آبادی۔ کربلا کے ایک دوسرے کردار شمر لعین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میزان الاعتدال میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ نماز کے بعد شمر بن ذوالجوشن (اس کا باپ ذوالجوشن صحابی تھا) دعا کرتا تھا ”اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں بڑا شریف (معزز) ہوں، میری دعا قبول کر، یہ سن کر ایک آدمی بولا تیری دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے جبکہ تو نے حسین علیہ السلام سے کیا جو کیا۔ شمر لعین بولا، ہم کیا کرتے، ہم نے حاکم وقت کا حکم مانا۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شمر کا یہ بہانہ بالکل غلط ہے۔

مولانا امیر علی ملیح آبادی نے تقعیب التھذیب میں یہ خلاصہ نکالا:

> ”عمر بن سعد اور ان کے ساتھی کم از کم فاسق ضرور تھے۔ ان لوگوں کو ردّ کرنے ہی میں مسلمانوں کے دلوں کی ٹھنڈک اور اسلام کی عزت ہے۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ فاسق ہر بات میں جھوٹ ہی بولے۔ ان سے کوئی روایت قبول نہ کی جائے گی۔“
>
> شمر کے بارے میں مولانا امیر علی لکھتے ہیں کہ اس نے ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا۔ وہ خبیث اور افسق الفساق تھا۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس سے روایت لی جائے۔

(تقریب التھذیب، ابن حجر، مع حاشیہ، تقعیب التھذیب از مولانا امیر علی، شاگرد میاں نذیر حسین محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ، ص 226)

شمر کا باپ ذی الجوشن ابوداؤد کا راوی ہے۔ وہ صحابی تھا۔ اس نیک آدمی سے مطرود (لعنتی) شمر پیدا ہوا جس نے ابن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اسلحہ اٹھایا۔ (ایضاً ص:152)

بعد از شہادت حسین علیہ السلام

بخاری کتاب المناقب باب مناقب الحسنؑ و الحسینؑ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عبیداللہ ابن زیاد کے پاس امام حسین علیہ السلام کا سر لایا گیا جو ایک طشت میں رکھا ہوا تھا۔ وہ ایک چھڑی آپ علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر مارنے لگا اور آپ علیہ السلام کی خوبصورتی کے متعلق کچھ کہنے لگا (کہ میں نے تو سنا تھا حسین علیہ السلام بہت خوبصورت ہے، یہ طنزاً کہا)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا امام حسین علیہ السلام سب لوگوں علیہ السلام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت مشابہ تھے۔ ان کی داڑھی اور سر کے بالوں پر وسمے کا خضاب تھا۔ (ابن حجر، فتح الباری ج:7، ص:94)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ شہادت حسین، ص:68 پر لکھتے ہیں کہ ابن زیاد نے حضرت حسین علیہ السلام کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔

مولانا اس کتاب کے ص:67-68 پر لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اس خدا کی تعریف کی جس نے حق کو ظاہر کیا اور حق والوں کو فتح یاب کیا۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی اور کذاب ابن کذاب حسین علیہ السلام ابن علی علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ یہ سن کر عبداللہ بن عفیف ازدی رضی اللہ عنہ (جو علی علیہ السلام کے مشہور ساتھی ہیں اور جنگ جمل صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے) کھڑے ہوگئے اور چلائے، خدا کی قسم اے ابن مرجانہ کذاب ابن کذاب تو ہے نہ حسین ابن علی علیہ السلام، ابن زیاد نے یہ سن کر ان کو قتل کر ڈالا۔“

مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب شہید کربلا میں لکھتے ہیں ”ابن زیاد کی شقاوت

نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ حضرت حسین علیہ السلام کے سر کو ایک لکڑی پر رکھ کر کوفہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گھمایا جائے تا کہ سب لوگ دیکھ لیں۔ اس کے بعد اس کو اور دوسرے سروں کو یزید کے پاس ملک شام بھیج دیا۔"

مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین علیہ السلام کی لاش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب یہ تقدیر بھی امام مظلوم کے جسدِ پاک پر پوری ہوئی۔ دس شہسواروں نے گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک کو روند ڈالا۔"

پھر فرماتے ہیں کہ دوسرے دن عمر بن سعد نے میدان جنگ سے کوچ کیا۔ تمام مقتولوں کے سر کاٹ کر ساتھ لے گئے......ابن زیاد نے حضرت سید الشہداء کا سر ایک بانس پر نصب کیا اور اہل بیت علیہم السلام کے معصوم و مظلوم بچوں اور عورتوں کے ساتھ یزید کے پاس دمشق بھیج دیا۔ (خدام الدین لاہور۔ جون 1963ء)

جب ابن زیاد چہرہ مبارک پر چھڑیاں مار رہا تھا تو صحابی رسولؐ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے ابن زیاد سے کہا اس چھڑی کو ہٹا۔ اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس جگہ کو بوسے دیتے دیکھا ہے۔ یہ کہہ کر حضرت زید رضی اللہ عنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ابن زیاد نے کہا خدا تجھے رلائے اگر تو بڈھا کھوسٹ نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلے گئے "اے قوم عرب آج کے بعد تم سب غلام ہو گئے۔ تم نے فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بیٹے کو قتل کیا، ابن مرجانہ کو حاکم بنایا، جو تم میں سے چن چن کر نیک آدمیوں کو قتل کرتا ہے اور شریر لوگوں کو تم پر مسلط کرتا ہے۔ تم نے ذلت کو گوارا کر لیا۔ ذلت قبول کرنے والوں پر اللہ کی مار۔" (یہ تھا ابن زیاد کی نظر میں صحابی کا احترام)

(فتح الباری، ج:7، ص:96۔ البدایہ والنہایہ ج:8، ص:207)

ابن زیاد کے سامنے حضرت زینب سلام اللہ علیہا، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اور دیگر عورتوں اور بچوں کو بھی پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا سے کہا: "خدا کا شکر ہے جس نے تم لوگوں کو رسوا کیا، انہیں قتل کیا اور تمہاری کہانیوں کو جھوٹا کیا۔" سیدہ سلام اللہ علیہا نے

جواب دیا "اللہ کا شکر اور حمد ہے جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے ہم کو عزت بخشی، ہمیں پاک کیا، رسوا اور جھوٹا وہ ہوتا ہے جو فاسق و فاجر ہو۔" ابن زیاد نے کہا "تم نے دیکھ لیا کہ تمہارے خاندان کے ساتھ خدا نے کیا سلوک کیا۔" سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا "ان کے نصیب میں شہید ہونا لکھا تھا۔ وہ اپنے مقتل کی طرف چلے آئے۔ اب تو بھی اور وہ لوگ بھی اللہ کے حضور پیش ہوں گے۔ وہیں نیکوں کو ان کا اجر اور فاسقوں کو سزا ملے گی۔"

(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:209-210)

ابن زیاد نے جب حضرت علی ابن الحسین زین العابدین علیہ السلام کو دیکھا تو پوچھا یہ کون ہے؟ جب بتایا گیا تو کہنے لگا کہ ایسے کیوں چھوڑ دیا، اسے بھی قتل کر دو۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام سے لپٹ گئیں اور کہنے لگیں "ابن زیاد خدا کا خوف کر، جتنا ظلم ہم پر کر چکا ہے اس سے تمہارا دل نہیں بھرا؟ اگر اسے قتل کرنا چاہتا ہے تو مجھے بھی ساتھ قتل کر دے۔"

وہ ظالم بہت دیر تک حضرت زینب سلام اللہ علیہا کو دیکھتا رہا اور کہنے لگا کہ خون کے اس جوش پر مجھے تعجب ہے کہ یہ بھتیجے کے ساتھ قتل ہونے کو تیار ہے، اچھا اس لڑکے کو چھوڑ دو۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:210)

اس طرح کے واقعات کے بعد حسین علیہ السلام کا سر مبارک کوفہ میں نصب کر دیا گیا پھر شہر میں پھرایا گیا پھر باقی شہدائے کربلا کے سروں کے ساتھ، قیدی اہل بیت اطہارؑ سمیت یزید کے پاس دمشق بھیج دیا گیا۔ سیدنا علی علیہ السلام ابن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کی گردن میں طوق ڈال کر لے جایا جائے۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:210)

یہ قافلہ اس شان سے روانہ ہوا کہ اس میں لاچار و بے بس عورتیں اور بچے تھے اور آگے آگے حضرت امام حسین علیہ السلام اور دیگر شہداء کرام علیہ السلام کے سر بلند ہو کر جا رہے تھے۔ یہ عورتیں اور بچے اس وقت روئے زمین پر سب سے افضل اور پاکباز گھرانے کے افراد

تھے۔لیکن ان کو جس طرح شہر بہ شہر اور گلیوں اور بازاروں میں بے پردہ کر کے پھرایا اور رسوا کیا گیا وہ ثابت کرتا ہے کہ بدر کا بدلہ لیا جا رہا تھا۔اگر یزید اور اس کے اہل کاروں میں انسانی شرافت کا ذرہ بھی ہوتا تو سوچتا کہ فتح مکہ والے دن اس کے بڑوں کو اس قافلہ کے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معافی دے دی تھی اور بدلہ نہیں لیا تھا، لہٰذا میں بھی بعد از فتح کم از کم وہ سلوک تو کروں۔ مگر یزید کے نصیب میں ابلیس کی طرح تا قیامت لعنت آ گئی۔ جو سارا سال بلا ناغہ اسے عوام کی طرف سے پہنچتی رہتی ہے۔

اس اقدام سے یزیدیوں کا مقصد یہ تھا کہ عوام پر دہشت بیٹھ جائے اور یہ باور کر لیں کہ اگر ہم روئے زمین کے سب سے اعلیٰ خاندان سے یہ سلوک کر سکتے ہیں تو دوسرے لوگ کس باغ کی مولی ہیں۔ اگر کسی نے حکومت کے خلاف کوئی کوشش کی تو اس کا انجام یہی ہوگا۔اور بعد کے دو سالوں میں یزید نے یہ ثابت کیا کہ اس کے راستے میں جو بھی آئے گا وہ اس کے خلاف کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار ہے چاہے اسے مدینہ پر حملہ کر کے دس ہزار لوگ حرم مدنی میں قتل کرنا پڑیں یا خانہ کعبہ پر ہی حملہ کیوں نہ کرنا پڑے۔

یزید پلید کے دربار میں

زمانے کی نیرنگی دیکھئے کہ دنیا کے افضل ترین لوگ، اس وقت کے بدترین شخص کے سامنے پیش کئے گئے۔

> یزید نے سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا: ”تمہارے باپ نے میرے حق کو نہ جانا اور مجھ سے حکومت چھیننا چاہی۔ دیکھو اللہ نے اس کے ساتھ کیا کیا؟“
>
> سیدنا امام علی ابن الحسین علیہ السلام نے جواب میں سورۂ الحدید: 22/57 کی آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمہارے اپنے نفس پر نازل ہوئی ہو اور ہم نے اور یہ کام خدا کیلئے بہت آسان ہے۔

حدیث عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسینؑ رقم کرد و دیگرے زینبؑ

یزید نے جواباً سورۂ الشوریٰ: 30/42 پڑھی

> ”اور جو مصیبت تم پر واقع ہوئی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور اور وہ (اللہ) بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔“

اور اس کے ساتھ سورۂ آل عمران: 26/3 پڑھی

> ”کہو اے اللہ! اے بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے۔ ہر طرح کی بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“

سیدنا امام حسین علیہ السلام کی بیٹی فاطمہ بنت الحسین بیان فرماتی ہیں کہ یزید کے دربار میں پیشی کے وقت ایک بدبخت شامی نے یزید سے کہا یہ لڑکی (یعنی فاطمہ) مجھے دے دیں۔ میں اس زمانہ میں کم سن اور خوبصورت تھی۔ میں ڈر گئی اور اپنی پھوپھی زینب کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ حضرت زینب علیہا السلام نے اس شامی سے کہا، نہ تمہاری یہ مجال ہے اور نہ یزید کی۔ یزید بولا واللہ تم نے غلط کہا۔ مجھے یہ اختیار ہے، میں اگر چاہوں تو ایسا کر سکتا ہوں۔ حضرت زینب علیہا السلام نے کہا، واللہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے یہ اختیار تجھے نہیں دیا۔ ہاں اگر دین چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کر لے تو ایسا ہو سکتا ہے۔ یزید نے غضبناک ہو کر کہا دین سے تیرا باپ اور بھائی نکل گئے تھے۔ زینب علیہا السلام نے جواب دیا، میرے باپؑ، بھائی اور نانا کے دین سے تو تیرے باپ دادا نے ہدایت پائی۔ یزید نے کہا دشمن خدا تو جھوٹ بول ہی ہے۔ زینب علیہا السلام نے کہا تو حاکم ہے اس لیے دباتا ہے۔ یہ سن کر یزید خاموش ہو گیا۔ شامی بدبخت نے پھر وہی مطالبہ دہرایا تو یزید نے کہا۔ خاموش رہ، خدا تجھے موت دے کر تیرا فیصلہ کرے۔

(البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج:8، ص:211)

بعد میں سیدنا حسین علیہ السلام کے قتل سے یزید اپنا دامن بچانا چاہتا تھا اور ابن زیاد اپنا دامن بچانا چاہتا تھا۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد سے کہا، جو خط میں نے تمہیں قتل حسین علیہ السلام کا حکم دینے کیلئے لکھا تھا، وہ مجھے واپس کردو۔ ابن سعد نے کہا وہ گم ہوگیا ہے۔ ابن زیاد بضد ہوا تو ابن سعد نے کہا کہ اس کا علم تو بوڑھی عورتوں تک کو ہو چکا ہے۔ میں نے تجھے حسین کے بارے میں ایسا خیر خواہی کا مشورہ دیا تھا کہ اپنے باپ سعد رضی اللہ عنہ کو بھی دیتا تو ان کا حق ادا کردیتا۔ ابن زیاد کے بھائی عثمان بن زیاد نے کہا میں تو کہتا ہوں کہ حسین علیہ السلام قتل نہ ہوتے چاہے بنی زیاد کی ناک میں نکیل چڑھادی جاتی۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:226)

تاریخ میں کچھ ایسی روایات ملتی ہیں کہ یزید نے قتل حسینؑ پر افسوس کا اظہار کیا تھا اور ابن زیاد کے بارے میں کہا ابن مرجانہ پر لعنت ہو، اگر حسین علیہ السلام میرے پاس آتے تو جو کہتے میں مان لیتا۔ ایسی روایات ناصبیوں نے گھڑی ہیں۔ یزید اس قتل میں پوری طرح ملوث تھا۔ اور یہ معاملہ ایک دن میں اس نوبت تک نہیں پہنچا تھا کہ سب کچھ اچانک ہوگیا ہو۔ یزید نے تو تخت نشین ہوتے ہی گورنر مدینہ کو پہلا خط ان سے بیعت لینے کیلئے لکھا تھا کہ ہر حال میں بیعت لو۔ امام مدینہ سے مکہ اور پھر کوفہ روانہ ہوئے۔ تقریباً چھ ماہ یہ معاملات چلتے رہے۔ کیا یزید اتنا ہی بے خبر تھا کہ اسے خبر نہ ہوئی جبکہ باقی خبریں پل پل کی اسے ملتی تھیں۔ اگر بے خبر تھا تو یہ بھی اسی کی نااہلی ہے۔ بالفرض اگر وہ بے خبر تھا، اس قتل سے راضی نہ تھا تو پھر اس نے خبیث ابن زیاد کو کیا سزا دی؟ معزول تک نہ کیا۔ بلکہ مدینہ اور مکہ پر حملے کیلئے اس کہا تو ابن زیاد لعین نے جواباً کہا میں اس فاسق (یزید) کیلئے دو گناہ اپنے سر نہیں لے سکتا کہ نواسہ رسول علیہ السلام کو قتل کروں اور خانہ کعبہ پر حملہ کروں۔ (البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:237)

محمد بن حنفیہ کا یزید کے پاس رہنا اور اس کی صفائی دینا، یہ قصہ بالکل بے بنیاد ہے اور اس کی روایت منقطع ہے۔ (انساب الاشراف للبلاذری ج:3، ص:143)

قتل حسین علیہ السلام کے بعد یزید نے مدینہ اجاڑا، مکہ اور کعبہ شریف پر حملہ کرایا، اور اسی حملہ کے دوران دنیا کو اپنے وجود سے پاک کر گیا۔ پھر یہ خاندان ٹک کر حکومت نہ کرسکا۔ جگہ

جگہ بغاوتیں ہوئیں اور واقعہ کربلا میں شریک ہر شخص برے انجام سے دوچار ہوا۔ یزید کی موت کے ساتھ ہی خاندان معاویہ کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ **خسر الدنیا ولآخرہ**

حضرت امام حسین علیہ السلام کی تحریک اور مشن کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں "مقابلہ کیلئے ضروری نہیں کہ تمہارے پاس وہ تمام شوکت و مادّی اسباب موجود ہوں جو ظالموں کے پاس ہیں۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے پاس چند ضعیف بوڑھوں اور بچوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کی فکر سے بے پرواہ ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں۔ یہ قوت قادرہ عادلہ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو ضعف کے باوجود کامیاب کرتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ چند انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہر و جابر کا کیا مقابلہ جس کی سرحدیں ملتان اور فرانس تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا، پھر ایک دن ہر ایک وجود مقدس کو مقتول ہوتے ہوئے دیکھا اور جاں بحق تسلیم ہوا۔ یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کا پانی چھین سکا اور نہ زندہ رہنے کیلئے غذا حاصل کرسکا۔ اس میں بھی شک نہیں کہ وہ سر سے پاؤں تک زخموں سے چور ہوا، اس خلعتِ شہادت لالہ گوں سے آراستہ ہو کر تیار ہوا تاکہ اس کرشمہ ساز حظیرۃ القدس کے وصال میں پہنچے جو دوستوں کو خاک و خون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ تاہم فتح اس کی تھی، فیروزمندی کا تاج اس کے زخم خوردہ سر پر رکھا جاسکتا تھا۔ وہ تڑپا اور خاک و خون میں لوٹا اور اس کے خون کے ایک ایک قطرہ نے عالم اضطراب میں جو اس کے زیر سنگ بہا، انقلاب تغیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کردیئے جس کو نہ مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی، نہ حجاج بن یوسف کی بے اماں خونخواری اور نہ عبدالملک کی تدبیر و سیاست، وہ بڑھتے اور بڑھتے ہی رہے۔ ظلم و جبر کا پانی تیل بن کر ان کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا۔ اور حکومت و تسلط کا غرور ہوا بن کر ان کی ایک ایک چنگاری کو آتش کدہ سوزاں بناتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری وقت آگیا۔ اور جو کچھ 61ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا وہ سب 132ھ میں نہ صرف دمشق بلکہ تمام

عالم اسلامی کے اندر ہوا۔ صاحبان تخت و تاج خاک و خون میں تڑپے۔ ان کی لاشیں گھوڑوں کے سموں سے پامال کی گئیں۔ فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں اور مردوں کی ہڈیوں تک کو ذلت و حقارت سے محفوظ نہ چھوڑا اور قرآن پاک کا یہ فرمان سچ ہوا

''اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ وہ کون سی جگہ لوٹائے جاتے ہیں۔''

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

حضرت امام حسین علیہ السلام کے سامنے موت کا فیصلہ اچانک نہیں آیا تھا۔ انہوں نے مکمل ہوشمندی کے ساتھ اس راستہ کا انتخاب کیا۔ حر نے جب آپ علیہ السلام کو پیچھے آنے والی فوج سے ڈرایا تو امام علیہ السلام نے قبیلہ اوس کے اس صحابی رضی اللہ عنہ کے شعر سنائے جسے اس کے بھائی نے موت سے ڈرایا تو اس صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی سے کہا تھا کہ مرنا قطعاً ہتک اور طعنے کی بات نہیں اگر وہ حق پر مرے۔'' (البدایہ والنہایہ ج:8، ص:188-189)

ابن زیاد لعین کا انجام

واقعہ کربلا کے پانچ سال بعد جبکہ اس خونی درندے کی عمر 28 سال تھی، ابراہیم بن مالک الاشتر رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ابن زیاد جہنم رسید ہوا۔ عمارہ بن عمیر سے روایت ہے کہ جب عبیداللہ ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر کاٹ کر مسجد میں لاکر رکھ دئے گئے، جو رُحبہ میں ہے، (اور وہ نام ہے ایک مقام کا) سو میں وہاں گیا۔ لوگ کہنے لگے آیا آیا۔ اور وہ ایک سانپ تھا کہ لوگوں میں سے ہو کر آیا اور عبیداللہ کے ناک میں تھوڑی دیر گھسا رہا پھر نکلا اور چلا گیا اور غائب ہو گیا پھر لوگوں نے کہا آیا آیا اور پھر گھسا اسی طرح تین بار گیا یا دو بار۔''

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت حسن ہے صحیح ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں کہ خدا نے اس ظالم اور فاسق کو سزا دی۔ یہ واقعہ ذوالحجہ کے 8 دن باقی تھے جب پیش آیا۔ وہ ہفتہ کا دن تھا اور 66ھ کا سال تھا۔ ابراہیم الاشتر اس کا سر کاٹ کر مختار ثقفی کے سامنے لایا تھا۔ (تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج:4، ص:341-342)

یزید کے شامی فوجیوں کی لاف زنی

ابن زیاد لعین نے زحر بن قیس کی معیت میں تمام شہدائے کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس دمشق روانہ کر دیا۔ دربار یزید پہنچ کر زحر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں پیش کیا، وہ یہ ہیں۔

''امیر المومنین اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو فتح ونصرت کی بشارت ہو۔ حسین ابن علی علیہ السلام ابن ابی طالب اور ان کے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعان میں سے ساٹھ اشخاص ہمارے یہاں وارد ہوئے تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے۔ اور ہم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے آگے سر تسلیم خم کردیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کردیں یا پھر جنگ کیلئے تیار ہو جائیں۔ انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا تو ہم نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا، ان لوگوں کو جالیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا۔ آخر جب تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح گرفت شروع کی تو یہ ادھر ادھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے کی ان کیلئے کوئی جگہ نہ تھی نہ جائے پناہ اور جس طرح باز سے کبوتر پناہ ڈھونڈتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں ہم سے پناہ ڈھونڈنے لگے۔ سو خدا کی قسم! بس جتنی دیر میں اونٹ کاٹ کر رکھ دیا جاتا ہے، یا قیلولہ کرنے والا اپنی نیند پوری کر لیتا ہے، اتنی دیر میں ہم نے ان کے آخری فرد کا کام تمام کر دیا۔ سو اب ان کی لاشیں ننگی پڑی ہیں اور ان کے کپڑے لیے جاچکے ہیں۔ ان کے رخسار خاک میں لتھڑے ہوئے ہیں، دھوپ ان کو جلا رہی ہے، اور ہوا ان پر خاک اڑاتی ہے، عقاب اور گدھ ان لاشوں پر منڈلا رہے ہیں۔''
(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:191)

خیال رہے کہ یہ لاف زنی وہ شخص کر رہا ہے جو اتنا بہادر تھا کہ جو لوگ پانچ ہزار فوج صرف 72 اشخاص کے مقابلہ میں لے کر گئے تھے، ان کے ساتھ یہ بھی شامل باجہ تھا۔ جبکہ ان 72 اشخاص میں بہت سی عورتیں، بوڑھے اور بچے شامل تھے اور ان ''باغیوں میں ایک 6 ماہ کی عمر کا ''باغی'' بھی تھا۔ دوسری بات یہ کہ خاندان رسالت علیہ السلام کو قتل کرنے کا حال جس خوشی اور جوش و جذبہ سے بیان کیا جا رہا ہے اور سننے والا اسن رہا ہے اس سے صاف

معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں اس مقدس ترین خاندان کے خلاف انتہائی بغض تھا اور واقعی بدر کا بدلہ لیا گیا۔ تیسری بات یہ کہ لکھنے والے یعنی امام ابن کثیر شامی ہیں۔ وہ بنو امیہ کی آخری حد تک براءت کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہوں نے بھی وہی لکھا جو لکھنے پر صداقت کے ہاتھوں مجبور تھے۔

مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل فاطمہ علیہا السلام میں امام زین العابدین علی ابن الحسین علیہ السلام سے روایت ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب یزید بن معاویہ کے پاس سے واپس مدینہ آئے تو ان سے حضرت مسور بن مَخرمہ رضی اللہ عنہ ملے اور پوچھا کہ کوئی کام ہو تو بتائیں۔ میں نے کہا کوئی کام نہیں۔ مسور رضی اللہ عنہ نے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار مجھے دے دیں کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ لوگ آپ سے زبردستی نہ چھین لیں۔ اللہ کی قسم! اگر آپ وہ تلوار مجھے دے دیں تو جب تک میری جان میں جان ہے، کوئی اس کو نہ لے سکے گا۔ یہ حالات تھے جن میں لٹنے اور اجڑنے کے بعد بھی اہل بیت کو امن نہیں تھا۔

بعض روایات میں یہ آتا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس کی بیعت کر لی اور اس کیلئے دعائے خیر کی تو یہ بالکل بے بنیاد اور گھڑی ہوئی بات ہے۔ اس کے راویوں میں سے ایک ابی بکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ ہے جو وضع حدیث میں متّہم ہے۔ یزید کی منقبت ایسے ہی ناکارہ لوگوں کی روایت سے ثابت ہو سکتی ہے۔
(طبقات ابن سعد، ج:5، ص:215)

بلکہ اس کے الٹ یزیدی کمانڈر مسلم بن عقبہ جسے سلف مجرم یا مسرف بن عقبہ کے برے نام سے یاد کرتے ہیں، نے حضرت امام زین العابدینؑ سے بدتمیزی کی اگرچہ امام علیہ السلام واقعہ حرہ میں بالکل الگ رہے۔ اس کی تفصیل امام ابن کثیر یوں بیان کرتے ہیں کہ مسلم بن عقبہ نے حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام کو طلب کیا۔ وہ مروان اور اس کے بیٹے عبدالملک کے درمیان پیدل چل کر اس کے پاس پہنچے تا کہ ان کے ذریعے امان لے سکیں۔ ان کے علم میں یہ بات نہ تھی کہ یزید نے ان کے بارے میں مسلم کو کہہ دیا ہے۔ چنانچہ جب آپ اس کے

سامنے آ کر بیٹھ گئے تو مروان نے کچھ پینے کیلئے مانگا۔ مسلم بن عقبہ جب شام سے مدینہ آیا تھا تو اپنے ساتھ وہاں سے برف لے کر آیا تھا اور وہ برف اس کے مشروب میں ڈال دی جاتی تھی۔ چنانچہ جب پینے کیلئے لایا گیا تو مروان نے اس میں سے تھوڑا سا پی کر باقی علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام کو دے دیا تا کہ اس کے ذریعہ سے ان کے لئے امان حاصل کر لی جائے۔ مروان علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام کا دوست بنا ہوا تھا۔ مسلم بن عقبہ کی جیسے ہی نظر اس پر پڑی کہ برتن حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اٹھا لیا تو کہنے لگا ہمارا پانی نہ پینا اور پھر کہا تو ان دونوں کے ساتھ اس لیے آیا ہے کہ ان کے ذریعے امان حاصل کر سکے۔ یہ سن کر آپ کا ہاتھ کانپنے لگا اور نہ ہی برتن رکھا جا سکتا تھا نہ ہی اسے پی سکتے تھے۔ تب اس شقی نے کہا اگر امیر المومنین نے تمہارا خیال رکھنے کی تاکید نہ کی ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔

(البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:220)

طبقات ابن سعد میں ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام جب کنکریاں مارنے جمرات کی طرف جاتے تو پیدل جاتے۔ منیٰ میں آپ علیہ السلام کا ایک مکان تھا۔ اہل شام آپ کو ستایا کرتے تھے۔ اس لیے آپ اپنے مکان سے قرن الثعالب یا اس کے قریب آ گئے۔ اب آپ سواری پر آنے لگے۔ (طبقات ابن سعد ج:5، ص:219)

منہال بن عمرو سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے رکھے، صبح کس حال میں ہوئی؟ فرمایا میں نہ سمجھتا تھا کہ شہر میں آپ جیسا بزرگ بھی نہیں جانتا کہ ہم نے صبح کس حال میں کی۔ اور جب آپ نہیں جانتے تو پھر میں بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے صبح کس حال میں کی۔ اور جب آپ نہیں جانتے تو پھر میں بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے اپنی قوم کے ساتھ اس حال میں صبح کی جس طرح بنی اسرائیل نے کی تھی کہ وہ فرعونی ان کے لڑکوں کو تو ذبح کر دیتے تھے اور ان کی عورتوں کو جینے دیتے تھے۔ اور ہمارے بزرگ اور سردار (سیدنا علی علیہ السلام) کے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے کہ برسرِ منبر ان کو گالیاں دے کر ہمارے دشمن کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ قریش (مراد بنی امیہ) نے اس حال میں صبح کی کہ خود تو ہمارا حق لے چکے مگر اپنے اوپر ہمارا کوئی حق نہیں سمجھتے اب سنو! اگر تمہیں علم نہیں کہ ہمیں صبح کس حال میں آئی ہے تو اس حال میں آئی ہے۔ (طبقات ابن سعد ج:5، ص:219 تا 220)

اہل بیت پر ظلم کے بعد بنو معاویہ کی جو بربادی ہوئی اور حکومت چھن گئی تو اس حال سے عبرت حاصل کر کے عبدالملک مروانی نے تخت حاصل کرنے کے بعد حجاج بن یوسف کو تاکید کر دی تھی کہ بنو ہاشم کو تنگ نہ کیا جائے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ بلاشبہ حجاج نے جو کہ بڑا اہلا کو اور سخت خوں ریز تھا اور اس نے خلق کثیر کو قتل کیا تاہم اشراف بنی ہاشم میں کسی کو قتل نہ کیا بلکہ اس کو اس کے سلطان عبدالملک نے بنی ہاشم سے جو اشراف کہلاتے تھے، کسی قسم کا تعرض کرنے سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بنو حرب (ابوسفیان کی اولاد) نے جب بنو ہاشم کو تنگ کیا تو ان کی شامت آ گئی یعنی جب حسین علیہ السلام کو قتل کیا تو برباد ہو گئے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ج:4، ص:504)

محبانِ اہلِ بیتؑ کی خدمت میں

علامہ باقر مجلسی مراۃ العقول ج:8،ص:35 شرح الکافی باب خوف ورجاء میں لکھتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر الصادق علیہ السلام کو کہا کہ بہت سے لوگ آپ کی محبت کے دعویدار ہیں مگر گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم خدا کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ امام نے فرمایا بالکل جھوٹے ہیں۔ وہ ہم سے محبت کرنے والے نہیں ہیں۔ وہ ایسا گروہ ہیں جن کو ان کی آرزوئیں جھولے جھلا رہی ہیں۔ جس کو کسی شے کی امید ہوتی ہے اس کیلئے محنت کرتا ہے اور جو کسی شے سے ڈرتا ہے اس سے دور بھاگتا ہے۔

ایک طرف یہ حال ہے کہ ایسے لوگ بھی شیعان علی علیہ السلام کہلاتے ہیں جبکہ دوسری طرف یہ حال ہے کہ جو اہل بیت سے محبت کا اعلان کرتا ہے، اس کو شیعہ کہہ دیتے ہیں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا گیا۔ اس پر امام نے شعر کہا

اِنْ کَانَ ذَنْبِیْ حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ
فَذَالِکَ ذَنْبٌ لَسْتُ عَنْہُ اَتُوْبُ

"اگر میرا گناہ آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے تو یہ وہ گناہ ہے۔ جس سے میں تائب نہیں ہوں گا۔"

علامہ باقر مجلسی بحار الانوار ج:23،ص:231-230 (عیون اخبار رضا اردو، ج:2،ص:504) پر لکھتے ہیں:

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے سامنے مامون نے ان کے بھائی کو پیش کیا۔ اس کا نام زید بن موسیٰ کاظم علیہ السلام تھا۔ اس زید نے مدینہ میں حکمرانی کا دعویٰ کیا، بغاوت کی، قتل کیے اور عمارتوں کو آگ لگائی۔ اس لیے اس کا نام زید مُحرِق (جلانے والا) اور زید النار (آگ والا زید) پڑ گیا۔ مامون نے فوج بھیج کر اسے گرفتار کیا۔ اسے مامون کے پاس لے جایا گیا۔ مامون نے کہا اسے اس کے بھائی علی رضا علیہ السلام کے پاس لے جاؤ۔ جب اس کو پیش کیا گیا تو اس سے ابو الحسن علی رضا علیہ السلام نے فرمایا اے زید! تجھے کوفہ کے بیوقوف لوگوں کی اس بات نے دھوکہ دے دیا کہ فاطمہ علیہا السلام پاک تھیں اور اللہ نے ان کی نسل پر دوزخ کو حرام کر دیا۔ اس نسل سے مراد صرف حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام ہیں۔ (یعنی قیامت تک پیدا ہونیوالے سید نہیں)۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ اسی طرح گناہ کرتے کرتے، شریعت کی خلاف ورزی کرتے کرتے جنت میں داخل ہو جائے گا اور تیرا یہ خیال صحیح نکلے یعنی تو جنت میں داخل ہو بھی جائے اور تیرا میرا باپ موسیٰ کاظم علیہ السلام اللہ کی فرماں برداری کرے، نیک کام کرے، ظلم سے بچے، اور وہ اتنی نیکیاں کر کے جنت میں داخل ہو، اور تو اتنے گناہ کر کے جنت میں داخل ہو، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک تیری شان موسیٰ کاظم علیہ السلام سے زیادہ ہے (کیونکہ جنت اگر اسی طرح گناہ کر کے مل جاتی تو انہیں نیکیاں کرنے کا کیا فائدہ ہوا؟) اللہ کی قسم اللہ کے پاس جو اجر و ثواب ہے، وہ ہم میں سے کوئی بھی نہیں پا سکتا جب تک وہ اللہ کے احکام کی اطاعت نہ کرے۔ جبکہ تیرا خیال یہ ہے کہ یہ سارے انعام گناہ کرنے کے باوجود مل جائیں گے۔ تیرا خیال کتنا غلط ہے!

علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان ج:7،ص:354 پر سورۂ احزاب:33/30-31 کی تفسیر میں محمد بن ابی عمیر عن ابراہیم بن عبدالحمید عن علی ابن عبداللہ ابن

الحسین علیہ السلام عن ابیہ علی علیہ السلام ابن الحسین علیہ السلام زین العابدین سے یہ روایت درج ہے کہ ایک آدمی نے کہا آپ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ اہل بیعت ہیں جو بخشے بخشائے ہیں۔ سیدنا امام زین العابدین علیہ السلام اس بات پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا ایسی باتیں کر کے ہمیں گمراہ نہ کیا کرو۔ سن لو! ہم پر وہی قانون جاری ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں رضی اللہ عنہن کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔ ہمیں اپنے رب سے امید ہے کہ ہم میں سے جو نیکی کرے گا تو اسے دوہرا ثواب ملے گا اور ہم میں سے گناہ کرنے والے کو دگنا عذاب ہوگا۔

پھر امام علیہ السلام نے سورۂ احزاب: 33/30-31 تلاوت فرمائیں۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ○

طبرسی نے دوسری روایت ابوحمزہ ثمالی عن زید ابن علی ابن الحسین (زید شہید علیہ السلام) سے درج کی ہے۔ سیدنا زید شہید علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم سے جو نیک ہوگا اس کیلئے دگنے اجر کے امیدوار ہیں اور سیدوں میں سے جو برا کام کرے گا اس کے بارے میں خوف ہے کہ اسے دگنا عذاب ہوگا جیسا کہ ازواج النبی رضی اللہ عنہن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

ان حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی کو حب اہل بیتؑ کے پردہ میں بدمعاشی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے 10 محرم 61ھ کو دوران جنگ ظہر اوّل وقت پڑھی۔ اب اگر ان کی محبت کا دعویدار نماز کے نزدیک بھی نہ جائے تو اس کے دعویٰ میں کہاں تک سچائی ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کا ایک شاگرد ابو بصیر اُن کی بیوی امّ حمیدہ کے پاس آیا۔ ام حمیدہ نے فرمایا بیٹا! کاش تم اس وقت امام کے پاس ہوتے جب وہ فوت ہوئے تھے۔ شاگرد نے پوچھا اماں! اس وقت انہوں نے کیا فرمایا تھا۔ اماں نے کہا،

انہوں نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ جس نے نماز کو معمولی کام سمجھا (یعنی جب وقت ملا پڑھ لیں گے) اس کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ (محمد کاظم طباطبائی، العروۃ الوثقیٰ، ص: 179-180)

ابو بصیر سے روایت ہے کہ امام علی رضا (ابوالحسن الاوّل) نے فرمایا کہ میرے والد نے وفات کے وقت فرمایا اے میرے بیٹے جس نے نماز کو معمولی کام سمجھا اس کو ہماری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ (الکافی کتاب الصلوۃ باب من حافظ علیٰ صلاتہ او ضیعھا حدیث: 15)

برطانوی ہندوستان میں ایک انگریز مستشرق جو آئی سی ایس اور بورڈ آف ریونیو کا صدر تھا، نے کہا ''تاریخ اسلام میں حسین علیہ السلام ایک ایسا منارہ حق ہے کہ اگر ہندوستان کے صرف مٹھی بھر شیعہ اپنے ہیرو کی اسپرٹ کو جذب کر کے اس کے راستے پر گامزن ہو جائیں تو ہماری برٹش حکومت کا ایوان پاش پاش ہو کر رہ جائے۔''

آساں نہیں ہے معرفتِ راز کربلا
دل حق شناس دیدۂ بیدار چاہیے
آتی ہے کربلا سے یہ آواز آج بھی
ہاں حق کا اعتراف سرِ دار چاہیے

بنو امیہ مدت تک 10 محرم کو عید کی طرح مناتے رہے۔ ذکر حسین علیہ السلام بند کر دیا گیا۔ اب بھی اخباروں میں دس محرم کے ایڈیشن میں مضامین لکھے جاتے ہیں کہ اس دن غسل کرو، سرمہ لگاؤ، خوشبو لگاؤ، بہت سے کھانے پکاؤ۔ ایک روایت بھی اس سلسلہ میں گھڑ لی کہ جو عاشورہ والے دن اپنے بال بچوں پر کھلا خرچ کرے، سال بھر اس کی روزی فراخ کر دی جاتی ہے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ اس پر لکھتے ہیں کہ تمام طرق سے یہ روایت ضعیف ہے اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ من گھڑت (موضوع) روایت ہے۔ علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری کا شکوہ کیا کہ وہ کہتے ہیں تجربہ سے یہ بات صحیح معلوم ہوئی ہے کہ اس دن کھانے پکانے سے رزق بڑھتا ہے۔ اس پر البانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایسے تجربات سے شریعت کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔

دوسری طرف معزالدولہ دیلمی شیعہ حاکم مصر آلِ بویہ نے 352ھ میں لوگوں کو حکم دیا کہ عاشورہ والے دن بازار بند کرو، سر ننگے کر کے سروں میں خاک ڈالو۔ انہوں نے ماتم شروع کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:11، ص:181)

دونوں فریقوں نے دین سے ہٹ کر اپنی مرضی کی۔

ایران کے شیعہ حکمران عباس صفوی کے کہنے پر علامہ بہاؤ الدین عاملی، مشہور شیعہ عالم، نے جامع عباسی کے نام سے شریعت کے احکام بادشاہ کی رہنمائی کیلئے لکھ کر دیئے۔ اس میں علامہ نے لکھا کہ جو ماتم کرے وہ کفارہ یمین (قسم کا کفارہ) ادا کرے۔ (جامع عباسی ج:2، ص:52 کفارہ نمبر 8 اور 9)

اگر حسینؑ کی سیرت پہ ہو سکا نہ عمل
تو پھر یہ مجلس ماتم کا فائدہ کیا ہے

(سید وحید الدین ہاشمی)

یادِ حسینؑ اب جو منانے کو رہ گئی
اک رسم تھی ہمارے نبھانے کو رہ گئی
اس کا سبق تو ہم سے فراموش ہو چکا
بس داستاں ہی اس کی سنانے کو رہ گئی
کرنا تھا جس گھڑی حق و باطل میں امتیاز
وہ کیفیت بھی رونے رلانے کو رہ گئی
کیا چیز کھو گئی تھی سرِ دشتِ کربلا
جس کی تلاش ایک زمانے کو رہ گئی

ریگِ عراق منتظر، کشتِ حجاز تشنہ لب
خونِ حسینؑ باز دہ کوفہ و شام خویش را

توّابون

توّابون سے مراد وہ گروہ ہے جس نے حضرت سلیمان بن صرد صحابی ؓ کی زیرِ سرکردگی سیدنا امام حسین کو کوفہ بلایا تھا مگر ابن زیاد کے کرفیو کی وجہ سے امام عالی مقام کی مدد نہ کر سکے۔ واقعہ کربلا کے بعد انہوں نے اپنی اس مجبورانہ کوتاہی کا کفارہ جنگ توابون کی شکل میں ادا کیا۔

امام ابن کثیر البدایہ والنہایہ ج:8، ص:275 پر حضرت سلیمان بن صرد صحابی ؓ کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ وہ صحابیاً، جلیلاً، نبیلاً عابداً زاہداً تھے۔ جن پانچ سرداروں نے مل کر امام عالی مقام کو بلایا تھا ان کے نام یہ ہیں۔ سلیمان بن صرد الخزاعی ؓ، مسیب بن نفیل نجبہ ؒ، عبداللہ بن سعد بن طفیل ؒ، عبداللہ بن وال ؒ اور رفاعہ بن شداد ؒ، یہ لوگ تھے جنہوں نے امیر معاویہ کی وفات کے بعد حضرت حسین علیہ السلام کو خط لکھا تھا کہ امیر معاویہ نے وعدہ خلافی کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد نامزد کر دیا ہے جبکہ صلح حسن میں یہ شرط تھی کہ امیر معاویہ کے بعد کوئی آدمی ولی عہد نامزد نہ ہوگا۔ چونکہ وعدہ خلافی کے بعد، حضرت حسن علیہ السلام کی صلح کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے، لہٰذا آپ خروج کریں۔

سلیمان بن صرد خزاعی، مسلم اور دوسری کتب حدیث کے راوی ہیں۔ آپ حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جنگ صفین میں شریک ہوئے۔ شیعان علی کا اجتماع ان کے گھر میں ہوتا تھا۔ انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو عراق بلانے کیلئے خط لکھا تھا، جو پیچھے گزر چکا۔ جب امام کربلا آئے تو یہ لوگ بے بس ہونے کی وجہ سے مدد نہ کر سکے۔

واقعہ کربلا کے بعد انہوں نے اجتماع کیا اور کہا کہ امام حسین علیہ السلام کے کربلا آنے کا

سبب ہم لوگ بنے جس کے نتیجہ میں حضرت حسین علیہ السلام اور اہل بیت قتل ہو گئے۔ اس پر وہ نادم ہوئے۔ وہ دوبارہ اکٹھے ہوئے اور لشکر تیار کیا جس کا نام توّابون (توبہ کرنے والے) رکھا۔ حضرت سلیمان بن صرد الخزاعی رضی اللہ عنہ جن کی عمر اس وقت 93 سال تھی، کو امیر لشکر مقرر کیا۔ واقعہ کربلا کے چار سال بعد 65ھ میں عین الوردہ کے مقام پر سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ اللہ ان پر رحمت کرے۔

ان کا اور میتب بن نجبہ رحمۃ اللہ علیہ کا سر کاٹ کر مروان بن حکم کے پاس بھیج دیا گیا۔ امام ابن کثیر البدایہ ج:8، ص:273 پر لکھتے ہیں کہ جب توّابون نے اپنی تیاری کر لی تو میتب بن نجبہ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے اور حمد و ثناء کے بعد کہا ہم امتحان میں ڈال دئے گئے۔ اللہ نے ہمیں لمبی عمر دی اور فتنے بہت پھیل گئے۔ اللہ نے ہماری آزمائش کی اور ہم جھوٹے نکلے۔ ہم ابن رسول علیہ السلام کی مدد نہ کر سکے حالانکہ ان کو ہم نے خط لکھے تھے۔ وہ اسی لیے یہاں آئے تھے کہ ہم لوگ ان کی مدد کریں گے۔ ہم نے ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ ان کو کربلا میں ایسے قصائیوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے امام اور ان کے خاندان کو قتل کر دیا۔ نہ ہم اپنے ہاتھوں سے ان کی مدد کر سکے نہ اپنی زبان سے کوئی بیان دے سکے اور نہ مالی مدد کر سکے۔ اب ہمارے لیے صرف تباہی ہے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے عذاب ہم سے کبھی ختم نہ ہوگا۔ اب ایک ہی حل ہے کہ یا تو ان کے قاتل کو قتل کریں یا ہم مارے جائیں۔ نتیجۃً ہمارے گھر اجڑ جائیں گے اور مال لوٹ لئے جائیں گے اور شہر ویران ہو جائے گا۔ اب سارے کے سارے ایک آدمی (تن واحد) کی طرح اٹھو۔ پھر انہوں نے سورۂ البقرہ:54/2 پڑھی:

وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ط فَتَابَ عَلَیْكُمْ ط اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ O

جس میں فرمایا گیا ہے کہ اپنے رب کی طرف توبہ کرو اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو،

تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے۔ انہوں نے اس کے علاوہ بھی تقریر کی۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے مدائن میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے سعد بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی مدد کیلئے خط لکھا۔ سعد نے بھی ان سے اتفاق کیا اور اپنے ساتھیوں کو تیار کر لیا۔ اسی دوران بات باہر نکل گئی۔ حکومت کو پتہ چل گیا اور ان لوگوں کو قبل از وقت جنگ لڑنا پڑی۔ لشکر نکل پڑا شہر سے باہر نکل کر حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے کہا اگر کوئی ہمارے ساتھ دنیا کے لالچ کیلئے آیا ہے تو میں اس کو قسم دیتا ہوں کہ وہ ہمارا ساتھ چھوڑ کر چلا جائے اور جو ہمارے ساتھ اس لیے نکلا ہے کہ اللہ راضی ہو جائے اور آخرت کا ثواب ملے وہ ہمارا ہے اور ہم اس کے ہیں۔ جو دنیا کیلئے نکلا ہے نہ وہ ہمارا ہے نہ ہم اس کے ہیں۔ اس پر بہت سے لوگوں نے کہا ہم دنیا کیلئے نہیں بلکہ آخرت کیلئے نکلے ہیں۔

ربیع الاوّل کی پانچ تاریخ کو بروز جمعہ 65ھ یہ لشکر حملہ کرنے کیلئے چل پڑا۔ عین الوردہ کے مقام پر شامی فوجوں سے ٹکر ہوئی۔ توابون چار ہزار تھے جبکہ 30 ہزار سے زیادہ شامی لشکر میں تھے۔ اس وقت حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ نے کہا جو آدمی یہ چاہتا ہے کہ خدا سے توبہ کر لے، معافی مانگ لے اور جو جنت میں جانا چاہتا ہے، وہ میری طرف آ جائے۔

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ کو جب تیر لگے تو انہوں نے کہا کعبہ کے رب کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔

امام ابن کثیر لکھتے ہیں کہ پھر میتب بن نجبہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ساتھیوں سے جا ملے یعنی شہید ہو گئے۔ اللہ ان پر رحمت فرمائے۔

توّابون میں سے بہت سے لوگ شہید ہو گئے اور بہت کم بچے جن کو رات کے اندھیرے میں رفاعہ بن شداد بچا کر لے گئے۔

توّابون کا حال امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن کثیر، ج:8، ص:266 تا 276 پر لکھا ہے۔

مختار ثقفی کی طرف سے شہداء کربلا کا انتقام

مختار ثقفی کا قصہ امام ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ج:8،ص:284 تا296 پر لکھا ہے۔ مختار صحابی رسول حضرت ابوعبید ثقفی ؓ کا بیٹا تھا۔ تحریک توابون کے بعد وہ خون حسین ؑ کا بدلہ لینے کیلئے اٹھا۔ اس نے امام حسین ؑ کے بھائی محمد بن حنفیہ ؓ سے ملاقات کی اور کہا میں امام حسین ؑ اور ان کے ساتھیوں کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ اہل کوفہ کے نام خط لکھ دیں کہ مختار ہمارا آدمی ہے، اس کی مدد کریں۔ انہوں نے خط لکھ دیا۔ مختار یہ خط لکھ کر کوفہ آیا، حضرت علی ؑ کے ساتھیوں سے ملا مگر اس کو زیادہ پذیرائی نہ ملی کیونکہ وہ لوگ حضرت سلیمان بن صرد ؓ کے ساتھ تھے۔ مختار انہی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گیا۔ چونکہ وہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کا سالا تھا، اس لیے ان کی سفارش پر رہا ہو گیا۔ توابون کی تحریک کے خاتمہ کے بعد مختار کو بڑی کامیابی ملی۔ لوگ اس کے پاس آنا شروع ہوئے۔ آہستہ آہستہ یہ تحریک زور پکڑنے لگی۔ پھر ابراہیم بن مالک الاشتر ؒ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ وہ بہت بہادر اور قابل جرنیل تھے۔ مختار نے کوفہ پر قبضہ کر لیا اس نے پہلے اپنی حکومت کو مضبوط کیا اور بعد میں اس نے چن چن کر قاتلین حسین ؑ کو قتل کیا۔

عبداللہ بن زبیر ؓ کی شہادت

یزید کی وفات کے بعد مکہ اور مدینہ کے لوگوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کی بیعت کر لی تھی۔ بعد میں کوفہ، بصرہ اور خراسان پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا تھا۔ کوفہ پر مختصر عرصہ

کیلئے مختار کا قبضہ ہوا مگر مصعب بن زبیر ؓ نے پھر کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ عبدالملک بن مروان نے 72ھ میں حجاج بن یوسف کی قیادت میں شامی افواج عبداللہ بن زبیر ؓ کی طرف بھیجیں۔ اس فوج نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ محاصرے کے دوران منجنیقوں سے مکہ پر پتھر برسائے گئے۔ محاصرہ سے تنگ آ کر ابن زبیر ؓ کے ساتھیوں کی بڑی تعداد ان کا ساتھ چھوڑ گئی۔ یہاں تک کہ ان کے بیٹے حمزہ اور خبیب بھی حجاج کی امان میں چلے گئے۔ لوگوں کی بے وفائی دیکھ کر آپ اپنی والدہ اسماء بنت ابوبکر ؓ کے پاس گئے اور تمام حالات گوش گزار کیے۔ پھر کہا کہ میرے دشمن مجھے امان دینے پر آمادہ ہیں بتائیے کیا کروں۔ حضرت اسماء ؓ نے کہا بیٹے اپنے حالات سے تم خود کو زیادہ واقف ہو۔ اگر حق پر تھے تو قائم رہو۔ اپنی گردن دوسروں کے قبضہ میں مت دو کہ بنی امیہ کے نوعمر لڑکے اس سے کھیلتے پھریں۔ اگر تمہاری جدوجہد دنیا کیلئے تھی تو تم بدترین خلائق ہو کہ خود کو بھی مصیبت میں ڈالا اور بندگان خدا کی جانیں بھی ناحق ضائع کیں۔ اگر تم خود کو حق پر جانتے ہو مگر لوگوں کی طرف سے ساتھ چھوڑنے پر کمزوری محسوس کرنے لگے ہو تو یہ شریف آدمی کا طریقہ نہیں ہے۔ دنیا میں تم ہمیشہ نہیں رہ سکتے۔

ماں کی باتیں سن کر آپ اپنی والدہ کے قریب ہوئے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا خدا کی قسم میں نے نہ تو دنیا کی طرف توجہ کی نہ میں یہاں مزید رہنا چاہتا ہوں۔ حکومت کیلئے کوشش ذاتی غرض کیلئے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے تھی۔ پھر اور باتوں کے بعد ماں سے دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے ان کے لیے دعا کی:

> ”اے اللہ تو اس کے لمبی راتوں میں طویل قیام اور مکہ و مدینہ کی گرم دوپہر میں عبادت، آہ وزاری اور روزے میں شدت پیاس برداشت کرنے اور اپنے باپ اور مجھ سے حسن سلوک کی وجہ سے رحم فرما۔ اے اللہ میں نے معاملہ تیرے سپرد کر دیا ہے۔ تو اس بارے میں جو بھی فیصلہ کرے، میں اس پر خوش ہوں۔ میرے بیٹے عبداللہ کی وجہ سے تو مجھے صبر اور شکر کرنے والوں

میں شامل کر۔"

اس کے بعد ماں بیٹا ملے، اور ماں کے کہنے پر آپ نے زرہ اتار دی۔ آخری رات ابن زبیر رضی اللہ عنہ ساری رات عبادت میں مشغول رہے۔ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد تیار ہو کر لڑائی کیلئے نکلے۔ اس معرکے میں شریک حمص کا سردار بیان کرتا ہے کہ 500 آدمیوں پر مشتمل دستے کو وہ اکیلے پسپا کر دیتے تھے۔ ان کے پاس جانے کی کسی کی جرأت نہ تھی۔

حرم کعبہ کے تمام دروازوں پر شامیوں کا قبضہ ہو گیا تھا لیکن آپ اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ ڈٹے ہوئے تھے۔ آخر ایک اینٹ آپ کے چہرے پر لگی آپ لہولہان ہو گئے دشمن نے گھیرا تنگ کیا اور بالآخر قتل کر دیا۔

حجاج نے آپ کا سر اتار کر پہلے مدینہ پھر عبدالملک کے پاس دمشق بجھوا دیا۔ ان کی لاش کو شہر سے باہر لٹکا دیا گیا کئی ماہ تک ایسے ہی لاش لٹکی رہی۔ ایک دن حضرت اسماء رضی اللہ عنہا لونڈی کے ساتھ وہاں گئیں اور جب معلوم ہوا کہ لاش ابھی تک لٹک رہی ہے تو فرمایا "کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ سوار اپنی سواری سے اتر جائے۔ جب حجاج لعین کو اطلاع ہوئی تو اس نے لاش اتروا کر دفن کر دی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا واقعہ البدایہ ولنہایہ، ج:8، ص:354 تا 356 پر لکھا ہوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت

آپ بہت نیک اور عابد و زاہد صحابی تھے۔ راتوں کو لمبا قیام کرتے اور دن کو روزے سے رہتے۔ کئی کئی دن کا روزہ سحری و افطاری کے بغیر رکھتے تھے۔ اس کو صوم وصال کہتے ہیں۔ اس ریاضت نے انہیں بہت طاقتور بنا دیا تھا۔ ان کے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ کو بیٹا بنا رکھا تھا اور ان کے نام پر اپنی کنیت ام عبداللہ رکھی تھی۔ مدینہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کے بارے میں یہودیوں نے مشہور کر دیا تھا کہ ہمارے جادو کی وجہ سے مسلمانوں کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا۔

ہجرت کے بعد جو پہلا بچہ پیدا ہوا وہ یہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے پیدا ہونے کی خبر سن کر صحابہ نے نعرہ تکبیر بلند کیا تھا۔ اور ایک نعرہ تکبیر حجاج لعین کی فوج نے ان کی شہادت پر بلند کیا تھا۔ آپ 7/8 سال کے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کی تھی۔

بخاری کتاب العقیقه باب تسمیه المولود غداة یولد لمن لم یعق عنه و تحنیکه میں حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کو مکہ میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا پیٹ رہا۔ وہ پورے دنوں مکہ سے نکلیں۔ جب مدینہ آئیں تو قبا میں اتریں۔ وہاں عبداللہ پیدا ہوئے۔ اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں عبداللہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں بٹھا دیا۔ ایک کھجور آپؐ نے منگوائی اور چبا کر اس کے منہ میں لعاب مبارک ڈالا۔ پہلی چیز جو عبداللہ کے پیٹ میں گئی وہ یہی لعاب دہن مبارک تھا۔ پھر چبائی ہوئی کھجور اس کے تالو میں لگائی اور برکت کی دعا دی۔ ہجرت کے بعد عبداللہ پہلے بچے تھے جو اسلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے پیدا ہونے کی بہت خوشی ہوئی کیونکہ لوگوں نے ان سے کہا تھا کہ یہودیوں نے تم پر جادو کر دیا ہے اور اب تمہارے اولاد پیدا نہیں ہوگی۔

یہی روایت بخاری میں **باب هجرة النبی و اصحابه الی المدنیة** اور **باب استحباب تحنیك المولود عند لولادة** میں بھی آئی ہے۔

بعد کے ادوار میں بنو مروان کے مظالم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا قتل

بخاری کتاب العیدین باب مایکرہ من حمل السلاح فی العید و الحرم میں حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں (حج میں) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب نیزے کی بھال ان کے تلوے میں لگی۔ ان کا پاؤں رکاب سے چمٹ گیا۔ میں سواری سے اترا اور نیزہ ان کے پاؤں سے نکالا۔ یہ واقعہ منیٰ میں ہوا۔ پھر حجاج ان کی بیمار پرسی کو آیا اور کہنے لگا کہ کاش معلوم ہو کہ یہ حرکت کس کی ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تو ہی نے تو مجھ کو نیزہ مارا۔ حجاج بولا کیسے؟ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تم نے اس دن ہتھیار اٹھوائے جس دن ہتھیار نہیں اٹھائے جاتے تھے اور تو حرم میں ہتھیار لایا جبکہ حرم میں ہتھیار لانا منع ہے۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ حجاج ظالم ملعون دل میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھتا تھا کیونکہ انہوں نے اسے کعبہ پر منجنیق لگانے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل پر ملامت کی تھی۔ دوسری بات یہ کہ عبدالملک بن مروان نے جو خلیفہ وقت تھا، حجاج کو لکھ بھیجا تھا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اطاعت کرتا رہے، یہ امر اس مردود پر شاق گزرا اور اس نے چپکے سے ایک شخص کو اشارہ کر دیا۔ اس نے زہر آلود برچھا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں گھسیڑ دیا۔ خود ہی تو یہ شرارت کی اور خود ہی مسکین بن کر حضرت

عبداللہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو آیا۔ واہ رے مکار! خدا کو کیا جواب دے گا؟ آخر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جو اللہ کے بڑے مقبول بندے تھے اور بڑے عالم، زاہد اور صحابی رسولؐ تھے، اس کا مکر پہچان لیا اور فرمایا کہ تو نے ہی تو مارا ہے اور تو ہی کہتا ہے کہ ہم مجرم کو پالیں تو اس کو سخت سزا دیں۔"

جفا کردی و خودکشتی بہ تیغ ظلم عاشق را
بہانہ بیں برائے پرسشِ بیمار می آئی

آپ کو یہ معلوم ہو چکا کہ اس دور میں جتنے بھی مسلمانوں کے سردار تھے، سب بنوامیہ نے قتل کر دیئے۔ حضرت حسن علیہ السلام و حسین علیہ السلام، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس دور کے بے شمار مقتولین میں شامل ہیں۔

عبدالملک بن مروان کے کارنامے

اس کا سب سے بڑا کارنامہ تو حجاج بن یوسف جیسے ملعون کو پالنا ہے۔ جس کے بارے میں ہم بلاخوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ پوری دنیا میں اس جیسا خبیث کم ہی ہوگا۔ کیونکہ جس مرتبے کے لوگوں کو یعنی صحابہ و تابعین کو اس نے قتل کیا ایسے مقتول کسی قاتل کو کم ہی نصیب ہوتے ہیں۔ اس حجاج کے ذریعہ عبدالملک نے کعبہ شریف پر سنگ باری کرائی اور مکہ کا چھ ماہ تک محاصرہ کرایا۔ آسان لفظوں میں کہہ لیں کہ عبدالملک سے بڑا سفاک آج تک پیدا ہی نہیں ہوا۔ اس کے پالتو حجاج نے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی چھری سے ذبح کرائے جبکہ جنگوں میں مارے جانے والوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے، جو لاتعداد ہے۔

عبدالملک کا زہد و تقویٰ

یہ جب 75ھ میں مدینہ گیا تو منبر رسولؐ پر کھڑے ہو کر اس نے اعلان کیا کہ "میں اس امت کے امراض کا علاج تلوار کے سوا کسی اور چیز سے نہ کروں گا............اب اگر کسی نے مجھ اتق اللہ (اللہ سے ڈر) کہا تو میں اس کی

گردن ماردوں گا۔"

(احکام القرآن للجصّاص ،ج:1،ص:82 ،الکامل ابن اثیر ج:4،ص:1-104-41، فوات الوفیات، محمد بن شاکر الکتبی ج:2،ص:33)

مسلمانوں کے حکمرانوں نے عوام پر اتنا ظلم کیا کہ پھر یہ "غیر اسلامی" فقرہ کہنے والا کم ہی پیدا ہوا کہ "خدا سے ڈر۔"

عبدالملک کا خانہ کعبہ پر حملہ

جب یزید نے مکہ پر حملہ کیا اور کعبہ شریف کو اس میں نقصان پہنچا تو عبدالملک نے اس پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا۔ مگر جب وہ خود حکمران بنا تو اس نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ کیلئے حجاج بن یوسف کو مکہ بھیج دیا۔ اس ملعون نے عین حج کے موسم میں مکہ معظّمہ پر چڑھائی کی جبکہ موسم حج میں زمانہ جاہلیت کے کفار و مشرکین بھی جنگ سے ہاتھ روک لیتے تھے۔ کوہ ابوقبیس پر منجنیقیں لگا کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سخت اصرار پر صرف اتنی دیر کیلئے یہ سنگ باری روکی گئی کہ باہر سے آنے والے حجاج کرام طواف وسعی کر لیں۔ لیکن نہ اس سال کے حج میں مکہ کے لوگ منیٰ اور عرفات جا سکے اور نہ خود حجاج کی فوج کے لوگ طواف وسعی کر سکے۔ باہر سے آنے والوں نے جب طواف زیارت کر لیا تو حجاج نے اعلان کیا کہ سب حاجی نکل جائیں اور از سر نو سنگ باری شروع کر دی۔ (الکامل ابن اثیر، ج:4،ص:23، البدایہ والنہایہ، ابن کثیر، ج:8،ص:329، تاریخ ابن خلدون ج:3،ص:37-38)

نسائی کتاب الحج باب اِذا اَھلَّ بعمرة ھَل یُجعَلُ مَعَھا حجّاً میں حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حج کا ارادہ کیا جس سال حجاج ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے جنگ کیلئے آیا۔ لوگوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کہا جنگ ہونے والی ہے ایسا نہ ہو لوگ آپ کو روک دیں۔ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین

نمونہ ہیں۔ میں اس وقت وہی کروں گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے وقت کہا تھا میں تم کو گواہ کرتا ہوں۔ کہ میں نے خود پر عمرہ واجب کر لیا۔ پھر آپ نکلے۔ جب بیداء مقام پر پہنچے تو کہا حج و عمرہ ایک ہی ہیں۔ تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے حج واجب کیا عمرہ کے ساتھ اور ہدی لے گئے جس کو مقام قُدَیْد سے خریدا تھا۔ پھر حج و عمرہ دونوں کا لبیک پکارتے مکہ آئے اور طواف کیا کعبہ کا صفا مروہ کی سعی کی اور اس سے زیادہ نہ کیا نہ بال کتروائے نہ کسی چیز کا استعمال کیا جو احرام میں حلال نہیں۔ جب دس ذوالحجہ ہوا تو نحر کیا، سر منڈوایا اور پھر دوبارہ طواف نہ کیا۔ حج قران میں ایسا ہی کرتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا تھا۔

کعبہ پر حملے کا یہ کارنامہ بنوامیہ نے دوبار سرانجام دیا۔ اس سے پہلے یزید بن معاویہ کی فوج کعبہ شریف پر حملہ کے لیے جا چکی تھی جیسا کہ **مسلم کتاب الحج باب نقض الکعبه و بنائها** میں روایت موجود ہے۔

فقیہ عبدالملک

حکمران بننے سے پہلے یہ علماء کے پاس بیٹھتا تھا لہٰذا بعض لوگ اس کو بڑا فقیہہ جانتے ہیں۔ اس کی حقیقت اس روایت سے ظاہر ہوتی ہے جو **بخاری کتاب الدیات باب القسامة** کی آخری روایت میں ہے کہ ابوقلابہ کہتے ہیں کہ عبدالملک بن مروان نے اپنے دور میں قسامت کرا کر ایک شخص سے قصاص لیا، پھر اپنے کئے پر شرمندہ ہوا اور جن پچاس آدمیوں نے قسم کھائی تھی ان کا نام وظائف کے رجسٹر سے خارج کر دیئے اور ان کو شام کے ملک کی طرف جلاوطن کر دیا۔

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

رئیس الخبیثین حجاج بن یوسف

اس کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔نمایاں جرائم میں سے ایک کعبہ شریف پر حملہ ہے جو آپ پڑھ چکے ہیں۔اس نے ایک لاکھ بیس ہزار سے زیادہ افراد کو چھری سے ذبح کرایا۔جنگوں میں قتل ہونے والے بے شمار لوگ اس کے علاوہ ہیں۔اس لیے احادیث میں اس کو ہلاکو، کذاب اور خونریز کہا گیا ہے۔حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اس کے منہ پر اس کو یہی کہا تھا۔

مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف و مبیرھا میں ابونوفل سے روایت ہے جس میں

(1) حجاج کی طرف سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بعد از قتل سولی پر لٹکا دینے کا ذکر ہے۔

(2) حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے حجاج کی بدتمیزی کا ذکر ہے کہ اس نے بلایا اور کہا نہ آئی تو تمہارے چونڈے (سر کے بال) سے پکڑ کر گھسیٹ کر لے آئیں گے۔

(3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین (دو کمر بند والی) کا لقب دیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر سامان سفر باندھا تھا۔حجاج ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا نام لیتے وقت اس لقب کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔اس مذاق اڑانے کا ذکر ہے۔یہ اسی طرح کا لقب ہے جیسے سیدنا علی علیہ السلام کو مٹی پر سوئے دیکھ کر ابوتراب فرمایا۔

(4) فرمان رسالت کا ذکر ہے کہ بنی ثقیف میں ایک بہت جھوٹا اور ہلاکو پیدا ہوگا۔اور وہ ہلاکو یہی حجاج ہے۔

اس گستاخ رسول اور گستاخِ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا و دیگر صحابہؓ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔محبان صحابہ کرام؟

پوری روایت درج ذیل ہے۔

"ابونوفل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ کی گھاٹی پر دیکھا۔قریش کے لوگ ان کے پاس سے گزرتے تھے اور دوسرے لوگ بھی۔(ان کو حجاج نے قتل کر کے سولی پر وہیں لٹکایا ہوا تھا) حتیٰ کہ ایک دن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ادھر آئے، وہاں کھڑے ہوئے اور (تین بار کہا) السلام علیک یا اباخبیب، قسم خدا کی میں تمہیں منع کرتا تھا (یہ بھی تین بار کہا) اس سے (یعنی حکومت سے) اللہ کی قسم جہاں تک میں جانتا ہوں تم روزہ رکھنے والے، رات کو عبادت کرنے والے اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اللہ کی قسم جس کے برے تم ہو وہ عمدہ گروہ ہے۔یہ خبر جب حجاج کو ملی تو اس نے ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو سولی سے اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوا دیا۔پھر حجاج نے ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو بلایا، انہوں نے حجاج کے پاس آنے سے انکار کیا۔حجاج نے پھر بلایا اور کہا تم آتی ہو تو ٹھیک ورنہ میں ایسے شخص کو بھیجوں گا جو تمہارا چونڈا (سر کے بال) پکڑ کر لے آئے۔انہوں نے پھر بھی آنے سے انکار کیا (وہ نابینا ہو چکی تھیں) اور فرمایا اللہ کی قسم میں تب تک نہ آؤں گی جب تک تو میرے پاس اسے نہ بھیجے جو مجھے چونڈے سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا تیرے پاس لے جائے۔آخر حجاج نے کہا میرا جوتا لاؤ، وہ جوتا پہن کر اکڑتا ہوا چلا اور اسماء رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا اور کہنے لگا تو نے دیکھا میں نے اللہ کے دشمن (ابن زبیر رضی اللہ عنہ) سے کیا کیا۔اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے دیکھا کہ تو نے اس کی دنیا خراب کر دی اور اس نے تیری آخرت خراب کر دی۔میں نے سنا ہے تو کہتا ہے اے دو کمر بند والی کے بیٹے، بے شک،

اللہ کی قسم میں دو کمر بند والی ہوں۔ ایک کمر بند میں تو میں رسول اللہ ﷺ اور ابی بکر ؓ کا کھانا اٹھاتی تھی کہ جانور اس کو نہ نکالیں اور ایک کمر بند وہ تھا جو عورت کو درکار ہوتا ہے۔ اور یاد رکھ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمایا تھا کہ بنی ثقیف میں ایک کذاب پیدا ہوگا اور ایک ہلاکو پیدا ہوگا۔ کذاب تو ہم نے دیکھ لیا اور ہلاکو تیرے سوا میں کسی کو نہیں سمجھتی۔ یہ سن کر حجاج اٹھ کھڑا ہوا اور اسماء ؓ کو کوئی جواب نہ دیا۔"

مروانیوں کے دور میں نماز کی جو حالت تھی اس کی صحیح عکاسی حضرت انس ؓ بن مالک خادم رسول اللہ ﷺ نے کی۔ **بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب الصلوات الخمس کفارۃ** میں زہری روایت کرتے ہیں کہ میں دمشق میں حضرت انس بن مالک کے پاس گیا۔ وہ رو رہے تھے۔ میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں نے جو چیزیں (عہد نبوی میں) دیکھیں، ان میں سے اب کوئی چیز نہیں پاتا مگر نماز، وہ نماز بھی برباد ہوگئی۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ حضرت انس ؓ حجاج ظالم کی جو عراق کا حاکم تھا، ولید بن عبدالملک بن مروان سے جو خلیفۂ وقت تھا شکایت کرنے گئے تھے۔ حجاج نے حضرت انس ؓ کی گردن پر گرم لوہے سے ٹھپہ لگا کر ان کو اندھا کردیا تھا۔ خادم رسول کو یہ انعام خدمت نبی ؑ کا بنی امیہ نے دیا۔

اس باب میں اس حدیث سے پہلے غیلان بن جریر نے حضرت انس ؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں عہد نبوی کی کوئی بات اب نہیں دیکھتا۔ لوگوں نے کہا نماز! فرمایا نماز میں بھی تم لوگوں نے جو کر رکھا ہے سو کر رکھا ہے۔

مسلم کتاب المساجد باب استحباب التکبیر بالصبح فی اول وقتھا وھو التغلبیس و بیان قدر القرآۃ فیھا میں اور **بخاری کتاب مواقیت الصلاۃ باب وقت المغرب** میں محمد بن عمرو بن حسن بن

علی ؑ سے روایت ہے کہ جب حجاج مدینہ کا حاکم بن کر آیا، نماز میں دیر کرنے لگا، تو ہم نے حضرت جابر ؓ بن عبداللہ صحابی سے نمازوں کے درست اوقات دریافت کئے۔

انہی مروانیوں کے دور میں حجاج کے مظالم سے تنگ آ کر حضرت انس ؓ بن مالک نے موت کی آرزو کرنا چاہی۔ **بخاری کتاب التمنی باب مایکرہ من التمنی** میں عاصم بن سلیمان سے روایت ہے کہ انہوں نے نضر بن انس ؓ سے سنا کہ انس ؓ بن مالک (خادم رسول اللہ ﷺ) نے کہا اگر میں نے نبی ﷺ سے یہ نہ سنا ہوتا کہ موت کی آرزو نہ کرو، تو میں موت کی آرزو کرتا۔ **بخاری کتاب الفتن باب لایاتی زمان الاالذی بعدہ شرّ منہ** اور **ترمذی ابواب الفتن باب ماجآء فی اشراط الساعۃ** میں روایت ہے کہ زبیر بن عدی نے دوران ملاقات حضرت انس ؓ سے حجاج کے مظالم کی شکایت کی۔ حضرت انس ؓ نے کہا ہر آنے والا سال بدتر ہوگا۔ یہاں تک کہ تم ملاقات کرو اپنے رب سے، یہ میں نے تمہارے نبی ﷺ سے سنا۔

ترمذی ابو اب الفتن باب ماجآء فی ثقیف کذّاب و مبیرھا میں حضرت عبداللہ ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے بنی ثقیف کے قبیلہ میں ایک کذاب ہوگا اور دوسرا ہلاکو ہوگا۔

اس بارے میں حضرت اسماء بنت ابی بکر ؓ کی روایت گزر چکی۔

بخاری کتاب الطب باب الدواءِ بالبان الابل میں سلام بن مسکین روایت کرتے ہیں کہ حجاج نے حضرت انس ؓ سے پوچھا کہ جو سخت سے سخت سزا نبی ﷺ نے کسی کو دی وہ مجھ سے بیان کرو۔ انہوں نے عُکل یا عُرینہ کے مرتدوں کو دی گئی سزا کا اس سے ذکر دیا۔ حجاج نے اس حدیث کو لوگوں کو سزا دینے کا بہانہ بنالیا۔

امام حسن بصری ؒ کو جب یہ خبر ملی کہ انس ؓ نے حجاج کو یہ سزا بتادی ہے تو انہوں نے کہا کاش انس ؓ یہ حدیث حجاج سے بیان نہ کرتے۔

بخاری کتاب الفتن باب التعرب فی الفتنہ میں حضرت سلمہ بن اکوع (مشہور بہادر تیز دوڑنے والے تیر انداز) حجاج سے ملنے گئے تو حجاج نے (انتہائی بدتمیزی سے) کہا اے اکوع کے بیٹے تو اسلام سے ایڑیوں کے بل پھر گیا پھر سے جنگلی بن گیا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ بن اکوع نے فرمایا میں اسلام سے نہیں پھرا۔ بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو خاص طور پر جنگل میں رہنے کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ اور یزید بن عبید سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو سلمہ بن اکوع مدینہ سے نکل کر ربذہ میں رہے اور وہاں ایک عورت سے نکاح کیا۔ اس سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ سلمہ بن اکوع عمر بھر وہیں رہے۔ مرنے سے چند راتیں پہلے مدینہ آ گئے اور وہیں انتقال فرمایا۔

مسلم کتاب الامارت باب تحریم رجوع المهاجر الی استیطان وطنہ میں ہے کہ سلمہؓ بن اکوع حجاج کے پاس گئے تو وہ بولا اے اکوع کے بیٹے تو مرتد ہو گیا۔ پھر جنگل میں رہنے لگا۔ سلمہ نے کہا نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو اجازت دی جنگل میں رہنے کی۔

اس کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ حجاج مردود ان کی جنگل میں رہائش کو بہانہ بنا کر ہجرت توڑنے کا الزام لگانا چاہتا تھا تا کہ ان کو قتل کر سکے کہ یہ مرتد ہو گئے ہیں۔ سلمہ رضی اللہ عنہ نے جو جانثاریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کی تھیں وہ حجاج کے باپ کو بھی نصیب نہیں ہوئیں۔ بقول شخصے موچی کو عطر کی کیا قدر!

مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعة و اخراج الموحدین من النار میں حدیث شفاعت کبریٰ (جو روز حشر ہوگی) معبد بن ہلال عنزی حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں۔ معبد روایت بیان

کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ پھر ہم انس رضی اللہ عنہ کے پاس سے نکلے اور جبّان (قبرستان) کی بلندی پر پہنچے تو ہم نے کہا کاش ہم حسن بصری رضی اللہ عنہ کی طرف چلیں اور ان کو سلام کریں، اور وہ (حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) ابو خلیفہ کے گھر میں (حجاج کے ڈر سے) چھپے ہوئے تھے۔ پھر وہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے اور حدیث شفاعت کبریٰ دوبارہ سنی۔

مسلم کتاب الایمان کی پہلی حدیث کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ معبد بن خالد جہنی جو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد تھا اور اس نے سب سے پہلے تقدیر میں گفتگو کی بصرے میں پھر بصرے والے اس کی راہ پر چلنے لگے۔ اس کو حجاج نے باندھ کر قتل کیا۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باندھ کر قتل کرنے سے منع کیا ہے جیسا کہ **بخاری کتاب الذبائح باب مایکرہ من المثلة والمصبورة و المجثمة** میں ہے۔

تحفۂ اثناء عشریہ میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ص:137 پر لکھتے ہیں کہ حجاج بدترین نواصب میں سے تھا۔ نواصب اپنی دولت اور سلطنت کا قیام اسی میں جانتے تھے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی جناب میں اپنا منہ کالا کرتے رہیں۔ اس صفحہ پر شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ انس رضی اللہ عنہ بن مالک کہ خادم خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور عمدہ صحابیوں سے جو تھے، ان کو ذلیل اور حقیر کرتا تھا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور اس زمانے کے بزرگوں کو مار ڈالنے کے واسطے کونسی کوشش تھی جو اس نے اٹھا رکھی تھی؟

حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گدّی (گردن کا پچھلا حصہ) پر ٹھپہ لگا کر نابینا کر دیا۔ (مستدرک حاکم، ج:3، ص:583-584)

حجاج نے نومسلموں پر جزیہ لگا دیا

ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حجاج بن یوسف (عراق کے وائسرائے) کو

اس کے عاملوں نے لکھا کہ ذمی کثرت سے مسلمان ہو رہے ہیں اور اس سے جزیہ وخراج کی آمدن گھٹ رہی ہے۔ اس پر حجاج نے حکم جاری کیا کہ ان لوگوں کو شہروں سے نکالا جائے اور ان پر حسب سابق جزیہ لگایا جائے۔ اس حکم کی تعمیل میں جب یہ نو مسلم بصرہ وکوفہ سے نکالے جا رہے تھے تو وہ یا محمداہ، یا محمداہ، پکار کر روتے جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس ظلم کی فریاد کہاں کریں۔ اس صورت حال پر بصرہ وکوفہ کے فقہا چیخ اٹھے اور جب یہ نو مسلم روتے پیٹتے شہروں سے نکلے تو علماء اور فقہاء بھی ان کے ساتھ روتے جاتے تھے۔ (الکامل ابن اثیر، ج:4، ص:79)

حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ جب خلیفہ ہوئے تو خراسان سے ایک وفد نے آ کر شکایت کی ہزار ہا آدمی جو مسلمان ہوئے تھے، سب پر جزیہ لگا دیا گیا ہے اور گورنر کے تعصب کا یہ حال ہے کہ وہ علانیہ کہتا ہے ''اپنی قوم کا ایک آدمی مجھے دوسرے سو آدمیوں سے زیادہ عزیز ہے۔'' اس شکایت پر آپ نے الجراح بن عبداللہ الحکمی کو معزول کر دیا اور اپنے فرمان میں لکھا کہ
''اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو داعی بنا کر بھیجا تھا نہ کہ تحصیلدار۔''

(طبری ج:5، ص:314، الکامل ابن اثیر ج:4، ص:158، البدایہ والنہایہ، ج:9، ص:188)

حجاج کے بارے میں فیصلہ کن رائے

مشہور امام قراءت عاصم ؒ کہتے ہیں ''اللہ کی حرمتوں میں سے کوئی ایسی حرمت نہیں رہ گئی جس کا ارتکاب اس شخص نے نہ کیا ہو۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز ؒ فرماتے ہیں ''اگر دنیا کی تمام قومیں خبائث کا مقابلہ کریں اور اپنے سارے خبیث لے آئیں تو ہم تنہا حجاج کو پیش کر کے ان پر بازی لے جا سکتے ہیں۔''

حجاج عبداللہ بن مسعود ؓ کو جو سابقون الاولون میں سے ہیں، سردار

منافقین کہتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ اگر عبداللہ بن مسعود ؓ مجھے مل جاتے تو ان کے خون سے زمین کی پیاس بجھاتا۔'' اس نے اعلان کیا تھا کہ ابن مسعود ؓ کی قراءت پر جو قرآن مجید پڑھے گا تو اس کو قتل کر دوں گا۔ اور قرآن مجید میں سے اس کی قراءت کو اگر سؤر کی ہڈی سے بھی چھیلنا پڑا تو چھیل دوں گا۔ اس نے حضرت انس ؓ بن مالک اور حضرت سہل بن سعد ساعدی ؓ جیسے بزرگوں کو گالیاں دیں اور ان کی گردن پر مہریں لگوائیں۔ اس نے عبداللہ بن عمر ؓ کو قتل کی دھمکی دی بعد میں قتل کرا بھی دیا۔ وہ علانیہ کہتا تھا کہ اگر میں لوگوں کو مسجد کے ایک دروازے سے نکلنے کا حکم دوں اور وہ دوسرے دروازے سے نکلیں تو میرے لیے ان کا خون حلال ہے۔ اس کے زمانہ میں جو لوگ قید کی حالت میں بغیر عدالتی فیصلہ کے قتل کئے گئے صرف ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ وہ جب مرا تو اس کے قید خانوں میں 80 ہزار بے قصور انسان کسی مقدمے اور کسی عدالتی فیصلے کے بغیر سڑ رہے تھے۔

اور اس ظالم کے حق میں خبیث ابن شیطان عبدالملک بن مروان نے اپنی اولاد کو مرتے وقت وصیت کی تھی:

''حجاج بن یوسف کا ہمیشہ لحاظ کرتے رہنا کیونکہ وہی ہے جس نے ہمارے لیے سلطنت ہموار کی، دشمنوں کو مغلوب کیا اور ہمارے خلاف اٹھنے والوں کو دبا دیا۔''

ان تفصیلات کیلئے ملاحظہ ہو الاستیعاب ابن عبدالبر ج:1، ص:35، ج:2، ص:571 الکامل ابن اثیر، ج: 4، ص: 29 - 103 - 133، البدایہ والنہایہ، ج: 9، ص:2-67-83-91-128-129-131 تا 138، ابن خلدون، ج:3، ص:39-58

یہ وصیت اس ذہنیت کی پوری نمائندگی کرتی ہے جس کے ساتھ یہ لوگ حکومت کر رہے تھے۔ ان کی نگاہ میں اصل اہمیت اقتدار کی تھی۔ اس کا قیام واستحکام جس ذریعہ سے بھی ہو، مستحسن تھا، قطع نظر اس سے کہ شریعت کی تمام حدیں اس کی خاطر توڑ دی جائیں۔

یہ ظلم وستم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ چیخ اٹھے کہ "عراق میں حجاج، شام میں ولید، مصر میں قرّہ بن شریک، مدینہ میں عثمان ابن حبان، مکہ میں خالد بن عبداللہ القسری، خداوندا تیری دنیا ظلم سے بھر گئی ہے۔اب لوگوں کو راحت دے۔" (الکامل ابن اثیر، ج:4،ص:132)

سیاسی ظلم وستم کے علاوہ یہ لوگ عام دینی معاملات میں بھی انحراف پسند ہو گئے تھے۔نمازوں میں تاخیران کا معمول تھا۔ (البدایہ والنہایہ، ج:9،ص:89)

جمعہ کا خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے۔ (الکامل ابن اثیر ج:4،ص:119)

عید کی نماز کا خطبہ نماز عید سے پہلے دیتے تھے۔(طبری، ج:6،ص:26، البدایہ والنہایہ، ج:8،ص:258، ج:10،ص:30-31، الکامل ابن اثیر، ج:4،ص:300)

ایں خانہ ہمہ آفتاب است

بخاری کتاب الذبائح باب مایکرہ من المثلة والمصبورة والمجثمة میں ہشام بن زید سے روایت ہے کہ میں انس رضی اللہ عنہ اپنے دادا، کے ساتھ حکم بن ایوب کے پاس گیا۔وہاں لڑکوں یا نوجوانوں کو دیکھا کہ وہ مرغی کو باندھ کر اس پر تیراندازی کر رہے ہیں۔انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح باندھ کر جانوروں پر نشانہ بازی سے منع فرمایا ہے۔

اس کی شرح میں علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں کہ حکم بن ایوب حجاج ظالم کا چچا زاد بھائی تھا اور بصرے میں اس کا نائب تھا۔یہ بھی حجاج کی طرح ظالم تھا۔

مسلم کتاب الجمعہ میں روایت ہے کہ کعب بن عجرہ مسجد میں داخل ہوئے اور ام الحکیم کا بیٹا عبدالرحمٰن بیٹھ کر جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا تو انہوں نے کہا اس خبیث کو دیکھو کہ بیٹھے بیٹھے جمعہ کا خطبہ پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے" اور جب دیکھتے ہیں کسی تجارت یا کھیل کو تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور

تجھ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔"

کتاب الجمعہ میں ہی عمارہ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بشر بن مروان کو دیکھا کہ منبر پر دونوں ہاتھ اٹھائے ہیں دعا کیلئے، تو عمارہ نے کہا اللہ خراب کرے ان دونوں ہاتھوں کو میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ اس سے زیادہ نہ کرتے تھے اور اشارہ کیا انگشت شہادت سے۔

یہی روایت نسائی **کتاب الجمعہ باب الاشارہ فی الخطبہ** میں بھی عمارہ بن رویبہ سے آئی ہے۔

بخاری کتاب الجمعہ باب اذا اشتد الحریوم الجمعہ میں انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ ہم دور نبوی میں جب سخت سردی ہوتی تو جمعہ جلدی پڑھتے تھے اور جب سخت گرمی ہوتی تو جمعہ ٹھنڈے وقت پڑھتے۔

اس روایت کی شرح میں علامہ وحید الزماں قسطلانی کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ جس امیر کا جمعہ پڑھانے کا ذکر اس میں ہے اس کا نام حکم بن ابی عقیل ثقفی تھا۔یہ حجاج ظالم کا چچا زاد بھائی اور نائب تھا اور حجاج مردود کی طرح یہ بھی خطبے کو اتنا لمبا کرتا تھا کہ نماز کا اخیر وقت ہو جاتا۔بعد میں نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ولید بن عبدالملک خطبہ دے رہا تھا۔اس نے خطبہ اتنا طویل کیا کہ عصر کا وقت بھی گزرنے لگا۔ایک تابعی زیاد بن جاریہ التمیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھ کر کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آیا جس نے نمازوں کے اوقات تبدیل کئے ہوں اور سورج بھی آپ کا انتظار نہیں کرتا۔اللہ کا خوف کرو اور نماز جمعہ جلدی پڑھاؤ۔ ولید نے کہا تم نے بات درست کی مگر تمہارا مقام یہ نہیں ہے۔اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا، انہوں نے تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو اٹھایا اسے شہید کر کے سر لا کر مسجد میں پھینک دیا۔

(الاصابہ نمبر شمار 3006، ج:3،ص:49، ابن عبدربہ، العقد الفرید، ج:1،ص:62)

یہ کام ولید سے پہلے سے شروع تھا۔مروان بن الحکم نے اپنے گورنری مدینہ کے زمانہ میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کو اس قصور پر لات ماردی کہ انہوں نے اس کی ایک

بات پر کہہ دیا تھا کہ آپ نے یہ بری بات کہی ہے۔(الاستیعاب ابن عبدالبر، ج:1، ص:353)

حجاج بن یوسف کوایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ لمبا کرنے اور نماز جمعہ میں حد سے زیادہ تاخیر پر ٹوکا تو حجاج نے کہا ”میرا ارادہ ہے کہ تمہاری یہ دونوں آنکھیں جس سر میں ہیں، اس پر ضرب لگاؤں۔“

الاستیعاب، ج:1، ص:369، طبقات ابن سعد، ج:4، ص:184 پر بھی اس سے ملتا جلتا واقعہ ملتا ہے۔

ولید بن یزید بن عبدالملک

بنوامیہ کی برائیوں کا نقطہ عروج یہ شخص ولید بن یزید بن عبدالملک تھا۔ یہ نہایت بدکار، فاسق، شرابی اور حرامکاریوں کا مرتکب تھا۔ اس نے ارادہ کیا تھا کہ کعبہ کی چھت پر بیٹھ کر شراب نوشی کروں۔ جب اس کے خلاف بغاوت ہوئی اور اس کا سر کاٹ کر نیزے پر لٹکایا گیا تو اس کے بھائی سلیمان بن یزید بن عبدالملک نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ شخص بہت بڑا شرابی، سخت بے شرم اور نہایت فاسق تھا بلکہ مجھ سے بھی اغلام بازی کرنا چاہتا تھا۔

جب ولید نے باغیوں سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ تم مجھ کو کیوں قتل کرنا چاہتے ہو تو انہوں نے کہا تو نے شراب نوشی کی، اللہ کے حرام کو حلال کیا، سوتیلی ماؤں سے نکاح کیا اور اللہ کے احکام کی حقارت کی۔

کتاب مسالک میں ابن فضل اللہ کہتے ہیں کہ ولید بن یزید ظالم، سرکش، بے راہ، جھوٹے وعدے کرنے والا، اپنے زمانہ کا فرعون، زمانے بھر کا عیب دار، قیامت میں اپنی قوم کو جہنم لے جانے والا، اپنی قوم کیلئے باعث شرم، ہلاک ہونے والا، قرآن پاک کو تیروں سے چھیدنے والا، فاسق و فاجر تھا۔“ (تاریخ الخلفاء، اردو، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، ص:316 تا 318 مختصراً)

اللّٰھم صلّ علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد وبارك وسلم وعلیٰ ساتر ا لانبیاء و المرسلین